سنگِ راہ

(ایک ایسی داستان جو ''گل زادی'' (شہروز) جیسے کردار کا فخر بھی ہے اور اظہارِ ہمدردی بھی)

ایم اے راحت

سنگِ راہ

ایم اے راحت

خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 37211468 - 37314169

﴿ملنے کے پتے﴾

مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر اُردو بازار لاہور 37355743
مکتبۃ العلم 17 اُردو بازار لاہور 37211788
اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ لاہور 37223506
مشتاق بک کارنر اُردو بازار لاہور 37230350
علم وعرفان پبلی کیشنز اُردو بازار لاہور 37232336
منیر برادرز مین بازار جہلم
احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ راولپنڈی
بنگش بک ڈپو اُردو بازار سیالکوٹ 052-4595359
اسلم بک ڈپو کلووال سیالکوٹ 0347-6841995
چوہدری بک ڈپو مین بازار دینہ
ضیاء القرآن پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور
نیو الیاس کتب محل کچہری بازار جڑانوالہ
ادریس کتاب محل مین بازار منڈی سمبڑیال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057
چغتائی بک ڈپو ڈڈیال آزاد کشمیر
اتفاق بک ڈپو بھلوال
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور کالج روڈ بورے والا 3355889
شاہین بک ہاؤس منڈی بہاؤالدین
مختار سنز قصہ خوانی بازار پشاور
بلال بک ڈپو گجرات
الفضل کتاب گھر میرپور آزاد کشمیر
مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد 5-2278843
جہانگیر بک ڈپو لاہور 37220897
مدنی پبلی کیشنز فرسٹ فلور اردو بازار لاہور 37122943
مسلم بک لینڈ بینک روڈ مظفر آباد
یونائیٹڈ بک ہاؤس کچہری روڈ منڈی بہاؤالدین
نیو وہاڑی کتاب گھر جناح روڈ وہاڑی 62310
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک اوکاڑہ
شاہد بک ایجنسی محلہ چوہدری پارک ٹوبہ ٹیک سنگھ
ڈار برادرز تحصیل بازار جہلم
افضل سنز اردو بازار کراچی
ملوکہ بک سٹال مسلم بازار، گجرات
مکتبہ رشیدیہ چکوال
بٹ بک ڈپو جہلم
اتفاق بک ڈپو پاڑیاں والہ
صہیب لائبریری، واہ کینٹ
شاہین بک سنٹر، وہاڑی
شہاب بک ڈپو مانوالہ
ندیم بک سنٹر، الاھائی بازار سیالکوٹ 052-4592767
کتاب گھر علامہ اقبال روڈ راولپنڈی

ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی
بلال کاپی ہاؤس لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
میاں ندیم مین بازار جہلم 0544-621126
دارالادب تلمبہ روڈ میاں چنوں الرحمت سٹیشنری ڈسکہ
اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک راولپنڈی
شمع بک ایجنسی فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب ورسائل گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ
الیاس بک ڈپو جلال پور جٹاں
اسلامی کتب خانہ حافظ آباد
خان بک ڈپو حافظ آباد
نظامی کتب خانہ پاکپتن شریف
شکیل بک ڈپو سمندری
خالد کتاب محل اگوکی سیالکوٹ روڈ
لاثانی لائبریری ربوہ
زبان لائبریری ربوہ
سلیمی بک ڈپو احمد پور شرقیہ
جالندھر بک ڈپو ڈسکہ
پاکستان بک ڈپو مین بازار جلال پور جٹاں
کارنر سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں 510274
کتاب نگر حسن آرکیڈ ملتان کینٹ 061-510444
صابر بک سٹال نسبت روڈ لاہور 37230780
کارواں بک سنٹر ملتان کینٹ
علمی بک ہاؤس لاہور
عزیز سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں
کتاب سرائے الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور
سلطان بک پیلس گجرات پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ گجرات
حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ
وارث سنز بک ڈپو صرافہ بازار پنڈ دادنخان جہلم
کارواں بک سنٹر بہاولپور۔
مکہ بک سنٹر جلالپور جٹاں
مکتبہ کشمیر لالہ موسیٰ
رائل بک سنٹر چوک نواب گجرات
مقدر بک ڈپو گول چوک اوکاڑہ
کوثر بک ڈپو، لالہ موسیٰ
عثمان بک ڈپو، لالہ موسیٰ
ایشیاء بک ڈپو، پاڑیاں والہ
پنجاب بک ڈپو، ڈنگہ
النور بک کارنر، میر پور آزاد کشمیر
ملکی جنرل اسٹور، مرید کے
فرینڈ بک ڈپو گجرات
خالد بک ڈپو، گجرات

دیدہ زیب اور
خوبصورت کُتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد، طاہر نذیر

نام کتاب : سنگِ راہ
مصنف : ایم اے راحت
سن اشاعت: جنوری **2014**ء
اہتمام : محمد نذیر، طاہر نذیر
کمپوزنگ : عاصم شہزاد **0306-4171117**
مطبع : ریاض شہباز پرنٹرز، لاہور
قیمت : **750/-** روپے

انتساب

ناول ''سنگِ راہ'' کے ایک مخصوص کردار ''شہروز'' (گل زادی) کے نام
جو اس معاشرے میں اپنی پہچان کے لئے سرگرداں ہے کہ
وہ کون ہے......؟ مرد ہے......؟ یا عورت ہے......؟
مگر وہ تو کچھ اور ہی ہے
لیکن یہ معاشرہ......؟
یہ معاشرہ اسے قبول نہیں اور معاشرے کو وہ قبول نہیں
یہ معاشرہ اُسے پٹختا رہتا ہے، کبھی اندھیروں میں، کبھی اُجالوں میں
مگر اُجالوں میں اس کا کیا کام......؟
وہ بظاہر رنگین مزاج ضرور ہے مگر اس کا ٹھکانہ اندھیرے کے سوا کچھ نہیں
آخر اس کا اصل ٹھکانہ کہاں ہے......؟

ایک ایسی داستان جو ''گل زادی'' (شہروز) جیسے کردار کا فخر بھی ہے اور اظہارِ ہمدردی بھی

(ایم اے راحت)

☆......☆......☆

سنگِ راہ

کار نے شہر کا آخری سرا چھوڑا تو عرشیہ نے بے چین نظروں سے پاگل عامرہ کو دیکھا۔ دیوانی لڑکی دُنیا سے بے خبر رُکے بغیر کار دوڑائے جا رہی تھی۔ پھر جب اس نے نئے ماڈل کی قیمتی کار اچانک ایک کچے راستے پر اُتار دی تو عرشیہ چیخ پڑی۔

''او پاگل......! او دیوانی......! اب کہاں مرنے جا رہی ہے......؟''

''بس......! وہ سامنے ہے۔''

عامرہ نے سکون سے کہا۔

''او تیرا بیڑہ......!''

عرشیہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ اتنی قیمتی گاڑی ایسے راستوں پر تباہ کی جا رہی تھی۔ اسے دُکھ ہو رہا تھا۔ ایک زوردار جھٹکے سے وہ بری طرح اُچھلی اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

''عامرہ......! عامرہ......! کیوں گاڑی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو......؟ آہ......! میری تو جان نکل رہی ہے۔ زبان زخمی ہوتے ہوتے بچی ہے۔''

اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بس......! یہ میدان پار کر کے ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ وہ ایک جھونپڑی کے اوپر تم سبز جھنڈا لگا دیکھ رہی ہو ناں......؟''

عامرہ نے سکون سے کہا۔

''ہاں......!''

عرشیہ نے روہانسی آواز میں کہا۔

''وہی پیر صاحب کی خانقاہ ہے۔''

''اللہ رحم کرے تم پر......! میں واقعی تم سے اس دیوانگی کی توقع نہیں رکھتی تھی، اور عامرہ......! تم جیسی ذہین اور......آہ......!''

ایک جھٹکے نے عرشیہ کی زبان بند کر دی۔

''پیر صاحب کے خلاف کوئی بات مت کرو عرشیہ......! ورنہ تم قوت گویائی سے بھی محروم ہو سکتی ہو۔''

عامرہ نے کہا اور عرشیہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کار اس جگہ پہنچ گئی جہاں چونے سے بنی ہوئی ایک کچی جھونپڑی کھڑی تھی۔ کچی دیوار کا احاطہ تھا جس کے درمیان نیم کا عظیم الشان درخت کھڑا ہوا تھا۔ احاطے کے بعد ایک کچا کمرہ بنا ہوا تھا۔ احاطے کی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے دوسری طرف نیم کے درخت کے نیچے سرکنڈے کے مونڈھوں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

''آؤ عرشیہ......!''

عامرہ کار سے اُترتے ہوئے بولی۔

''یہاں......؟ عامرہ......! تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔''

''ہاں......! ہو گئی ہوں پاگل، تم آؤ......!''

عامرہ دانت پیس کر بولی اور عرشیہ کو دھکا دیتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے گردنیں گھما کر ان فیشن ایبل لڑکیوں کو دیکھا تھا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''وہ خواتین اس طرف......''

لیکن وہ دونوں ان لوگوں کی بات پر توجہ دیئے بغیر اس کچے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جہاں پیر صاحب ایک چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی پشت ان دونوں کی طرف تھی۔ کمرے کی دیواروں پر لگے برتنوں سے اگربتیوں کی خوشبو بکھر رہی تھی۔ ان کے دُھوئیں سے ماحول میں کسی قدر گھٹن پیدا ہو گئی تھی۔ عرشیہ اس گھٹن سے اُلجھنے لگی اور کچھ کہنے کی کوشش کی تو عامرہ نے اس کا بازو دبا دیا۔ پیر صاحب کو قدموں کی چاپ سے کسی کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی، لیکن انہوں نے رُخ نہیں بدلا اور ان کی آواز اُبھری۔

''بیٹھ جاؤ تم دونوں، عامرہ......! تم اپنی دوست عرشیہ سے کہو کہ وہ پُرسکون رہے۔''

اور عرشیہ ساکت رہ گئی۔ یہ ناقابل یقین بات تھی۔ پیر صاحب نے تو گھوم کر بھی نہیں دیکھا تھا اور پھر عرشیہ تو اس بات سے بھی ناواقف تھی کہ عامرہ کہاں جا رہی ہے......؟ وہ تو بس عامرہ نے اس علاقے میں داخل ہوتے ہوئے اسے یہ بات بتائی تھی لیکن پیر صاحب نے اسے اس کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

''تشریف رکھئے مس عرشیہ......!''

عامرہ نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا اور عرشیہ خاموشی سے مونڈھے پر بیٹھ گئی۔ تب پیر صاحب گھوم کر انہیں دیکھنے لگے اور پھر بولے۔

''ان معاملات میں دوسروں کو راز دار نہیں بنایا جاتا عامرہ......! تمہیں تنہا یہاں آنا چاہئے تھا۔ عرشیہ کو کیوں تکلیف دی......؟''

''یہ...... یہ میری سب سے اچھی، سب سے گہری اور راز دار سہیلی ہے پیر صاحب......!''

عامرہ جھجکتی ہوئی بولی۔

''ہم جانتے ہیں، یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تم سے بے حد مخلص ہے، لیکن اس کے باوجود...... خیر......! یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے، ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔ تم یہ بتاؤ، مطلوبہ شئے لے آئی ہو......؟''

پیر صاحب نے پوچھا۔

''جی پیر صاحب......!''

عامرہ نے پرس کھول کر ایک چوکور سرخ ڈبیہ نکالی اور پیر صاحب کی طرف بڑھا دی۔

''نہیں بی بی......! ہمیں نہ دو۔ ہم اس سنہری عذاب کا بار اُٹھانے کے اہل نہیں ہیں۔ لو، یہ تعویذ اس میں بند کر دو۔''

پیر صاحب نے اپنے لباس سے ایک تعویذ نکال کر عامرہ کو دے دیا اور عامرہ نے اُٹھ کر بڑے احترام سے وہ تعویذ پیر صاحب کے ہاتھ سے لے لیا۔ عرشیہ بغور یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ سرخ ڈبیہ سے سونے کا ایک چوکور تعویذ برآمد ہوا اور پھر عامرہ نے پیر صاحب کا دیا ہوا کاغذ رکھ کر سونے کی تعویذ نما ڈبیہ بند کر دی۔

''اب میں اس کا کیا کروں پیر صاحب......؟''

عامرہ نے پوچھا۔

''اپنے کسی معتمد سے اسے بہتے پانی میں ڈلوا دینا، لیکن اس سے کہنا کہ ہاتھ سے نہ چھوئے بلکہ کسی دھاگے میں لٹکا کر لے جائے۔ اگر کسی نے اسے ہاتھ سے چھوا تو یہ بے اثر ہو جائے گا۔''

''مگر...... مگر پیر صاحب......! میں نے...... میں نے تو اسے چھو لیا ہے۔''

عامرہ گھبرا کر بولی۔

''تمہیں تو چھونا ہی تھا عامرہ......! میں تمہارے علاوہ کسی اور شخص کی بات کر رہا ہوں۔''

''پھر میں ہی کیوں نہ اسے بہتے پانی میں ڈال دوں......؟''

''ہرگز نہیں......! اس طرح تم اپنی اس خواہش کو دریا برد کر دو گی، کیا کوئی اور تمہارے لئے یہ کام نہیں کر سکتا......؟''

''میں جمن سے یہ کام کرا دوں گی۔''

عامرہ نے کہا۔

''کیا وہ قابل اعتماد شخص ہے......؟''

پیر صاحب نے پوچھا، پھر بولے۔

''ٹھہرو......! میں خود ہی بندوبست کئے دیتا ہوں۔ مطلوب......! مطلوب......!''

انہوں نے کسی کو آواز دی اور ایک میلا کچیلا سا شخص اندر داخل ہو گیا۔

''ایک دھاگہ لاؤ......!''

پیر صاحب بولے اور مطلوب باہر نکل گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ دھاگے کی ایک نلکی لے کر اندر آ گیا۔

پیر صاحب کی ہدایت پر عامرہ نے وہ تعویذ دھاگے میں باندھ دیا اور پھر پیر صاحب کے حکم پر مطلوب اس دھاگے کے سرے کو پکڑ کر باہر نکل گیا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے پیر صاحب......؟''

عامرہ نے پوچھا۔

''بس......! اب جاؤ اور آئندہ منگل کو......''

''بہت بہتر......!''

عامرہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی، پھر اس نے عرشیہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آئی۔ چند ساعت کے بعد خوب صورت اسپورٹس کار اُچھلتی کودتی واپس جا رہی تھی۔ عرشیہ بالکل خاموش تھی۔ جب ناہموار راستہ ختم ہو گیا اور کار صاف راستے پر اُتر گئی تو عامرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت خاموش ہو عرشیہ......؟''

''تمہاری دیوانگی پر غور کر رہی ہوں۔''

''یار......! زندگی میں پہلی بار ہی تو دیوانی ہوئی ہوں۔''

عامرہ نے کہا۔

''جھوٹ......! چند سال پہلے تم شاہ رُخ کی دیوانی ہو گئی تھیں اور پچھلے سال تمہارے پرس میں رنبیر کپور کی تصویریں پڑی رہتی تھیں۔''

''اوہ ڈارلنگ......! چند سال قبل میں نابالغ تھی اور پچھلے سال ڈاکٹروں نے میرے معدے میں گرمی تجویز کی تھی۔ خدا کا شکر ہے، بعد میں ٹھیک ہو گئی۔''

''خیر......! تمہارے ٹھیک ہونے کی وجہ ڈاکٹر نہیں بلکہ دیپکا تھی۔ میں نے تمہیں بارہا دیپکا کی قد آدم تصویروں پر نشانہ بازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''اوہ......! کیا فضول باتیں کر رہی ہو......؟ ماضی کا تصور صرف حماقت ہے، حال کی باتیں کرو ڈارلنگ......! اس بار حالات میرے موافق ہیں۔''

''اس لئے تعویذ کراتی پھر رہی ہو......؟''

عرشیہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''کیا کروں......؟ وہ ٹام کروز انسان کی نسل سے ہی نہیں معلوم ہوتا، کمبخت میں حس لطیف کا تو کوئی جزو ہی نہیں ہے۔ اتنا معصوم، اتنا احمق کہ بس......اور پھر اس قدر دولت مند باپ کے بیٹے کے جتنے نخرے ہوں، کم ہیں۔ لیکن میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ ہائے عرشیہ......! شاہ رُخ اور رنبیر میں وہ ملاحت وہ دلکشی کہاں ہے جو اس میں ہے......؟ میرا ٹام کروز......!''

عامرہ نے پیار بھری آواز میں کہا۔

''تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے عامرہ......!''

''کیا مطلب......؟''

''تم جیسی سوشل اور ماڈرن لڑکی اس حد تک بھی جا سکتی ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''اس حد تک سے تمہاری کیا مراد ہے......؟''

''یہ گندی جگہ تمہارے قابل ہے جہاں تم آئی تھیں......؟ یہ ڈھونگئے اس قابل ہیں کہ تم انہیں ایسے رازوں میں شریک کرو، تم ایک معزز باپ کی بیٹی ہو عامرہ......! کوئی ایسی حماقت مت کرو جس سے ساری زندگی بلیک میل ہوتی رہو۔''

''توبہ کرو عرشیہ......! خدا کے لئے توبہ کرو......! تم پیر صاحب کو ڈھونگیہ کہہ رہی ہو......؟ تم اب بھی ان سے متاثر نہیں ہو......؟ انہوں نے تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کیا تھا۔ تم کیا سمجھتی ہو دوسروں کو بیوقوف بنانے والے احمق ہوتے ہیں......؟ بڑے لمبے ہاتھ ہوتے ہیں ان کے، معلومات کے زبردست ذرائع ہوتے ہیں ان کے پاس۔

''اور یہ سونے کا تعویذ تم نے کس خوشی میں دریابرد کر دیا ہے......؟''

''نہایت فضول لڑکی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر بدعقیدہ ہو، ورنہ میں تمہیں کبھی ساتھ نہ لاتی۔ تم ایسے پہنچے ہوئے بزرگ کو نہ جانے کیا کیا کہہ رہی ہو......؟ مجھے تو خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

عامرہ برا ماننے والے انداز میں بولی۔

''دیکھو عامرہ......! میں تمہاری دوست ہوں، کسی کو پسند کرنے اور چاہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کے لئے ایسے لوگوں کے جال میں پھنس جانا کہاں کی عقل مندی ہے......؟ ذرا بتاؤ تو، ان پیر صاحب سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی......؟''

''جمن مجھے یہاں لایا تھا۔''

عامرہ نے جواب دیا۔

''سبحان اللہ......! یہ جمن کون بزرگ ہیں......؟''

''ہمارا ملازم ہے۔''

''اور ان پیر صاحب کا عقیدت مند......؟''

''ہاں......! اس کی بانجھ بیوی کے ہاں چودہ سال کے بعد ایک کی بجائے دو لڑکے پیدا ہو گئے تھے۔''

''پیر صاحب کی دُعا سے......؟''

''سو فیصدی......! جمن اولاد سے مایوس ہو گیا تھا، لیکن پیر صاحب مل گئے اور اس سے اُداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ بیٹا چاہتا ہے۔ پیر صاحب بہت خوش تھے، کہنے لگے جمن......! پریشان کیوں ہے......؟ ایک کی بجائے دو بیٹے لے اور اس کے بعد جمن کے ہاں دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔''

"خوب......! تو ان پیر صاحب کو تو کسی زچہ خانے کا انچارج ہونا چاہئے تھا۔"

عرشیہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"عرشیہ......!"

عامرہ نے احتجاج کیا اور دونوں شانے اُچکا کر بولی۔

"بھئی عامرہ......! دراصل ان ڈھونگیے پیروں کی اتنی زیادہ داستانیں سنی ہیں کہ اب ان پر سے اعتماد اُٹھ گیا ہے۔"

"تیرے خیال میں، میں بیوقوف ہوں......؟"

"اس سلسلے میں تو لگتی ہو۔ بھلا یہ سونے کا تعویذ کتنی رقم کا بنا ہوگا......؟"

"تیس ہزار کا......!"

"اور تم نے اسے پانی میں بہانے کے لئے دے دیا......؟"

"پیر صاحب کا حکم تھا۔"

"اور کیا حکم ہے......؟"

"سات تعویذ پانی میں بہانے ہوں گے۔"

"سبحان اللہ......! گویا ابتدائی مرحلے میں پیر صاحب نے دو لاکھ دس ہزار روپے کاٹے تم سے۔ واہ بھئی پیر صاحب......!"

"بس بس......! خاموش ہو جاؤ، خدا کے لئے تم میرا کام بھی بگڑوا دو گی۔ اس سلسلے میں اور کوئی بات نہ کرو عرشیہ......!"

"میں تمہاری دوست ہوں دُشمن نہیں، آئندہ تم اس پیر کے پاس نہیں آؤ گی۔"

"میں کہتی ہوں، فضول بکواس بند کرو۔"

"عامرہ......! تم آئندہ یہاں نہیں آؤ گی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں حماقتوں سے روکوں۔"

"میں یہ حماقتیں جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

"تب مجبوراً مجھے چچا جان کو اس بارے میں اطلاع دینا ہوگی۔"

عرشیہ نے کہا اور عامرہ نے کار کے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

"کیا تم سنجیدہ ہو عرشیہ......؟"

"ہاں......! اخبارات میں لاتعداد خبریں چھپتی رہتی ہیں، اس قسم کے لوگوں کے بارے میں۔ بے وقوف لڑکیاں ان کے ہاتھوں اپنا مستقبل تباہ کر بیٹھتی ہیں۔"

"مجھے کسی نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تب بہتر ہے تم مجھے یہیں اُتار دو، میں کسی طور تمہاری حماقت میں شریک ہونا نہیں چاہتی۔"

عرشیہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے......! اُتر جاؤ، لیکن کان کھول کر سن لو۔ ڈیڈی کے کانوں تک اگر یہ بات پہنچی تو ہماری یہ مثالی دوستی دُشمنی میں بدل جائے گی۔"

عامرہ نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ عامرہ نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی تھی۔

☆......☆......☆

"بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے تو نے ہمیں، اور اب ایسے وقت میں جبکہ وہ عامرہ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اس سے اظہارِ عشق کرنا ہی چاہتا ہے، وہ عامرہ کے خواب دیکھنے لگا ہے۔ لڑکی......! ہمیں بتا، ہم کیا کریں......؟"

پیر صاحب نے پُرجلال انداز میں کہا۔ عرشیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ یقین کریں پیر صاحب......! عامرہ ایک دم سے بوالہوس لڑکی ہے۔ آج وہ اس کے لئے دیوانی ہے، کل کسی اور کے لئے دیوانی ہو جائے گی۔ مگر میں اسے خلوصِ دل سے چاہتی ہوں۔"

"پوائنٹ......! یہ پوائنٹ ہے۔ کیا تو سچ کہہ رہی ہے......؟"

"آپ تصدیق کرلیں۔ تھوڑے دن پہلے وہ رنبیر کپور کی تصویریں جمع کرتی پھرتی تھی۔ اس سے قبل اسے شاہ رُخ سے عشق تھا۔ لیکن میں نے زندگی میں پہلی بار اسے چاہا ہے، میں نے زندگی میں پہلا پیار کیا ہے۔ میں اس کے لئے لاکھوں خرچ کرسکتی ہوں پیر صاحب......! میں اس کے لئے سب کچھ مٹا سکتی ہوں۔"

"ہوں......!"

پیر صاحب نے آنکھیں بند کرلیں پھر بولے۔

"تیرے والد زندہ ہیں......؟"

"جی پیر صاحب......!"

"کیا کرتے ہیں......؟"

"اسٹیل کے برتنوں کا بہت بڑا کارخانہ ہے ہمارا، سینکڑوں ملازم کام کرتے ہیں۔"

"اس دن جب تو آئی تھی تو، تو نے دیکھا تھا کہ عامرہ سونے کے تعویذ بہتے پانی میں ڈلواتی ہے۔"

پیر صاحب بولے۔

"ہاں پیر صاحب......!"

"سونے کے سات تعویذ ڈلوائے ہیں اس نے بہتے پانی میں، ان سات تعویذوں کا اثر زائل کرنا ہوگا اور اس کے بعد ان کا توڑ بھی کرنا ہوگا۔ سات تعویذوں کے توڑ کے لئے چودہ تعویذ پانی میں ڈلوانا ہوں گے۔ سونے کے یہ چودہ تعویذ تو مجھے یک مشت بنوا کر دے دے کیونکہ یہ تمام تعویذ مجھے بیک وقت پانی میں ڈلوانے ہوں گے۔"

''میں چودہ کی بجائے اٹھائیس تعویذ بنوانے کے لئے تیار ہوں پیر صاحب......! لیکن میرا کام ہونا چاہیئے۔''

''فکر مت کر۔ تو نے کہا ہے کہ عامرہ ایک بگڑی ہوئی رئیس زادی ہے اور ہر تیسرے مہینے کسی نہ کسی پر عاشق ہوجاتی ہے۔ اس لئے ہم کسی ایسی بوالہوس لڑکی کی مدد نہیں کر سکتے۔ تو سچی ہے، تیرا کام ہوجائے گا۔''

''میں آپ کی شکر گزار رہوں گی۔ مگر عامرہ کو یہ بات معلوم نہ ہو۔''

عرشیہ نے کہا۔

''بے فکر رہ، کب آئے گی ہمارے پاس......؟''

''جب آپ حکم دیں......!''

''پرسوں......!''

پیر صاحب نے پُر جلال انداز میں کہا۔ اسی وقت ایک آواز ان کے حجرے میں گونج اُٹھی اور پیر صاحب نے زور سے ایک نعرۂ مستانہ لگایا۔

''بس......! اب باہر جا، تیرا کام ہوگیا۔ یہ آواز تیرے اس کام کی نشاندہی کرتی ہے جو ہونے والا ہے۔''

اور عرشیہ عقیدت سے اُٹھ کر باہر نکل آئی، لیکن دروازے سے نکلتے ہی وہ احاطے کے دروازے کی طرف جانے کی بجائے پیر صاحب کی کچی جھونپڑی کی پشت پر پہنچ گئی، جہاں سے روشنی کے لئے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ یہ کام اس نے اتنی پھرتی سے کیا تھا کہ احاطے میں نیم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگ اسے نہ دیکھ سکے۔ عرشیہ نے سوراخ سے اپنی آنکھیں لگا دی تھیں۔ اندر کا ماحول اسے دُھندلا نظر آرہا تھا۔ پیر صاحب نے جلدی سے اپنے قریب رکھی ہوئی گدڑی میں سے ایک قیمتی موبائل نکالا اور اس پر کوئی نمبر ملانے لگے۔ دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے پر پیر صاحب بولے۔

''کون بول رہا ہے......؟ ہاں، ٹھیک ہے......! کیا نام ہے......؟ ٹھیک ہے......! ہم نے ذہن نشین کرلیا ہے۔ ہاں......! تمہارا کمیشن تمہیں مل جائے گا۔ ارے......! مل جائے گا بھئی......! ہم اللہ والے لوگ کسی کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرتے۔ اللہ حافظ......!''

پیر صاحب نے فون بند کر کے ریسیور اسی گدڑی میں چھپا دیا۔ عرشیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ اس کے بعد عرشیہ نے کافی کام کیا اور پیر صاحب کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس نے جمن کو بھی یہاں دیکھا تھا اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ جمن پیر صاحب کا آلۂ کار تھا۔ بہرحال وہ اس طلسم کو توڑنا چاہتی تھی اور آج اس میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔ اب اسے دوسرے کام کرنا تھے۔ چنانچہ اس نے چودہ تعویذ پیر صاحب کے حکم کے مطابق پیتل کے بنوائے اور ان پر سونے کا پانی چڑھوایا۔ ان تعویذوں کی شکل و صورت سے مطمئن ہوکر اس نے دوسرا عمل کیا۔ اپنے ایک ملازم کے ذریعے جمن سے رابطہ قائم کیا اور جمن ایک دن دھوکے سے عرشیہ کے پاس پہنچ گیا۔ عرشیہ نے اسے اپنے کمرۂ خاص میں بلوالیا تھا۔ جمن یہ

بات اچھی طرح جانتا تھا کہ عرشیہ، عامرہ کی دوست ہے، آج کل ان لوگوں کے تعلقات کیسے ہیں، اس کے بارے میں جمن کو کوئی علم نہیں تھا۔ اس لئے وہ بڑے ادب سے عرشیہ کے ساتھ پیش آیا۔

''جمن......! میں نے تمہیں ایک خاص کام سے بلوایا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اگر تم نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون نہیں کیا تو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک ہوگا۔''

''جی بی بی......! مجھے حکم دیں۔''

''مجھے معلوم ہے جمن......! کہ تم ان پیر صاحب کے آلۂ کار ہو جن کے ذریعے تم عامرہ کا کام کر رہے ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عامرہ نے سونے کے سات تعویذ تمہارے اشارے پر پیر صاحب کے حوالے کر دیئے ہیں۔ اگر یہ ساری باتیں عامرہ کے والد صاحب کے سامنے پہنچ جائیں تو نہ صرف یہ ہوگا کہ تمہیں نوکری سے نکال دیا جائے گا، بلکہ یہ بھی ہوگا کہ تمہیں پیر صاحب سے مل کر جعل سازی کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔''

عرشیہ نے سخت لہجے میں کہا اور جمن کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں عرشیہ کی صورت دیکھنے لگا۔

''بات یہ ہے جمن......! کہ عامرہ جسے چاہتی ہے، اسے میں بھی چاہتی ہوں۔ عامرہ کی بات ابھی نئی نئی ہے، میں بہت عرصے سے اس سے پیار کرتی ہوں۔ چنانچہ اسے میری طرف مائل ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں پیر صاحب میری مدد کا وعدہ کر چکے ہیں۔''

اوہ بی بی......! خدا کی قسم، میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں، اگر آپ مجھے معاف کر دیں اور میری یہ بات کسی کو نہ بتائیں تو آپ مجھے جو حکم دیں گی، وہ میں پیر صاحب سے کرالوں گا۔''

جمن نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں بتا چکی ہوں جمن......! کہ میں پیر صاحب سے مل چکی ہوں۔ پیر صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ سونے کے چودہ تعویذ پانی میں ڈلوائیں گے۔ میں یہ تعویذ تیار کرا چکی ہوں اور انہیں پیر صاحب کے حوالے کرنے والی ہوں۔ لیکن تم میرے ساتھ چلو گے اور پیر صاحب سے میری مدد کرنے کی سفارش کرو گے۔''

''میں دل سے تیار ہوں بی بی جی......!''

''اس سلسلے میں، میں تمہیں بہت بڑا انعام بھی دوں گی جمن......!''

عرشیہ نے کہا۔

''مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے بی بی......! بس آپ میرے لئے اپنی زبان بند رکھیں۔ یہی میرا انعام وگا۔''

جمن نے بے بسی سے کہا۔ عرشیہ نے اسے پوری طرح اپنے شکنجے میں کس لیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کے ں پورا پروگرام موجود تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ ان دنوں عامرہ نے اس سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ ن ایک اور سہیلی کے ذریعے عرشیہ نے عامرہ سے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ عرشیہ کو معلوم تھا کہ عامرہ اس سہیلی کے ساتھ پیر

چنانچہ اس نے اپنی سہیلی سے رابطہ قام کر کے ایسا دن مقرر کرلیا جس دن عامرہ کو پیر صاحب
صاحب کے پاس جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی سہیلی سے رابطہ قام کر کے ایسا دن مقرر کرلیا جس دن عامرہ کو پیر صاحب
کے پاس جانا تھا۔ سہیلی کے ذریعے عامرہ اس بات پر بھی تیار ہوگئی کہ اس سلسلے میں پیر صاحب کے پاس جانے کی اطلاع
کسی کو نہیں ملنی چاہیے۔ عرشیہ نے اپنی سہیلی کو ساری تفصیلات بتادی تھیں اور وہ سہیلی بھی عرشیہ کی مدد کو تیار ہوگئی تھی۔ چنانچہ
وقت مقررہ پر عرشیہ، پیر صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ پیر صاحب نے عرشیہ کو اپنے حجرے میں ہی بلوا لیا تھا۔ انہوں نے
پُرجلال انداز میں عرشیہ کو دیکھا اور بولے۔

''ہمیں یقین تھا کہ تو آجائے گی۔''

''آپ بزرگ ہیں پیر صاحب......! آپ کو علم تھا کہ میرے دل میں کیسی لگن لگی ہوئی ہے۔''

''ہاں......! ہم جانتے ہیں، مطلوبہ تعویذ لے آئی ہو......؟''

پیر صاحب نے پوچھا۔

''جی پیر صاحب......!''

عرشیہ نے کہا اور چمکتے ہوئے چودہ تعویذ پیر صاحب کے حوالے کر دیئے۔ اتنی مالیت کے تعویذ دیکھ کر پیر صاحب کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھی تھیں۔

''اب تیرا کام ضرور ہو جائے گا۔''

پیر صاحب نے کہا۔

''پیر صاحب......! کیا اس دوران عامرہ آپ کے پاس آئی تھی......؟''

''وہ تو آتی رہتی ہے۔''

''آپ نے اس سے کیا کہا......؟''

''کچھ نہیں......! ہم یہ کام خاموشی سے کرنے کے خواہش مند تھے۔ عامرہ اب اسے کبھی نہ پا سکے گی۔ وہ
تیرا ہو جائے گا۔ وہ تیری محبت قبول کر لے گا اور ہمارے ان تعویذوں کا اثر تو بہت جلد دیکھ لے گی۔ لیکن اس کے ساتھ
ساتھ تجھے اور کچھ بھی کرنا ہوگا۔''

''وہ کیا پیر صاحب......؟''

''یہ چودہ تعویذ ان سات تعویذوں کا توڑ ہیں جو عامرہ پانی میں ڈلوا چکی ہے۔ اس کے بعد ہمیں مزید عمل
کرنے کے لئے ایک باقاعدہ کارروائی کرنا ہوگی اور اس کے لئے رقم درکار ہے۔''

''رقم کی آپ فکر نہ کریں پیر صاحب......! جتنی بھی دولت خرچ ہو جائے، میں اسے حاصل کرنے کے
لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں اور ایک بات آپ سے اور عرض کر دوں پیر صاحب......!''

''ہاں ہاں......! کہو......!''

''جمن اب میرے لئے کام کر رہا ہے۔''

''وہی جس کے ذریعے عامرہ آپ تک پہنچی تھی۔''

''اوہو......! کیا اس بیوقوف نے تجھے اس بارے میں بتایا تھا......؟''

''ہاں پیر صاحب......! اس نے مجھے ساری تفصیلات بتادی تھیں۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اس نے
ٹیلی فون پر آپ کو عامرہ کے بارے میں ساری تفصیلات بتائی تھیں اور اس دن جب میں اور عامرہ یہاں آرہے تھے، جمن
نے موبائل فون پر آپ کو سب کچھ بتایا تھا۔ جمن نے مجھے یہ بھی بتادیا ہے کہ آپ کی گڈری میں ایک موبائل فون چھپا ہوا
ہے اور آپ اس پر اپنے ایجنٹوں سے معلومات حاصل کرتے رہتے ہیں۔''

عرشیہ نے کہا اور پیر صاحب کے ہوش اُڑ گئے۔

☆......☆......☆

انہوں نے خوفزدہ نگاہوں سے عرشیہ کو دیکھا اور بولے۔

''اس لعنتی شخص نے یہ فضول بکواس کی تھی میرے لئے......؟''

''فضول تو خیر نہیں پیر صاحب......! موبائل فون تو موجود ہے آپ کی گڈری میں۔''

عرشیہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

''ہاں ہاں......! وہ تو ہے، ہم نے اپنی ضرورتوں کے لئے رکھا ہوا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ لوگوں کو اس کے
بارے میں معلوم ہو، اس لئے ہم نے اسے پوشیدہ رکھا ہے۔''

پیر صاحب نے خوفزدہ سے انداز میں کہا اور عرشیہ بے اختیار مسکرانے لگی، لیکن اس نے اپنی مسکراہٹ پر
جلد ہی قابو پالیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ پیر صاحب اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھ لیں۔ عرشیہ نے چور
نگاہوں سے اس روشن دان کی طرف دیکھا جہاں اس کے اندازے کے مطابق عامرہ موجود ہوگی۔ اسے کچھ نظر تو آیا
نہیں، لیکن اس کی چھٹی حِس نے یہ بتادیا تھا کہ وہاں کوئی موجود ہے اور یہ عامرہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا......؟
پیر صاحب اب پوری طرح اس کے شکنجے میں پھنس گئے تھے۔ جمن کے خیال سے ان کا خون کھول رہا تھا لیکن وہ برداشت
کئے ہوئے تھے۔ البتہ اس وقت وہ بری طرح بوکھلا گئے جب حجرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور عامرہ بپھری
ہوئی اندر گھس آئی۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔

''تو تم اب عرشیہ کے لئے کام کر رہے ہو......؟ کیوں......؟''

''ارے ارے......! کیا باہر کوئی موجود نہیں ہے......؟ ہر ایک کو اندر آنے دیا جاتا ہے......؟''

''حرامزادے......! ڈھونگئے......! کمینے......! جعل ساز......!''

عامرہ خونخوار بلی کی طرح آگے بڑھی اور پیر صاحب کا گریبان پکڑ لیا۔

''لاحول ولاقوۃ......! یعنی تمہاری موت نے تمہیں آواز دی ہے کیا......؟ لڑکی......! ہوش میں آؤ، میرے
مؤکل آنے ہی والے ہیں۔''

پیر صاحب کا چہرہ دُھواں ہو گیا تھا۔

''مؤکل......؟ میں تجھے اور تیرے مؤکلوں کو ابھی ٹھیک کئے دیتی ہوں۔''

عامرہ نے انہیں زور سے کھینچا اور پیر صاحب کا گریبان نیچے تک پھٹ گیا۔

''پیر صاحب......! پولیس کو فون کریں، پولیس کو، یہ لیں۔''

عرشیہ نے جلدی سے پیر صاحب کی گُدڑی سے موبائل فون نکال کر سامنے کر دیا۔

''فون......؟ پولیس کو......؟ ٹھہر تو سہی......!''

عامرہ موبائل پر جھپٹی اور اس نے عرشیہ کے ہاتھ سے موبائل چھین کر پیر صاحب کے سر پر پنخ دیا۔

''ارے مر گیا......! بچاؤ......! بچاؤ......!''

پیر صاحب چیخے اور پھر بری طرح اُٹھ کر باہر کی طرف بھاگے۔ عرشیہ نے ان کی ٹانگوں میں ٹانگ اَڑا دی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی عرشیہ باہر نکل بھاگی تھی۔ صورتِ حال عامرہ کی نگاہ میں واضح ہو گئی تھی، اس لئے عرشیہ نے اب وہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا اور چند ساعت کے بعد اس کی کار واپس پلٹ رہی تھی۔ اس کے پیٹ میں لاتعداد قہقہے مچل رہے تھے۔ شام کو سات بجے کے قریب جب عرشیہ اپنی کوٹھی کے لان میں ٹینس کھیل رہی تھی، اس نے عامرہ کی کار اندر داخل ہوتے دیکھی اور جلدی سے ریکٹ پھینک دیا۔ اس کے کزن نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''اب تم گیم چھوڑ دو گی......؟''

''سوری شہروز......! پھر سہی، جاؤ تم اندر جاؤ، میری بہت اچھی دوست آ گئی ہے۔''

عرشیہ نے کہا اور وہ برا سا منہ بنا کر ریکٹ گھماتا ہوا اندر چلا گیا۔ عامرہ تنہا تھی، اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور آنکھوں میں نمی تھی۔ عرشیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''ہیلو عرشیہ......!''

عامرہ اس کے قریب پہنچ کر اُداس لہجے میں بولی۔

''ہیلو ڈارلنگ......! کیسے مزاج ہیں......؟''

''میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں عرشیہ......!''

''کس بات کی......؟''

''تم ٹھیک ہی کہتی تھیں، مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری آنکھیں کھولنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ میں تمہاری احسان مند ہوں۔''

''اوہ......! کوئی بات نہیں ہے یار......! تم میری دوست ہو۔ یہ تو میرا فرض تھا، لیکن پیر صاحب کا کیا ہوا......؟''

''اچھی خاصی مرمت کر دی ہے میں نے۔ سب کو اس کے ڈھونگ کا پتا چل گیا ہے۔ اب وہ یہاں نہیں رہے گا، اور ہاں......! یہ لو تمہارے تعویذ، میں اس سے چھین لائی ہوں۔''

''مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح بیوقوف نہیں ہوں۔ یہ پیتل کے ہیں اور ان پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔''

عرشیہ نے کہا اور عامرہ گہری سانس لے کر رہ گئی، پھر بولی۔

''میں اس پر ڈھائی تین لاکھ خرچ کر چکی ہوں۔''

''پولیس کے حوالے کر دو سرے کو۔''

''نہیں عرشیہ......! اس طرح میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

''آؤ تمہارے لئے چائے منگواؤں۔''

عرشیہ اسے لے کر لان کے دوسرے سرے پر پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں......! تمہارے اس ٹام کروز کا کیا حال ہے......؟''

''آہ......! وہ ظالم جوں کا توں ہے۔''

عامرہ گہری سانس لے کر بولی۔

''تم سے کب ملاقات ہوئی......؟''

''کل شام، وہ عالیہ شاہ کے ساتھ کلب آیا تھا۔''

''عالیہ شاہ......؟''

عرشیہ چونک کر بولی۔

''ہاں......! جانتی ہو ناں اسے......؟ وہ ایش کارپٹس کی مالک......؟''

عامرہ نے کہا۔

''ارے ہاں......! اسے کون نہیں جانتا......؟ لیکن شہروز سے اس کا کیا تعلق ہے......؟''

عرشیہ تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

''مجھے نہیں معلوم، لیکن میں کچھ عرصہ سے شہروز کو اس کے ساتھ دیکھ رہی ہوں۔''

''بچاؤ عامرہ......! شہروز کو اس سے بچاؤ۔''

عرشیہ نے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''عالیہ شاہ کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔ وہ مرد خور مشہور ہے۔ پچھلے دنوں تمہیں یاد ہے، کرکٹ کا مشہور کھلاڑی شیری اس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔''

''ہاں......!''

''اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ شیری بوجہ علالت کرکٹ سے ریٹائر ہو چکا ہے......؟''

"مجھے نہیں معلوم، کرکٹ سے مجھے دلچسپی نہیں رہی۔"

"مجھ رہی ہے، اور یہ بات مجھے معلوم ہے کہ شیری کو صرف عالیہ شاہ کی سفارش پر فرسٹ کلاس کرکٹ میں شامل کیا گیا تھا۔"

"مگر اس تفصیل سے تمہاری کیا مراد ہے......؟"

"میں صرف اتنا کہوں گی کہ شہروز کو اس خطرناک عورت سے بچاؤ۔"

"میں کس طرح بچاؤں......؟"

عامرہ نے پریشانی سے کہا۔ اسی دوران چائے آگئی اور عرشیہ نے چائے کی دو پیالیاں بنا کر ان میں سے ایک عامرہ کے حوالے کر دی۔ چائے کے چھوٹے چھوٹے سِپ لئے جاتے رہے۔ پھر عرشیہ نے کہا۔

"عالیہ شاہ سے تمہاری شناسائی ہے......؟"

"رسمی سی......!"

"فلیش کھیلنا جانتی ہو......؟"

"ہاں......!"

"بس......! بات بن گئی، لیکن تمہیں مالی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔"

"اس کی فکر نہیں ہے۔ میرے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے بیکار پڑے ہیں۔"

عامرہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"عالیہ شاہ سے فلیش کھیلو اور دس بیس ہزار روپے ہار جاؤ۔ وہ تمہاری دوست بن جائے گی۔"

عامرہ خوشی سے مسکرا دی، پھر اس نے کہا۔

"عرشیہ......! تم میرے ساتھ نہیں رہو گی۔"

اور عرشیہ نے انکار کے انداز میں گردن ہلا دی۔ پھر بولی۔

"ایسا ممکن نہیں ہے، عالیہ شاہ مجھ سے بری طرح بھاگتی ہے۔ اسے یہ مت بتانا کہ تم سے میری دوستی ہے، ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔"

☆......☆......☆

خوبصورت نقوش کا مالک، ایک عجیب سی دلکشی کا حامل نوجوان شہروز گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس اس کے سامنے کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور عامرہ اپنے سارے وجود میں سرور کی لہریں اُٹھتی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔ شہروز کی پُرسحر شخصیت ایک عجیب سی کیفیت رکھتی تھی اور یہ حالت صرف عامرہ کی نہیں تھی۔ کچھ دوسری خواتین بھی شہروز کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ نیلا رنگ اس کے گورے رنگ پر خوب کھل رہا تھا اور پھر ایسے شفاف چہرے کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ جسمانی تناسب بھی ایسا بے مثال تھا کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یونان کے کسی ماہرفن

بُت تراش کا شاہکار معلوم ہوتا تھا وہ۔ گہرے سیاہ بالوں کے نیچے جھکی ہوئی مخمور آنکھوں سے وہ تاش کے کھیل کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور عامرہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔ عالیہ شاہ نے چال چلی اور عامرہ کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"چلو بھئی......! تم بہت سست رفتاری سے کھیل رہی ہو۔"

"یہ لیں......!"

اس نے چال چل دی۔

"خوب......! پہلے ہی ہاتھ میں ڈبل......؟"

عالیہ شاہ مسکرائی۔

"ایں......؟"

وہ چونکی، پھر سنبھل گئی۔ اسے سنگل ڈبل کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ بس چال چل دی تھی۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ کتنی رقم ہاتھ میں آئی تھی......؟

"ہاں ڈبل......!"

وہ جلدی سے بولی۔

"تو یہ لو......!"

عالیہ شاہ نے بھی چال ڈبل کر دی اور وہ رقم لگاتی رہی۔ کافی نوٹ جمع ہو گئے تو عالیہ شاہ نے ہی شو کرایا۔ وہ پھر جیت گئی تھی۔

"آج تقدیر یاور ہے۔"

اس نے نوٹ سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں......! میری طرف سے مبارک باد......!"

وہ بولی۔

"میں پہلے بھی تم سے ملتی رہی ہوں۔"

"ہاں......! اسی کلب میں۔"

"تمہارے ساتھ کھیلنے میں لطف آ رہا ہے۔"

"شہروز صاحب نہیں کھیلتے......؟"

عامرہ نے بے اختیار کہا۔

"نہیں......! یہ نئے کھلاڑی ہیں، کھیلتے نہیں صرف دیکھتے ہیں۔"

عالیہ شاہ نے ہنس کر کہا اور شہروز کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی نفیس، ایسی انوکھی شخصیت تھی کہ بس دل لوٹ لوٹ جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد عامرہ کا پرس خالی ہو گیا۔

"بس عالیہ شاہ......! اب کل۔"

"ضرور بہنی......! ویسے یقین کرو، تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ کیوں شہروز......! مس عامرہ کے بارے میں کیا خیال ہے......؟"

"جی......! میں کیا عرض کروں......؟"

شہروز اُنگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔

"شہروز سے اس سے قبل ملاقات نہیں ہوئی عامرہ......؟"

"چند مقامات پر ہو چکی ہے، لیکن شہروز صاحب بہت ریزرو رہنے کے عادی ہیں۔"

عامرہ نے کہا۔

"اوہ ہاں......! شہروز کی فطرت میں بہت شرمیلا پن ہے۔ یہ صرف مجھ سے مانوس ہیں۔"

یہ جملے ادا کرتے ہوئے عالیہ شاہ کے انداز میں ایک فخر سا تھا۔ اس نے دل میں جلن محسوس کی، لیکن وہ بظاہر مسکراتی رہی تھی۔ البتہ چند ہی روز کے بعد اس نے یہ بات دل سے تسلیم کر لی کہ درحقیقت عالیہ شاہ اس معاملے میں خوش نصیب ہیں۔ شہروز اس کا بے دام غلام تھا اور عالیہ شاہ کے بغیر وہ اب کہیں نظر ہی نہیں آتا تھا۔ عامرہ کے دل کو لگی ہوئی تھی، چنانچہ اس نے اس کباب کی ہڈی کو بھی برداشت کر لیا، لیکن یہ برداشت کافی مہنگی پڑ رہی تھی۔ اب تک وہ عالیہ شاہ سے تقریباً ساٹھ ہزار روپے ہار چکی تھی۔ وہ بھی اس انداز میں کہ وہ زیادہ رقم لے کر گھر سے نہیں نکلتی تھی۔ عالیہ شاہ تو بلا کی کھیلنے والی تھی۔ داؤ لگاتے ہوئے وہ کبھی نہیں سوچتی تھی، لیکن یہ اس کے ہاتھوں کی فنکاری تھی کہ عام طور سے اس کا مقابل ہارتا ہی تھا۔ لیکن عامرہ، شہروز کے لئے ہار رہی تھی۔ وہ اس کھوج میں تھی کہ ذرا یہ بات پتا چل جائے کہ آخر شہروز، عالیہ شاہ کے قبضے میں کیسے ہے......؟ لیکن عالیہ شاہ بھی چالاک عورت تھی۔ وہ شاید اس بات کو سمجھ چکی تھی کہ کلب میں آنے والی بیشتر عورتیں اور لڑکیاں شہروز کی وجہ سے اس کی جانب راغب رہتی ہیں اور شاید ہارتی بھی ہیں۔ چنانچہ اس کاروبار کو جاری رکھنے کے لئے وہ انتہائی محنت سے کام کرتی تھی اور کسی کو اس نے یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ شہروز کے اور اس کے کیا تعلقات ہیں......؟ عرشیہ کو جب یہ صورتِ حال پتا چلی تو اس نے تشویش سے ہونٹ سکوڑے، پھر عامرہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہوں......! تو یہ بدبخت تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھی۔ مگر میں نے یہ تھوڑی کہا تھا عامرہ......! کہ تم اتنی بڑی رقم ہار جاؤ......؟"

عرشیہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بولی۔

"عامرہ......! کہیں سانس تو لینے دو، خود ہی کچھ بتاتی ہو اور پھر خود ہی اس کی کاٹ کرتی ہو۔"

"کاٹ کی بچی......! میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ اتنی زیادہ رقم خرچ کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی......؟"

"اور کوئی ترکیب نہیں ہے اس کے نزدیک آنے کی......؟"

"ہوں......! کیا اس سلسلے میں کوئی بات بن سکی......؟"

"نہیں......! ابھی تک نہیں، سوائے اس کے کہ اب وہ عالیہ شاہ کا سہارا لینے کی بجائے خود براہِ راست مجھ

سے بات کر لیتا ہے، لیکن صرف چند جملے۔ بہت ہی شرمیلا اور بڑی ہی عجیب سی فطرت کا مالک ہے۔ عموماً نگاہیں جھکائے رکھتا ہے، کبھی نگاہ بھر کر دیکھتا بھی نہیں ہے۔ نہ جانے کس قسم کا انسان ہے یہ......؟ اس کی ان اداؤں نے مجھے تو اور زیادہ پاگل کر دیا ہے۔"

"میں بھی تھوڑی بہت معلومات حاصل کر چکی ہوں۔"

عرشیہ نے کہا۔

"کیا......؟"

"یہی کہ کلب کی بیشتر لڑکیاں اس پر مرتی ہیں اور اس کی ان اداؤں کی گھائل ہیں۔ کہیں یہ عالیہ شاہ کی کوئی چال تو نہیں ہے......؟"

"ہوں......! تو تم نے عالیہ شاہ میں بھی کوئی پیر صاحب تلاش کر لئے ہیں......؟"

"یہ بات نہیں ہے عامرہ......! یہ دور بڑا عجیب ہے، انسانوں نے انسانوں کو لوٹنے کی عجیب عجیب گھاتیں نکال لی ہیں، ایسی عجیب کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بس عامرہ......! اب اس سے زیادہ رقم خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں باز نہیں رہ سکتی، مجبور ہوں میں۔"

عامرہ نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"لیکن میری بہن......! اس سلسلے میں کوئی عمل بھی تو ہو۔ کوئی ایسا کام تو ہو جس سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل ہو سکے۔ کب تک تم اس کے لئے اس طرح رقم اور وقت ضائع کرتی رہو گی......؟"

"یہ تو اب ہوتا ہی رہے گا، جب تک زندگی ہے ایسا کیا جائے گا۔"

عامرہ نے کہا۔

"عالیہ شاہ کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرو۔"

"کس طرح......؟"

"بس......! اس کی دعوت کرو، گھر پر بلاؤ اسے، خود اس کے گھر جاؤ"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں......؟ اس میں ناممکن کون سی بات ہے......؟"

عرشیہ نے پوچھا۔

"عالیہ شاہ تنہا نہیں آئے گی۔"

"تو انہیں تنہا بلانے کی ضرورت ہی کیا ہے......؟ اچھا ہے، شہروز تمہارے گھر بھی آجائے گا۔"

"کوشش کروں گی، اگر ایسا ہو جائے تو، مگر اس میں کچھ خطرات ہیں۔"

"وہ کیا......؟"

"گھر والے شہروز کو دیکھ کر کوئی شبہ نہ کر بیٹھیں......؟"

"کمال کی لڑکی ہو، اور اتنی دیوانی بھی ہو رہی ہو اس کے لئے۔ میں کہتی ہوں، شبہ کر بیٹھیں تو اچھی بات ہے، بات تو کچھ آگے بڑھے، ورنہ اس طرح تم دولت برباد کرتی رہو گی اور عالیہ شاہ تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتی رہے گی۔"

عرشیہ نے کہا اور عامرہ گردن ہلانے لگی۔ عالیہ شاہ سے قربت حاصل کرنے کی کوشش ناکام نہیں رہی۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ نے بالآخر اسے اپنے گھر میں مدعو کر لیا اور عامرہ اس کے گھر پہنچ گئی۔ عالی شان کوٹھی، بے شمار ملازم، اعلیٰ درجے کا فرنیچر اور دوسری بے شمار چیزیں موجود تھیں، لیکن شہروز موجود نہ تھا۔ عامرہ کی نگاہیں اسے تلاش کر رہی تھیں اور عالیہ شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جانتی ہوں تم کسے تلاش کر رہی ہو......؟"

عالیہ شاہ نے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ......! عالیہ شاہ......! آپ کا خیال درست ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید مسٹر شہروز بھی یہاں موجود ہوں۔"

"ہوں......! آؤ بیٹھو، شہروز کے لئے پاگل ہو رہی ہو ناں......؟"

عالیہ شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور عامرہ چونک پڑی۔

"کک......کیا......مطلب......؟"

"بیوقوف لڑکی......! وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ اس وقت کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے ناممکن قرار دیا جا سکے۔ اپنے دل کی بات مجھ سے کہہ دو گی تو فائدے میں ہی رہو گی۔"

"عالیہ شاہ......آپ......آپ......"

"ہاں لڑکی......! میں نے اتنی عمر یوں ہی نہیں گزاری......؟ نگاہیں سمجھتی ہوں، تمہارے بارے میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں، لیکن افسوس......! مجھے تم جیسی لڑکیوں پر رحم آتا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جس کے لئے تم پاگل ہو رہی ہو......؟"

"عالیہ شاہ......! آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہیں۔"

"کیا مطلب......کیا مطلب ہے......؟"

"آپ......آپ اسے ساتھ کیوں رکھتی ہیں......؟"

"بھئی......! یہ تو سیدھی سی بات ہے، وہ مجھے پسند ہے۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"کس حیثیت سے......؟"

"ایک مرد کی حیثیت سے۔"

"عالیہ شاہ......! آپ......آپ......"

"ہاں عامرہ......! اگر حقیقت کی دُنیا میں ہو تو حقیقت کی باتیں کرو۔ خوابوں کی نگری میں رہنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس دور میں عشق و محبت ایک ایسی مضحکہ خیز حیثیت اختیار کر چکے ہیں کہ انسان اس پر ہنس تو سکتا ہے، توجہ نہیں دے سکتا۔"

"میں سمجھی نہیں عالیہ شاہ......!"

"میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم پیؤ گی کیا......؟"

"کچھ بھی منگوالیں، جو آپ کا دل چاہے۔"

اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا۔ عالیہ شاہ کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ملازم کو بلا کر ایک مشروب لانے کا حکم دیا اور اس وقت تک خاموش رہی جب تک مشروب نہ آ گیا۔

"پیو......!"

اس نے عامرہ سے کہا اور عامرہ نے بڑے بڑے گھونٹ لے کر گلاس جلدی سے خالی کر دیا۔ عالیہ شاہ نے جگ سے دوسرا گلاس بھر لیا تھا۔

"میرا خیال غلط تو نہیں ہے، تم اسے چاہتی ہو ناں......؟"

"ہاں......!"

اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اسے حاصل کرنا چاہتی ہو......؟"

"ہاں......!"

وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔

"عمر بھر کے لئے......؟"

عالیہ شاہ نے کہا اور جواب میں عامرہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"دیکھو بیوقوف لڑکی......! اقدار و اُصول انسانی زندگی کی ایک ضرورت ضرور ہوتے ہیں، لیکن بدلا ہوا وقت کچھ تبدیلیاں چاہتا ہے۔ محبوب اور شوہر اب ایک چیز نہیں، دو چیزوں کا نام ہے۔ جو محبوب ہو، اسے ختم کرنا چاہتی ہو تو اسے شوہر بنا لو۔ ساری زندگی روتے گزرے گی۔ ماحول کہتا ہے کہ ایک ساڑھی خریدو، پہنو اور اُتار دو۔ بس......! سمجھ رہی ہو میری بات......؟"

"ہاں......!"

عامرہ نے کہا۔

''میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں......؟''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں، تم اسے حاصل کرنا چاہتی ہوناں تو میرے ساتھ پارٹنر شپ کر لو۔ یہ اعزاز میں تمہیں دینا چاہتی ہوں۔''

''میں سمجھی نہیں......!''

''شہروز ایک دلچسپ کیس ہے، ایک معصوم سا بزدل نوجوان۔ کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑے، وہ دُم ہلاتا چلا آئے گا اور اگر کوئی ساری زندگی کوشش کرے، تب وہ بھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرے گا۔''

''اوہ......!''

عامرہ کو بڑے گُر کی بات معلوم ہوئی تھی۔

''میں نے یہی کیا ہے، میں نے اس کا انتظار نہیں کیا، بلکہ آگے بڑھ کر اسے لپک لیا ہے اور اب وہ بوتل کا جن ہے، اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ میں چیلنج کرتی ہوں کہ اب کوئی لاکھ کوشش کرے، اس جن کو قابو میں نہیں کرسکتا۔''

''عالیہ شاہ......! میں......میں......''

عامرہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''سچ بتاؤ عامرہ......! کیا تم میرے ساتھ جان بوجھ کر نہیں ہارتی رہی ہو......؟''

عالیہ شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور عامرہ نے آنکھیں جھکالیں۔

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے......؟''

عالیہ شاہ نے دوبارہ پوچھا۔

''ہاں......!''

اس نے گہری سانس لی۔

''صرف تم ہی نہیں، بہت سی خواتین نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو، مجھے اس کی ضرورت ہے......؟ اگر یہ خیال تمہارے ذہن میں ہے تو اسے نکال دو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔''

''سوری عالیہ شاہ......!''

عامرہ نے ندامت سے کہا۔

''کوئی بات نہیں ڈارلنگ......! میں بھی ان اونچے گھرانے کی خواتین کا کھیل دیکھ رہی ہوں اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہورہی ہوں۔ آج تک میں نے تم سے کتنی رقم جیتی ہے......؟''

''مجھے یاد نہیں......!''

''مجھے یاد ہے۔ اسّی ہزار نو سو......! یہ رقم میرے پرس سے نکال لو۔''

''اوہ......! نہیں، آپ یقین کریں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

''تب پھر اس کے حصول کے لئے صرف میرے مشوروں پر عمل کرو، پوری رازداری کے ساتھ، اس سے کوئی اختلاف نہ ہو۔''

''میں تیار ہوں عالیہ شاہ......! لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں......! بس ففٹی ففٹی......! آدھا میرا، آدھا تمہارا۔ ہر کھیل میں کوئی جدت ہونی چاہئے۔''

عالیہ شاہ نے آنکھ دبا کر کہا اور عامرہ بری طرح شرما گئی۔ اس کے کانوں کی لویں سرخ ہوگئی تھیں۔

☆......☆......☆

ایسی باتوں میں عرشیہ کو رازدار نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ عرشیہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ درحقیقت یہ انتہائی پست بات تھی، لیکن عامرہ، شہروز کے لئے پاگل ہورہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک اور پلان بن رہا تھا۔ وہ عالیہ شاہ سے افکار و خیالات سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔

''ایک بار شہروز ہاتھ تو آئے، عالیہ شاہ عمر رسیدہ عورت ہے، بھدی اور غیر دلکش۔ شہروز چند ہی روز میں عامرہ کا دیوانہ ہوجائے گا۔ بس ذرا سی کوشش، صرف ذرا سی، اور اس وقت تک کے لئے سب کچھ برداشت کیا جاسکتا ہے۔''

وقت مقررہ پر عالیہ شاہ کے گھر پہنچ گئی۔ خواب گاہ میں عالیہ شاہ کے ساتھ شہروز بھی موجود تھا۔ موسم نہایت خوش گوار تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور کسی بھی وقت بارش ہوسکتی تھی۔ عالیہ شاہ کی آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر عامرہ کا استقبال کیا۔ شہروز نے بھی مسکرا کر گردن خم کی تھی اور پھر عالیہ شاہ نے کھیل شروع کیا۔ اس نے کمرے سے باہر جا کر کسی مشروب کے دو جگ بنائے اور ٹرالی سجائے اندر آگئی۔ شہروز اس دوران خاموش بیٹھا انگلیاں مروڑتا رہا تھا۔

''چلو شروع ہوجاؤ......!''

عالیہ شاہ نے کہا اور تینوں نے گلاس اُٹھالئے۔ عالیہ شاہ نے عامرہ کو آنکھ سے اشارہ کردیا تھا اور عامرہ سنبھل گئی تھی۔ اس نے اپنے گلاس سے ایک بھی گھونٹ نہ لیا جبکہ عالیہ شاہ اور شہروز نے گلاس خالی کردیا۔ عالیہ شاہ نے جلدی سے دوبارہ گلاس بھرلیا اور پھر اس نے صرف شہروز کو پلائی اور پھر چند ہی لمحات کے بعد شہروز کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ عالیہ شاہ کے انداز میں بھی ترنگ تھی۔ اس نے نشیلے انداز میں عامرہ کو دیکھا اور عامرہ نے آنکھیں جھکالیں۔ تبھی اچانک شہروز بول پڑا۔

''آپا......! اے آپا......!''

اس نے بھونڈی سی آواز میں عالیہ شاہ کو پکارا اور عالیہ شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیسے کہہ رہے ہو شہروز......؟"

"یہ ساڑھی کتنے کی خریدی ہے......؟"

اس نے عالیہ شاہ کی ساڑھی کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں پوچھ رہے ہو شہروز......؟"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"آئے ہائے......! باندھوں گی میں بھی، اور کائے کو پوچھ رہی ہوں......؟ سچی آپا......! بڑا دل چاہے ہے ساڑھی باندھنے کو۔"

شہروز نے تالیاں پٹخارتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ لچکتا جا رہا تھا۔ اس وقت شہروز کی ساری شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو شہروز......! تم مرد ہو کر ساڑھی باندھو گے......؟"

"مرد ہو گی تو خود، میں تو لڑکی ہوں کنواری۔ ہائے ہائے......! مجھے مرد کہہ رہی ہے، میرے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوں تو پھر میری چال دیکھ لے۔"

شہروز نے ایک کولہے پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکتے ہوئے کہا۔

"شہروز......! شہروز......! کیا بکواس ہے......؟"

عالیہ شاہ کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔

"مانی ہے میرا نام، تو شہروز ہو گا کوئی اور، آئے ہائے......! میں تو مانی ہوں، مانی۔"

شہروز نے تالیاں بجا کر اوپری بدن ہلایا۔

"چڑھ گئی ہے اسے......!"

عالیہ شاہ پھیکے سے لہجے میں بولی۔

"جاری کمینی کہیں کی......! چڑھے میرے دشمن کو، میں تو چار بوتلیں خالی کر دوں اور ڈکار نہ لوں۔ اوڑھ لی چنریا، میں نے تیرے نام کی۔"

شہروز نے زور زور سے گانا شروع کر دیا اور عالیہ شاہ نے سر پکڑ لیا۔

"مولا قسم، تم دونوں بڑی بیوقوف ہو۔ بہن......! ہم تو نہ مرد ہیں نہ عورت، آئے ہائے......! جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو۔ مولا کی مرضی، باپ کی طرف سے لڑکا، ماں کی طرف سے لڑکی۔"

"بکواس بند کرو......!"

عالیہ شاہ مٹھیاں بھینچ کر چیخی۔

"آئے ہائے......! تو چیخ کیوں رہی ہے......؟ خود ہی تو بلا کر لائی تھی مردار......! کوکھ جلی......! ہمیں مولا نے جو بنایا، وہی تو ہیں۔ آئے ہائے......! ہم کیسے بدل لیں خود کو......؟ ڈوبی ڈوبی دم پارا، باغوں میں پتے گا رہے ہیں۔"

اور پھر شہروز دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ بدستور گا رہا تھا اور ملازم اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ اندر عالیہ شاہ اور عامرہ ہکا بکا ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

کاکو دادا نہ جانے کیسے موڈ میں تھا......؟ کامران اور داور سخت حیران ہوئے تھے۔ کامران نے تو نہایت مایوسی کے عالم میں فون کیا تھا۔ اس نے فون پر کاکو دادا کو اپنی غلطی بتائی تھی اور جب چند ساعت کے لئے فون پر خاموشی چھا گئی تو دونوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے تھے۔

"اسے اپنی رہائش گاہ پر لانے کی کیا ضرورت تھی......؟ گھر سے دُور رہ کر یہ حرکتیں نہیں کی جا سکتیں۔"

"غلطی ہو چکی ہے جناب......! میں صرف حکم کا منتظر ہوں۔"

کامران نے کہا۔

"داور کے ساتھ قیام کرو، دوسرا کوئی بندوبست ہونے تک تمہیں وہیں رہنا چاہئے۔ خود کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر احمقانہ اقدام سے باز رہا جائے۔ دوسری غلطی معاف نہیں کی جائے گی۔"

کاکو دادا نے کہا اور فون بند کر دیا۔ کامران حیرت سے ریسیور کو گھورتا رہ گیا تھا اور جب اسے کاکو دادا کے الفاظ کا یقین آیا تو اس کے حلق سے مسرت بھری چیخ نکل گئی۔ داور نے اسے دل کھول کر مبارکباد دی تھی۔ کامران درحقیقت ایک بہت بڑے خطرے سے نکل آیا تھا۔

"انوکھی بات ہے یار......! یہ کاکو دادا اتنا نرم دل کب سے ہو گیا......؟ بہرحال تمہاری خوش بختی ہے۔"

داور نے کہا اور اس کے بعد دونوں دوست ساتھ رہنے لگے۔ کاکو دادا ان دنوں خاموش بیٹھا ہوا تھا، کوئی خاص کام نہیں تھا۔ ایک دو دن تو ان واقعات کے زیر اثر گزرے، اس کے بعد وہی تعیشات جوان کی فطرت بن چکے تھے۔ کامران کی کہانی گروہ کے دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی تھی اور وہ بھی حیران ہوئے تھے۔ اس انوکھی لڑکی کے لئے ان کے دلوں میں بھی تجسس تھا۔ عامر نے پوچھا۔

"یار......! اس کی تو زیارت کرنی چاہئے۔"

"بس......! ایک بار مل جائے تو شکل بگاڑ دوں۔"

کامران نے ایک موٹی سی گالی بکی۔

"شکل و صورت کی کیسی تھی......؟"

عامر نے پوچھا۔

''یار......! خاصی خوب صورت تھی اور طریقے سلیقے کی معلوم ہوتی تھی، مگر باتیں ایسی کر رہی تھی جیسے لڑکی نہ ہو، کوئی خواجہ سرا ہو۔''

کامران نے جواب دیا۔

''بن رہی ہوگی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت ہی چالاک لڑکی تھی جو اس طرح شکار پھانسنے نکلی ہوگی اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر کچھ اینٹھ لیتی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اگر تم کچھ رقم دے کر اسے خاموش کرنے کی کوشش کرتے تو وہ مان جاتی۔''

''ہونہہ......! میں رقم دیتا سسری کو......؟ مگر یار......! ہم لوگوں کی رہائش گاہیں بڑی غلط ہیں۔''

کامران ناک چڑھا کر بولا۔

''وہ کیسے......؟''

''یہ فلیٹوں کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے......؟ ہر مسئلے کا حل پڑوسیوں کے پاس ہوتا ہے۔ ذرا سی گھر میں تیز آواز ہو، درجنوں پڑوسی دروازے کے باہر جمع ہو جاتے ہیں۔ عامر......! تم خوش نصیب ہو اس سلسلے میں، تمہارا مکان سپرٹ ہے اور تمہیں ایسے کسی خطرے سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔''

''ہاں......! یہ حقیقت ہے۔ مکان بھی سپرٹ ہے اور پھر یہ دلچسپ بات ہے کہ اس کے قرب و جوار میں کوئی خاص آبادی نہیں ہے۔ سب سے پہلا بنگلہ بھی تقریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ چیختے رہو، کوئی آواز ہی نہیں جاتی۔ اس سلسلے میں اپنا علاقہ بہت عمدہ ہے۔''

عامر نے کہا۔

''ہم بھی کوشش کر کے کاکو دادا سے ایسی ہی رہائش گاہ طلب کریں گے۔ چاہے مکانات چھوٹے ہوں، لیکن اس قسم کے جھگڑے سے آزاد ہوں۔''

داور بولا۔

''ہمارے اپنے کام کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔''

کامران نے کہا۔

اس وقت وہ تمام دوست یہی گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ مقصد کوئی خاص نہیں تھا۔ ذہن میں صرف تفریح کا خیال تھا، آوارہ گردی اور تفریحات کی تلاش تھی۔ لیکن کامران نے شاید کسی ایسے وقت میں اس لڑکی کے دوبارہ مل جانے کا اظہار کیا تھا جو قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ تھوڑی ہی دور کار چلی ہوگی کہ دفعتہً کامران کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

''خیریت......؟ کیا بات ہے......؟''

عامر نے پوچھا۔

''یار عامر......! یار عامر......! یہ وہی ہے، قسم سے وہی ہے۔''

کامران نے کہا اور عامر نے کار کے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

''کون بھئی......؟''

عامر نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

''وہی لڑکی، ارے......! وہی ذلیل، حرامزادی۔''

کامران نے نتھنے پھلا کر کہا اور داور اور عامر اس کے اشارے پر نگاہ دوڑانے لگے۔ وہ ایک فٹ پاتھ پر بس اسٹاپ کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ دُور سے دیکھنے پر ہی خاصی حسین اور دلکش لڑکی نظر آتی تھی۔ عامر نے اسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

''خوب...چیز تو واقعی عمدہ ہے۔''

''عمدہ ہے......!''

''اگر عمدہ ہے تو اسے ساتھ لے جاؤ۔''

کامران نے نتھنے پھلا کر کہا۔

''بات بھی تمہاری عمدہ ہے۔ کیا خیال ہے......؟ ٹرائی کروں......؟''

عامر نے پوچھا۔

''کامران کی شکل دیکھ کر وہ کبھی تیار نہ ہوگی۔''

داور نے کہا۔

''میں بتاؤں......!''

کامران نے کہا اور دونوں دوست اسے دیکھنے لگے۔

''یوں کرو عامر......! تم تنہا چلے جاؤ۔ ہم دونوں ٹیکسی سے آ رہے ہیں۔''

''ویری گڈ......! کم از کم تفریح ہی کی جائے۔''

عامر نے کہا اور کامران گردن ہلانے لگا۔

''میں اچھی طرح تفریح کروں گا۔''

کامران نے سفاک لہجے میں کہا اور دونوں دوست گاڑی سے نیچے اُتر آئے۔ عامر نے بڑے اہتمام سے گاڑی بڑھائی اور تھوڑی سی آگے لے جا کر اس لڑکی کے بالکل نزدیک روک دی۔ ملیح چہرے والی دلکش لڑکی نے اپنی خوب صورت کملائی ہوئی آنکھیں اُٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''معاف کیجئے گا خاتون......! میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ ہماری اور آپ کی ملاقات پہلے کہاں ہوئی ہے......؟''

عامر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''شاید آسمانوں پر......!''

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''او......ہاں......! ہم دونوں چھوٹے سے تھے، بالکل ننھے منے سے، آیئے ناں......! اندر بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔''

عامر نے برجستگی سے کہا اور وہ اس کے نزدیک کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ عامر کے دل میں گدگدی ہو رہی تھی۔ لڑکی گویا پہلے ہی سے شکار کی تلاش میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بدن سے اُٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو نے مست کر دیا۔ اس نے بھی وہی ساری باتیں سوچیں جو اس سے قبل جناب کامران صاحب سوچ چکے تھے۔

''تو آسمانوں کی اس ملاقات کو ہمارے ذہنوں نے محفوظ رکھا۔''

عامر بولا۔

''ہاں......! ذہن ہمیشہ ہر بات کو محفوظ رکھتے ہیں۔''

لڑکی نے جواب دیا۔

''کیا نام ہے آپ کا......؟''

''گل بکاؤلی......!''

وہ ہنس کر بولی۔ ہنسی بھی خاصی دلکش تھی، لیکن آواز میں ایک پھٹا پھٹا پن نمایاں تھا، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ بعض لڑکیوں کی آوازیں کسی حد تک مردانگی لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

''ٹھیک ٹھیک......! آپ یقیناً ایک تالاب میں اُگی ہوں گی اور میں اس تالاب کے کنارے کھڑا برگد کا درخت ہوں گا۔''

''برگد کا درخت......؟''

لڑکی پھر ہنس پڑی، پھر بولی۔

''نہیں نہیں......! میں ایسی گستاخی تو نہیں کر سکتی۔ آپ خاصے دلکش آدمی ہیں۔''

''خوب خوب......!''

عامر نے مسکرا کر کہا، پھر بولا۔

''اور آپ خاصی چالاک......!''

''کیوں......؟ اس میں چالاکی کی کیا بات ہے......؟''

''دیکھیں ناں......! آپ نے اپنا نام کس خوب صورتی سے چھپا لیا ہے۔''

''ناموں کا چھپے رہنا ہی اچھا ہوتا ہے۔''

وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔

''دوستوں سے بھی۔''

''ابھی ہماری اور آپ کی دوستی کہاں......؟''

''میرا خیال ہے، ہم اچھے دوستوں کی طرح سفر کر رہے ہیں۔ میرا نام عامر ہے اور اگر آپ کا دل چاہے تو مجھے اپنا نام بتا دیں۔''

''ٹھیک ہے، دل چاہے گا تو بتا دوں گی۔''

اس نے گہری سانس لے کر کہا اور عامر گردن موڑ کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ شکل و صورت، انداز و بیان سے تو وہ لڑکی کامران کے بیان کی نفی کرتی تھی۔ کامران نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، ایسی تو کوئی بات اس میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ نہایت نفاست پسند، اچھا لباس پہنے ہوئے تھی اور بادی النظر میں خاصی خوب صورت اور اسمارٹ لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن کامران کا بیان غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک لڑکی کے لئے وہ اپنے دوست کے بیان پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے دھوکہ نہ کھانے کا فیصلہ کر لیا۔ کار اس کے بنگلے کی جانب ہی جا رہی تھی۔ کام اتنی آسانی سے بن گیا تھا کہ خود عامر کو حیرت تھی، حالانکہ دن دیہاڑے یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا، لیکن ناممکن، ممکن ہو گیا تھا۔ دُور سے اس نے نگاہیں دوڑائیں، لیکن ابھی کوئی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تاہم اسے یقین تھا کہ کامران اور داور اس کے پیچھے ہی پہنچ جائیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے بنگلے کے نزدیک پہنچ گیا۔ کار کو بنگلے کے گیٹ کے باہر ہی کھڑا کر دیا گیا اور پھر وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ لڑکی بے تکلفی سے پرس جھلاتی ہوئی اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

''تمہارا مکان ہے......؟''

اس نے پوچھا۔

''ہاں......! ظاہر ہے......!''

''بہت خوب صورت ہے۔ مجھے ایسے مکان پسند ہیں۔''

''کیوں......؟ اس میں ایسی کیا خاصیت ہے......؟''

''بس......! مجھے پسند ہیں۔''

وہ اِٹھلا کر بولی اور عامر گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ چہرے مہرے سے لڑکی کسی طور فراڈ نہیں نظر آتی تھی۔ لیکن عامر کو اس سے زیادہ کامران پر اعتماد تھا۔ کامران نے جو کچھ کہا تھا، غلط نہیں ہوگا۔

''کتنے عرصے سے اس پروفیشن میں ہو......؟''

عامر بولا۔

''کہاں ہو......؟''

اس نے پوچھا۔

''میرا مطلب ہے، کب سے یہ کاروبار کر رہی ہو......؟''

''میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ میں کوئی کاروبار نہیں کرتی۔''

''اچھا......! کیا پیئو گی......؟''

"جو کے ستو......!"

اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں لاتا ہوں۔"

عامر نے شرارت آمیز مسکراہٹ سے کہا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دل ہی دل میں اس نے کہا تھا کہ ابھی وہ دونوں آتے ہی ہوں گے، تجھے جو کے ستو ہی پلائیں گے۔"

مین گیٹ پر ایک ٹیکسی رُکی تھی۔ اس سے داور اور کامران اُترتے ہوئے نظر آئے اور چند ساعت کے بعد اندر داخل ہو گئے۔

"کہاں ہے......؟"

کامران نے بے اختیار پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں بند کر دیا ہے سسری کو، یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے......؟"

"ہنٹر......! راستے میں خریدا ہے۔"

کامران نے جواب دیا۔

"بہت خطرناک ارادے ہیں۔ مگر تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی ہے......؟"

"سو فیصدی......! اور میں تو اس کتے کی بچی کو کھال اُدھیڑ دوں گا۔"

کامران نے کہا اور پھر وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ عامر کے ساتھ کامران اور داور کو دیکھ کر لڑکی کھڑی ہو گئی۔ اس نے حیرت سے عامر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جو کے ستو ہیں۔"

"ہاں......! جلدی میں یہی ملے تھے۔"

عامر نے قہقہہ لگایا۔ کامران غصیلی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"رپٹ لکھو گے تھانے دار جی......؟"

وہ مسکرا کر بولی۔

"اب بول کتے کی بچی......! بڑی پارسا بن رہی تھی اس رات......؟ بول، اب میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں......؟"

کامران گرجا۔

"وہی جو سکندر نے پورس کے ساتھ کیا تھا۔"

وہ اطمینان سے بولی۔

"ساری چرب زبانی نہ نکال دوں تو کامران نام نہیں۔ بہت زیادہ چالاک بن رہی ہے۔ ابھی تیری کھال اُتارتا ہوں۔"

کامران آگے بڑھا۔

"ہائے مر جاؤں، اللہ......! مارو، کیسے گبرو جوان ہو، کس ماں کے جنے ہو، نام تو بتا دو۔"

وہ خلاء میں ہاتھ گھما گھما کر بلائیں لینے لگی اور ان تینوں کی کیفیت عجیب ہو گئی۔ کبھی انہیں غصہ آتا اور کبھی حیران ہونے لگتے۔ لڑکی اب دانت کٹکٹا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں نشیلی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ کامران کے ہاتھ میں دبے ہوئے ہنٹر کو دیکھ رہی تھی۔

"اب یہ ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے کامران......!"

"اوں ہوں......! بازوؤں میں جان ہی نہیں ہے۔ میاں......! مرد نہیں ہو جو اس پھول جھڑی سے ڈر جاؤں۔"

لڑکی نے قمیص کے بٹن کھولے اور دوسرے لمحے ان لوگوں کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔ اس کا اوپری بدن برہنہ ہو گیا تھا۔ چوڑا چکلا سینہ نسوانیت کی نزاکتوں سے بے نیاز تھا، مصنوعی طریقے سے اس سینے کو نسوانی بنایا گیا تھا، لیکن اب وہ کسی مضبوط نوجوان کا چوڑا چکلا اور سڈول سینہ تھا۔

"ارے......! یہ تو مرد ہے......!"

عامر تعجب سے بولا۔

"گالی مت دو صوفی صاحب......! ہم تو اللہ کی امان ہیں، نہ مرد نہ عورت۔ آئے ہائے......! ہم تو ہجڑے ہیں، مولا کے کرم سے۔ جب مولا نے اپنا کام پورا نہ کیا تو ہم کیا کریں......؟"

اس نے تالیاں بجا کر لچکتے ہوئے کہا۔ عامر کے گالوں پر ڈاڑھی تھی جس کی وجہ سے اسے "صوفی صاحب" کہا گیا تھا۔

"تو لڑکی بن کر مردوں کو بیوقوف بناتا ہے......؟"

داور نے کہا۔

"لڑکا بنیں تو عورتیں بیوقوف بنتی ہیں۔ ہمیں بتاؤ، ہم کیا کریں......؟ ہائے......! ہم بیچ میں کیوں رہ گئے......؟ بس......! میرے مولا کی قدرت......!"

"تو نے مجھے گھر سے بے گھر کر دیا۔ میں تیری کھال اُتار دوں گا۔"

کامران نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا اور ہنٹر گھما دیا۔ پورا ہنٹر اس کے اوپری بدن پر پڑا اور ایک سرخ لکیر چھوڑ گیا۔

"ارے......! قربان جاؤں۔ ارے میاں......! مرد بنو مرد، بازوؤں میں جان تو ہے نہیں، مارنے چلے ہو......؟ ارے میاں......! رکھ دو ہنٹر، لعنت ہو تم پر، نام کامران اور شکل کے کوّے۔"

اس نے کہا اور عامر سر کھجانے لگا، لیکن کامران جلا ہوا تھا۔ دوسری بار پوری قوت سے اس نے ہنٹر گھمایا تھا۔ اس عجیب و غریب شہہ نے خود کو اس سے بچانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہ دوسرا بھرپور وار بھی اس کے بدن پر ہی

پڑا۔اس باراس نے بڑے طنز سے کہا۔

''میاں......!اب بھی مجھے لڑکی ہی سمجھ رہے ہو......؟''

''کتیا کے بچے......!''

کامران دانت پیس کر کہا اوراس کے بعداس نے بدن کی پوری قوت صرف کر دی۔اس کے بدن پر ہنٹر کے سرخ نشان بنتے جا رہے تھے۔بعض جگہوں پر خون بھی چھلک آیا تھا،لیکن چہرے پر شکن بھی نہیں تھی۔ذرا سی دیر میں کامران تھک گیا۔

''اب اپنے ان ناکارہ کتوں کی مدد لو۔تمہاری تو جان نکل گئی۔یہ دوست ہیں تمہارے،کیسے کھڑے ہیں الگ الگ......؟''

''مرجائے گا میرے ہاتھوں......!''

کامران چیخا۔

''ابے جاؤ ہجڑو......!میں بتانے آئی تھی تمہیں،میاں......!تم شکل سے مرد لگتے ہی نہیں ہو۔جاؤ جاؤ،بازوؤں کی مالش کراؤ پہلے،نگوڑ مارے،آئے ہیں میرے سامنے۔''

اس نے کہا اور قریب پڑی ہوئی قمیص اُٹھالی۔

''داور......!ذرا دیکھوا سے۔''

کامران نے ہنٹراس کی طرف اُچھال دیا،جسے داور نے اُچک لیا تھا۔

''ہم شکل سے مرد نہیں لگتے......؟''

داور بولا۔

''کس لعنت پڑی نے جنا تھا تمہیں،پیدا ہوئے ہوگے تو باپ نے ڈھول بجائے ہوں گے کہ بیٹا پیدا ہوا ہے،ارے......!جھاڑو پھرے،بیٹے ایسے ہوئے ہیں کیا......؟توبہ توبہ......!''

اور داور نے پوری قوت سے ہنٹر مارا۔

''اے واری......!اے صدقے......!جیو جب تک جی چاہے۔ذرا ایک ہاتھ اور دکھانا۔''

وہ سرور بھرے لہجے میں بولا اور داور نے دوبارہ ہنٹر اُٹھالیا لیکن اس بار عامر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''میرے خیال میں تم دونوں ہی پاگل ہوگئے ہو۔کیا وہ صحیح الدماغ ہے،مرگیا تو خواہ مخواہ خون گردن پر آئے گا۔''

''لو،وہ تیسرا بولا۔آئے ہائے......!صوفی صاحب......!تم باہر ہی جا کر مرو......!کہاں مردوں میں آگئے ہو......؟جاؤ میاں......!یہ مردوں کے کھیل ہیں،تم تو مجھے کسی بائی جی کے کوٹھے کے طبلچی لگتے ہو۔''

''میں دعوے سے کہتا ہوں کامران......!یہ پاگل ہے اور کسی پاگل کو مارنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

عامر بولا اور داور کا ہاتھ رُک گیا۔

''دیکھو چبو......!یا تو مجھے جی بھر کے مارو۔ورنہ پھر میں ماروں گی۔ایک تو مجھ دُکھیا کو پکڑ کر لے آئے،اوپر سے یہ سلوک۔مارو مجھے،تمہاری شکلوں پر بھوبھل پڑے مارو۔''

اب صورتِ حال مختلف ہوگئی تھی۔ان لوگوں کی عقلیں تو پہلے ہی ٹھکانے نہیں تھیں،مزید پریشانی اب لاحق ہوگئی تھی۔وہ پریشانی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے،اور عین اسی وقت دروازے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔تینوں کی گردنیں گھوم گئیں اور پھران کے منہ حیرت سے کھل گئے۔دروازے میں کاکودادا کھڑا تھا۔داور کے ہاتھ سے ہنٹر نیچے گر گیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ......؟''

قوی ہیکل اور خونخوار سی شکل کے کاکودادا کے منہ سے غراہٹ نکلی۔

''وہ کاکودادا......!یہ......یہ......''

عامر نے اس کی طرف اشارہ کیا اور پہلی بار کاکودادا نے کمرے کے وسط میں بیٹھے اس مرد نما عورت یا عورت نما مرد کو دیکھا اور دوسرے لمحے وہ کانپ گیا۔

''ارے ارے......!کتے کے بچو......!یہ......یہ تم کیا کر رہے ہو......؟ارے......!یہ تم نے کیا کیا ہے......؟اُستاد......!حضور......!آپ......آپ یہاں،آپ یہاں اُستاد......!یہ کیا ہو رہا ہے......؟''

کاکودادا کی آواز میں بے پناہ خوف تھا۔انہوں نے اس کے بدن میں لرزشیں دیکھی تھیں۔وہ برق رفتاری سے آگے بڑھا اوراس عجیب وغریب شخص کے قدموں میں بیٹھ گیا۔دوسرے لمحے ایک زوردار لات کاکودادا کے سینے پر پڑی تھی۔کاکودادا کی اچانک آمد ہی ان لوگوں کے لئے بے حد پریشان کن تھی۔اس کی یہ کیفیت دیکھ کران کی عقلیں اور خبط ہوگئی تھیں۔

لڑکی نے کاکودادا کے ساتھ جو سلوک کیا تھا،وہ ناقابل یقین تھا۔اس کی لات کاکودادا کے سینے پر پڑی تھی اور تقریباً ایک سو نوے پونڈ وزنی کاکودادا اُچھل کر دُور جا گرا تھا۔کاکودادا کے گروہ کے تمام افراد اس کی جسمانی قوتوں سے واقف تھے۔ان میں سے بعض اس کے ہاتھوں سے پٹ بھی چکے تھے اور انہیں کاکودادا کے ہاتھوں کا وزن بھی معلوم تھا۔لیکن اس وقت جو کچھ ہوا تھا،اسے عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔کاکودادا کی گھن گرج آواز نہ جانے کہاں جا سوئی تھی......؟ اس کے الفاظ کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

''یہ......یہ سارے میرے ہی گروہ کے آدمی ہیں،گل زادی......!''

اور یہ نام،یہ نام بھی ان کے کانوں تک پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔گل زادی خوف ودہشت کا دوسرا نام تھا۔جرائم پیشہ افراد اب اس نام سے ناآشنا نہ رہے تھے،لیکن ان میں بہت کم ایسے تھے،جنہوں نے گل زادی کے دیدار کئے تھے۔بس اس کا نام ہی اس بات کی ضمانت تھا کہ جو کچھ کر رہے ہو،اسے چھوڑ دو،پیچھے ہٹ جاؤ اور انتظار کرو،کوئی حکم ملے تو ٹھیک ہے ورنہ بھول جاؤ،اور اگر نہ بھولے تو پھر زندگی ممکن نہیں ہے۔گل زادی کے متعلق بہت سی کہانیاں جرائم پیشہ افراد کے درمیان گردش کر رہی تھیں اور بہت سے لوگ اسے دیکھنے کے خواہاں تھے،لیکن چند ہی تھے جو اس میں کامیاب ہوئے

تھے اور اب یہ لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کی حالتیں دیکھنے کے قابل تھیں۔

☆......☆......☆

کاکودادا کے یہ الفاظ سن کر مرد نما عورت یا عورت نما مرد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا کہ کاکودادا کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"ارے......!اوہو......!ام......میں......میں......"

"ہائے......!تیری میں "مے مے" بکری کی نسل کے......کیا "مے مے" لگا رکھی ہے......؟ مرد بچہ ہے، مردوں کی شان تو رکھ۔ تو نے تو ہم جیسوں کو مات کر دیا۔ توبہ میری ماں......!"

وہ اپنا لباس سنبھالنے لگا۔ انداز میں وہی لچک مٹک تھی جو ایسے لوگوں کا خاصا ہوتی ہے۔ کاکودادا اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے خوف کے آثار بدستور جھلک رہے تھے۔

"آئے ہائے......!اب مجھ اللہ ماری کا تو فیصلہ کرو، یہیں پڑے پڑے مر جاؤں کیا......؟ جوان جہان کو سڑک سے اُٹھا لائے، ایسی بھولی ہوں میں تو ہر ایک کی باتوں میں آ جاؤں ہوں۔ آئے ہائے......!کاکودادا......!مجھے ٹھکانے تو لگا دو۔ مولا تمہیں خوش رکھے۔ ان موؤں نے تو مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میں جاؤں گی، بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جو حکم اُستاد......!"

کاکودادا نے کہا۔

"کار تو ہوگی تمہارے پاس......؟"

"موجود ہے......!"

کاکودادا نے کہا۔ اس کے بدن میں اب بھی لرزشیں تھیں۔ وہ انتہائی کوشش کے باوجود ان لرزشوں پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اپنے آدمیوں کو ہدایات دیئے بغیر وہ چل پڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ عجیب الخلقت شخص نچلے بدن کو مٹکاتا ہوا اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ کاکودادا اپنی کار کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا اور گل زادی گنگناتا ہوا اندر آ بیٹھا۔

"چھوڑ میری کلائی، مجھے نہ ستا، موہے گرمی لگے، ہائے موہے گرمی لگے۔ آئے ہائے......!چلو ناں کاکوداداجی......!جلدی کرو، موہے گرمی لگے۔"

کاکودادا نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی، لیکن اس کے ہاتھوں کی لرزش اب بھی نمایاں تھی۔ گل زادی اس کی تمام کیفیات سے بے نیاز گنگنانے میں مصروف تھا، تب کاکودادا نے آہستہ سے کہا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی اُستاد......!"

"مولا......!معاف کرے بھیا......!انسان خطا کا پتلا ہے۔ آئے ہائے......!ہمیں دیکھو، خود ہم سے کتنی

بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

"آپ سے استاد......؟"

"تو اور کیا......؟ ماں کے پیٹ میں چھپ گئے ہوئے، خاک میں مل گئے ہوتے۔ آئے ہائے......!دُنیا کا منہ دیکھنے سے انکار کر دیتے۔ مگر غلطی ہو گئی۔ اس دُنیا میں آ گئے، تین میں نہ تیرہ میں، لونڈیاں سہیلی نہ بنائیں، لونڈے دوست نہ بنائیں۔ موئے مردو کہیں گے، گھر کے نہ گھاٹ کے، دھوبی کے کتے کی طرح مارے مارے پھریں ہیں۔ بولو......!کیا کریں......؟"

"آپ بہت کچھ ہیں اُستاد......؟"

کاکودادا نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"چل رے......!مری کے لئے خوشامد نہ کریو۔ دل جلے ہے ان باتوں سے۔ اِدھر موڑ لے بارہ دری کی طرف۔"

گل زادی نے ہدایت دی اور کاکودادا نے کار کا رُخ موڑ دیا، لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ گل زادی کی رہائش گاہ اسے معلوم تھی، لیکن بارہ دری کا رُخ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، تاہم وہ چلتا رہا۔ گل زادی نے اسے کئی بار راستہ بتایا تھا اور پھر ایک خوب صورت کوٹھی کے سامنے کار رُک گئی۔

"پوں پوں بجاؤ کاکودادا......!یہ موا چوکیدار ٹی میں بیٹھا ہوگا، دن کے دس گھنٹے وہاں گزارے ہے۔"

ہارن دینے پر آہنی گیٹ کھل گیا۔ چوکیدار نے گل زادی کو پہچان کر زور سے سلوٹ مارا تھا اور گل زادی کر لجانے لگا۔

"آئے ہائے واہ رے واہ......!ٹھکے لگائے ہے کتے کا جنا......!کاکودادا......!ہم ہی کیا کم ہیں......؟ ارے......!دیکھو تو سہی۔ چالیس انچ کی چھاتی ہے اور مجھ زنخے کو دیکھ کر ٹھکے لگائے ہے، سبحان تیری قدرت میرے مولا......!"

کار عمارت کے خوب صورت پورچ میں رُک گئی۔ کاکودادا کے بدن کی لرزشیں کسی قدر کم ہو گئی تھیں، لیکن سینے میں شدید گھٹن تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ گل زادی اسے اس طرح نہیں چھوڑے گا، کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ پھر بھی اس نے خود کو سنبھالا اور نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا۔ گل زادی نیچے اُتر آیا تھا۔ وہ لاپرواہی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور آخری سیڑھی پر رُک کر کاکودادا کو دیکھا۔

"آئے ہائے......!اندر آؤ ناں کاکودادا......!باہر کیوں رُک گئے......؟ گھڑی دو گھڑی بیٹھو۔ آ بھی جاؤ پردیسی بالم......!جیا دھڑکے سکھی ری جور سے ہائے......!"

وہ اُنگلی مروڑ کر مسکرایا اور کمر دُہری کر کے اندر چل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُر اسرار شرارت تھی۔

کاکودادا اس کے پیچھے تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی بے حد شاندار تھی۔ اگر کاکودادا کی یہ کیفیت نہ ہوتی تو وہ اس کی پسندیدگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔ گل زادی اسے لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ کاکو دادا......! تم سے دو چار باتیں کرلوں۔ دل ہلکا ہو جائے۔ بیٹھو میرے بھولے بالم......! واری جاؤں، تمہارے یہ سسرے تمہارے ساتھی تھے......؟"

"ہاں......! میرے آٹھ ساتھیوں میں سے تین۔"

کاکو دادا تھوک نگل کر بولا۔

"دیکھو تو سہی، میری جان نکال لی انہوں نے، کھال اُدھیڑ دی اللہ ماروں نے۔"

اس نے پھر قمیص اُتار دی اور کاکو دادا اس کے بدن پر سرخ لکیریں دیکھ کر کانپ گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے اور پھر اس کے حلق سے گھگھیائی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"میں اس کے جواب میں ان کے جسموں سے کھال اُتارلوں گا۔"

"ہائے ہائے......! نظر نہ لگے تمہاری جوانی کو، کیسے اُتاردو گے کھال......؟ اُلٹا لٹکا کر یا سیدھا کھڑا کر کے......؟ مگر میرے راجا......! تم نے ان کے سامنے میرا نام کیوں لے دیا......؟"

وہی سوال کر دیا گیا تھا جس کے تصور سے کاکو دادا کی جان نکل رہی تھی۔ گل زادی ابھی بہت سوں کے لئے اجنبی تھا۔ صرف چار افراد ایسے تھے جو اس نام کی حقیقت سے واقف تھے۔ یہ چاروں چھوٹے چھوٹے گروہوں کے سربراہ تھے۔ کافی دن سے گل زادی کے لئے کام کر رہے تھے اور دولت سمیٹ رہے تھے۔ گل زادی اپنے کارکنوں کو اتنا دینے کا عادی تھا کہ وہ تصور بھی نہ کر سکیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی انہیں کچھ ہدایات بھی دی تھیں۔ اس کی خاص ہدایت یہی تھی کہ گل زادی کا نام تو ہر جگہ استعمال ہو، لیکن اس کی شخصیت کی نشاندہی کہیں نہ ہو سکے، ورنہ انہیں شدید نقصان اُٹھانا پڑے گا، اور اس وقت بے اختیاری میں کاکو دادا کے منہ سے گل زادی کا نام نکل گیا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے گل زادی کو دیکھنے لگا۔

"تم چار کے درمیان تھی گل زادی......! مگر اب تین اور ہو گئے اور اب ان پانچوں سے کہیں گے، وہ پانچوں اپنے دوستوں سے۔"

"ہائے مولا......! میں بدنام ہو گئی۔ ہائے اللہ......! میری عزت لٹ گئی۔"

گل زادی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کاکو دادا سر کھجا رہا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا، لیکن اس طرح بین کرنے پر اسے ہنسی آرہی تھی۔ اگر خوف کا یہ عالم نہ ہوتا تو وہ بے تحاشہ قہقہے لگاتا اس عجیب وغریب مخلوق کو وہ آج تک نہیں سمجھ سکا تھا۔ روتے روتے وہ ایک دم چپ ہو گیا اور آنسو بھری آنکھوں سے کاکو دادا کو دیکھنے لگا۔

"بولو ناں بیری بالما......! کیا مل گیا تمہیں میرے جی کو جلا کے......؟"

"میں سخت شرمندہ ہوں اُستاد......! معاف کر دیں، آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

کاکو دادا نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"الٰہی توبہ......! الٰہی توبہ......! کفر بک رہے ہو۔ توبہ توبہ میرے مولا......! مجھے معاف کردے۔ ہائے ہائے......! ایسی کفر کی بات۔ میاں......! معاف کرنے والا تو وہ پاک پروردگار ہے، میں وہ کام کیسے کروں گی جو اس کے

ہیں......؟ ہائے......! مولا نے اپنے بندوں کو یہ حق نہیں دیا۔ ہم مٹی کے پتلے بھلا ہم معاف کرنے کی طاقت کہاں رکھتے ہیں......؟ نہیں میاں......! یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ ہم تو مال کھرا، دام کھرے کے قائل ہیں۔ کپڑے اُتار دو، جلدی کرو ورنہ......"

گل زادی خاموش ہو گیا۔

"معاف کردو اُستاد......! بس ایک بار معاف کردو۔"

"ارے توبہ توبہ......! شیبا......! اری او نینا......! ذرا جلدی سے آؤ میری بچیو......! آؤ دیکھو، یہ مردود کیا کہہ رہا ہے......؟ ذرا دیکھو تو سہی......!"

دو بدروحیں ایک اندرونی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں۔ یہ بھی دیکھنے کی چیز تھیں۔ پہلوانوں جیسے کسرتی بدن، لمبے لمبے بال، جن کی دو دو چوٹیاں گندھی ہوئی تھیں، ان میں ایک غرارہ پہنے ہوئے تھی، دوسری ساڑھی لپیٹے ہوئے تھی، چوڑے چوڑے چہروں پر شیو بڑھی ہوئی تھی، کاکو دادا گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو تو بوا......! اس بوے کو، میں نے کہا کپڑے اُتار دے تو شرما رہا ہے۔"

گل زادی نے کہا۔

"گھبرا رہا ہوگا خالہ بی بی......!"

نینا نے دانتوں تلے اُنگلی دبا کر کہا۔

"چھیڑ چھاڑ کرو ذرا، دل لگی کرو، دیکھیں تو کیسے دم خم ہیں......؟"

"گبرو جوان ہے، دم خم بھی خوب ہیں، آ وری......! جلدی کرو۔"

"معاف کردے گل زادی......! خدا کے لئے معاف کردے۔"

کاکو دادا کی آواز دہشت سے کپکپا رہی تھی۔

"ڈروناں میری جان......! آگے آؤ، ذرا جان دکھاؤ۔"

"گل زادی......! میں تیرا غلام ہوں، لیکن......لیکن مجھے مجبور نہ کر، میں اس قدر بزدل بھی نہیں ہوں۔"

کاکو دادا کی آواز غراہٹ میں بدل گئی۔

"ارے جیتے رہو......! کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی مرد کی زبان میں بولے تو۔ میاں......! ہم تو تارزن کی طرح دہاڑیں بھی ماریں تو لوگ ہنسیں گے، تمہاری بات ہی کیا ہے......؟ چلو ری لڑکیو......! دور کیوں کھڑی ہو......؟"

اور دونوں بلائیں کاکو دادا کی طرف بڑھنے لگیں۔ وہ پوزیشن لے کر کھڑا ہو گیا، اب مجبوری تھی، وہ بہترین باکسر تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر گل زادی نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو پھر مجبوراً ان سے جنگ کرے گا۔

"ہائے ہائے......! ہم ہیجڑوں پر گھونسہ اُٹھاؤ گے بھیا......! کس دل سے مارو گے......؟ شرم نہ آئے گی تمہیں......؟ ہاتھ نہ دُکھیں گے......؟"

نینا نے کہا جو انتہائی کریہہ شکل تھی۔

"خالہ بی بی......! بے تال مارو گی انہیں، ہیں تو بڑے سلونے۔"

نینا نے کہا۔

"آئے ہاں ری......! ہاں ٹھیک کہا تو نے۔ شیبا......! ڈھول اُٹھا لا نگوڑی ماری......!"

گل زادی نے کہا اور شیبا اسی دروازے سے اندر چلی گئی جس سے آئی تھی۔

"میری درخواست ہے گل زادی......! یہ کھیل مت کھیلو، مجھے اپنی غلطی پر سخت شرمندگی ہے، لیکن میں بھی گرا پڑا آدمی نہیں ہوں۔"

کاکو دادا نے کہا۔

"خون بڑھ رہا ہے رسیا......! یہ باتیں سن سن کر۔ بولتے رہو، مرد بنایا ہے اللہ نے، جو دل چاہے کرو، جو دل چاہے کہو، کون روکے ہے......؟"

گل زادی بولا۔ اس دوران شیبا ڈھول لے آئی اور گل زادی ڈھول لے کر فرش پر بیٹھ گیا اور پھر ڈھول کی آواز کمرے میں اُبھرنے لگی اور وہ دونوں کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکے لگانے لگے۔ کاکو دادا پر ہیجانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ متوحش نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ڈھول کی آواز کی دھمک اس کے ذہن پر ہتھوڑوں کی طرح برس رہی تھی۔

دفعتہً اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈھول کی مخصوص تھاپ پڑی اور کاکو دادا دروازہ کھولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر رُک گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا اور اب وہ کچھ کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا اور چہرہ گہرا سرخ ہو گیا تھا۔ خوف کی لہریں اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی تھیں۔ رقص کرنے والے ہیجڑے بڑے اطمینان سے ناچ رہے تھے۔ ان کی عامیانہ حرکتیں بے حد مضحکہ خیز تھیں اور پھر وہ کاکو دادا کے نزدیک آ گئے۔ کاکو دادا دروازے سے چپک گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اگر وہ کوئی حرکت کریں تو ان سے اپنا تحفظ کرے۔ دونوں ہیجڑے کمر لچکا کر رقص کے ایک پوز میں دُہرے ہوئے، لیکن ان کی ٹانگیں چل گئیں اور کاکو دادا کے حلق سے کریہہ چیخ نکل گئی۔ دونوں نے اس کی پنڈلیوں پر بھرپور ٹھوکریں ماری تھیں۔

"کتے کے بچو......! کتے کے بچو......!"

کاکو دادا کراہتا ہوا بولا اور پھر اس نے قمیص کے نیچے سے چاقو نکال لیا۔ چاقو دیکھ کر گل زادی نے زور زور سے ڈھول بجانا شروع کر دیا تھا اور ہیجڑوں کے رقص کی رفتار تیز ہو گئی تھی، لیکن ان کے چہروں پر چاقو دیکھ کر کوئی خاص تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

نواب فاروق حسن خان خاندانی نواب تھے۔ گو ریاستیں نہ رہی تھیں، لیکن فاروق حسن خان کے اجداد ان نوابوں میں سے نہ تھے جو لکیر کے فقیر ہوتے تھے اور صرف زمینوں اور جائیدادوں کے بل پر نوابی کرتے تھے، مصاحب پالتے تھے اور بٹیریں لڑاتے تھے۔ ان لوگوں نے شاید ابتداء ہی سے آنے والے وقت کی تصویر دیکھ لی تھی اور مستقبل کے

لئے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ ان کے کاروبار بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے اور اصل آمدنی وہیں سے تھی۔ آمدنی سے جائیدادیں اور بڑھ گئی تھیں اور وہ نواب کہلانے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ جب جاگیریں ختم ہوگئیں تو سب سے مطمئن خاندان نواب فاروق حسن خان کا تھا۔ وہ آہیں بھرنے اور آنسو بہانے والوں میں شامل نہ ہوئے بلکہ شانِ نوابی کچھ اور بڑھ گئی۔ گردن اُٹھا کر خود کو نواب کہلواتے رہے۔ انہیں حکومت سے ملنے والے وظیفوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ حالات بدلتے رہے، جغرافیائی کیفیتیں بدل گئیں۔ فاروق حسن خان کے بھائی احتشام حسن خان اپنا حصہ وصول کر کے نیروبی چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ خاندان کے بیشتر لوگوں کو انہوں نے نیروبی بلا کر اپنے ہیروں کے کاروبار میں شامل کر لیا اور دن دوگنی، رات چوگنی ترقی کرنے لگے۔

دوسری طرف فاروق حسن خان بھی کم نہ تھے۔ انہوں نے بھی کاروبار کو خوب ترقی دی اور عیش و عشرت کے گہوارے میں جھولنے لگے۔ خاندان کی دولڑکیاں دونوں بھائیوں کے لئے نامزد تھیں، لیکن تھوڑے دن کے بعد نیروبی سے اطلاع ملی کہ احتشام حسن خان نے ایک انگریز خاتون سے شادی رچالی ہے۔ والدین حیات تو نہ تھے لیکن دوسرے بہت سے بزرگ زندہ تھے، خوب لے دے ہوئی۔ نامزد خاتون نے چوڑیاں پیس کر پڑیا بنالی کہ بس اب زندگی بیکار ہے۔ خود فاروق حسن خان صاحب نیروبی گئے تاکہ اس واقع کی تصدیق کریں اور بات سچ نکلی۔ گوری میم صاحب نے غرارہ پہن کر جیٹھ جی کو جھک کر سلام کیا۔ احتشام حسن خان نے بتایا کہ اب وہ سینڈرا سے نفیس بیگم بن گئی ہیں۔ لیکن فاروق حسن خان نہ پسیجے۔ ہوٹل میں قیام کیا اور بھائی کو وہیں طلب کر لیا۔ دونوں میں کچھ ایسی گفتگو ہوئی۔

"میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ گھر واپس جا کر گھر والوں کو یہ جھوٹی خبر سناؤں گا۔ ان سے کہوں گا کہ لوگوں نے احتشام حسن خان پر یہ جھوٹا الزام لگایا تھا۔ ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اسی طرح ہمیں بدنام کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ مگر احتشام حسن خان......! میں نے جو کچھ دیکھا، اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش کہاں رہ گئی......؟"

"مگر بھائی جان......!"

احتشام حسن نے کہا۔

"تمہاری ہکلاہٹ تمہارے جرم کا مظہر ہے احتشام حسن خان......! تم نے یہ نہیں سوچا کہ زہرہ تمہارے نام پر بیٹھی ہوئی ہیں، وہاں اس خبر سے جو حالات ہوئے، میں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ سارا خاندان تمہارے خلاف ہو گیا ہے۔"

"بھائی جان......! حالات ایسے ہی ہو گئے تھے کہ میں...... میں یہ شادی کرنے پر مجبور ہو گیا۔"

"میں نہیں مانتا، کون سی ایسی بات تھی سوائے اس کے کہ تم نے خاندان کے نام کو سیاہی لگائی......؟"

"میں جو کچھ کر چکا ہوں بھائی جان......! اس پر نادم ہوں، خدا کے لئے آپ مجھے ایڈجسٹ کر لیں۔"

"میں یہ ہمت نہیں کر سکتا احتشام حسن خان......! ہاں، اگر تم خاندان کے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو جو نادانی کر بیٹھے ہو، اس سے نجات حاصل کر لو۔"

"کیا مطلب......؟"

احتشام حسن دہشت زدہ انداز میں بولے۔

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔"

نواب فاروق حسن خان نے سرد لہجے میں کہا۔

"یعنی یعنی......"

احتشام حسن خان کی سانس پھول رہی تھی۔

"ہاں......! اسے طلاق دے دو۔"

"نہیں بھائی جان......! یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر تمہیں سارے خاندان سے جدا ہونا پڑے گا۔"

"آپ میرے بڑے بھائی ہیں، آپ اگر چاہیں تو میرے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

احتشام حسن نے کہا۔

"مثلاً......؟"

"آپ دوسرے لوگوں کو راضی کر لیں۔ اگر آپ کوشش کریں گے تو میرے لئے جگہ بن سکتی ہے۔"

احتشام حسن نے کہا۔

"نہیں احتشام......! تم اگر مجھے سرخرو کرتے تو میں بڑے فخر سے واپس جاتا، لیکن اب میں واپس جا کر صرف ایک اطلاع دے سکتا ہوں کہ جو سنا گیا ہے، سچ ہے۔"

"بہر حال بھائی جان......! میں نے ایک غیر مسلم کو مسلمان کیا ہے۔ اس نے میرے لئے مذہب چھوڑ دیا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"بہر حال، میری دُعائیں تمہارے ساتھ ہیں، لیکن میں تم سے خاندان کے سارے ناطے توڑ کر جا رہا ہوں۔ آئندہ ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔"

"کوئی رعایت نہیں ہوگی بھائی جان......؟"

"ممکن نہیں ہے۔"

"مزید کیا عرض کر سکتا ہوں......؟"

احتشام حسن نے کہا اور نواب فاروق حسن خان وہاں سے واپس آ گئے۔ انہوں نے افسردہ لہجے میں لوگوں کو اطلاع دی کہ خبر سچ ہے۔ زہرہ بیگم نے چوڑیاں کھانے کا ارادہ ترک کر کے خاندان کے ایک اور نوجوان سے شادی کر لی۔ دوسری خاتون سے نواب فاروق حسن خان نے فوراً شادی کر لی تھی تا کہ کم از کم ان کی پوزیشن خراب نہ رہے۔ شادی ہو گئی، مہ و سال گزرتے رہے، حتیٰ کہ دس سال گزر گئے اور نواب فاروق حسن خاں کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ نواب فاروق حسن خان اپنے لاولد ہونے پر بہت افسردہ رہتے تھے۔ پھر کسی نے بتایا کہ ایک مزار ایسا ہے جہاں سے ہر نامراد بامراد لوٹتا ہے۔ چنانچہ نواب فاروق حسن خان نے وہاں کا دورہ کرنا منظور کر لیا۔ تنہائی میں جب بھی وہ بیگم کے ساتھ

ہوتے تو اس موضوع پر اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ابتداء ہی سے میاں بیوی میں اختلاف تھا۔ بیگم صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھے بیٹی درکار ہے اور نواب صاحب کہتے تھے کہ خاندان کا نام روشن کرنے کے لئے بیٹا ضروری ہے۔ بیٹی اور بیٹے کا جھگڑا چل رہا تھا لیکن نہ تو بیٹی وجود میں آئی اور نہ ہی بیٹا۔ سال پر سال گزرتے رہے تاہم ذہنوں میں اب بھی وہی طلب باقی تھی۔ چنانچہ بزرگ کے مزار پر بیگم نے دُعا مانگی تو ان کی طلب میں بیٹی شامل تھی اور نواب صاحب نے گڑگڑا کر بیٹا مانگا۔ ظاہر ہے، بزرگ بھی چکر میں پڑ گئے ہوں گے کہ کس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں......؟ بہر صورت انہوں نے دُعا تو ضرور کی ہوگی کیونکہ بزرگ کی دُعائیں کچھ عرصے کے بعد ہی بارآور ہو گئیں۔

کچھ عرصے کے بعد بیگم صاحبہ کے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہو گئی تھی اور یہ گڑبڑ ایک عجیب سے بچے کی شکل میں نمودار ہو گئی۔ اس کو دیکھ کر نواب صاحب اور بیگم صاحبہ ششدر رہ گئے تھے۔ وہ نہ لڑکی تھی نہ لڑکا، دونوں کی دُعائیں گڑبڑ ہو گئی تھیں اور فرشتوں نے اُلجھ کر ایک عجیب و غریب شئے تخلیق کر ڈالی تھی اور یہ عجیب و غریب شئے دُنیا میں آ گئی۔ جس دایا نے بچے کی ولادت کرائی تھی، اسے بے شمار دولت دے کر اس کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا اور بیگم صاحبہ کے کمرے پر پہرے لگا دیئے گئے۔ صرف دایا کے علاوہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ خاندان والوں سے یہی کہہ دیا گیا تھا کہ بزرگ نے بشارت دی ہے کہ بچے کو طویل عرصہ تک لوگوں سے چھپایا جائے کیونکہ اتنے عرصے کے بعد ولادت ہوئی ہے اس لئے کچھ ضروری پرہیز کرنے ہیں۔ خاندان والے توہمات پسند تھے چنانچہ کسی نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس عجیب و غریب شئے کو چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی تھی اور یہی ہوا۔

پہلی بار اس وقت شہروز میاں کی رونمائی ہوئی تھی جب وہ تین سال کے تھے۔ خاندان میں ایک بہت بڑی تقریب منائی گئی اور اس تقریب میں شہروز میاں کو لوگوں نے لاکھوں روپے کے تحائف پیش کئے۔ چھوٹا سا خوب صورت بچہ ہر ایک کی نگاہ کا مرکز تھا۔ نام شہروز تھا اور صنف نازک لڑکا۔ کم از کم نواب صاحب نے اپنے لواحقین میں یہی مشہور کیا تھا اور لوگوں کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ رہی۔ البتہ شہروز میاں کی پرورش اسی خفیہ انداز میں ہوتی رہی۔ نواب صاحب نے اپنے طور پر بہت سے لوگوں سے مشورے کئے۔ غیر ممالک میں بھی گئے۔ شہروز میاں کو بھی ایک دو بار ملک سے باہر لے جایا گیا لیکن بیرونی ممالک کے ڈاکٹر بھی اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے اور نتیجہ وہی صفر رہا۔ شہروز میاں مردوں کی طرح پرورش پانے لگے۔ پھر حالات بدل گئے، نواب فاروق حسن خان کو نقلِ وطن کر کے اصلی وطن میں آنا پڑا، جوان کا اپنا اصلی وطن تھا۔ لیکن سارا خاندان ان کے ساتھ ہی آیا تھا اور یہاں بھی وہی فضاء برقرار تھی۔ شہروز میاں جب نوجوانی کی عمر کو چھونے لگے تو ان کی مسیں بھیگیں، پھر شیو کے بال آئے اور کسی بھی ذہن میں کوئی سوال نہ جاگا۔ البتہ خود شہروز میاں عجیب و غریب کیفیات کا شکار تھے۔ وہ اپنی ذات میں اُلجھ گئے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خود کو کیا کہیں......؟

سترہ سال کی عمر میں ان پر جنون کے دورے پڑنے لگے۔ وہ پاگلوں کی طرح گفتگو کرتے۔ یہ گفتگو بے ربط ہوتی اور نواب فاروق حسن خان اور ان کی بیگم اس بات پر ہی اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اس گفتگو کے دوران شہروز میاں اپنی اصلیت اُگل پڑنے پر آمادہ نہ ہو جاتے تھے۔ لیکن یہ صورتِ حال جاری رہی۔ شہروز میاں انیس سال کی عمر تک انہی

دوروں کا شکار رہے اور ڈاکٹر خفیہ طور پر ان کا علاج کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہروز میاں نارمل ہو گئے۔ اب ان پر دورے نہیں پڑتے تھے۔ سرخ و سفید رنگت تھی، حسین و جمیل چہرہ تھا، دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتے تھے۔ چہرے پر ایسا بھولپن تھا کہ نگاہ ٹھہرنے کا نام نہ لے، لیکن تقدیر کی خرابی کو کیا کیا جاتا کہ وہ بیچارے مرد نہ ہونے کے باوجود مردوں کے سے انداز میں پرورش پا رہے تھے۔ البتہ اپنی ذات میں اُلجھ کر ان کے مشغلے کچھ بدل سے گئے تھے۔ زیادہ تر وہ گھر سے باہر رہتے تھے اور کسی کے باز پرس کرنے پر کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ وہ تو بدمزاج بھی نہیں تھے۔ معصوم سی فطرت تھی، زیادہ تر خاموش ہی رہا کرتے تھے۔ البتہ جب ان پر تشدد کیا جاتا تھا تو ان پر ہیجان طاری ہو جاتا تھا اور والدین اپنے اس روّیے میں بھی نرم ہو گئے۔

نواب فاروق حسن خان کو یہ احساس گھن کی طرح کھائے جاتا تھا کہ اگر کبھی اصلیت کھل گئی تو کیا ہوگا......؟ لوگ ان کے بارے میں کیا کہیں گے......؟ قدرت نے اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں دی تھی جس سے شہروز میاں کی کمی پوری ہو جاتی۔ وہی آنکھوں کا تارا تھے، وہی دل کا سہارا تھے۔ لیکن یہ سہارا بھی عجیب تھا۔ یوں گزر رہی تھی اور اب شہروز میاں چوبیس سال کے ایک گبرو جوان تھے۔ نواب فاروق حسن خان کے حالات مزید بدل گئے تھے۔ ان کا شمار ملک کے بہت بڑے صنعت کاروں میں ہوتا تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی، کسی شئے کی کوئی کمی نہیں تھی، بے شمار ملازم اور بے شمار مصاحب ہمہ وقت موجود رہا کرتے تھے۔ سب کچھ تھا لیکن دل کے گوشے ویران تھے۔ جب بھی شہروز میاں کے بارے میں سوچتے، دل بیٹھنے لگتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں......؟

ابھی تک انہوں نے اپنی کوششیں ترک نہیں کی تھیں اور اب بھی کبھی کبھی شہروز میاں کو ڈاکٹروں کا نشانہ بننا پڑتا تھا، دوائیں کھانی پڑتی تھیں، انجکشن لگوانے پڑتے تھے۔ چند ڈاکٹروں نے آپریشن کی تجویز پیش کی تو شہروز میاں بندوق لے کر کھڑے ہو گئے۔

''مجال ہے، کسی کی کوئی میرا آپریشن کرے۔ بس میں جو کچھ ہوں ٹھیک ہوں۔ بس میرے معاملے میں کوئی ایسا روّیہ اختیار نہ کیا جائے، اور ابا جان......! آپ بھی یہ ڈاکٹروں کا سلسلہ ترک کر دیں۔ جتنی ہو چکی، وہی بہت ہے۔ اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ اس کے بعد اگر کوئی ڈاکٹر اس گھر میں آیا تو آپ سوچ لیں، اس کی خیر نہیں اور اس کے خون کا الزام آپ کے سر ہوگا۔''

شہروز میاں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، کر بھی ڈالیں گے۔ اس لئے اس کے بعد نواب فاروق حسن خان کی پھر یہ ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی انہوں نے شہروز میاں کے معاملات میں پھر کوئی دخل دیا۔ شہروز میاں جب دل چاہتا گھر میں رہتے، جب دل چاہتا گھر سے غائب ہو جاتے۔ بتانے کی ضرورت نہیں تھی، کئی کئی گاڑیاں ان کے تصرف میں رہا کرتی تھیں۔ دولت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ جتنی ضرورت ہوتی، لے لیا کرتے تھے۔ شہروز میاں اس سلسلے میں بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ گاڑیاں ضرور ان کے تصرف میں رہتی تھیں، لیکن دولت کے مسئلہ میں انہوں نے خاصی لاپرواہی اختیار کر رکھی تھی۔

نواب فاروق حسن خان کو اس مسئلہ میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ شہروز میاں کو پیسوں کی ضرورت

ہی نہیں پڑتی تھی۔ ان کے اخراجات کچھ نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ یہ معمولات ان کی عادت بن گئے۔ اب نواب فاروق حسن خان شہروز میاں کی طرف سے خاصے لاپرواہ ہو گئے تھے۔ کچھ کر تو سکتے نہیں تھے اور جو نہیں ہو سکتا تھا، اس کا تردّد کرنا بیکار تھا۔ چنانچہ انہوں نے صبر کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں سمجھا تھا۔

ان کی زندگی کی ساکن سطح میں اب کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ لیکن زیادہ عرصے ایسا نہ ہو سکا۔ ایک دن بیرونِ ملک سے ڈاک موصول ہوئی۔ ڈاک میں سے جو کچھ برآمد ہوا، اس نے بہت سی یادیں تازہ کر دیں۔ احتشام حسن خان کا خط تھا۔ بھائی کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا جسے وہ بھول بیٹھے تھے۔ بھائی یاد آ گیا اور دل اس بری طرح تڑپا کہ وہ بے قرار ہو گئے۔ خط کھول کر پڑھا، عجیب درد بھری تحریر تھی جسے پڑھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ لکھا تھا۔

''جناب قبلہ بھائی صاحب......!

آداب......!

نہ جانے اب مجھے یہ الفاظ کہنے کا حق ہے یا نہیں، تاہم میرے اپنے سینے میں میرا بھائی اب بھی روزِ اوّل کی طرح زندہ ہے۔ آج بھی میرا دل چشم تصور سے اس کی صورت دیکھتا ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اسے مجھ سے جدا ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا۔

بھائی صاحب......! ممکن ہے آپ نے میرا خیال دل سے نکال پھینکا ہو۔ لیکن میں نہ تو آپ کا خیال دل سے نکال سکا ہوں اور نہ ہی کبھی یہ سوچ سکا ہوں کہ آپ مجھ سے ہمیشہ دُور رہیں گے۔ زندگی لاکھوں کروٹیں بدل چکی ہے، ایسے ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیکن جو ہے سو موجود ہے۔ وہ محبتیں فنا نہیں ہو سکتیں جو خدا نے ہمارے سینوں میں جا گزیں کی ہیں۔ آپ کا اختلاف جس سے تھا، وہ اب اس دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ ہاں اس کی ایک نشانی سارہ ہے جو میرے سینے کے ساتھ لگ کر جوان ہوئی ہے۔ سارہ آپ سب لوگوں کو اسی طرح جانتی ہے جیسے آپ سب لوگوں کے درمیان رہتی رہی ہو۔ جب وہ معصوم تھی تو سوالات کرتی تھی کہ یہ سب اس سے دُور کیوں ہیں......؟ اسے ان کے پاس کیوں نہیں لے جایا جاتا......؟ تب میں اسے بہلا دیا کرتا تھا، لیکن اب وہ جوان ہو چکی ہے۔ اب یہ سوالات ایک ٹھوس نوعیت اختیار کر گئے ہیں۔ وہ جب شک و شبہ کی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہے تو میں آنکھیں جھکا لیتا ہوں۔ میں اس سے تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ بنائے فساد وہ یا اس کی ماں تھی۔

بھائی صاحب......! میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا سارہ بھی آپ کے لئے اسی طرح ناقابل قبول ہے جس طرح اس کی ماں تھی......؟ اگر سارہ بھی اپنی ماں کے جرم میں شریک قرار دی جائے تو براہِ کرم مجھے تحریر فرما دیں۔ میں اپنی محبت کی آگ سرد نہیں کر سکتا۔ میرا دل آپ کو دیکھنے کے لئے بے چین ہے۔ سو میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔ ہاں، اگر سارہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حق نہ ہو تو اسے میں پھر بہلا دوں گا اور وہیں چھوڑ آؤں گا۔

مناسب سمجھیں تو اس پتہ پر مجھے جواب ارسال کریں۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔ اگر آپ نے میرے اس خط کا جواب نہیں دیا، تب بھی میں آپ کے پاس پہنچ ہی جاؤں گا۔ ہاں، سارہ میرے ساتھ نہ ہوگی۔

آپ کا بھائی

احتشام حسن خان......!"

☆......☆......☆

خط کیا تھے، تیر تھے جو سینے کے پار ہو رہے تھے۔ فاروق حسن خان پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ بیٹے کی طرف سے دل دُکھا ہوا تھا۔ دلدار کوئی بھی نہیں تھا، دولت کی ریل پیل ضرور تھی، لیکن دولت سارے مسائل حل نہیں کرتی۔ جو لوگ دولت کے بل پر اپنا ماضی اور اپنا حال بھول گئے ہیں، وہ کتنی بڑی بھول پر ہیں۔ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے وہ لوگ۔ نواب فاروق حسن خان بھی اس وقت یہی سوچ رہے تھے اور پھر بے قرار ہو کر انہوں نے جوابی خط ارسال کر دیا۔

"احتشام......! آپ سارہ کو ضرور لائیں۔"

جواب میں انہیں احتشام صاحب کا خط مل گیا وہ آ رہے تھے۔ نواب فاروق حسن خان کی زندگی میں گویا ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا تھا۔ یوں تو ہزاروں محفلیں تھیں، ہزاروں تقاریب تھیں، کبھی ان کی کوٹھی میں ہوتیں اور کبھی ان کے اعزہ کے گھروں میں محفلیں جمتیں۔ وہ ان میں شریک بھی ہوتے۔ لیکن یہ تقریب انوکھی تھی۔ یہ ایک طویل عرصے کے بچھڑے ہوؤں کے ملنے کی تقریب تھی اور اس تقریب کی خوشی میں نواب فاروق حسن خان نے کوٹھی کو نہ جانے کیا سے کیا بنا ڈالا تھا......؟ چاروں طرف سجاوٹیں ہو رہی تھیں۔ ہر چیز میں ایک ندرت پیدا کی جا رہی تھی۔ فاروق حسن خان کے لئے کئی کمرے درست کروا دیئے گئے تھے۔ سارہ کی عمر کا کوئی تعین نہیں تھا۔ تاہم جو کچھ ہو رہا تھا، کیا جا رہا تھا، ملازموں کو ہدایات دی جا رہی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس سلسلے میں فاروق حسن خان اور ان کی بیگم تنہا تھے۔ یعنی ان کے بیٹے شہروز کا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں تھا۔

وہ لاابالی نوجوان اوّل تو گھر میں کم ہی رہتا تھا اور اگر رہتا بھی تھا تو اپنے کمرے میں ہی گھسا رہتا تھا۔ شرمایا شرمایا سا، لجایا لجایا سا، اور فاروق حسن خان اس معاملے میں اسے بے قصور سمجھتے تھے۔ یہ سادہ لوح نوجوان نہ جانے اپنی زندگی کو کہاں صرف کر رہا تھا......؟ انہوں نے اس کے معمولات میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بیٹے کے دُکھ سے واقف تھے۔ جانتے تھے کہ نوجوانی کا احساس اسے عجیب و غریب منزلوں کی جانب لے گیا ہوگا۔ وہ اپنے لئے کسی منزل کا تعین بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی کسی سے وہ کہہ سکتے تھے۔ جن لوگوں کو معلوم تھا، انہیں بھی بڑی مشکلوں سے خاموش رکھا تھا اور ہدایات کر دی گئی تھیں کہ کبھی اس بات کا اظہار نہ کریں کہ انہیں شہروز کی اصلیت معلوم ہے اور جن لوگوں کو حالات معلوم تھے، وہ واقعتاً خاموش تھے۔ دبی دبی زبان یا اشاروں کنایوں میں بھی کبھی اس بات کا اظہار نہیں

کرتے تھے کہ وہ ایک اہم راز سے واقف ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ واقفیت ان کی زندگی کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔ نواب احتشام حسن خان ایک طویل عرصے کے بعد نئی جگہ نئے ماحول میں اپنوں کے سامنے آ رہے تھے۔ شہروز کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ اسے تمام رشتے بتا دیئے گئے تھے، لیکن جواب میں اس نے لجائے ہوئے انداز میں اُنگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"تو میں کیا کروں......؟ جو آتا ہے، اسے آنے دیں۔"

"شہروز میاں......! زمانے کے کچھ اخلاق و آداب ہوتے ہیں۔ احتشام حسن خان تمہارے چچا ہیں۔ وہ اتنے عرصے کے بعد آ رہے ہیں۔ کبھی انہوں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم ان سے ملاقات کرو اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گھلنے ملنے کی کوشش کرو۔"

"تو اس سے فائدہ......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"بیٹے...... ! فائدہ تو ہے۔ اپنوں سے دُور نہیں رہا جا سکتا۔ اس کے علاوہ شہروز بیٹے......! میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی۔"

"وہ کیا......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"یہی کہ تم بولنے کے سلسلے میں کچھ احتیاط رکھا کرو۔ تم تو اچھا خاصا بول لیتے ہو۔ پھر یہ انداز میں تبدیلی کیوں پیدا ہو جاتی ہے......؟"

فاروق حسن خان نے پریشانی سے کہا۔

"ہم کیا کریں ابو جان......؟ ہماری عادت ہی ایسی ہے۔ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے دل چاہتا ہے کہ ہم کمر لچکا کر دُہرے ہو جائیں، کبھی منہ میں دوپٹہ ٹھونسنے کو جی چاہتا ہے، اور ابو جان......! امی جان نے ہمارے وہ سارے کپڑے بھی چھین کر رکھ لئے جو ہم نے بڑی چاہ سے بنوائے تھے۔"

"کون سے کپڑے......؟"

فاروق حسن حیرت سے بولے۔

"غرارہ سوٹ، بنارسی ساڑھیاں اور نہ جانے کیا کیا......؟ ابو جان......! کبھی کبھی ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم یہ لباس پہنا کریں۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے......؟"

شہروز نے لچکتے ہوئے کہا اور فاروق حسن خان نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ بڑی دیر تک وہ غم میں ڈوبے رہے۔ پھر سرد لہجے میں بولے۔

"شہروز بیٹا......! ایسا کبھی مت سوچنا۔"

"کیسا ابو جان......؟"

''یہی لباس پہننے کے بارے میں، یہ لباس تمہارے لئے نہیں ہیں۔''

فاروق حسن خان نے کہا۔

''کیوں ابو جان......؟''

شہروز نے بدستور معصومیت سے پوچھا۔

''اس لئے کہ تم لڑکے ہو۔''

''ہائے اللہ......! جھوٹ نہ بولئے، ہم لڑکے کہاں ہیں......؟''

''لڑکی بھی تو نہیں ہو۔''

نواب فاروق حسن خان کسی قدر سخت لہجے میں بولے۔

''ہائے اللہ......! آپ ہمیں ڈانٹ رہے ہیں۔ امی......! امی......! دیکھئے، ابو ہمیں ڈانٹ رہے ہیں۔''

شہروز نے رونے والے انداز میں کہا اور فاروق حسن خان سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ بیگم صاحبہ زیادہ فاصلے پر نہ تھیں اور ان تمام حالات سے واقف تھیں، چنانچہ وہ نزدیک آ گئیں۔

''نہیں شہروز بیٹے......! خدا کے لئے، ایسی باتیں نہ کریں۔''

''مگر امی......! یہ دیکھئے ناں، ابو جان کیا کیا باتیں کر رہے ہیں......؟ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔''

''بس شہروز میاں......! آپ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کیا کریں۔ آپ اپنے جن دوستوں میں مگن رہتے ہیں، رہا کریں۔ ابو جان جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس کی پرواہ نہ کیا کریں۔ ٹھیک ہے، آپ انہیں لینے ایئرپورٹ نہ جائیں۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔''

بیگم صاحبہ نے شہروز کو پیار سے سمجھایا۔

''شکریہ امی جان......! ہمیں ان کے ساتھ باتیں کرنے کے لئے مجبور تو نہیں کیا جائے گا......؟''

''ہاں......! نہیں کیا جائے گا۔ آپ اپنے ذہن پر زور نہ ڈالیں۔ آپ جو چاہیں گے، وہی ہو گا۔ میرا بیٹا جس طرح سے اپنی زندگی گزارنا چاہے گا، ویسا ہی ہو گا۔ اگر یہ اپنے چچا کے سامنے نہ بھی آئے تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

''نہیں امی......! ایسی بات نہیں ہے۔ اگر ابو جان کی خواہش ہے تو ہم ایک آدھ بار ضرور ان سے ملیں گے۔ مگر آپ خود ان سے کہہ دیں کہ ہم زیادہ دیر ان کے پاس نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمارے اپنے بھی کچھ مشاغل ہیں، کچھ مصروفیات ہیں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! میں کہہ دوں گی۔''

''لیکن آپ میری اس درخواست پر غور کریں گے شہروز میاں......!''

''کون سی درخواست امی جان......؟''

''یہی کہ آپ ان کے ساتھ ذرا سلیقے سے بولنے کی کوشش کریں، جبکہ آپ اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ جب آپ مردوں کی طرح بولتے ہیں تو بہت اچھے لگتے ہیں اور یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے امی جان......! ہم کوشش کریں گے۔''

شہروز نے اقرار کر لیا اور پھر انہیں واپس جانے کی اجازت مل گئی اور وہ شرمائے ہوئے باہر نکل گئے۔

نواب فاروق حسن خان روہانسے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے چہرے سے رنج و غم کے تاثرات عیاں تھے۔ ضروری اُمور کے لئے لوگ موجود تھے، اس لئے فاروق حسن خان کو زحمت نہ کرنی پڑی اور وہ نواب فاروق حسن خان کے پاس پہنچ گئے۔ دونوں بھائیوں کے ملاپ کا منظر بے حد رقت انگیز تھا۔ بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہے۔ بڑی مشکل سے دونوں کو علیحدہ کیا گیا۔ چادر میں لپٹی لڑکی کو بیگم صاحبہ نے سنبھال لیا تھا۔ رشک حور تھی، مغربی ماں اور مشرقی باپ کے سنگم کا حسین امتزاج، رنگ و روپ ماں سے ملا تھا تو ملاحت باپ سے۔ دیکھنے والا نگاہ نہ ہٹا پائے اور خوبی یہ تھی کہ آداب مشرقی تھے۔

''کیا نام ہے تمہارا بیٹی......؟''

بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

''سارہ......!''

جواب ملا اور پھر ایک حسین مسکراہٹ کے ساتھ نہایت شستہ اُردو میں کہا گیا۔

''آپ مجھ سے اُردو میں گفتگو کریں تائی امی......!''

''ایں......؟ ارے سبحان اللہ......! تم اتنی خوب صورت اُردو بول لیتی ہو اور لہجے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے۔''

''میں تو بچپن سے اُردو ہی بولتی ہوں۔''

''سبحان اللہ......! یہ کام کیا ہے احتشام نے، جی خوش کرنے کا، تو بیٹی......! تمہیں مذہبی آداب بھی آتے ہوں گے۔''

''جی ہاں......! میں نماز پڑھتی ہوں، روزے بھی رکھتی ہوں۔''

سارہ نے جواب دیا۔ واپسی کے انتظامات ہو گئے تھے اس لئے سب گاڑیوں کی طرف چل پڑے، اور تھوڑی دیر کے بعد فاروق حسن خان صاحب کی کوٹھی میں عید کا سماں نظر آنے لگا۔ ملازم بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ سارا اہل خاندان جو آج بھی نواب صاحب کے ساتھ رہتے تھے، خوش نظر آ رہے تھے۔ صرف شہروز کی کمی تھی۔ وہ ان کے درمیان موجود نہیں تھا۔ شاید وہ کوٹھی میں ہی موجود نہ تھا۔ فاروق حسن خان کی نگاہیں بار بار اس کی تلاش میں اُٹھ جاتی تھیں اور پھر ایک اُداس سی کیفیت ان کی آنکھوں میں تیر جاتی۔ بھائی سے دُنیا جہان کی باتیں ہو رہی تھیں، مرنے والی کے لئے تعزیت کی جا چکی تھی۔ سارہ آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ غرض تمام سرگرمیاں جاری تھیں۔

''شام کی فلائٹ سے دو افراد اور آ رہے ہیں، ایک گاڑی بھیجنی پڑے گی۔''

احتشام صاحب نے کہا۔

''پہنچ جائے گی، کون لوگ ہیں......؟''

"آپ کو بھائی رفاقت یاد ہیں......؟"

"ہاں ہاں......! کیوں نہیں، کیوں نہیں......؟"

"ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔ بھابی صاحبہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ علی رفاقت انہی کے صاحب زادے ہیں۔ مرحوم خود بھی زندگی بھر کوئی ڈھنگ کا کام نہ کر سکے اور اب صاحب زادے بھی انہی کے نقش قدم پر ہیں۔"

"اوہ......! اچھا اچھا......! تمہارے پاس ہی رہتے ہوں گے......؟"

"جی ہاں......! میں نے کسی کو خود سے جدا نہیں ہونے دیا۔"

"دوسرا کون ہے......؟"

"تم یاد ہے، پھوپھی صاحبہ کی ایک صاحبزادی شازیہ تھیں......؟"

"ہاں ہاں......! تھیں۔"

"ان کے بیٹے ارقم ہیں۔ وہ صاحب زادے بھی بس دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ افریقہ میں انہوں نے نوابی یادوں کو گلے لگائے رکھا ہے اور عجوبہ بن گئے ہیں۔"

"خوب......! تو یہ دونوں آ رہے ہیں......؟"

"جی ہاں......! بہت پہلے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اگر میں یہاں آیا تو انہیں بھی ساتھ لے چلوں گا۔ بس میں نے وعدہ نبھایا ہے۔"

"اچھا کیا میاں......! مگر ساتھ کیوں نہ لے آئے......؟"

فاروق صاحب نے پوچھا۔

"بس وہ ذرا کچھ بے تکے ہیں، اس لئے میں نے ان کے ٹکٹ دوسری فلائٹ سے رکھے۔"

احتشام صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور پھر انہوں نے جیب سے دو تصویریں نکال کر نواب صاحب کے سامنے کر دیں۔ نواب صاحب نے دونوں تصویریں دیکھیں اور پھر کھنکھار کر گلا صاف کرنے لگے۔ دو عجوبے ان کے سامنے تھے، ان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔ فاروق حسن خان کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر وہ چونک کر بولے۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا بھائی صاحب......!"

"ہوں......!"

"مجھے اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"صرف ایک بھتیجا ہے تمہارا اور بس......!"

"اوہ......! یہاں بھی یہی سلسلہ ہے......؟ کہاں ہیں صاحب زادے......؟ ہم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ ائیر پورٹ نہیں آئے تھے کیا......؟"

"موجود نہیں ہیں، آ جائیں گے۔"

"کیا نام ہے......؟"

"شہروز......!"

نواب صاحب کے لہجے میں زندگی نہیں تھی جسے احتشام صاحب نے بھی محسوس کیا، لیکن کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ پر جو گزری تھی، اس کا دل ہی جانتا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ دیر تک وہ اور عامرہ حیرت زدہ کھڑی رہی تھیں۔ پھر دونوں ہی بیک وقت چونکیں۔ عامرہ دروازے کی طرف لپکی تو عالیہ شاہ بھی اس کے پیچھے باہر آ گئیں لیکن اس وقت تک وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

"ناممکن......!"

عالیہ شاہ بے اختیار بولیں اور عامرہ بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا ناممکن......؟"

اس نے پوچھا۔

"جو حرکت اس نے کی ہے۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں عالیہ شاہ......!"

عامرہ سرد لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب......؟"

"اگر آپ ماضی پر نگاہ ڈالیں تو اس واقع کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے عادات و اطوار، اس کے انداز، اس کے طور طریقے، ساری باتیں آج اس کے انکشاف کی تصدیق کرتی ہیں۔"

"ہوں......!"

عالیہ شاہ غور کرنے لگیں، پھر انہوں نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"آؤ اندر آؤ......! یہ سب کچھ میرے لئے غیر متوقع ہے۔ میں کافی پریشان ہو گئی ہوں۔"

"خود میرے خوابوں کے محل چکنا چور ہو گئے ہیں۔"

عامرہ غمناک لہجے میں بولی۔

"مجھے احساس ہے۔"

عالیہ شاہ نے ہمدردی سے کہا۔

"اب کیا ہو گا عالیہ شاہ......؟"

"کچھ نہیں......! کیا ہو سکتا ہے......؟ تم بھی صبر کرو، میں بھی صبر کرتی ہوں۔ واقعہ ایسا ہے کہ ہم اس

بارے میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔ ہماری اپنی پوزیشن خراب ہوتی ہے۔''

''ہاں......! کسی سے کچھ کہنے سننے کا سوال ہی کیا ہے......؟ میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے۔ کیا آپ مجھے ایک کپ کافی پلوا سکتی ہیں عالیہ شاہ......؟''

''ایں......؟ ہاں......! میں کہہ کر آتی ہوں۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئیں۔ لیکن عامرہ نے یہ چال کسی اور ہی خیال کے تحت چلی تھی۔ عالیہ شاہ کا پرس اب بھی اسی جگہ رکھا ہوا تھا جہاں پہلے موجود تھا۔ عالیہ شاہ نے اسے پیشکش کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو ہاری ہوئی رقم واپس لے لے۔ مگر عامرہ نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا تھا۔ لیکن یہ اس وقت کی بات تھی۔ اب حالات بدل گئے تھے اور وہ اس بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ جونہی عالیہ شاہ باہر نکلی، اس نے پرس پر جھپٹا مارا اور اسے کھول لیا۔ پرس میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے پچپن ہزار چھ سو روپے گن کر نکالے اور انہیں اپنے پرس میں منتقل کر کے عالیہ شاہ کا پرس واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد عالیہ شاہ واپس آ گئی۔ اندر آ کر وہ اُداس سی بیٹھ گئی تھی اور پھر دونوں شہروز کے بارے میں گفتگو کرتی رہیں۔ اس دوران کافی آ گئی اور پھر کافی پینے کے بعد عامرہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

''اجازت دیں عالیہ شاہ......!''

''سوری عامرہ......! میرے جذبات اس وقت تم سے مختلف نہیں ہیں۔ میں حیران بھی ہوں اور رنجیدہ بھی، پھر ملاقات ہو گی۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور عامرہ باہر نکل گئی۔ عالیہ شاہ گہری سانس لے کر صوفے پر دراز ہو گئی تھیں۔ جو کچھ ہوا غیر متوقع تھا۔ حالات اتنے مضحکہ خیز تھے کہ بے اختیار قہقہے لگانے کو دل چاہتا تھا۔ عالیہ شاہ اس قسم کی عورت نہیں تھی کہ کسی خاص شخصیت کے لئے افسردہ ہو جائے۔ لیکن بس، اس کا پلان فیل ہو گیا تھا۔ اس نے اس نئے پروگرام پر کافی وقت ضائع کیا تھا۔ اسے بس اپنے انتخاب پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس احمق نوجوان کی شخصیت کا یہ پہلو کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ ہنس پڑی۔ عامرہ بیگم اپنی زندگی کے اس انوکھے واقع کو پوری زندگی فراموش نہیں کر سکیں گی۔ عاشق مزاج خاتون، بیچاری اچھی خاصی رقم اس چکر میں ہار گئی۔ لیکن اس کی تقدیر اچھی تھی، اس کے بعد کی مصیبتوں سے بچ گئی۔

عالیہ شاہ کا ماضی نامعلوم تھا، وہ اعلیٰ حلقوں میں اچانک متعارف ہوئی تھی۔ اعلیٰ طرزِ زندگی، خوب صورت کوٹھی، خوب صورت کام نے اسے اعلیٰ حلقوں میں اجنبی نہ رہنے دیا۔ البتہ کسی نے ان کے مسٹر کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ مسٹر شاہ کے نام کی ایک ڈمی ضرور موجود تھی جو کسی طور عالیہ شاہ کی سطح کی شخصیت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بہرحال اسے عالیہ شاہ کا شوہر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اصل شخصیت تو عالیہ شاہ کی تھی اور عالیہ شاہ کی اصل شخصیت کیا تھی......؟ یہ اس شہر کے چند لوگوں ہی کو معلوم تھا۔ وہ ایک خطرناک بلیک میلر تھی۔ اعلیٰ حلقوں کی چند کمزور دل خواتین اس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھیں اور انہیں پھانسنے کے لئے اس نے زبردست ہتھکنڈے استعمال کئے تھے۔ یہ

خواتین بعض ایسی کمزوریوں کا شکار تھیں جو منظرِ عام پر آ جاتیں تو ان کی زندگی، خاندان اور مستقبل تباہ ہو جاتا اور ان تینوں چیزوں کو تباہی سے بچانے کے لئے وہ عالیہ شاہ کو موٹی موٹی رقمیں ادا کرتی تھیں۔ عالیہ شاہ کا نیا شکار عامرہ تھی۔ بات دراصل دیکھنے والی آنکھ کی تھی۔ شہروز چند بار کلب آیا تو عالیہ شاہ نے محسوس کیا کہ وہ بے شمار دلوں کی دھڑکن بن سکتا ہے۔ اپنی خصوصی صلاحیتوں اور پہچاننے والی فنکارانہ نگاہوں سے انہوں نے شہروز کے بارے میں اندازہ لگا لیا کہ وہ کس قسم کا نوجوان ہے......؟ اور انہوں نے شہروز پر چھاپہ مار دیا۔

نتیجہ ان کی توقع کے خلاف نہ رہا۔ شہروز ان کے شکنجے میں آ گیا اور وہ انتظار کرنے لگیں کہ وہ اپنی اس ملکیت سے کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہیں......؟ یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ عامرہ ان کے پاس پہنچی اور انہوں نے فوری طور پر عامرہ پر کام شروع کر دیا۔ یہ ان کی تیکنیک تھی کہ انہوں نے حالات کا رُخ بدل دیا اور ایک بہترین پروگرام پر عمل کرنے لگیں۔ آج کے اس پروگرام کے لئے انہوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں۔ بظاہر وہ خود بھی اس کھیل میں ملوث تھیں، لیکن درحقیقت کھیل دوسرا ہی تھا۔

آج اس کے سارے پروگرام کی فوٹو گرافی کا معقول بندوبست تھا اور جونہی کھیل شروع ہوتا، کیمرے اپنا کام شروع کر دیتے۔ اس کے بعد عامرہ کو وہ تصاویر ایک خط کے ساتھ ملتیں اور بلیک میلر اس سے اپنا معاملہ طے کر لیتا۔ عامرہ دوڑی ہوئی ان کے پاس آتی اور عالیہ شاہ شدید پریشانی کے عالم میں اس کا استقبال کرتیں۔ اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی عالیہ شاہ اپنی تصاویر اس کے سامنے رکھ دیتیں اور بلیک میلر کی کہانی اسے سناتیں، پھر دونوں ایک ہی کشتی کی سوار بن جاتیں۔ عالیہ شاہ اسے مشورہ دیتیں کہ مستقبل، ماں باپ اور خاندان کی عزت بچانے کے لئے یہی بہتر ہے کہ بلیک میلر کے مطالبے پورے کئے جاتے رہیں اور بس۔ ایک نئی آمدنی شروع ہو جاتی۔ لیکن سارا معاملہ چوپٹ ہو گیا تھا۔ وہ کمبخت شہروز کی شخصیت کے اس پہلو پر جوں جوں غور کرتیں، حیران ہوتی جاتی تھیں۔ اس سے قبل بھی وہ بارہا یہاں آیا تھا۔ اسے خود سے قریب کرنے کے لئے عالیہ شاہ نے کافی محنت کی تھی۔

''لیکن......؟''

عالیہ شاہ سوچتے سوچتے دفعتہً اُچھل پڑیں۔

☆......☆......☆

''شہروز شہر کی ایک بہت بڑی شخصیت کا بیٹا ہے۔ نواب فاروق حسن خان سندیافتہ دولت مندوں میں شمار ہوتے ہیں اور شہروز ان کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یہ بات کسی سے بھی نہیں سنی گئی کہ اتنے بڑے آدمی کا بیٹا تیسری مخلوق ہے۔ کیا والدین بھی لاعلم ہیں......؟ یہ ناممکن ہے کہ اب تک انہوں نے نہایت صفائی سے یہ بات چھپائی ہو اور اگر وہ اس راز کو دُنیا سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ادا کرنی ہو گی۔ ویری گڈ......! میں اپنی اتنی محنت کو یوں رائیگاں تو نہ جانے دوں گی۔''

عالیہ شاہ کے چہرے کی افسردگی ختم ہو گئی۔ وہ مسرت بھرے انداز میں اُٹھ گئیں اور پھر انہوں نے کسی کام

سے اپنا پرس کھولا۔ دفعتہً انہیں احساس ہوا کہ کوئی گڑ بڑ ہے اور انہوں نے اس گڑ بڑ کی چھان بین شروع کر دی۔ فوراً ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ کیا گڑ بڑ ہوئی ہے......؟

''واہ عامرہ بی بی......! گویا آپ خسارے سے نکل گئیں۔ لیکن یہ تو مناسب بات نہیں ہے۔ آپ کو اس پروگرام سے نکلنا نہیں چاہئے۔ ٹھیک ہے......! آپ کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا ہوگا۔ انہوں نے پرس بند کیا اور اسے جھلّاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

وہ تینوں ششدر رہ گئے تھے۔ کاکو دادا کو دیکھتے ہی ان کا دم نکل گیا تھا۔ یہ یقینی امر تھا کہ کاکو دادا اب ان تینوں کو بدترین سزا دے گا۔ لیکن اس کے بعد جو حالات پیش آئے تھے، انہوں نے ان کی عقل خبط کر دی تھی۔ گل زادی کا نام اس شہر کے جرائم پیشہ افراد میں اجنبی نہیں تھا۔ گو اس نام کو منظر عام پر آئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، لیکن آن کی آن میں اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ کئی معرکے ہو چکے تھے اور بڑے بڑے بدمعاش اپنی حیثیت کھو بیٹھے تھے۔ لیکن کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے گل زادی کو دیکھا تھا۔ بس وہ ایک نام تھا جو جرائم پیشہ افراد کے حلقے میں گردش کرنے لگا تھا اور جس نے اس نام سے انحراف کیا، اس کی شامت آ گئی۔ خود کاکو دادا بہت خطرناک انسان تھا اور اپنے حلقے میں اس کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ لیکن ایک دن وہ گل زادی کو گالیاں دیتا ہوا پایا گیا۔ اس نے اپنے گروہ کے درمیان بیٹھ کر عزم کیا تھا کہ وہ بہت جلد گل زادی کی ناک کاٹ کر ان کے سامنے پیش کر دے گا اور اس دعوے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد ایک دن اس کے تین آدمیوں نے اسے میونسپل کمیٹی کے ایک کچرہ گھر سے نکالا تھا۔ اس کی گردن میں جوتوں کے ہار پڑے ہوئے تھے، وہ بے حد خوفزدہ تھا۔

اعتدال پر آنے میں اسے کئی دن لگ گئے۔ لیکن اس نے اپنے گروہ کے آٹھوں افراد کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ گل زادی بہت خطرناک ہے اور اب وہ اس سے انحراف نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے گل زادی کے لئے کام شروع کر دیا اور گروہ کے لوگوں کی حالت بدل گئی۔ پہلے وہ چھوٹے چھوٹے جرائم کرتے تھے اور خطرناک حالات سے دوچار ہوتے ہوئے معمولی سی کمائی کر لیتے تھے، لیکن اس کے بعد وہ صرف عیش کرنے لگے۔ دو چار بار ہی انہیں کچھ کاموں میں حصہ لینا پڑا تھا اور معاوضہ ان کے تصور سے باہر تھا۔ پھر وہ گل زادی کی غلامی کیوں نہ پسند کرتے......؟ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ گل زادی کوئی ایسی عجیب و غریب چیز ہو سکتی ہے۔ عقل کام نہیں کرتی تھی، سب سے زیادہ کامران کی حالت خراب تھی۔ اسے گزرا ہوا وقت یاد آ رہا تھا، جب وہ اسے سڑک سے اپنی کار میں لے کر فلیٹ آیا تھا اور بس۔ تینوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ اس کمرے سے نکل کر وہ دوسرے کمرے میں آ بیٹھے۔ عامر نے کہا۔

''میرے خیال میں ہم نے زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن کسے معلوم تھا......؟''

داور بولا۔

''میں بس تمہاری دوستی میں ہی اس عذاب کا شکار ہوا ہوں۔ کاش میں ان معاملات میں ملوث نہ ہوتا۔''

''مجھے افسوس ہے عامر......!''

کامران نے کہا۔

''افسوس سے کوئی مسئلہ تو حل نہیں ہوتا۔ ابھی کاکو دادا واپس آئے گا اور اس کے بعد، مجھے یقین ہے کہ کاکو دادا ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ کوئی بات ہی نہیں تھی لیکن اس کی بے عزتی بھی ہمارے سامنے ہی ہوئی ہے اور ہماری وجہ سے ہوئی ہے، وہ اسے فراموش نہیں کرے گا اور اس کا انتقام کیا رُخ اختیار کرے......؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

عامر نے کہا۔

''کوئی کام کی بات سوچو عامر......! ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔''

داور نے کہا۔

''کوئی خاص خیال ہے تمہارے ذہن میں......؟''

عامر نے پوچھا۔

''زندگی عزیز ہے......؟''

داور نے کہا۔

''کیوں نہیں......؟''

''تب پھر میری ایک رائے ہے کہ اب اس حسین زندگی کو چھوڑ دو، اس شہر کو چھوڑ دو۔ جو کچھ پاس موجود ہے، بس اسی پر قناعت کرو، اور یہاں سے نکل چلو۔ زندگی ہے تو بہت کچھ کما لیں گے، زندگی ہی نہ رہی تو ہماری کمائی بیکار ہے۔''

داور نے کہا اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کامران کی آنکھوں میں تاسف تھا۔ پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

''میں اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔''

''جو ہو چکا ہے، اسے بھول جاؤ۔ جو ہونے والا ہے، اس کے بارے میں سوچو۔''

''تب پھر کیا پروگرام ہے......؟''

''پہلے تو یہاں سے نکل چلو اور کل یہ شہر چھوڑ دو۔ اگر ساتھ رہنا ہے تو پھر تینوں ایک ساتھ چلتے ہیں ورنہ جیسے سب کی مرضی۔''

''ساتھ ہی رہیں گے۔''

کامران بولا۔

''تو بھائیو......! پھر انتظار کس بات کا ہے......؟ کاکو دادا واپس آ گیا تو سارا پلان رکھا رہ جائے گا۔''

عامر نے کہا اور تینوں وہاں سے نکل جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ چوروں کی طرح شہر سے باہر نکل بھاگے تھے۔

☆......☆......☆

ڈھول پر پڑنے والی ہر تھاپ کاکودادا کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھی۔ وہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ دونوں نے مار مار کر اسے اُدھ موا کر دیا تھا اور گل زادی بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔ وہ دونوں مسٹنڈے انسان نما بھوت تھے، لڑائی بھڑائی کے سارے گروں سے واقف۔ کاکودادا کے چاقو کی انہوں نے پرواہ نہیں کی تھی اور اسے مارتے رہے تھے۔ کاکودادا نے اپنی ساری ذہانت صرف کر دی۔ لیکن انتہائی پھرتی سے حملے کرنے کے باوجود وہ ایک بار بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے برعکس ان دونوں نے مار مار اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ یہ چاقو اپنے سینے میں بھونک لے۔

پھر جب اس میں ذرا بھی ہمت نہ رہی تو وہ ایک دیوار سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ اس کی آنکھیں گل زادی کی طرف اُٹھ گئیں۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''رُک جاؤ......! خدا کے لئے رُک جاؤ۔ گل زادی......! میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں نے تیرے لئے بے شمار خدمات انجام دی ہیں۔ کیا میری ایک غلطی تو معاف نہیں کر سکتا......؟ میں وعدہ کرتا ہوں گل زادی......! ان تینوں کو جان سے مار دوں گا۔ وہ کسی کو تیرے بارے میں بتانے کے لئے زندہ نہ رہیں گے۔ یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے گل زادی......! بس مجھے معاف کر دے۔''

ڈھول کی آواز بند ہو گئی۔ ممکن ہے یہ ان دونوں کے لئے اشارہ ہو جو بڑی مضحکہ خیز حرکتیں کر کے کاکودادا کو مار رہے تھے۔ گل زادی کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! لڑکیو......! اسے لے جاؤ اور حفاظت خانے میں ڈال دو۔ کسی وقت کام آ جائے گا سسرا، اور رہی ان تینوں کی بات، تو بھیا......! اچھے۔ ایسے کام ہم خود کر لیں ہیں۔ لے جاؤ ری لڑکیو......! لے جاؤ اللہ مارے کو، تھک گیا ہوگا۔''

اس نے ڈھول سرکایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں نے کاکودادا کو دونوں بازوؤں سے پکڑا اور اندرونی کمرے کی جانب گھسیٹنے لگیں۔ کاکودادا نے زندگی بچ جانا ہی غنیمت تصور کیا تھا۔

☆......☆......☆

طیارے میں بھی دونوں مسافروں کی نگاہوں کا مرکز رہے تھے۔ دونوں ہی عجیب تھے۔ ان میں سے ایک تندرست وتوانا اور دوسرا نازک اندام تھا۔ تندرست وتوانا نوجوان کے بدن پر سفید اچکن اور چوڑی دار پائجامہ تھا۔ سر پر دوپلی ٹوپی لگی ہوئی تھی، گالوں میں گلوری دبی ہوئی تھی۔ ہوسٹس کو اس کے منہ میں بھرے سرخ سیال کے بار بار اخراج کے

سے میں بڑی پریشانیاں اُٹھانی پڑی تھیں۔ پہلی بار تو وہ طیارے کے باتھ روم کے بیسن میں گلکاری کر کے آیا تھا۔ لیکن اس کے نتائج بہتر نہیں ہوئے تھے۔ ایک برطانوی خاتون نے اس بیسن کو دیکھ کر بڑی دہشت ناک چیخ ماری تھی اور بری طرح غسل خانے سے نکل بھاگی تھی۔ اس کی ''خون، خون'' کی گردان نے مسافروں کے ساتھ عملے کو بھی پریشان کر دیا تھا۔

سنسنی زدہ عملہ جب باتھ روم میں ان خاتون کے ساتھ داخل ہوا تو وہ بھی چکرا گیا۔ لیکن تحقیق کے بعد حقیقت کھل گئی اور پتا چلا کہ واش بیسن میں خون نہیں بلکہ پان کی پیک ہے۔ ان حضرت سے منع کیا گیا تو انگریزی میں برس پڑے۔

''ہم نواب ہیں، یہ طیارہ چارٹر کر سکتے ہیں۔ اُتاروا سے نیچے، خالی کرا دو۔ تمام مسافروں کو اُتار دو، ہم پورا کرایہ ادا کر دیں گے۔ کیا سمجھا ہے تم لوگوں نے......؟ میں کہتا ہوں اُتاروا سے، میں ابھی ادائیگی کر دوں گا۔ یہ چیز تم بیوقوفوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس سے شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کی شناخت ہوتی ہے۔ ہمارے اسلاف کے رنگ عیاں ہوتے ہیں۔ ہمارے خوں رنگ کارناموں کی امین ہے یہ چیز۔ میں کہتا ہوں، اس پر اعتراض کیوں کیا گیا......؟''

وہ حضرت بری طرح بپھر گئے تھے۔ مضبوط ہاتھ پاؤں کے پہلوان نما آدمی تھے۔ کسی نے ان کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی۔ اُلٹی عملے کو ان سے معافیاں مانگنی پڑیں۔ وہ تو مصر تھے کہ جہاز کو روکا جائے تاکہ وہ نیچے اُتر کر اس پر لعنت بھیج دیں۔ لیکن جہاز روکنے سے معذوری ظاہر کی گئی اور ایئر ہوسٹس نے انہیں پیک تھوکنے کے لئے بار بار پلاسٹک کی تھیلیاں فراہم کیں۔ دوسرا نوجوان پہلے سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے بال شانوں سے نیچے تھے۔ چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا اور اس پر ایک غمناک سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار گردن اُٹھا کر اس طرح جہاز کے ماحول کو دیکھتا جیسے بھول گیا ہو کہ کہاں ہے......؟ بہر حال اس کی یہ کیفیت کسی کے لئے پریشانی کا باعث نہیں بنی۔ ہاں، ایک بار جب ایئر ہوسٹس نے اس سے جھک کر درخواست کی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بار بار یہ غلیظ شئے کھانے سے روکے تو اس نے غمزدہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں خاتون......! معاف کیجئے گا، اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں اس وقت نامکمل ہوں۔''

''نامکمل......!''

ایئر ہوسٹس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں......! دلربا میرے پاس نہیں ہے اور جب وہ میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اُدھورہ ہوتا ہوں۔''

''اوہ......! دلربا آپ کی محبوبہ ہوگی۔''

''اسے صرف محبوبہ کہنا اس کی توہین ہے۔ یہ میری زندگی ہے، میری روح ہے۔ جب اس کے تار فضاؤں میں نغمے بکھیرتے ہیں تو میں مست ہو جاتا ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سوتی ہوئی کائنات میں ابھی جان پڑی ہو اور وہ جاگ اُٹھی ہو۔ اس کے بغیر کائنات مجھے سوئی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آپ لوگوں نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔''

دلربا کو مال خانے میں رکھوا دیا۔ حالانکہ اس کی جگہ وہ نہیں تھی۔"

"دلربا کیا چیز ہے......؟"

"میرا گٹار......!"

اس نے جواب دیا اور ایئر ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

"خوب......! خوب......! تو آپ موسیقار ہیں......؟"

"بیکار باتیں نہ کرو ہوسٹس......! جاؤ مجھے غمزدہ رہنے دو، میں غم کی دُنیا سے نکلنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میرا محبوب میرے سامنے ہے، وہ اپنی نغمگیں آواز سے میرے کانوں میں رَس گھول رہی ہے۔ مجھے یہ امرت پینے دو۔ خدا کے لئے چلی جاؤ۔"

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا اور ایئر ہوسٹس نے خود کو تماشہ بننے سے بچانے کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے وہاں سے رفو چکر ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ بہرصورت یہ دونوں مسافر بہت انوکھے اور بڑے ہی دلچسپ تھے اور جب یہ طیارے سے رَن وے پر اُترے، تب بھی یہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ دونوں ساتھ ہی ساتھ چل رہے تھے۔ مغرب و مشرق کا حسین امتزاج لوگوں کے لئے قابل توجہ تھا۔ وہ دلچسپی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ کسٹم ہاؤس میں بھی انہیں عجیب نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ان کی شکلیں دیکھ کر لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں گہری ہوگئیں۔ کسٹمز وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ دونوں ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے ہوئے باہر نکلے تھے۔ تب ہی نواب فاروق حسن کی طرف سے بھیجے ہوئے ملازموں نے جن کے پاس ان دونوں کی تصویریں موجود تھیں، ان کے پاس پہنچ کر انہیں آداب کیا۔ آداب کے جواب میں لمبے بالوں والا نازک اندام نوجوان تو منہ پھاڑے رہ گیا تھا لیکن لکھنوی طرز کے صاحب دُہرے ہو کر لکھنوی انداز میں اس آداب کا جواب دینے لگے۔ ملازم چونک کر سیدھے ہوگئے تھے، پھر ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

"ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہ......! اچھا اچھا......! لے چلو، لے چلو......!"

لمبے بالوں والا نوجوان فراخ دلی سے بولا۔

"تشریف لائیے......!"

"کیا مطلب......؟ یعنی ہم خود تشریف لے چلیں......؟"

"تو اور حضور......؟"

ملازموں نے پوچھا۔

"وہ میرا مطلب ہے، تم کہہ رہے تھے ناں، تم ہمیں لینے آئے ہو، تو کیسے لے جاؤ گے......؟"

"گاڑی میں رکھ کر۔"

ایک ملازم نے جو ذرا تیز طرار تھا، بولا۔

"اچھا اچھا......! تو پھر گاڑی تک ہمیں پیدل ہی جانا پڑے گا......؟ مگر سنو......! ایک بات تو بتاؤ، یہاں ہمیں وصول کرنے کے لئے صرف تم ہی آئے ہو......؟"

اس بار لکھنوی طرز کے نوجوان نے پوچھا تھا۔

"جی حضور......!"

"ہوں......! تمہارا عہدہ کیا ہے......؟"

اس نوجوان کے چہرے پر کسی قدر کبیدگی کے آثار پھیل گئے۔

"جی فی الحال تو کچھ نہیں ہے، اگر آپ دے دیں گے تو ٹھیک ہوگا ورنہ ہم تو صرف ملازم ہیں۔ یہ ڈرائیور ہے اور میں گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف رہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تو یہ ہے ہماری اوقات......؟ ہوں......! گفتگو ہوگی اس بارے میں، ضرور گفتگو ہوگی۔ چلو بھائی......! چلنا تو ہے ہی، یہاں سے ہم واپس بھی نہیں جا سکتے۔"

لکھنوی نوجوان نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے ایئر پورٹ پر اپنی موجودگی ہی کو بھول گیا ہو۔ بہرصورت بمشکل تمام وہ دونوں گاڑی تک آئے اور دیر تک اس کے گرد ناچتے رہے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو دونوں اندر داخل ہوگئے۔ ملازم ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا اور کار ان دونوں عجوبوں کو لے کر نواب فاروق حسن خان کی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔

شام ہو چکی تھی اور کوٹھی کے خوب صورت لان پر نئے مہمانوں کی آمد کی خوشی میں شام کی چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ عموماً اس کوٹھی میں ایسے ہنگامے اور چہل پہل کم ہی ہوا کرتی تھی۔ لیکن آج نواب فاروق حسن خان بہت خوش تھے۔ بھائی کے پاس سے ہٹنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا اور پھر سارہ نے تو اور بھی حالات بدل دیئے تھے۔ ایک انگریز ماں کی اولاد ہونے کے باوجود وہ مشرقی تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر یہاں سبھی حیران تھے۔ اس کے گرد رش لگ گیا تھا اور سارہ اتنے لوگوں کے درمیان ایسی لجائی ہوئی بیٹھی تھی جیسے نئی نویلی دُلہن ہو۔

کار جب کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو تمام لوگوں کی نگاہیں اس طرف اُٹھ گئیں اور نواب صاحب نے کھڑے ہو کر ہاتھ کا اشارہ کیا کہ کار پورچ میں جانے سے پہلے معزز مہمانوں کو وہیں لان کے نزدیک اُتار دے۔ ڈرائیور نے کار لان کے قریب اس جگہ روک دی جہاں سے ان لوگوں کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اندر بیٹھے ہوئے دونوں احمق آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر جھانکنے لگے جیسے کسی چڑیا گھر میں آ گئے ہوں۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا تھا لیکن وہ دونوں باہر نہ نکلے۔ تبھی احتشام حسن خان کی دہاڑ سنائی دی۔

"اندر کیا کر رہے ہو تم لوگ......؟ باہر کیوں نہیں آتے......؟"

اور وہ دونوں بدحواس ہو کر اس طرح باہر نکلے جیسے کار میں آگ لگ گئی ہو۔ دونوں ہی گرتے گرتے بچے تھے۔ پھر پہلوان نما شخص نے دوسرے نوجوان کو متوجہ کیا۔

"تت......تم نے سنا، چھوٹے نواب صاحب ان کے درمیان موجود ہیں۔ غالباً یہی تمام لوگ ہمارے اہل خاندان ہیں۔ چلو سامان اُتار لیں۔"

لان پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ احتشام حسن خان انہیں غصیلی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اسی وقت ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی وہ کار کو پورچ میں لے جا رہا تھا، لیکن دونوں نوجوان اس کے آگے بڑھتے ہی اُچھل پڑے۔ لکھنوی طرز کے حضرت چیخے۔

"پکڑنا، پکڑ لینا، چور......! ڈاکو......! بھاگو......!"

اس کے ساتھ ہی دونوں کار کے پیچھے سرپٹ دوڑ پڑے تھے اور پھر جوں ہی ڈرائیور نے کار پورچ میں روکی، انہوں نے اسے چھاپ لیا۔ لکھنوی پہلوان نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے نیچے کھینچ لیا۔

"فراڈ......؟ ڈکیتی......؟ اور وہ بھی ہم سے......؟ ہیں......؟"

انہوں نے ڈرائیور کی گردن پر گھونسہ جڑ دیا اور یہ ضرب اس قدر زوردار تھی کہ ڈرائیور دُور تک دوڑتا چلا گیا۔ اگر وہ ایک ستون کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا۔ دوسرے آدمی کو اس لمبے بالوں والے نے سنبھال لیا تھا اور اُچھل اُچھل کر اس پر نازک نازک گھونسے برسا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے سیٹی کی آوازیں خارج ہو رہی تھیں، جن میں مشہورِ زمانہ دُھن "محمد علی گریٹ سپر مین" بجائی جا رہی تھی۔

"اب بولو بیٹے......!"

پہلوان نما لکھنوی نے دوبارہ ڈرائیور کو گریبان سے پکڑ لیا۔

"کیا ہوا......؟ کیا بولوں صاحب......؟ میری نکسیر پھوٹ گئی۔"

"میں تمہاری تقدیر بھی پھوڑ دوں گا۔ کیا سمجھتے ہو تم ہمیں......؟"

وہ ڈرائیور کو جھنجھوڑتے ہوئے بولے۔

"مگر میں نے کیا کیا ہے صاحب......؟"

ڈرائیور بولا۔

"میرا سوٹ کیس لے کر بھاگ رہے تھے......؟"

"اور میری دلربا کو اغواء کر رہے تھے......؟"

لمبے بالوں والا بھی بولا۔

"کہاں جہنم میں جا رہے تھے صاحب......؟ کوٹھی ہی میں تو ہیں۔"

"فراڈ......! چار سو بیس......! ماہر جرائم ہو، چلو سامان نکالو، چلو۔"

پہلوان صاحب نے اسے پھر دھکا دیا اور ڈرائیور بیچارہ ڈکی پر آ پڑا۔ گلو خلاصی کا ایک ہی طریقہ تھا۔ وہ یہ کہ جلدی سے ان کا سامان نکال کر ان کے منہ پر مار دیا جائے اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پہلوان صاحب نے دونوں سوٹ کیس قبضے میں کئے اور لمبے بالوں والے نوجوان نے رنگین غلاف میں لپٹا ہوا گٹار، اور پھر اسے سینے سے لپٹائے

ہوئے وہ لان کی طرف بڑھنے لگے جہاں تمام لوگ کرسیوں سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے۔ فاروق حسن خان صاحب خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور احتشام حسن کے چہرے پر شدید جھنجلاہٹ تھی۔ وہ خونخوار نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"روکی ڈیئر......!"

لکھنوی پہلوان بولے۔

"ہوں......! کیا بات ہے عالم پناہ......؟"

"سب ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔"

"صاحب ذوق ہیں، فن کے قدردان ہیں۔ احتشام صاحب نے میرا مکمل تعارف کرا دیا ہوگا۔"

"لیکن ان کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی ہیں۔"

پہلوان نما نوجوان بولا۔

"سوچ رہے ہوں گے کہ عظیم موسیقار کا ملازم بھی کتنا خوش نصیب ہے جسے اس کا ہر وقت کا قرب حاصل ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

پہلوان ایک دم رُک گئے۔

"مم......میرا مطلب ہے، وہ لوگ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں خود تھوڑی یہ سمجھ رہا ہوں۔"

لمبے بالوں والے نوجوان نے کسی قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہ کیوں سمجھ رہے ہوں گے......؟"

پہلوان صاحب غرائے۔

"اس لئے کہ تم......تم میرا سامان بھی اُٹھائے ہوئے ہو۔"

لمبے بالوں والا بولا۔ پہلوان صاحب نے دونوں سوٹ کیس دُور پھینک دیئے۔

"میں خود تھوڑی سوچ رہا ہوں یہ بات، میں تو ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو ایک پسماندہ ملک کے پسماندہ شہری ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ شہنشاہی شان شوکت والا جوان کس حیثیت کا مالک ہے......؟"

لمبے بالوں والے نوجوان نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"بکواس مت کرو، اپنا سوٹ کیس اُٹھاؤ اور آگے بڑھو۔"

"مجھ سے نہیں اُٹھے گا پیارے بھائی......!"

دُبلا پتلا نوجوان گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"نہیں اُٹھے گا تو لائے کیوں تھے......؟"

"تمہارے بھروسے پر لے آیا تھا۔ خدا کے لئے، ان سب لوگوں کے سامنے میری بے عزتی نہ کراؤ۔"

"اسے اُٹھا کر لے چلو۔"

لمبے بالوں والے نوجوان نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ پہلوان صاحب اکڑتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں سوٹ کیس اُٹھا لئے۔ لان میں کھڑے ہوئے لوگوں کے حلق میں قہقہے مچل رہے تھے، جو کچھ دُور سے دیکھا تھا، وہی اتنا تھا کہ قریب آنے پر صحیح اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ البتہ احتشام حسن خان صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ ان دونوں نے یہاں بھی انہیں تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ بمشکل تمام وہ دونوں لان تک پہنچے۔ احتشام حسن خان آگے بڑھ آئے۔

"تو آمرے تم دونوں......؟"

انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جی جی......! جی ہاں......! جی ہاں چھوٹے نواب صاحب...... !"

لمبے بالوں والے نوجوان نے رکوع کے انداز میں دو تین بار جھک کر بولا۔

"سیدھے کھڑے ہو۔"

احتشام حسن خان صاحب دہاڑے اور وہ دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"یہ سامان کیوں اُٹھا لائے ہو......؟"

"جی جی...... پھر کہاں لے جانا تھا اسے......؟"

"دیکھو، میں نے تم لوگوں کو پہلے بھی سمجھایا تھا کہ اگر تم اپنے ہوش وحواس پر قابو رکھ سکتے ہو تو میرے پیچھے پیچھے آؤ، ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہاں بھی تم میری زندگی حرام کرنے آ پہنچے۔"

"نہیں نہیں چھوٹے نواب صاحب......! ہم......"

وہ دونوں بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر نواب فاروق حسن خان ہی آگے بڑھے۔

"سامان رکھ دو بیٹے......! یہ گھر ہے، یہاں سے سامان کوئی نہیں لے جائے گا۔"

"نہیں لے جائے گا......؟"

دونوں بیک وقت خوش ہو کر بولے۔

"ہاں......! آؤ۔"

نواب فاروق حسن دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر لان کے اس حصے کی طرف بڑھ گئے جہاں میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ تمام لوگ ان دونوں احمقوں کو دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ نواب صاحب نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور وہ دونوں اس طرح بیٹھ گئے جیسے کسی غلط جگہ آ پھنسے ہوں۔

"یہ تمہارا اپنا خاندان ہے، اپنے لوگ ہیں، آرام سے بیٹھو تو میں تمہارا تعارف ان سے کراؤں۔"

"اچھا اچھا......!"

پہلوان صاحب نے گردن ہلائی۔ احتشام حسن خان اب بھی غصے سے کھڑے ہوئے نتھنے پھلا رہے تھے۔ نواب فاروق حسن خان نے انہیں ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔

"فکر کی ضرورت نہیں ہے احتشام میاں......! بیٹھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب لوگ بھی بیٹھ جائیں۔ کیوں کھڑے ہو گئے سب کے سب......؟ چلو پہلے چائے کا دور ہو جائے۔ پھر ان لوگوں سے تعارف ہو گا۔ اس دوران یہ لوگ خود کو سنبھال بھی لیں گے۔"

نواب صاحب نے معاملہ برابر کرنے کی کوشش کی۔

☆......☆......☆

وہ ان دونوں کے بارے میں سمجھ گئے تھے کہ اپر چیمبر بالکل خالی ہے۔ ملازموں کو چائے لگانے کی ہدایات دے دی گئی تھیں اور تھوڑی دیر کے بعد سب چیزیں سلیقے سے رکھ کر سب کو چائے پیش کر دی گئی۔ ان دونوں کو بھی چائے پیش کی گئی جسے ان دونوں نے نہایت ہی بے صبری سے اُٹھا کر اپنے حلق میں اُنڈیل لیا۔ چائے کے ساتھ لوازمات بھی تھے، جس کے لئے ان دونوں کے نزدیک بیٹھے ہوئے صاحب نے انہیں متوجہ کیا۔ کاجو کی ایک پلیٹ ان کی جانب بڑھائی گئی تو پہلوان صاحب نے پوری پلیٹ لے کر کاجو کھانے شروع کر دیئے۔ لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں رقصاں تھیں۔ نوجوانوں نے سوچا کہ چلو ایک دلچسپ تفریح ہاتھ آئی ہے، لیکن احتشام حسن خان خاصے نروس نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے فاروق حسن خان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"یہ دونوں...... یہ دونوں خبط الحواس ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں، تم کیوں پریشان ہو......؟"

"بس......! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ دونوں یہاں بھی گندگی پھیلائیں گے۔ حالانکہ میں نے انہیں منع کیا تھا۔ آپ یقین کریں، میں انہیں نہ جانے کس طرح برداشت کرتا ہوں۔ ان کی حرکتیں اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ رکھا جائے۔ لیکن پھوپھی جان اور بھائی صاحب کا خیال ہے۔"

"میں نے کہا ناں، کوئی بات نہیں ہے، تھوڑے سے معصوم ہیں۔ اس میں حرج بھی کیا ہے......؟"

"معصوم تھوڑے سے معصوم۔"

نواب احتشام نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اچھا اچھا......! تم چائے پیئو......! ان کے بارے میں باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"میرے خیال میں بھائی جان......! پہلے انہیں ان کی رہائش گاہ بھیج دیا جائے، ورنہ یہ اسی طرح ہونق بنے رہیں گے۔ تعارف وغیرہ کا سلسلہ بعد میں ہو جائے گا۔ انہیں ذرا تھوڑی دیر سکون لینے دیا جائے۔ اس دوران میں انہیں سمجھا دوں گا۔"

"تم......!"

نواب صاحب ہنس پڑے۔

"میں جانتا ہوں تم انہیں کیسے سمجھاؤ گے......؟ میرا خیال ہے جوتے سے، یا اس سے بھی آگے بات بڑھ جاتی ہے۔"

نواب فاروق حسن نے کہا اور احتشام مسکرانے لگے۔

"خیر......! ہیں تو یہ اسی قابل کہ ہر وقت ان پر جوتے برسائے جاتے رہیں، ظاہر ہے کہ بڑے ہو گئے ہیں، میں ان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتا، لیکن سمجھا دوں گا انہیں۔"

"تمہیں ضرورت نہیں ہے میں خود ہی انہیں سمجھا لوں گا۔ تم نے جس طرح ان کے ساتھ لان پر سلوک کیا ہے، وہ اس سے اور بدحواس ہو گئے ہوں گے۔ کیا مزہ آئے گا انہیں یہاں آ کر اگر تمہاری ڈانٹ ڈپٹ یہاں بھی جاری رہی۔"

نواب فاروق حسن نے کہا۔ وہ دونوں ان بزرگوں کی گفتگو سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھے اور نوجوان ان سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تواضع کے طور پر جو ڈش ان کی طرف بڑھائی جاتی۔ وہ اس وقت تک واپس نہ ہوتی جب تک صاف نہ ہو جاتی۔ نوجوانوں کی مسکراہٹوں سے بے نیاز وہ اپنے کام میں مصروف رہے تھے۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ نے ان دو دنوں میں نواب فاروق حسن خان صاحب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں۔ یہ ان کا طریقہ کار تھا۔ پہلے وہ اپنے شکار پر ریسرچ کرتی تھیں۔ اس کی شخصیت مالی حیثیت اور ذہنی حیثیت کے بارے میں مکمل ریکارڈ فراہم کرتی تھیں اور اس کے بعد فیصلہ کرتی تھیں کہ آسامی کیسی ہے۔ نواب فاروق حسن خان کے بارے میں پوری تفصیل انہیں حاصل ہو گئی تھی۔ وہ خاندانی نواب تھے، سرحد پار کر کے نواب نہیں بن گئے تھے، کاروباری اُمور میں بے حد ذہین تھے اور ایک ذہین شخص آسانی سے قابو میں نہیں آتا۔ شہروز کے بارے میں کبھی یہ بات نہیں سنی گئی تھی کہ وہ ایب نارمل ہے۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ نواب صاحب اس امر سے آگاہ نہ ہوں۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کی کمزوری ہے۔ لیکن ایک ذہین کاروباری شخص کو مسلسل بلیک میل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پہلی ہی کوشش میں اس سے جو کچھ حاصل ہو جائے ٹھیک ہے، ورنہ بعد میں سنبھل کر وہ بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر نواب فاروق حسن خان جال میں پھنس جائیں تو ان سے کتنی رقم طلب کی جا سکتی ہے۔ کم از کم پچاس لاکھ، ایک اتنے بڑے کاروباری کے شایانِ شان پچاس لاکھ کوئی رقم نہیں ہے۔"

لیکن عالیہ شاہ کے لئے مناسب تھا۔ عالیہ شاہ نے نواب صاحب سے گفتگو کا پورا اسکرپٹ تیار کر لیا اور اب وہ اپنے اس نئے شکار پر کام کرنے کے لئے تیار تھیں۔

اسکرپٹ لے کر وہ اپنی کوٹھی کے اس کمرے میں داخل ہو گئیں جہاں ایک خفیہ تجوری میں ان کا خزانہ موجود تھا۔ یہ خزانہ وہ بلیک میلنگ اسسٹنٹ تھا، جس کے ذریعے وہ اپنے شکاروں کو قابو میں رکھتی تھیں۔ اب نواب فاروق حسن

خان نئے شکار تھے اور وہ پوری توجہ سے اس شکار کو ذبح کرنا چاہتی تھیں۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے انہوں نے روشنی کر دی اور پھر اس دیوار کی طرف بڑھ گئیں جہاں تجوری موجود تھی۔ ایک بٹن دبانے سے ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار کا ایک حصہ ہٹ گیا اور اس کے پیچھے ایک کشادہ خلاء نمودار ہو گیا۔ لیکن دفعتہً عالیہ شاہ کے ہونٹوں کی پُرسکون مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ان کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ انہیں خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

تجوری خالی تھی۔ وہ دستاویزات، تصاویر اور دوسری چیزیں وہاں موجود نہ تھیں جو ان کا سرمایہ تھیں۔ تمام فائل غائب تھیں اور تجوری کے عین درمیان ایک سنہری انگوٹھی جگمگا رہی تھی جس میں دو ننھے ہیرے چمک رہے تھے۔ انہوں نے بے اختیار انگوٹھی اُٹھا لی اور پھر ان کے منہ سے سانپ کی سی پھنکار نکلی۔

"شہروز......!"

ہاں......! یہ انگوٹھی ان کی اپنی تھی انہوں نے کلب میں یہ انگوٹھی شہروز کو اپنی اُنگلی سے اُتار کر دی تھی۔ وہ قبول کرتے ہوئے شرمایا تو انہوں نے زبردستی اسے اس کی چھوٹی اُنگلی میں پہنا دیا تھا اور کہا تھا۔

"یہ تمہارے قابل تو نہیں ہے شہروز......! لیکن اسے کسی غریب کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لو۔"

اور اس وقت یہ تحفہ ان کے سامنے تھا، لیکن ناقابل یقین سی بات تھی۔ شہروز جس قدر معصوم تھا اور جتنا بے ضرر نظر آتا تھا، اگر اس نے یہ حرکت کی ہے تو انتہائی حیرت کی بات ہے۔ عالیہ شاہ اس احساس کو کسی طور قبول نہیں کر سکتی تھیں۔ کوئی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ صرف شہروز تھا جو ان دنوں ان کی کوٹھی میں آتا رہا تھا۔ انہوں نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر شہروز ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی کوٹھی میں آئے تو اسے نہ روکا جائے۔ دراصل وہ اسے اس قدر اعتماد دینا چاہتی تھیں کہ وہ اس کوٹھی سے اجنبیت کا تصور ختم کر دے کیونکہ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شہروز اپنی شخصیت کی وجہ سے ان کے لئے ایک نہایت منافع بخش مہرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ خود ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا، اس لئے دوسری کوئی ترکیب کارگر نہیں ہو سکتی۔ یعنی اگر اسے دولت وغیرہ کا لالچ دیا جائے یا ایسی تفریحات کی پیشکش کی جاتیں جو ایک دولت مند باپ کا بیٹا کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے، وہ اس کے لئے قابل قبول نہ ہوتیں۔

ہاں، صرف ایک اعتماد ایسی بات تھی جس سے وہ ان کی مکمل تحویل میں آ سکتا تھا، اور اب اس انگوٹھی کی موجودگی سے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ شہروز اس تجوری تک بھی پہنچ چکا ہے۔ لیکن تجوری کے کاغذات اور وہ تمام دستاویزات جو ان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھیں اور جن کے حصول کے لئے انہوں نے نہ جانے کیا کچھ کیا تھا، شہروز کے قبضے میں چلی گئی تھیں۔ یہ بات انہیں ابھی تک ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ شہروز کسی خاص مقصد کے تحت ان تک پہنچا تھا۔ کیسے یقین کر لیتیں......؟ انہوں نے خود اس کے حصول کے لئے انتھک کوششیں کی تھیں اور اسے قابو میں لانے کے لئے نہ جانے کیا کیا جتن کئے تھے......؟

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ شہروز نے ایسا کیوں کیا......؟ دوسرا معاملہ یعنی اگر اس سے ہٹ کر وہ یہ سوچتیں کہ شہروز کی اُنگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کسی نے حاصل کر لی ہے اور اس طرح اس نے ان کی توجہ شہروز کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی ہے تو وہ شخصیت کون ہو سکتی ہے جسے اس قدر معلومات حاصل ہوں......؟ تجوری تک پہنچنا

آسان کام نہیں تھا۔

"پھر......پھر......؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر پیچھے ہٹ گئیں اور ایک دیوار سے ٹک گئیں۔ اتنا صدمہ، اتنا غم زندگی میں انہیں کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اس صدمہ کو برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ بہت دیر تک ان کا سر چکراتا رہا اور وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہیں، لیکن بہرصورت باہمت خاتون تھیں اور مجرمانہ زندگی نے انہیں کچھ خاص قوتیں بخش دی تھیں۔ اس زندگی میں داخل ہونے سے پہلے وہ جو کچھ تھیں، یہ ایک طویل کہانی ہے۔ لیکن اب وہ ایک ٹھوس اور مکمل مجرم تھیں۔ چنانچہ اپنی خصوصی قوتوں سے کام لے کر انہوں نے خود کو سنبھالا اور تجوری بند کر کے اس کمرے سے نکل آئیں۔ ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، دل ہول رہا تھا، لیکن اپنے آپ پر قابو پانا تھا۔ ان معاملات میں وہ تنہا ہی تھیں۔ تنہا ہی انہیں سارے مسائل سے نمٹنا تھا۔

"یہ بات تو معلوم ہو کہ آخر بات کیا ہے......؟ کیا شہروز ہی اس مجرمانہ کارروائی کا محرک ہے، یا اس کی آڑ لے کر کسی دوسرے نے یہ چکر چلایا ہے......؟"

وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ خیالات تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک عزم کیا اور خود کو ان معاملات سے نمٹنے کے لئے تیار کر لیا۔ پھر انہوں نے اپنا موبائل اُٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگیں، رابطہ ہونے پر انہوں نے کہا۔

"ہیلو......! سارڈین کلب۔"

"جی فرمایئے......!"

"مس......! میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتی ہوں۔ ریفریشمنٹ ہال سے کسی کو بلا کر پوچھیں کہ مسٹر شہروز ہال میں موجود ہیں۔ میں عالیہ شاہ بول رہی ہوں۔"

"بہتر خاتون......! میں ابھی معلوم کئے دیتی ہوں۔"

آپریٹر نے جواب دیا اور چند ساعت کے لئے خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"جی ہاں......! مسٹر شہروز موجود ہیں۔"

"اوہ......! شکریہ......! بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔"

عالیہ شاہ نے موبائل ایک جانب رکھ دیا اور برق رفتاری سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہلکا پھلکا میک اَپ کیا، لباس تبدیل کیا اور چند لمحات کے بعد ان کار تیزی سے کلب کی طرف جا رہی تھی۔ وہ پرس میں پستول رکھنا نہیں بھولی تھیں۔ اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ آسانی سے اپنا کام انجام دے لیتیں۔ کار کلب کے پارکنگ لاٹ میں جا کھڑی ہوئی اور عالیہ شاہ اپنا پرس جھلاتی ہوئی خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ چند ساعت کے بعد وہ ہال میں داخل ہو رہی تھیں۔ شہروز کے پاس اس وقت دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جو خاصی خوب صورت تھیں اور

ہنس ہنس کر اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ اس کے پاس پہنچی تو شہروز کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"وہ......آپ......معاف کیجئے گا مس......! میری آنٹی آ گئی ہیں۔"

اس نے خاصے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور عالیہ شاہ کا چہرہ دُھواں ہو گیا۔ لڑکیاں ان کی واقف کار تھیں اور ان کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ عالیہ شاہ ایک شکاری خاتون ہیں اور خوب صورت نوجوان ان کی کمزوری ہے۔ ایک ایسا نوجوان جس کے بارے میں عالیہ شاہ آج سے پہلے بری طرح اتراتی رہی تھیں، وہ انہیں آنٹی کہہ دے تو ان کی کیا کیفیت ہو گی، اس بات کا اندازہ وہ ہی لگا سکتی تھیں۔ لڑکیوں کے سامنے ان کی زبردست سبکی ہوئی تھی۔ اندر سے وہ کھل گئیں لیکن گھاگ خاتون تھیں، یہ برداشت کر گئیں اور ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ لا کر بولیں۔

"مصروف ہو شہروز......؟"

"جی......جی نہیں......!"

اس نے جواب دیا۔

"مجھے تم سے کچھ کام ہے۔"

انہوں نے کہا۔

"یہیں بیٹھیں یا کہیں اور چلوں......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"بہتر ہو گا یہاں سے اُٹھ جاؤ۔"

عالیہ شاہ خود پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کر رہی تھیں۔ شہروز ان لڑکیوں سے معذرت کر کے اُٹھ گیا۔

عالیہ شاہ کی ذہنی کیفیت اس قدر خراب تھی کہ وہ ہال میں نہ رُکیں اور اسے ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آئیں۔

"مجھے تم سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔ آؤ، کار میں چلیں، کہیں اور بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"جو حکم......!"

شہروز نے سعادت مندی سے کہا اور عالیہ شاہ اس کے ساتھ کار میں آ بیٹھیں۔ کار اسٹارٹ کر کے انہوں نے سڑک پر نکال لی۔ شدید ہیجان سے دماغ پھٹا جا رہا تھا اور کار کی رفتار خود بخود تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں احساس ہوا کہ اس تیز رفتاری پر پولیس ان کی جانب متوجہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رفتار سست کر دی اور گردن گھما کر شہروز کا چہرہ دیکھا اور اس چہرے پر بے خوفی اور لاپرواہی کے تاثرات دیکھ کر انہیں سخت مایوسی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ بھی کہ شہروز کافی گہرائی میں ہے۔

پھر انہیں شانزے کا بورڈ نظر آیا اور انہوں نے کار اسی چھوٹے سے ریستوران کے سامنے روک دی۔ ریستوران کے پرسکون ایئر کنڈیشنڈ ماحول میں بیٹھ کر انہیں اپنی ذہنی جلن میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ شہروز خاموش سا ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرے پر وہی معصومانہ حماقت رقصاں تھی جو اس کی دلکشی میں بے پناہ اضافہ کر دیتی تھی۔ لیکن اس وقت یہ صورت انہیں زہر لگ رہی تھی۔ انہوں نے خونخوار نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے اسی شام کی حرکت کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا شراب پی کر تمہارا دماغ ایسے ہی اُلٹ جاتا ہے......؟''

''نہیں عالیہ شاہ......! شراب مجھ پر بے اثر ہے۔''

شہروز نے بدلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کے لہجہ میں ذرا بھی معصومیت نہیں تھی۔ عالیہ شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس بدلے ہوئے انداز پر انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''کیوں......؟ کیا تم بہت زیادہ پیتے رہے ہو......؟''

''ہاں......! میں نے اپنے غم کو اس سیال نشے میں ڈبونے کی بہت کوشش کی، لیکن یہ میرے درد کا مداوا نہ بن سکی۔''

''تمہارا درد......؟''

''ہاں......! اور آپ اس سے واقف ہیں۔''

''میں نہیں سمجھ سکی شہروز......!''

''اس سے زیادہ آپ کو بتا نہ سکوں گا۔''

اس نے لاپرواہی سے منہ بنا کر کہا اور عالیہ شاہ چند ساعت اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں، پھر بولیں۔

''کلب میں تم نے مجھے آنٹی کہہ کر پکارا تھا، آخر کیوں......؟ لوگ تو تمہیں میرے محبوب کی حیثیت سے جاننے لگے تھے۔''

''محبوب کی حقیقت تو آپ پر کھل چکی ہے عالیہ شاہ......!''

وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''میں نہیں مانتی کہ تم فریبی ہو۔''

''ممکن ہے......!''

اس نے لاپرواہی سے شانے ہلائے اور عالیہ شاہ کو پھر خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ اس کے بعد وہ اصل موضوع پر آگئیں۔

''میں نے تمہیں ایک انگوٹھی دی تھی۔''

''ہاں......! وہ آپ کو واپس مل گئی ہوگی۔''

''کیا مطلب......؟''

عالیہ شاہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولیں۔

''مجھے یقین ہے عالیہ شاہ......! کہ آپ کا تحفہ آپ کو خالی تجوری میں مل گیا ہوگا۔''

شہروز نے بے جگری سے کہا اور عالیہ شاہ کے دل میں ہول اُٹھنے لگا۔ وہ شدید غصے کے عالم میں بولیں۔

''اور تجوری میں رکھے ہوئے کاغذات......؟''

''وہ میری تحویل میں ہیں۔''

''کیوں......؟''

''اس لئے عالیہ شاہ......! کہ اب مجھے ان کی ضرورت تھی۔ آپ نے بلیک میلنگ کے لئے ایسی شخصیتوں کو منتخب کر لیا تھا جو اس قابل نہ تھیں۔ ان کی امانتیں بھی واپس لوٹانی ہیں اور اب آپ کے باقی شکار میرے شکار ہوں گے۔''

''تت......تو کیا تم بھی......؟''

عالیہ شاہ حیرت زدہ لہجے میں بولیں۔

''ہاں عالیہ شاہ......! آج کے بعد آپ کو میری ماتحتی میں کام کرنا ہوگا اور اس سے انحراف آپ کی موت کا باعث بن جائے گا۔''

شہروز کا لہجہ اس قدر سفاک تھا کہ عالیہ شاہ کانپ کر رہ گئیں۔ اس احمق سے نوجوان کا یہ روپ ان کے لئے بے حد بھیانک تھا۔ عالیہ شاہ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے کانوں میں شہروز کے الفاظ گونج رہے تھے۔ گزرے ہوئے واقعات انہیں یاد آ رہے تھے، جب اپنی دانست میں وہ شہروز کو اپنے شکنجے میں جکڑ رہی تھیں۔ اس پر اعتماد قائم کرنے کے لئے انہوں نے شہروز کو اپنی کوٹھی میں آنے جانے کی پوری آزادی دے دی تھی۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی بے جھجک ان کی کوٹھی میں آ جاتا تھا اور انہوں نے اپنے تمام ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ شہروز جس وقت بھی آئے، اس کی پذیرائی کی جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا......؟

ایسے غیر متوقع حالات سے واسطہ پڑا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی تھیں۔ کافی دیر تک وہ گم سم بیٹھی رہیں۔ پھر انہوں نے سنبھالا لیا۔ یہ نوعمر چھوکرا ہاتھ کی صفائی دکھا کر اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ وہ ایک تجربہ کار خاتون تھیں اور یہ حیثیت قائم کرنے کے لئے انہیں بہت کچھ کرنا پڑا تھا۔ اتنا کچھ کہ عام لوگوں کے تصور سے باہر تھا اور اس سارے کئے دھرے کو وہ اس طرح خاک میں ملتے دیکھنا پسند نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے سوچا۔

''شہروز ابھی نوعمر ہے، نومشق ہے۔''

چنانچہ ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کسی قدر مخمور لہجے میں بولیں۔

''تمہاری اس نئی شخصیت اور تمہارے اس روّیے نے تو مجھے مسحور کر دیا ہے شہروز......! لیکن مجھے حیرت ہے، تمہیں ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے......؟''

''ضرورت......؟''

شہروز نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''بعض اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا مادام......! کہ اس کی ضرورتیں کیا کیا ہیں......؟''

''مگر تم تو ایک بڑے باپ کے بیٹے ہو......؟''

''لوگ یہی کہتے ہیں، لیکن وہ بہت بڑا باپ میری بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکا۔ تمہیں میرے

قلاش ہونے کا تجربہ ہے عالیہ شاہ......؟''

''میں نہیں سمجھی۔''

''بس عالیہ شاہ......! اپنے ماتحتوں سے میں اس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتا۔''

شہروز کا لہجہ پھر خشک ہو گیا اور عالیہ شاہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔

''ماتحت......؟''

اس نے حقارت سے کہا اور شہروز اپنی خوب صورت اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

''میرے کچھ اُصول ہیں عالیہ شاہ......! جن لوگوں کو میں اپنے لئے چن لیتا ہوں، انہیں بہر طور میرے احکامات قبول کرنے ہوتے ہیں اور عدم تعاون کی صورت میں انہیں مختلف سزائیں ملتی ہیں۔ یہ سزائیں فوری طور پر موت کی سزائیں نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ انسان موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔''

''لیکن جانِ من......! مجھے ان لوگوں میں شمار نہ کرو۔ تم اتنے حسین ہو کہ میں تو ساری عمر تمہاری ماتحتی میں گزارنا پسند کروں گی۔ اس دن تم پر شرارت سوار ہو گئی تھی۔ میرا خیال ہے، اس لڑکی عامرہ کی وجہ سے......؟''

''نہیں عالیہ شاہ......! وہ ایک حقیقت تھی۔ رہی عامرہ کی بات تو مجھے معلوم تھا عالیہ شاہ......! کہ آپ کیا کھیل کھیل رہی ہیں......؟''

''فضول بکواس......!''

عالیہ شاہ نے کہا، لیکن دوسرے لمحے چٹاخ کی ایک آواز اُبھری اور عالیہ شاہ کا ایک کان سن ہو کر رہ گیا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ گال پر پڑنے والا ہاتھ اتنا زوردار تھا کہ چند لمحات کے لئے ان کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

''میں تم سے کہہ چکا ہوں عالیہ شاہ......! کہ میں اپنے ماتحتوں کی بدتمیزی کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہیں جملے بولتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ہے۔''

شہروز کی غراہٹ اُبھری اور عالیہ شاہ ایک دم چونک پڑی۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ کھڑی ہو گئی اور خوفناک غراہٹ کے ساتھ اس نے شہروز پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس کے لمبے ناخن شہروز کے چہرے تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ شہروز پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ قرب و جوار میں بیٹھے لوگوں نے شاید اس تھپڑ کی آواز تو نہیں سنی تھی، لیکن عالیہ شاہ کی غراہٹ اور اس کے بعد ایک وحشیانہ چیخ انہوں نے ضرور سنی تھی اور وہ چونک کر عالیہ شاہ کو دیکھنے لگے تھے۔ عالیہ شاہ پلٹ کر جھکی اور اس نے ایک کرسی اُٹھائی اور پھر یہ کرسی اس نے پوری قوت سے شہروز پر دے ماری۔ لیکن ظاہر ہے، کرسی دوسری خالی کرسی پر پڑی کیونکہ شہروز تو ایک دم سے ایک جانب ہٹ گیا تھا۔ اتنی طاقت سے عالیہ شاہ نے یہ کرسی ماری تھی کہ دوسری کرسی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ریستوران کے کئی بیرے اس جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ خود کاؤنٹر منیجر بھی اپنی جگہ سے نکل کر آگے آ گیا۔ عالیہ شاہ پر وحشت کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس نے درمیان میں رکھی میز اُلٹ دی اور شہروز اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے حلق سے خوفزدہ آوازیں نکل رہی تھیں۔

''بچاؤ......! بچاؤ......! یہ پاگل ہو گئی ہے۔''

''کتے......! دیوانے......! میں تیرا خون پی جاؤں گی۔''

عالیہ شاہ دانت پیس کر شہروز کی طرف لپکی اور جونہی اس نے شہروز پر جھپٹا مارا، وہ نیچے بیٹھ گیا اور عالیہ شاہ ایک ویٹر پر جا پڑی تھیں۔ وہ ویٹر کے ساتھ ہی زمین پر ڈھیر ہو گئی تھیں۔ وہ اونچی ہیل کی خوشنما چپل پہنے ہوئے تھی جس سے پھسلنے میں بے حد آسانی ہوئی اور اس کے پاؤں میں موچ آ گئی۔ نیچے دبا ہوا ویٹر خوفزدہ انداز میں چیخنے لگا اور شہروز کھڑا ہوا چلا رہا تھا۔

''دورہ پڑا ہے، پاگل پن کا دورہ پڑا ہے، شاید یہ خاتون نشے میں ہیں، ان کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے، سونگھو تو سہی، اچانک ہی، اچانک ہی......''

وہ بڑے معصومانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ شکل ہی ایسی تھی کہ ہر کوئی یقین کر لے۔ دوسرے لمحے ہوٹل کے ویٹر دوڑ پڑے اور انہوں نے عالیہ شاہ کو پکڑ لیا۔

''دیکھو دیکھو، کوئی تکلیف نہ ہونے پائے انہیں، نشے کی حالت میں ایسی حرکتیں کر رہی ہیں۔ ویسے بہت مہذب خاتون ہیں۔ یہ عالیہ شاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بہت بڑی خاتون ہیں، براہِ کرم، براہِ کرم......!''

شہروز نے عالیہ شاہ کو عقب سے سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اس میں ایک چال تھی۔ عالیہ شاہ کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ بال بکھر گئے تھے، صورت دیکھنے کے قابل تھی، لباس بے ترتیب ہو گیا تھا، چپل پاؤں سے اُتر کر دور جا پڑی تھی۔ اس وحشیانہ غصے نے ان کا برا حال کر دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے......؟ شہروز معصومیت سے لوگوں کو صورتِ حال بتا رہا تھا اور جو کچھ بتا رہا تھا، عالیہ شاہ کو وہ سن کر اپنے ذہن پر قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کہہ رہا تھا۔

''کوئی خاص ہی بات معلوم ہوتی ہے، ورنہ یہ خاتون تو خاصی مہذب ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں سے ان کی دوستی ہے، لیکن یہ جتنے بڑے لوگ ہیں، سب ایسے ہی کردار کے مالک ہیں۔ بظاہر بڑے، لیکن اندر سے نہایت چھوٹے، نشہ کر کے سڑکوں پر اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ دیکھو تو سہی، ہوٹل کا کتنا نقصان کر دیا۔ میرا خیال ہے جناب......! آپ انہیں پولیس اسٹیشن لے جائیے۔ یہی بہتر رہے گا، ورنہ اس کے بغیر آپ کے نقصانات پورے نہیں ہو سکیں گے۔''

''لیکن یہ آپ کے ساتھ تھیں......؟''

کاؤنٹر منیجر نے شہروز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو بس یہاں بیٹھا تھا کہ یہ آ گئیں اور مجھ سے عجیب عجیب سی باتیں کرنے لگیں کہ تم بے حد خوب صورت ہو، کیا میرے ساتھ کچھ وقت گزارنا پسند کرو گے......؟ میں طالب علم ہوں جناب......! بس یہاں آ بیٹھا تھا اور ان خاتون کی باتیں سن سن کر شرما رہا تھا۔ توبہ توبہ......! کیسی شرمناک گفتگو تھی ان کی۔ میں کیا کروں......؟ اصل میں کچھ

کہا نہیں جاسکتا۔“

”ذلیل......! کتے......! میں تجھے دیکھ لوں گی۔ اچھی طرح دیکھ لوں گی۔“

عالیہ شاہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

”دیکھا، دیکھا آپ لوگوں نے......؟ یہ بھی کوئی بات ہوئی......؟ کیسا زمانہ اُلٹ گیا، پہلے بدکردار مرد شریف خواتین کے پیچھے پیچھے دوڑے دوڑے پھرتے تھے اور ان کی زندگی حرام کر دیتے تھے، لیکن یہ جدید دور، کیا خیال ہے آپ کا بزرگوار......؟“

شہروز نے ایک بوڑھے کی طرف رُخ کر کے کہا اور بوڑھا ویٹر کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

”لاحول ولاقوۃ......! پر صاحب......! ہم کیا کریں......؟ ہم ایسے بہت سے کھیل دیکھتے رہتے ہیں اور زبان بند رکھتے ہیں۔ صاحب......! یہ بڑے لوگوں کے کھیل ہی ایسے ہوتے ہیں۔ آپ جائیے، خواہ مخواہ حرج کر رہے ہیں اپنی تعلیم کا۔ ایسے ہوٹلوں میں ایسی خواتین کے ساتھ مت بیٹھا کریں۔“

بزرگ ویٹر نے خود کو بزرگوار سن کر واقعی نصیحتیں شروع کر دیں۔

”تم چپ رہو گے یا میں تمہاری بھی خبر لوں......؟“

عالیہ شاہ اس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بولیں۔

”جی نہیں بی بی......! آپ میری خبر نہ لیں، اپنی طرف دیکھیں۔“

ویٹر یہ کہتا ہوا دوسری طرف چل دیا اور عالیہ شاہ اپنا حلیہ درست کرنے لگیں۔ اس نے اپنا پرس اُٹھایا، چپل تلاش کی اور واپسی کے لئے مُڑیں تو کاؤنٹر منیجر ان کے سامنے آ گیا۔

”بی بی......! ساری باتیں اپنی جگہ، یا تو آپ ہمارا نقصان پورا کر دیں ورنہ پولیس اسٹیشن چلیں۔“

عالیہ شاہ نے خونخوار نگاہوں سے منیجر کو گھورا اور بے دردی سے پرس کی زِپ کھینچی اور اس میں سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر کاؤنٹر منیجر کے منہ پر دے مارے۔

”میں تم سب کو......تم سب کو......“

اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ غصے کی شدت سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ شہروز ایک کونے میں سمٹ گیا تھا۔ عالیہ شاہ کی نگاہ اس پر نہیں پڑی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ شہروز شاید باہر نکل گیا ہے۔ وہ بھی باہر نکل آئی۔ تب ہی کسی جانب سے ایک آدمی اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک تھا۔

”انتہائی بدتہذیب اور منہ پھٹ آدمی تھا وہ۔“

اس شخص نے عالیہ شاہ کے شانے کے قریب منہ کرتے ہوئے کہا اور وہ چونک کر پلٹی خونی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور دہاڑی۔

”یہاں سے دُور چلے جاؤ۔“

”اوہ......او ہو مسز شاہ......! میں تو آپ کے مداحوں میں سے ایک ہوں۔ ایک مقامی اخبار کا نمائندہ

ہوں اور کئی بڑی بڑی تقاریب میں آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔ معاف کیجئے......! میں آپ کی دل شکنی کرنے نہیں بلکہ دلدوزی کرنے آیا ہوں۔“

”جا رہے ہو یہاں سے یا جوتا اُتاروں پاؤں سے......؟“

”مسز شاہ......! مسز شاہ......! براہِ کرم تہذیب و اخلاق کو ہاتھ سے مت جانے دیں۔ آپ واقعی نشے میں معلوم ہوتی ہیں۔ میں ایک اخباری رپورٹر ہوں محترمہ......! کسی خیراتی ادارے کا منشی نہیں۔ بہرصورت کل صبح کا اخبار ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ میں کوشش کروں گا کہ دوسرے اخبارات کو بھی یہ دلچسپ خبر مل جائے۔“

اس شخص نے کہا اور ایک طرف چل پڑا اور عالیہ شاہ سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھیں۔ مصیبتوں کے اتنے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اس پر کہ وہ بدحواس ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ساکت رہ گئی تھی اور پھر دہشت زدہ لہجے میں بولی۔

”سنو سنو......! میری بات تو سنو، پلیز مسٹر......! پلیز میری بات تو سنو......!“

اور وہ اخباری نمائندہ رُک گیا۔

”یہاں میرے قریب آؤ۔“

”نہیں......! چپل اُتار لیں گی آپ......؟“

”نہیں نہیں......! بات سنو......! ویری سوری......! مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی، لیکن تم حالات کا اندازہ کر رہے ہو۔ وہ کمبخت......اس کمبخت نے......“

عالیہ شاہ اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ اخباری نمائندہ قریب آ گیا۔

”جی......جی......! آپ مجھے بتائیے، کیا ہوا تھا......؟ واقعہ کیا ہوا تھا......؟“

”دیکھو پلیز......! واقعہ جو بھی تھا، وہ ایسا نہیں ہے کہ اخبار میں آئے۔ تم اگر مجھ سے تعاون کرو تو فائدے میں رہو گے۔“

”خیر......! فائدے اور نقصان کی تو ہم پرواہ ہی نہیں کرتے، لیکن ایک معزز خاتون ہونے کی وجہ سے میں آپ سے تعاون کر سکتا ہوں۔ حالانکہ آپ میری بھی بے عزتی کر چکی ہیں۔“

”میں اس کے لئے آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ براہِ کرم مجھے میری کار تک پہنچا دو۔“

عالیہ شاہ نے کہا اور اخباری نمائندہ گردن جھکائے اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

”اصل واقعہ کیا ہوا تھا......؟“

اس نے پھر پوچھا۔

”کسی وقت میری کوٹھی پر آ جانا، میں تم سے وہاں تفصیلی بات چیت کروں گی۔ اس وقت کچھ نہ پوچھو۔ ظاہر ہے، میں اُلٹے سیدھے ہی جواب دوں گی۔ تم خود سوچو، اگر کسی شخص کی ایسی کیفیت ہو جائے تو وہ کیا کچھ سوچے گا......؟“

”بہت بہتر......! میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

نمائندے نے عالیہ شاہ کو ان کی کار تک پہنچا دیا تھا۔ عالیہ شاہ نہ جانے کس طرح اپنی کار میں بیٹھی تھیں اور کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

افریقہ سے درآمد شدہ دونوں عجوبوں کے لئے عمدہ رہائش گاہ کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ احتشام حسن کے آنے سے ان کے بھائی فاروق حسن اور خاندان کے دوسرے افراد کو بے حد خوشی تھی۔ فاروق حسن کے کئی دوسرے رشتے داران کے ساتھ ہی کوٹھی میں رہتے تھے۔ ان کے نوجوان لڑکے لڑکیاں بھی تھے جو آپس میں عزیز اور رشتے دار تھے اور یہ سب نواب فاروق حسن خان کے زیر کفالت تھے۔ یہ دونوں عجوبے ان کے لئے انتہائی دلچسپی کا سامان بن گئے تھے۔ ان دلچسپیوں کی ابتداء تو اس شام سے ہی ہو گئی تھی جب لان پر چائے پی جا رہی تھی اور وہ آ پہنچے تھے۔ بس موسیقی کے بارے میں گفتگو نکل آئی تھی اور پھر ایسے میں اتنے بڑے موسیقار سے کیسے برداشت ہوتا......؟ چائے کے دوران بھی کئی بار وہ دلربا پر جھپکے تھے۔ اگر نواب احتشام حسن خان کی ڈانٹ ڈپٹ ساتھ نہ رہتی تو شاید دلربا تھیلے سے باہر نکل ہی آتی۔ لیکن نواب احتشام نے اسے غلاف سے نکلنے نہیں دیا۔ انہوں نے انتہائی سخت الفاظ میں دونوں کو تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے یہاں بھی اپنی بدتمیزی جاری رکھی تو دوسرے ہی دن ان کی واپسی کا ٹکٹ کٹوا دیا جائے گا اور یہ دھمکی خاصی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ دونوں بجھ گئے۔

پھر جب چائے ختم ہو گئی اور یہ دونوں کھلونے نوجوانوں کے ہاتھ لگے۔ بزرگوں سے نجات مل گئی تو قہقہوں کا وہ دور چلا کہ نوجوان دُہرے ہو گئے۔ ادھر احتشام حسن بڑے بھائی سے ان دونوں کی طرف سے برہمی کا اظہار کر رہے تھے۔

''نہیں بھائی جان......! ان دونوں کی حرکتوں سے میں بہت زیادہ خوفزدہ رہتا ہوں۔ اگر رشتے داری کا خوف نہ ہوتا تو شاید میں انہیں ایک لمحہ بھی برداشت نہ کر سکتا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ جو مقامی عزیز میرے پاس نیروبی میں ہیں، وہ مجھے کتنے عزیز ہیں۔ میں انہیں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔ اس لئے سب کچھ برداشت کرتا رہتا ہوں۔''

''تو یہاں بھی برداشت کرو بھئی......! ہمیں تو بچوں کی شرارتیں ذرا بھی بری نہیں لگتیں۔ ظاہر ہے، باہر کے پردہ دار ہیں جو دیکھا ہوگا وہ اپنا لیا ہوگا۔ اس کے باوجود مجھے یہ بڑا بہت بہتر نظر آتا ہے۔ بڑی صاف اُردو بول لیتا ہے اور ہماری قدروں کا قدردان معلوم ہوتا ہے۔''

''ڈھونگیا ہے پورا ڈھونگیا۔ بس اپنی انفرادیت قائم رکھنے کا خواہاں رہتا ہے۔ دو ہی شوق ہیں اس کمبخت کو۔ کھاتا ہے اور پہلوانی کرنے لگتا ہے یا پھر شعر و شاعری کرنے لگتا ہے۔ ساری حرکتیں موجود ہیں اس کے اندر۔''

نواب احتشام نے کہا اور ہنستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ ادھر لڑکے اور لڑکیاں دونوں حضرات کو تلاش کر رہے تھے جو کہیں رفو چکر ہو گئے تھے۔ تابش نے احمد کو اشارہ کیا اور وہ ان دونوں کو دیکھنے مہندی کی باڑھ کے پیچھے گیا۔ مگر ان دونوں کا وہاں کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ موقع کا اندازہ کر کے غائب ہو گئے تھے۔ ان کی تلاش سے مایوس ہو کر سب

لڑکے اور لڑکیاں ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ فارعہ، تابش سے کہہ رہی تھی۔

''خدا کی قسم تابش......! نایاب چیزیں ہاتھ آئی ہیں۔ مجھے تو صرف اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ بالآخر ایک دن یہ دونوں چلے جائیں گے۔ میرا بس چلے تو انہیں محفوظ کر کے کسی میوزیم میں رکھ دوں۔''

''ہیں تو دونوں میوزیم میں رکھنے کے ہی قابل، لیکن ایک بات بتاؤ فارعہ......!''

''ہاں ہاں......! پوچھو......!''

''یہ دونوں واقعی اتنے بیوقوف ہیں یا بنتے ہیں......؟''

''یہ بات تو اللہ جانے، مگر جو کچھ بھی ہیں، ہیں خوب......! ان کے بارے میں ذرا معلومات کرنی پڑے گی کہ اندر سے کیا ہیں......؟''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ویسے ایک خیال بار بار میرے ذہن میں آتا ہے۔ اس کا تصور کر کے میری کیفیت عجیب ہو جاتی ہے۔''

تابش بولا۔

''وہ کیا......؟''

فارعہ نے پوچھا۔

''اگر ان کی ملاقات شہروز بھیا سے ہوئی تو کیسا رہے گا......؟''

تابش بولا اور تمام لوگوں کے چہرے سرخ ہو گئے تھے اور ایک بار پھر ہنسی کا طوفان بہہ نکلا۔

''خدا کی قسم......! مزہ آ جائے گا۔ شہروز بھیا سے بھڑا دو انہیں ایک بار۔''

''وہ تو بھڑیں گے ہی، ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ظاہر ہے، اس کوٹھی میں ہیں تو ملاقات تو ہوگی ہی۔''

''لیکن شہروز بھیا ہیں کہاں......؟''

کسی نے پوچھا۔

''اللہ جانے......! ان کے پروگرام کسی کو معلوم ہوتے ہیں تو بتایا جائے کہ وہ کس وقت کوٹھی پر موجود ہوں گے۔''

''بہرحال......! آؤ ان دونوں کو تلاش کریں۔ ایسی نایاب چیزوں سے دُوری مناسب نہیں ہوتی۔''

اور یہ غول پھر ان مسخروں کی تلاش میں نکل گیا۔

☆......☆......☆

کار آندھی اور طوفان کی طرح کوٹھی میں داخل ہوئی۔ عالیہ شاہ کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ جو کچھ ہوا، اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ بہت سی باتیں ایک ساتھ ہو گئی تھیں۔ ان

کاغذات کی گمشدگی ہی کیا ایک کم سانحہ تھی جن کے ذریعے وہ اپنی حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھیں اور ان سے انہیں ایک معقول رقم ملتی تھی۔ اب یہ کاغذات ایک دوسرے شخص کے قبضے میں تھے۔ شہروز کے بارے میں جب بھی سوچنے لگتی، اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے۔ لیکن اس کی جونئی شخصیت سامنے آئی تھی، اس نے عالیہ شاہ کو دنگ کر کر رکھ دیا تھا، اور اس کے بعد، شہروز نے عالیہ شاہ کی جو بے عزتی کی تھی، عالیہ شاہ جیسی عورت اسے قیامت تک معاف نہیں کر سکتی تھی۔

یہ کل کا لونڈا حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اگر وہ بلیک میلر بھی تھا، اگر وہ ذہین شخص بھی تھا، تو اس کی کم از کم یہ جرأت نہیں ہونی چاہئے تھی کہ وہ عالیہ شاہ جیسی عورت پر ہاتھ اُٹھالیتا اور اس کے بعد اس نے اسے بے عزت کرنے کی جو کارروائی کی تھی، وہ اس کی زندگی کی بدترین کارروائی تھی۔ اس نے بڑی عجیب زندگی گزاری تھی اور اس زندگی میں اسے بڑے بڑے حادثوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ لیکن ایسا حادثہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری کائنات کو اُدھیڑ کر پھینک دے۔ جو بھی اس کے سامنے آئیں، ان سب کو قتل کر دے۔ لیکن ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ بس شہروز کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''شہروز......؟''

ہر بار اس کا ذہن یہی نام دُہرا رہا تھا اور ہر بار اس کے ذہن میں شیشے کی کرچیاں چبھ رہی تھیں۔ اندر آ کر وہ اپنے بستر پر گر پڑی۔ حلیہ جیسا بھی ہو رہا تھا، مگر اس قابل نہ تھا کہ ملازم اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار نہ کرتے، وہ سخت گیر تھی اس لئے کسی ملازم کو اس کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کافی دیر تک وہ آنکھیں بند کئے لیٹی رہی اور پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''غلام......!''

وہ حلق پھاڑ کر دہاڑی اور ایک ملازم اندر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے بدن میں لرزشیں نمایاں تھیں۔

''ٹھنڈا پانی......! بالکل یخ......!''

اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور ملازم دوڑا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پانی پیش کر دیا تھا۔

عالیہ شاہ نے پورا گلاس ایک سانس میں خالی کر دیا تھا۔

''اور لاؤ......!''

عالیہ شاہ نے غرا کر کہا اور ملازم مزید پانی لینے کے لئے دوڑ گیا۔ پانی کا دوسرا گلاس پینے کے بعد عالیہ شاہ کو کسی قدر سکون ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تکیے میں منہ گھسیڑ کر لیٹ گئی۔ ذہن چیخ رہا تھا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ کسی کروٹ سکون نہیں مل رہا تھا۔ بس ایک شکل ذہن میں آئے جا رہی تھی اور اسے اس شکل سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔

''یہ ہوا کیسے......؟ کیونکر ہوا......؟ شہروز کی شخصیت ایسی تو نہیں تھی کہ وہ مجھے زندگی کی سب سے بڑی چوٹ دے جاتا، اور اگر اعلیٰ حلقوں میں یہ کہانی پہنچ جائے تو......؟''

دوسروں کو بلیک میل کرنے والی آج خود خوف کا شکار تھی اور اسے کسی کل چین نہیں مل رہا تھا۔ بہت سے

منصوبے اس کے ذہن میں بن رہے تھے، لیکن اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ شہروز کا تھپڑ اسے یاد تھا اور اس کے بعد شہروز نے صورتِ حال ہی بدل دی تھی۔ اس نے عالیہ شاہ کی شخصیت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا تھا اور اسے ذلیل کر دیا تھا۔

''شہروز......!''

وہ دانت بھینچ کر غرائی اور اسی وقت موبائل فون کی بیل بج اُٹھی۔ یہ بیل اسے شدید ناگوار گزری تھی۔ اس نے دوسری طرف رُخ بدل لیا، لیکن فون کرنے والے نے بھی فون منقطع نہیں کیا تھا اور بیل مسلسل بجتی رہی۔

''اوہ......!''

عالیہ شاہ غرائی۔ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر اس نے ایک طرف پڑا ہوا موبائل اُٹھا لیا۔ خیال تو یہ تھا کہ اسے نیچے پٹخ دے گی، لیکن پھر نہ جانے کیوں اس نے اسے کان سے لگا لیا۔

''ہیلو......!''

وہ آواز کو سنبھال کر بولی۔

''آئے ہائے......! ہماری طرف سے کئی بار ہیلو......! بلکہ ہیلو ہی ہیلو......! کیسی ہو بوا......؟ آئے ہائے......! مزاج تو اچھے ہیں......؟''

دوسری طرف سے شہروز کی منحوس آواز سنائی دی اور عالیہ شاہ کا حلق بند ہو گیا۔ غصے کی شدت سے آنکھیں اُبل پڑی تھیں۔

''صدمہ تھوک دو بی بی......! ہمارا تو یہی مشورہ ہے، غصے میں تو بس خون جلتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بات کرو، ہم سے بات کرو۔''

عالیہ شاہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر اس نے نہ جانے کس کس طرح خود کو پُرسکون کیا اور بولی۔

''شہروز......! تم نے جو کچھ کیا ہے، اس کا خمیازہ بھگتو گے۔ سمجھے......؟ تم مجھے نہیں جانتے شہروز......! لیکن......لیکن بہت جلد جان جاؤ گے۔''

''آئے ہائے......! ہم تو بھگتتے ہی رہتے ہیں بی بی......! اپنا کیا بھی بھگتتے ہیں اور ماں باپ کا کیا بھی بھگت رہے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی، ہمارے ساتھ ہوا کیا......؟ ماں نے کہا تھا، بیٹی پیدا ہو، باپ بولے، بیٹا پیدا ہو، اور پیدا ہو گئے ہم۔ بی بی......! یہ تو سوچو کہ ان کا کیا بھی بھگت رہے ہیں اور اپنا کیا بھی بھگتیں گے۔ تم اپنی کہو، تم تو ایک ہی ہو، ہم تو دو دو ہیں۔''

شہروز بولا۔

''میں کہتی شہروز......! کوئی بات کرنی ہے تو سلیقے سے کرو۔ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے، میں اسے زندگی بھر معاف نہیں کر سکتی۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''ہم تو یہی چاہتے ہیں بی بی......! کہ کوئی ہماری گردن مروڑ کر پھینک دے۔ آئے ہائے......! اس دُنیا

میں جینے سے فائدہ ہی کیا......؟ سوچو تو سہی، کیا کیا گزر رہے ہے ہم پر......؟ بھلا بتاؤ تو سہی، یہ بھی کوئی زندگی ہے......؟ اور اس زندگی سے بدلہ لینے کا یہی طریقہ تھا جو ہماری سمجھ میں آیا کہ تم جیسی بیبیوں کو سبق دیا جائے۔ اب بات کرو ہم سے، کیا ارادے ہیں تمہارے......؟"

"مطلب کیا ہے تمہارا......؟"

"کچھ باتیں بتائی ہیں تمہیں، تا کہ تم اس سے پہلے ہی ٹھیک ہو جاؤ، ورنہ دوسری شکل یہی ہو گی بی بی......! کہ سڑکوں پر جھاڑو ہاتھ میں لئے پھر رہی ہو گی، بال بکھرے ہوں گے اور لوگ تھپڑ مار رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اگر ہمیں سمجھ چکی ہو تو جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، ٹھیک ہی ہے۔"

"تم......تم میرا کیا بگاڑ لو گے......؟"

عالیہ شاہ دانت کچکچا کر بولیں۔

"کچھ نہیں بی بی......! بھلا ہم جیسے ہیجڑے کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں......؟ ہم تو پیدا ہی ظلم اُٹھانے کے لئے ہوئے ہیں۔ مگر تمہاری پول کھل جائے گی۔ ہماری مانو، جو تمہارے ہاتھ میں دبے ہوئے ہیں، اگر انہیں اپنے ہی تک رکھنا چاہتی ہو تو ہم بھی اس کے لئے تیار ہوں گے۔ ایک ایسا معقول کمیشن مل جائے گا تمہیں جس سے تمہارا کام بھی ہو جائے اور عزت کی زندگی بھی گزار سکو۔ ورنہ ذلت تو تمہارا مقدر بن ہی چکی ہے۔"

"تم......تم کچھ بھی نہ کر سکو گے شہروز......! میں بہت جلد تمہارا بندوبست کر لوں گی۔"

"دیکھو بی بی......! اب تک ہم شرافت کی زبان استعمال کرتے رہے ہیں۔ پر اب ہماری زبان سننا ہی چاہتی ہو تو سن لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فون پر خود کو ٹھیک ٹھاک کرو اور اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے منہ سے نکلنے والا ایک لفظ بھی توہین آمیز نہ ہو۔ اس وقت میں تمہارے باس ہی کی حیثیت سے بول رہا ہوں۔"

شہروز کا لہجہ بدل گیا اور عالیہ شاہ نے اس کے لہجے میں ایک غراہٹ محسوس کی۔

"میرے باس کی حیثیت سے......؟"

وہ بدستور غصیلے لہجے میں بولی۔

"عالیہ شاہ......! یہ آخری وارننگ ہے، اس کے بعد تمہارے لہجے میں کوئی خرابی نہ ہو۔ اگر تمہیں خود پر یقین ہے تو آؤ، تمہیں تمہاری تصویر دکھا دوں تا کہ تم اچھی طرح سے جان لو، خوب اچھی طرح سے عالیہ شاہ......! اس سے تمہیں مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"میں تمہاری بکواس نہیں سننا چاہتی۔"

"ہوں......! گویا تمہاری موت تمہارے قریب آ گئی ہے۔ ٹھیک ہے شینا ڈیئر......! ٹھیک ہے......! آنے والا وقت......"

شہروز نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا۔ لیکن عالیہ شاہ کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ لرزنے لگا اور اس کی گہری گہری سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔

"فون بند کر دوں......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"نہیں شہروز......! پلیز نہیں......!"

وہ جلدی سے بولی اور شہروز کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"ٹھیک ہے......! شاید تم ماضی کی کہانی سننا چاہتی ہو۔ یہ ٹھیک بھی ہے، اپنے ماضی سے کسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور پھر تمہارا ماضی تو بہت دلچسپ ہے شینا ڈارلنگ......! بات ایک بہت بڑے شہر کی ہے جس کی سڑکوں اور گلیوں میں ایک بوڑھا فقیر ایک گاڑی میں پڑا نظر آتا تھا، اس گاڑی کو ایک دُبلی پتلی لڑکی گھسیٹتی تھی اور یوں وہ باپ بیٹی بھیک مانگ کر زندگی گزارتے تھے۔ پھر ایک دن فقیر مر گیا اور لڑکی تنہا بھیک مانگنے لگی۔ اب وہ جوان ہو گئی تھی۔ اسے بھیک دینے والے پہلے اسے بغور دیکھتے تھے، پھر مسکرا کر کچھ دے دیتے تھے۔ پھر ایک رات ایک فٹ پاتھ سے اس لڑکی کو اغواء کر لیا گیا اور اس کے بعد وہ کسی کو نظر نہیں آئی۔ لیکن چند ہی ماہ کے بعد شینا نام کی ایک لڑکی ایک بڑے ہوٹل میں نظر آئی اور اس ہوٹل کے مینیجر سے بات کر کے وہاں ملازم ہو گئی۔ وہاں وہ شینا کے نام سے مشہور ہوئی تھی اور بہت مختصر وقت میں وہ ہوٹل کے کاؤنٹر کی منظورِ نظر بن گئی اور اس کے حالات بدلنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے ہوٹل چھوڑ دیا اور ایک فیشن ایبل بنگلے میں منتقل ہو گئی۔ یہاں بھی اس کا کاروبار خوب چمکا۔ فقیر کی اولاد سہی مگر ذہین لڑکی تھی۔ اس نے مستقبل کے بارے میں ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا اور اس کے بعد اس نے چند فیصلے کئے اس نے اپنا بنگلہ فروخت کیا، دوسرے اثاثے بیچے اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور کام بھی کیا، جانتی ہو عالیہ شاہ......! وہ کیا......؟"

"کیا......؟"

عالیہ شاہ کی سسکاری سی اُبھری۔

"میں اس اسکول ٹیچر کی بات کروں گا جو ایک طرح شینا کے دلال کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر شینا نے اس کی حیثیت بدل دی اور وہ مسٹر شاہ بن گیا۔ یہ اسکول ٹیچر ایک قتل کے کیس میں بھی ملوث تھا۔ شینا نے اپنی جدوجہد سے اسے قتل کے الزام سے بچا کر رہا کرایا تھا۔ پھر انہوں نے یہ شہر چھوڑ دیا اور یہاں آ گئے اور تھوڑے عرصے کے بعد شینا، مسز عالیہ شاہ کے نام سے اعلیٰ حلقوں میں متعارف ہوئی اور مسٹر شاہ صرف ایک کرایے کے شوہر کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ اب وہ نشے کے عادی اور ایک بیکار سے انسان ہیں، لیکن عالیہ شاہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اب بھی بعض حلقوں میں ایک پُرکشش اور معزز خاتون کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔"

شہروز خاموش ہو گیا تھا۔ عالیہ شاہ کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ وہ نمایاں طور پر لرز رہی تھی۔ پھر اس کی پھنسی پھنسی آواز اُبھری۔

"یہ سب کچھ، یہ سب کچھ......؟"

"مجھے کیسے معلوم ہوا عالیہ شاہ......! ہی ناں......؟"

شہروز ہنس کر بولا۔

"ہاں......!"

"بس تم سے محبت ہوگئی تھی اس لئے تمہارے بارے میں چھان بین کر ڈالی۔"

شہروز نے ہنس کر کہا۔

"میں......میں تمہارے احکامات کی تعمیل کے لئے تیار ہوں شہروز......! میں اب تم سے انحراف نہیں کروں گی۔"

"باقی آئندہ......!"

شہروز نے کہا اور فون بند کر دیا۔ دوسری طرف سے لائن آف ہونے کے باوجود عالیہ شاہ کافی دیر تک موبائل ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی تھی، اس کے چہرے پر سینکڑوں رنگ آ رہے تھے۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اس کے باوجود شہروز......! میں تم سے ہار نہیں مانوں گی۔ تمہاری موت بھی میرے ہی ہاتھوں ہوگی۔ میرے ہی ہاتھوں۔"

عالیہ شاہ نے آہستہ سے کہا۔

☆......☆......☆

تیسرا دن ہو گیا تھا۔ ان تین دنوں میں شہروز گھر نہیں آیا تھا۔ نواب احتشام حسن خان اس دوران ہر لمحے اس کے بارے میں پوچھتے رہے تھے اور پھر انہوں نے کچھ اندازہ کر لیا تھا۔ کیونکہ ان کے پوچھنے پر نواب فاروق حسن خان کا چہرہ کچھ بجھ سا جاتا تھا اور وہ نروس نظر آنے لگتے تھے۔ پھر اس رات احتشام صاحب نے بھائی کو پکڑ ہی لیا۔ ان کے دل میں خلوص ہی خلوص تھا۔

"بھائی صاحب......! ایک سوال کروں گا۔ گزرے ہوئے حالات کچھ بھی ہوں، لیکن اب آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے، کیا میرا یہ خیال غلط ہے......؟"

"ہرگز نہیں......! کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے......؟"

نواب فاروق حسن خان نے پوچھا۔

"نہیں بھائی صاحب......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن چھوٹا بھائی ہونے کی حیثیت سے کچھ فرائض مجھ پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جوان عمری میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا۔ میرے ذہن میں شہروز میاں کے لئے تشویش ہے۔"

"کیا......؟"

نواب فاروق حسن خان سہم گئے۔

"وہ کہاں ہیں......؟ تین دن ہوگئے۔ وہ ہم سے کیوں نہیں ملتے......؟ کیا ان پر کوئی غلط فطرت سوار

ہے......؟"

فاروق حسن خان نے سر جھکا لیا تھا۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد وہ بولے۔

"وہ......وہ ذہنی مریض ہے احتشام......! ایک ناہموار انسان، کبھی کبھی اس پر عجیب دورے پڑتے ہیں۔"

"اوہ......! اللہ رحم فرمائے، کیسے دورے......؟"

احتشام صاحب نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کیا بتاؤں احتشام......! بس عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے۔ وہ خود کو لڑکی سمجھنے لگتا ہے۔ زنانہ لباس پہنتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ میری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ بس، یہ کیفیت ایک طویل عرصے سے اس پر سوار ہے، حالانکہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہوتا ہے، انتہائی شدید ہوتا ہے اور میں یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اب کیا کروں......؟"

"ایسے عجیب وغریب دورے......؟ کیا آپ نے ڈاکٹروں سے مشورہ نہیں کیا......؟"

"کسی ایک ڈاکٹر سے، اپنی سی ہر کوشش کر چکا ہوں۔ وہ ذہنی طور پر بھٹکا ہوا لڑکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر یہ جنون کیوں سوار ہو جاتا ہے......؟ اپنی اس کیفیت سے وہ خود بھی اس قدر شرمندہ ہے کہ عام طور سے وہ گھر میں نظر نہیں آتا۔ اس خوف کا شکار کہ نہ جانے کب دورہ پڑ جائے اور کب اس کی مضحکہ خیز کیفیت شروع ہو جائے......؟ شروع شروع میں، میں نے اس کی اس بات پر سرزنش کی۔ لیکن ڈاکٹروں نے یہی مشورہ دیا کہ ایسی کوئی بات اس کے ساتھ نہ کی جائے ورنہ اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ سکتی ہیں۔"

نواب فاروق حسن خان نے حتی الامکان اصلیت چھپاتے ہوئے کہا اور ایسا انداز اختیار کیا کہ بات بن جائے، لیکن احتشام حسن خان پریشان ہوگئے تھے۔

"آپ نے غیر ممالک میں اس کا علاج کیوں نہیں کرایا......؟"

"میں نے کہا ناں احتشام......! کہ یہ کیفیت جوانی میں اس پر ظاہر ہوئی اور اس کے بعد صورتِ حال اتنی بگڑ گئی کہ وہ میرے بس کا نہیں رہا۔ میں نے یہاں بھی بہت سے ڈاکٹروں کو بیرونِ ملک سے طلب کیا تھا۔ ان کے سامنے اس کا تجزیہ کیا گیا اور ان ڈاکٹروں نے بھی یہی کہا کہ اس کا مرض لاعلاج ہے، کبھی ٹھیک ہوا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میری ہمت نہ پڑی کہ مزید اس سلسلے میں کوئی کارروائی کروں۔"

"یہ تو واقعی تعجب خیز بات ہے۔ میں نے اس سے قبل طب کی تاریخ میں ایسے کسی مرض کے بارے میں نہیں پڑھا جہاں انسان اپنی جنس کی شناخت کھو بیٹھے۔"

"مگر بھائی صاحب......! آپ نے......آپ نے......"

احتشام حسن خان جھجک گئے۔

"ہاں......! اس سلسلے میں بھی کوشش کر چکا ہوں اور ڈاکٹروں کا انکشاف حیرت انگیز ہے۔ ان کا کہنا ہے ا۔۔ر ے کی حالت میں وہ نہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"مجھے بے حد دُکھ ہوا ہے بھائی صاحب......! آپ تنہا ہی یہ عذاب جھیلتے رہے ہیں۔"

"جو حکم خداوندی......! میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا کہ مشیت میں مداخلت کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔"

نواب فاروق حسن خان نے کہا، اور یہ اتفاق ہی تھا کہ ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ شہروز صاحب آ گئے ہیں۔ نواب فاروق حسن خان سہم گئے مگر احتشام حسن خان جوش سے کھڑے ہو گئے تھے۔

"کہاں ہیں وہ......؟ ان سے کہو، ان کے چچا نے بلایا ہے۔"

احتشام حسن نے کہا اور ملازم گردن جھکا کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شرمیلا سا، معصوم سا نوجوان اس کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر احتشام حسن خان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ خوب صورت سفید سوٹ میں وہ اس قدر شاندار نظر آ رہا تھا کہ اسے دیکھنے والا نگاہ نہ ہٹا سکے۔ چہرے پر ایسی معصومیت اور بھولپن تھا جس کی مثال مشکل ہی سے دی جا سکتی تھی۔ اس نے نہایت ادب سے احتشام حسن کو سلام کیا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں انتہائی شرمسار ہوں چچا جان......! کہ آپ کے آنے کی اطلاع پا کر بھی میں آپ کی قدم بوسی کو حاضر نہ ہو سکا۔"

اس نے نہایت خستہ لہجے میں کہا۔

"ہم تو میاں......! آپ کا انتظار ہی کرتے رہے۔ لیکن آپ بیٹھ کیوں گئے......؟ کیا آپ اپنے چچا کے گلے نہیں لگیں گے......؟"

احتشام حسن نے کہا اور وہ اُٹھ کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ احتشام کافی دیر تک اسے سینے سے بھینچے رہے تھے۔

"شہروز میاں......! آپ کو دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا ہے۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنی مسرت ہوئی ہے۔ بیٹے......! میرے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ کس طرح میری بدقسمتی نے مجھے خاندان سے دُور کر دیا تھا۔ خاص طور سے بھائی صاحب سے اور آپ لوگوں سے۔ لیکن خدا کا احسان ہے کہ اس نے زندگی میں ایک بار پھر یہ بگڑے ہوئے راستے درست کر دیئے۔ آپ کو دیکھ کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے، میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔"

"بہت بہت شکریہ چچا جان......! حالانکہ میں آپ کی عنایت کے قابل نہیں ہوں۔"

"ارے نہیں میاں......! تم میرے اپنے بچے ہو، تمہارے علاوہ ہم بوڑھوں کا اس دُنیا میں اور ہے ہی کیا......؟ بیٹے......! واقعی میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا، جو تمہیں دیکھ کر ہوئی ہے، اور ہاں، سارہ سے تمہاری ملاقات ہوئی......؟"

"جی......؟"

شہروز نے سوالیہ انداز سے انہیں دیکھا۔

"تمہارے چچا کی بیٹی، تمہاری کزن......!"

"جی نہیں......! میں ابھی تک ان کے نیاز حاصل نہیں کر سکا ہوں۔"

"میں بلاتا ہوں، ابھی بلاتا ہوں۔"

احتشام حسن نے کہا اور خود ہی باہر دوڑ گئے۔ پھر انہوں نے ایک ملازم کے ذریعے سارہ کو طلب کر لیا۔ شرمائی لجائی سی سارہ اندر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر شفق اُتر آئی تھی۔ شاید شہروز کے بارے میں اس کے ذہن میں بھی کوئی خیال، کوئی جذبہ پرورش پا رہا تھا۔ گو غائبانہ تعارف تھا، مگر بعض جذبے شرم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی کسی ایسی لڑکی کے جو مشرقی تہذیب کی عاشق ہو۔ چنانچہ نگاہیں جھکائے وہ کمرے میں داخل ہوئی اور احتشام حسن خان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"بھئی سارہ......! تمہیں اس لئے نہیں بلایا گیا کہ تم شرمائی لجائی ایک کونے میں کھڑی ہو جاؤ۔ دیکھو تو سہی، یہاں کون کون ہے......؟"

سارہ نے گردن اُٹھائی، سامنے ہی شہروز کھڑا تھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ مبہوت ہو گئی۔ نگاہ تھی کہ اس پر سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آنکھوں میں حیرت تھی، پھر یہ حیرت تحسین میں بدل گئی اور اس کے بعد ان آنکھوں سے پرستش کے جذبے اُبل پڑے۔ وہ دُنیا و مافیہا کو بھول گئی تھی اور اس وجیہہ نوجوان کی وجاہت میں گم ہو گئی تھی۔ احتشام حسن خود بھی اس محویت پر ذرا سا بوکھلا گئے اور انہوں نے آہستہ سے کھنکار کر کہا۔

"بیٹھو بھئی......! یہ کیا خاموشی طاری ہو گئی ہے تم دونوں پر......؟ بیٹھ جاؤ شہروز میاں......! تم لوگوں نے تو رسمی الفاظ بھی نہیں ادا کیے۔"

"جی چچا جان......! میں رسمیات کا قائل نہیں ہوں۔ انہیں دیکھ کر اس لحاظ سے بہت مسرت ہوئی ہے کہ یہ میری اپنی ہیں۔"

سارہ نے پھر ایک جھجکتی سی نگاہ اس پر ڈالی۔ یہ جملے بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے۔

"میری اپنی......!"

اس بات میں تو ایک جہان پوشیدہ تھا۔ اس کے دل میں ہزاروں کنول کھل اُٹھے اور وہ بار بار نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھنے لگتی۔

"باتیں کرو بھئی تم لوگ، بچوں کی خاموشی تو مجھے عجیب سی لگتی ہے۔"

احتشام حسن بولے۔

"بس، مس سارہ کے بارے میں مجھے تفصیل نہیں معلوم، پڑھتی ہیں، کیا کرتی ہیں......؟"

"بھئی......! یہ تفصیلات تم خود معلوم کرو۔ جاؤ بھئی سارہ......! اگر ہم بزرگ تمہارے آڑے آ رہے ہیں تو تم دونوں باہر جا کر باتیں کر لو۔ ہر چند کہ شہروز میاں کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، بہرصورت اب تو گھر آ ہی گئے ہیں، تیسرے دن ہی سہی۔"

احتشام صاحب نے کہا اور سارہ کھڑی ہو گئی۔ شہروز کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے اُلجھن کے آثار نظر آئے۔ لیکن پھر بھی وہ مطمئن انداز میں کھڑا ہو گیا اور دونوں باہر نکل گئے۔ احتشام حسن نے بڑے بھائی کو دیکھا اور گلوگیر

لہجے میں بولے۔

''بھائی صاحب......! یہ بچہ اگر ایسے کسی مرض کا شکار ہے تو یہ اس صدی کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ اتنا نستعلیق اور حسین بچہ، میں تو اس کی صورت دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔ آپ یقین کریں، یہ تصور ہی مجھے ٹکڑے ٹکڑے کئے دے رہا ہے کہ یہ کسی ایسے مرض کا شکار ہے۔ میری ایک درخواست ہے بھائی جان......!''

''کیا......؟''

نواب فاروق حسن خان نے نگاہیں اُٹھا کر انہیں دیکھا۔

''میں آپ کے سامنے کچھ کہنے سے نہیں جھجکوں گا بھائی صاحب......!''

احتشام حسن پھر بولے۔

''ہاں ہاں......! کہو......! جھجکنے کی کیا بات ہے......؟''

''بس، شہروز کو میں اپنے لئے منتخب کر چکا ہوں۔ میں سارہ کی شادی اس سے کروں گا۔ ہر چند یہ ایک رِسک ہوگا، لیکن میں یہ رِسک لینے پر تیار ہوں۔ وہ بھی میرا اپنا بچہ ہے۔ ممکن ہے سارہ کی صحبت اس کی ذہنی کیفیت کو بدل دے۔''

نواب فاروق حسن کے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوگئی تھی۔ اب تک کی جو ڈاکٹروں کی رپورٹیں تھیں، وہ انہیں بخوبی دیکھ چکے تھے۔ ان حالات میں احتشام حسن اگر سارہ کو اندھے کنوئیں میں دھکیل رہا ہے، تو یہ اچھی بات تو نہ ہوگی۔

بہرصورت سارہ اور احتشام حسن کے لئے ان کے دل میں کوئی کد نہ تھی اور وہ سارہ کو بھی اپنی بھتیجی کی حیثیت سے چاہنے لگے تھے۔ ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے احتشام حسن نے کہا۔

''اگر کوئی اور بات آپ کے ذہن میں ہے اور آپ یہ سب نہ چاہیں گے تو مجھے ذرا بھی احساس اور اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن اگر صرف شہروز کی بیماری آپ کی نگاہ میں ہے تو اسے میری اور سارہ کی تقدیر پر چھوڑ دیجئے۔ میں شہروز کو میں ملک سے باہر لے جاؤں گا اور اس کا علاج کراؤں گا۔ یہ سارا خرچ میرا ہوگا اور میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی زحمت نہ دوں گا۔''

''نہیں احتشام میاں......! اس میں زحمت کی بات نہیں ہے۔ یوں تو تم اس کے چچا ہو، لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تھوڑا سا توقف کرو۔ یہ کوشش کر دیکھو کہ وہ سارہ کی زندگی کے لئے کوئی مناسب شخص ثابت ہوگا۔ اگر سارہ کسی تکلیف کا شکار ہوئی تو تم کیا سمجھتے ہو میرا دل نہ دُکھے گا......؟ میں تمہیں اس بات کی کھلی اجازت دیتا ہوں کہ اگر شہروز اور سارہ ایک دوسرے سے اتنے گھل مل جائیں اور کوئی ایسی صورت بن جائے کہ شہروز پر کوئی دورہ نہ پڑے تو پھر مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''بس، تو یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔''

نواب احتشام حسن نے خوش ہو کر کہا اور فاروق حسن کے گلے لگ گئے۔ فاروق حسن کے چہرے پر

بدستور تشویش کے آثار تھے۔

☆......☆......☆

شہروز آہستہ آہستہ سارہ کے ساتھ چل رہا تھا۔ یہ لڑکی واقعی اسے پسند آئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل میں بھی ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے اس کے دل کے دروازے بند ہوگئے تھے۔ وہ جس کیفیت کا شکار تھا، اس میں ایسی کسی دھڑکن کی گنجائش نہیں تھی۔ تقدیر نے اسے کچھ احساس سے محروم رکھا تھا اور احساس کی یہ محرومی اس کے ذہن میں ناسور بن گئی تھی۔ اس ناسور کی دُکھن کو تسکین دینے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ وہ اپنی شخصیت کو ایک عجوبہ بنا کر رکھ دے۔ ایک ایسی حیثیت اختیار کر جائے جس سے لوگ خوف محسوس کریں۔ وہ کمی جو اس کی ذات میں ہے، اس طرح پوری ہو کہ وہ عام لوگوں سے ایک برتر حیثیت محسوس کرے۔ اس کا جنون غیر فطری یا مصنوعی نہیں تھا۔

درحقیقت اپنی شخصیت کے تعین میں ناکام ہو کر اس کے اندر اذیت پسندی اور اذیت رسانی کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا، وہ اپنی اس کمی کو پورا کرنا چاہتا تھا اور اس کا واحد حل یہی تھا کہ عام انسان اس کے مقابلے میں ہیچ ہو کر رہ جائیں۔ جہاں وہ کچھ نہیں ہے، وہاں وہ بہت کچھ بن کر لوگوں کے سامنے آئے، اور یہ احساس اور جذبہ اب اس قدر مضبوط ہو چکا تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اس سے فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بس اندر لہریں اُٹھتی تھیں جو اسے ان حرکات پر مجبور کرتی تھیں اور وہ ان لہروں کے سامنے بے بس تھا۔ وہ بے پناہ ذہین تھا لیکن اس کی ایک کمی نے اس ذہانت کو نت نئے رنگ دے دیئے تھے۔ سارہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ اس کی چال بھی بے حد دلکش تھی۔ شہروز رُکا تو وہ پلٹ پڑی اور اس کے مہین لبوں پر ایک مہین سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

''رُک کیوں گئے آپ......؟ آیئے ناں......؟''

''کہاں چل رہی ہیں مس سارہ......؟''

''یوں تو آپ کی پوری کوٹھی ہی بے حد حسین ہے، لیکن پائیں باغ کا مغربی گوشہ مجھے بہت پسند آیا۔ ان تین دنوں میں، میں کئی بار اس گوشے میں گئی ہوں اور ہر بار وہ مجھے پہلے سے زیادہ خوب صورت لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ بھی میری پسند کو دیکھیں۔''

سارہ نے کہا اور شہروز نے گردن ہلا دی۔ چند ساعت کے بعد وہ اس گوشے میں تھے۔ یہاں خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایک فوارہ تھا جس کے گرد بنچیں پڑی ہوئی تھیں۔ پانی کی ننھی ننھی بوندیں بنچوں کو بھگوتی رہتی تھیں، لیکن یہ اتنی منتشر ہوتی تھیں کہ بھیگنے کا احساس بھی نہ ہوتا۔ ہاں، ایک آدھے گھنٹے کے بعد کپڑے تر ضرور ہو جاتے تھے۔ سارہ اس بنچ پر بیٹھ گئی۔

''تشریف رکھئے!''

اس نے کہا اور شہروز بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

''آپ یقین کریں، مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ باہر کے ملک سے آئے ہوں اور میرے مہمان

ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا سارہ......!"

"خاموش خاموش سے، پُرتکلف انداز لئے ہوئے۔ یہ آپ کا گھر ہے شہروز صاحب......! کیا آپ اسے اپنا گھر نہیں سمجھتے......؟"

"اوہ......! ہاں ہاں......! سمجھتا ہوں، کیوں نہیں سمجھتا......؟"

"تو پھر اتنے خاموش کیوں ہیں......؟ میری پذیرائی کیجئے، میرا استقبال کیجئے۔"

"میں آپ کی آمد سے بہت خوش ہوں۔"

"رسمی گفتگو، بیکار بات، آپ کو تو شاید ہمارے آنے کا علم بھی نہ ہوگا۔"

"نہیں......! علم تو تھا۔"

شہروز بولا۔

"کب......؟ ڈبل جرم۔"

"وہ کیوں......؟"

شہروز بولا۔

"اس لئے آپ کو ہمارے آنے کا علم تھا تو آپ ایئر پورٹ بھی نہ آئے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہم آج تین دن بعد آپ کی شخصیت دیکھ رہے ہیں۔ کیا ہم اس قابل نہ تھے کہ آپ ہماری ضرورت محسوس کرتے......؟ ہماری چاہت آپ کے سینے میں ہوتی تو آپ اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے ہم سے ملنے کے لئے یہاں آجاتے۔"

"شرمندہ ہوں......!"

شہروز مختصر انداز میں بولا۔

"جی نہیں......! یہ معذرت قبول نہیں کی گئی۔"

"تب پھر آپ خود میرے لئے سزا کا انتخاب فرما دیجئے۔"

"قبول کرلیں گے آپ......؟"

"کوشش کروں گا۔"

"تو پھر اس وقت تک ہمارے ساتھ رہئے جب تک ہم یہاں موجود ہیں۔ ورنہ آپ کی غیر حاضری جرم تصور کی جائے گی۔"

سارہ بولی اور شہروز مسکرانے لگا۔

"بات یہ ہے مس سارہ......! کہ جھوٹ انسان کو بڑا سہارا دیتا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ آپ سے جھوٹ بول دوں اور آپ کی بات مان لوں، لیکن آپ اتنی معصوم اور نرم و نازک سی ہیں کہ پھر یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں میرا جھوٹ آپ کو آزردہ نہ کر دے۔"

"تو پھر جھوٹ بولیں ہی کیوں......؟"

"سچ بول دوں......؟"

"جی ہاں......!"

"تو پھر یہ پابندی مجھ پر نہ لگایئے، کیونکہ میری مصروفیات ایسی ہیں کہ میں اس پابندی کو عملی جامہ پہنا نہ سکوں گا۔ ہاں......! یہ وعدہ کہ روزانہ آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"ہمارے لئے اپنی مصروفیات ترک نہیں کر سکتے......؟"

"مجبوری ہے مس سارہ......! واقعی بہت مجبوری ہے۔"

"خیر......! ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے، لیکن دوسری بات پر آپ کو عمل کرنا ہوگا۔"

"وہ منظور ہے......!"

شہروز نے جواب دیا۔

"کیا آپ......میرا مطلب ہے کہ آپ کی مصروفیات کیا ہیں......؟"

"بس آوارہ گردی، انسان شناسی، یہی کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں، میں اُلجھتا رہتا ہوں۔ دوستوں کا ایک گروہ ہے جو مجھے چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور کیونکہ عرصے سے ان سے یہ ریت نبھاتا چلا آرہا ہوں، اس لئے اس وقت انہیں نظر انداز بھی نہیں کر سکتا۔"

"بس......!"

سارہ نے پوچھا۔

"ہاں......!"

"پھر چلئے، اس میں بھی ہم فراخ دلی سے کام لیں گے، حالانکہ ہمیں غصہ آرہا ہے، آپ کے ان دوستوں پر جنہوں نے تین دن تک آپ کو ہم سے دُور رکھا اور رکھیں گے۔ لیکن چلئے، آپ کے پیارے ہیں، اس لئے مان لیتے ہیں۔"

سارہ دلآویز انداز میں بولی اور شہروز ہنسنے لگا۔

"ویسے آپ کے اور کیا مشاغل ہیں شہروز صاحب......!"

"کچھ نہیں سارہ......! بس یوں ہی بھٹکتے رہنا ہی زندگی ہے۔"

"زندگی کو ایک محور پر لایئے شہروز صاحب......! سوچئے اس کے بارے میں، سوچنا ایک اچھی بات ہے۔"

سارہ نے کہا اور معصوم بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ شہروز بھی ہنس پڑا۔ ہنستے ہنستے اس کی نگاہ ایک جانب اُٹھ گئی اور اسے ایک عجیب و غریب شکل نظر آئی۔ لمبے بال، ڈھیلا ڈھالا لباس اور کاندھے پر گٹار پڑا ہوا تھا، مہندی کی باڑھ کے پاس کھڑا ہوا وہ انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ شہروز نے سارہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"یہ جنگلر کہاں سے آیا......؟"

"کہاں......؟ کون......؟"

سارہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگی اور پھر دوبارہ ہنس پڑی۔

"یہ......یہ روکی ہے۔"

"کون ہیں......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"ارقم الدین روکی۔ بہت بڑے موسیقار، افریقہ کے اکثر بچے ان کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ انہیں پتھر بھی مارنے لگتے ہیں لیکن یہ بڑے ہی فراخ دل ہیں۔"

"مگر......مگر یہ تو......آپ نے افریقہ کا نام لیا، کیا یہ آپ کے ساتھ آئے ہیں......؟"

"ہاں......! لیکن ہم سے چھ گھنٹے لیٹ۔"

سارہ نے کہا اور اسی لمحے وہ شخص آگے بڑھ آیا۔ اس نے گٹار آگے کیا اور زور زور سے اُنگلیاں مارنے لگا۔ اس کی آنکھیں غصے سے نکلی پڑ رہی تھیں۔

"ہم پوچھنا چاہیں گے تم سے کہ تم کون ہو حسین چھوکرے......؟"

انہوں نے ڈائیلاگ بولنے والے انداز میں کہا۔

"خادم کو شہروز کہتے ہیں۔"

شہروز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کسی خادم کو اتنی مجال کیسے ہوئی کہ وہ ایک عظیم ہستی کے ساتھ یوں "ہی ہی" کر کے ہنسنے لگے......؟"

روکی نے بدستور سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

"اب تو یہ جرأت ہوگئی جناب والا......! مگر آپ اس عظیم شخصیت کے کون ہیں......؟"

"سمجھا جائے تو بہت کچھ ہیں اور نہ سمجھا جائے تو کچھ نہیں۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے دوبارہ گٹار کی تاروں پر ہاتھ مارا تھا۔

"یہ آپ بار بار گٹار کے ساتھ ناانصافی کیوں کرنے لگتے ہیں......؟"

"ناانصافی، توہین، ایک بدترین توہین......؟ ارے معمولی انسان......! ہم تو گٹار کو اُنگلی سے ٹھک ٹھک بھی کریں تو اس میں بے پناہ موسیقیت ہوتی ہے۔ ایسے نغمے اُگلتے ہیں ہماری ان اُنگلیوں سے کہ انسان ساکت رہ جاتا ہے، تمہاری یہ مجال......؟ تمہاری یہ مجال......؟ ٹھہرو میں اپنے غلام کو ابھی تمہارے مقابل لاتا ہوں۔ یہ سب کچھ نہیں ہوگا، یہ سب کچھ نہیں چلے گا، یہ ہرگز نہیں ہوگا۔"

وہ دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ پتلی پتلی ٹانگوں سے وہ دوڑتا ہوا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ گٹار بار بار اس کے گھٹنے سے ٹکراتا اور وہ کراہ کر رہ جاتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوڑے چلا جا رہا تھا۔ شہروز دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتا

رہا۔ پھر سارہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بڑی عجیب چیز لائی ہیں آپ افریقہ سے۔ واقعی ایسی نایاب چیزیں افریقہ ہی میں ملتی ہیں۔"

اور سارہ اس جملے پر ہنس پڑی۔ شہروز پھر بولا۔

"لیکن یہ ہوا کیا اس شخص کو......؟"

"لمبی کہانی ہے، آہستہ آہستہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

"اور وہ غلام کون ہے......؟"

"یہ تو آپ کو بعد ہی میں پتا چلے گا۔ یہ دونوں جانگلوس یہاں تک ساتھ آ گئے۔ مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے بعض اوقات ان لوگوں سے۔"

"اوہو......! تو یہ دو ہیں کیا......؟"

شہروز نے بڑے مسخرے پن سے پوچھا اور سارہ ہنس پڑی۔

"جی ہاں......! دو ہیں۔ دوسرے ان کے اُلٹ ہیں، مگر وہ بھی ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر آپ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکیں گے۔"

"بڑی خوشی ہوئی ان سے مل کر، مگر یہ آپ کے ساتھ کیسے آ گئے......؟ میرا مطلب ہے، آپ سے ان کا کیا تعلق ہے......؟"

"بھئی......! رشتے تو مجھے یاد ہی نہیں رہتے۔ یہ ہمارے اور آپ کے کچھ نہ کچھ عزیز لگتے ہیں۔ وہاں پر ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں۔"

سارہ نے جواب دیا۔

"ہوں......! دلچسپ لوگ ہیں۔ آپ تو خاصی لطف اندوز ہوتی ہوں گی ان سے......؟"

"خاک......! تماشہ بن جاتے ہیں اور تماشہ بنا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن بعض اوقات ان کی شخصیت بڑی گراں گزرنے لگتی ہے۔"

"خیر دیکھ لیں گے انہیں بھی۔"

شہروز نے کہا اور وہ دونوں وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

☆......☆......☆

ننھی ننھی بوندوں نے ان کے لباس خاصے نم کر دیئے تھے۔ ہوا چل رہی تھی، اس لئے بھیگے ہوئے بدن سردی محسوس کر رہے تھے۔ وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر پھولوں کے کنج کے پاس آ کھڑے ہوئے۔

"آپ جب تک نہیں ملے تھے شہروز صاحب......! کوئی احساس ہی نہ تھا ذہن میں کہ یہاں ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو اتنی......اتنی......"

شہروز نے اس ''اتنی'' سے آگے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ بار بار اس کے ذہن میں بھنور سے پڑ رہے تھے، لیکن وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔ سارہ بلاشبہ ایک حسین لڑکی تھی لیکن وہ اس ہستی سے پوری طرح متعارف نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی اپنی کمزوریاں آڑے آرہی تھیں اور ایسی ہی کمزوریاں اس کے جنون کو جنم دیتی تھیں۔ بہت کم لمحات ایسے آئے تھے کہ وہ کسی سے متاثر ہوا ہو۔ لیکن متاثر ہونے کے بعد اگر اسے اپنے جذبات کا گلا گھونٹنا پڑتا تو اس پر جنون طاری ہوجاتا۔ وہ سارہ سے باتیں کررہا تھا لیکن اس کا ذہن بھٹک رہا تھا اور وہ خود پر قابو پانے کے لئے پھولوں کی ٹہنیوں سے پھولوں کو علیحدہ کرنے لگا۔ سارہ منتظر تھی کہ وہ کچھ پھول اسے پیش کرے گا لیکن اسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ بہت ہی خوشنما پھول شہروز نے بڑی بے دردی سے مسل ڈالے اور انہیں نہایت نفرت سے زمین پر پھینک دیا۔ سارہ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی اس حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ دوسری بار جب شہروز نے پھولوں کو مسلنا چاہا تو سارہ نے اسے منع کر دیا۔

''ان کا کچھ اور بھی مصرف ہوتا ہے جناب......!''

اس نے نغمگیں آواز میں کہا اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں......! یقیناً، بے شک، ان کا دوسرا مصرف بھی ہوتا ہے، لیکن افسوس......! میں ان کے دوسرے مصرف سے واقف نہیں ہوں۔''

اس کے لہجے کی تلملاہٹ کو سارہ نے بخوبی محسوس کرلیا تھا اور پھر اس نے شہروز کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آیئے، اندر چلیں۔ نہ جانے کیوں آپ کچھ سنجیدہ ہوگئے ہیں۔ پلیز آیئے......!''

شہروز تیار ہوگیا اور وہ دونوں پائیں باغ سے واپس چل پڑے۔

☆......☆......☆

تین شکار حلال ہوچکے تھے، اچھی خاصی رقم ہاتھ آئی تھی، لیکن عالیہ شاہ کو یہ رقم کلب میں شہروز کے حوالے کرنی پڑی تھی اور شہروز نے اسے پندرہ فیصد کمیشن دیتے ہوئے کہا۔

''پندرہ فیصد کمیشن تمہیں ملتا رہے گا۔ تم براہِ راست کوئی شکار نہیں پھانسو گی۔ اگر کوئی سامنے آئے تو مجھ سے مشورہ کرو گی اور میں بذاتِ خود بھی کچھ شکار تمہارے حوالے کردوں گا تم ان پر کام کرو گی۔''

''میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں شہروز......!''

''کہو جانِ من......!''

''اگر میں یہ شہر چھوڑ کر جانا چاہوں تو......؟''

''ایک سال تک یہ ممکن نہ ہوگا۔''

شہروز نے جواب دیا۔

''کیوں......؟''

عالیہ شاہ نے بے چینی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن شہروز کی کڑی نگاہوں کو دیکھ کر ہکلانے لگی۔

''اب تو سب کچھ تمہارے پاس ہے، تم خود بھی......''

''نہیں......! یہ تمہاری ڈیوٹی ہے، جو تمہیں انجام دینا ہوگی۔ بس......! میں اس سے زیادہ کچھ سننا پسند نہیں کروں گا جاؤ۔''

اور عالیہ شاہ غصے سے پھنکتی ہوئی وہاں سے آگئی تھی۔ پروگرام کے مطابق وہ کان دبائے اس کے اشاروں پر عمل کرتی رہی، لیکن دل کی آگ اسے جان کی بازی لگانے پر مجبور کررہی تھی۔ چنانچہ اس کا ذہن مسلسل سوچ میں مصروف تھا اور پھر شاید اس کے ذہن نے کوئی فیصلہ کرلیا۔ اس شام جب وہ گھر سے نکلی تو اس کے بدن پر ایک خوب صورت ساڑھی تھی۔ چہرے پر ایسا میک اپ کیا گیا تھا جس نے اسے دس سال پیچھے دھکیل دیا تھا۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین نظر آرہی تھی۔ مارشل جیسی بدنام جگہ آنے والی عورتوں کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جاسکتی تھی۔ دیو قامت شاکا نے اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی تھی۔ ایک خطرناک سی شکل کا نوجوان اس کے پاس پہنچ گیا۔

''اس طرف دیکھو......!''

شاکا بولا۔

''دیکھا باس......!''

''کون ہے......؟''

''نئی......! بالکل نئی......!''

''بلا لاؤ......!''

شاکا نے کہا اور نوجوان نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ عالیہ شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

''اُٹھو......!''

اس نے سرد لہجے میں کہا اور عالیہ شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے......؟''

''تقدیر بن رہی ہے، بناؤ۔ دیر نہ کرو۔ اُستاد شاکا کو جانتی ہو......؟''

''نام سنا ہے۔''

''دیکھ بھی لو، بلا رہا ہے تمہیں، جلدی چلو......! دیر اس کے غصے کو بھڑکاتی ہے۔''

نوجوان نے کہا اور عالیہ شاہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ نوجوان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سیڑھیاں طے کرکے وہ اوپر پہنچے اور پھر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر نوجوان نے کہا۔

''جاؤ، اندر چلی جاؤ، اور سنو......! اس سے تعاون زندگی کی ضمانت ہے اور عدم تعاون......''

اس نے جملہ اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔ عالیہ شاہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ اس نے دیو قامت شخص کو دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں گردن جھکائی تھی۔ دیو قامت شاکا کی نگاہیں عالیہ شاہ کے چہرے پر گڑھ گئیں۔ چند ساعت وہ اسے گھورتا رہا، پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''واہ......! بہت ہی اچھا میک اَپ کیا ہے تم نے تو، بوتھی ہی بدل ڈالی تم نے اپنی۔ پتا ہے، تم اپنی عمر سے دس سال چھوٹی لگ رہی ہو۔ کاروبار کرنے نکلی ہو......؟''

شاکا نے پوچھا۔

''نہیں شاکا......! جس کاروبار کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو وہ نہیں۔''

عالیہ شاہ نے جواب دیا۔

''خوب، خوب......! پھر مارشل کا رُخ کیسے ہوا......؟''

''تم سے ملنا چاہتی تھی۔''

عالیہ شاہ نے جواب دیا اور شاکا سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''گویا تم اس بات کا انتظار کر رہی تھیں کہ میں تمہیں بلاؤں......؟''

اس نے دھیمے لہجے میں کہا لیکن اس کے لہجے میں چھپی ہوئی غراہٹ عالیہ شاہ سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''نہیں......! ایسا بھی نہیں شاکا......! یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی کہ تم مجھے خود ہی طلب کر لو گے۔ بس یہاں بیٹھ کر میں کسی ویٹر سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتی اور یہ خواہش ظاہر کرتی کہ مجھے کسی طرح شاکا سے ملا دیا جائے۔''

''ہوں......! بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ کیوں ملنا چاہتی تھیں تم مجھ سے......؟''

''کیا اتنی سی دیر میں یہ ساری باتیں کر لینا ضروری ہیں شاکا......؟ اگر تم میرے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے کچھ پلاؤ، اسی دوران باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔''

''کیا منگواؤں......؟''

شاکا نے بٹن پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''شیری......! میرے لئے شیری ہی ٹھیک ہے اور تم اپنے لئے جو مناسب سمجھو۔''

''ہش......! بیوقوف......! شیری بھی کوئی پینے کی چیز ہے......؟''

شاکا نے کہا اور بٹن پریس کر دیا۔ وہی نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ شاکا نے اسے وہسکی لانے کا حکم دیا تھا اور عالیہ شاہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ پھر اس نے چند ساعت کے بعد آہستہ سے کہا۔

''وہسکی پینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس تمہارا ساتھ دینے کے لئے تھوڑی سی پیوں گی۔ اتنی طاقتور نہیں ہوں کہ وہسکی کے دو یا تین پیگ سے زیادہ برداشت کر سکوں۔''

''طاقتور تو تم خاصی نظر آتی ہو اور جو کچھ تم نے اپنے چہرے پر کیا ہوا ہے، اس نے بھی مجھے خاصا متاثر کیا

ہے۔ بڑا عمدہ میک اَپ کیا ہوا ہے اور مجھے سلیقہ مند خواتین بہت پسند ہیں۔ بہرصورت اپنی کہو کہ شاکا کی کیا ضرورت پیش آ گئی......؟ میرے پاس دو ہی قسم کی عورتیں آتی ہیں۔''

شاکا نے کہا۔

''مثلاً......؟''

عالیہ شاہ مسکرائی۔

''نمبر ایک، ضرورت مند، اور نمبر دو، وہ بھی ضرورت مند، بس یوں سمجھو کہ نمبر ایک اور نمبر دو، دونوں کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہوتی یہ دونوں ہی ضرورت مند ہیں، کچھ دولت کی اور کچھ کسی اور سلسلے میں، تفصیلات تمہیں نہیں بتاؤں گا۔''

شاکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بھی بے حد خوفناک تھی۔ موٹے موٹے ہونٹوں کے پیچھے اس کے بھیانک دانتوں کی قطار جھانک رہی تھی۔ عالیہ شاہ نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''بس......! یوں سمجھ لو کہ ضرورت نمبر دو مجھے یہاں لائی ہے۔''

''گویا تم لینے نہیں دینے آئی ہو......؟''

شاکا بولا۔

''ہاں......! یہی سمجھ لو۔''

''کوئی کام ہے کیا......؟''

''ہاں شاکا......!''

''لیکن تمہیں یہ معلوم ہے...... کس نام سے پکاروں تمہیں......؟''

''شینا......!''

عالیہ شاہ نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ معلوم ہے شینا کہ شاکا اپنی دُنیا میں آپ مگن آدمی ہے۔ صرف اپنے لئے کام کرتا ہے، کسی اور کے لئے نہیں۔ خاص طور سے معاوضہ لے کر، اور پھر اگر کوئی متاثر کرے تو دوسری بات ہے، دولت متاثر نہیں کرتی۔ لیکن خیر......! تم اس قابل ہو کہ تمہارے لئے کچھ کیا جائے۔ تھوڑی دیر خاموش رہو، میرا آدمی آ رہا ہے۔''

شاکا نے کہا اور عالیہ شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی آ رہا ہے۔ لیکن چند ساعت کے بعد شاکا کا وہی ملازم شراب کے برتن اُٹھائے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس بات سے عالیہ شاہ نے اندازہ لگایا کہ شاکا بہت حساس کان رکھتا ہے اور کسی چیتے کی طرح چوکنا بھی ہے۔ برتن رکھ کر وہ شخص چلا گیا اور شاکا نے دو پیگ تیار کئے۔ عالیہ شاہ نے اپنا پیگ اُٹھایا اور دونوں نے جام ٹکرا کر پیگ اپنے ہونٹوں سے لگا لئے۔ پہلی چسکی لگانے کے بعد شاکا عالیہ شاہ سے بولا۔

"اب شروع ہو جاؤ، کیا مسئلہ ہے......؟"

"ایک شخص کے خلاف کام کرنا ہے شاکا......!"

"کیا کام ہے......؟"

"بس......! وہ خود کو بے حد چالاک سمجھتا ہے، حالانکہ نوجوان چھوکرا ہے، میرے مقابلے پر آنے کی کوشش کی بے کمبخت نے، حالانکہ نہیں جانتا کہ میں کیا چیز ہوں......؟ شاکا......! میں تمہیں بتانے میں کوئی عار نہیں سمجھتی کہ میں بلیک میلنگ کرتی ہوں۔"

عالیہ شاہ نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"ضرور کرتی ہوگی، مجھے تمہاری آنکھوں میں خطرناک تاثرات نظر آتے ہیں۔ بے شک میں جانتا ہوں کہ تم اپنے فن میں ماہر ہوگی۔ کس قسم کے لوگوں کو بلیک میل کرتی ہو۔"

"بس......! جو بھی ہاتھ آ جائے، لیکن اس قابل ہو کہ مجھے کچھ دے سکے۔ فضول لوگوں پر ہاتھ ڈالنا پسند نہیں کرتی۔"

"پسند آ رہی ہو، پسند آ رہی ہو، آگے بولو......!"

شاکا نے دوسرا جام بھرتے ہوئے کہا۔ عالیہ شاہ اس پہلے ہی جام سے چسکیاں لے رہی تھی۔

"اس نے دھوکہ دے کر وہ کاغذات حاصل کر لئے جس میں بلیک میلنگ کا ریکارڈ موجود تھا اور اس کے بعد اس کمبخت نے مجھے ہی بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ بڑا توہین آمیز سلوک کیا ہے اس نے میرے ساتھ۔ کہنے لگا کہ میں اس کی ماتحت بن کر کام کروں، ورنہ زندگی سے محروم کر دی جاؤں گی۔ بات دراصل یہ ہے شاکا......! کہ میں نے زندگی کو بے حد قریب سے دیکھا ہے، بہت کٹھن زندگی گزاری ہے میں نے، تمہارے سامنے بیان نہیں کر سکتی۔ اس تلخ اور کٹھن زندگی کے بعد جو کچھ میں نے حاصل کیا، اس سے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیا۔ میں مر جانا پسند کرتی ہوں لیکن اس طرح کسی کی ماتحتی میں کام کرنا پسند نہیں کرتی۔ میں نے بہت دولت کمائی ہے شاکا......! لاکھوں روپے کا بیلنس ہے میرا۔ دولت کی اتنی ہوس نہیں ہے مجھے، لیکن میں خود کو برتر دیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ اس سے پہلے لوگ اپنے آپ کو برتر سمجھتے رہے ہیں۔ میں اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے اپنی دولت کی ایک ایک پائی خرچ کر سکتی ہوں۔ میں سڑکوں پر آ کر بھوکے مر جانا پسند کرتی ہوں، لیکن کسی کی ماتحتی نہیں کر سکتی۔ میں بلیک میل ہونا نہیں چاہتی شاکا......! مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"اوہ......! بس، اتنی سی بات......؟"

شاکا نے ہنستے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ کا دوسرا جام بھر دیا۔

"پیئو اور پیتی رہو......! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سمجھو کہ وہ مر چکا۔ اب اس کا وجود باقی نہیں ہے۔ اور یہ بات شاکا شراب کے نشے میں نہیں کہہ رہا، یقیناً تم اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ہی پہنچی ہوگی......؟"

"ہاں شاکا......! یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر کے ہی پہنچی ہوں اور یہ میری خوش بختی ہے کہ تم نے میرا ہاتھ تھام لیا۔"

دوسری صبح اس نے شاکا سے واپسی کی اجازت مانگی۔

"ناشتے کے بعد چلی جانا ڈارلنگ......! ابھی تو تمہیں اس شخص کے بارے میں مجھے بہت کچھ بتانا ہے۔ تم نے مجھ سے تعاون کیا ہے، میں نے تو ابھی تم سے تعاون نہیں کیا۔"

شاکا نے کہا اور عالیہ شاہ مسکرانے لگی۔ ناشتے کے دوران وہ شہروز کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی اور شاکا کی آنکھوں میں تمسخر کے آثار نظر آنے لگے۔

"بس......! اتنی سی بات......؟ کسی نواب کے چھوکرے کی بھی یہ ہمت ہوگئی کہ وہ بلیک میلروں پر ہاتھ ڈالے......؟ کوئی بات نہیں......! کہاں بتایا تم نے اسے......؟ کہاں ملتا ہے وہ......؟"

"بلیو رے کلب......! شام کو وہاں آتا ہے۔"

عالیہ شاہ نے بتایا۔

"کیا شام کو سات بجے تم وہاں موجود ہوگی......؟"

"ممکن ہے، موجود ہوں......؟"

"تمہاری وہاں موجودگی ضروری ہے ڈیئر......! ورنہ شاکا کو لطف نہ آئے گا۔ تم بے فکر رہو، کوئی یہ نہ جان سکے گا کہ وہاں ہونے والے ہنگامے سے تمہارا کوئی تعلق ہے۔"

شاکا نے کہا اور عالیہ شاہ نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

☆......☆......☆

بڑے ہال میں مشاعرہ ہو رہا تھا اور عالم پناہ اپنی تازہ غزل سنا رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے سے وہ اپنی تازہ غزلیں سنا رہے تھے۔ ہر غزل بالکل تازہ ہوتی تھی۔ ان پر آمد تھی اور وہ مسلسل غزل کہہ رہے تھے اور سامعین اس ڈاکہ زنی پر سخت حیران تھے۔ ان تازہ غزلوں میں اُستاد ذوق اور غالب کی غزلیں سنائی جا چکی تھیں۔ مقطع میں نہایت بھونڈے پن سے اپنا نام ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی تھی اور سب سے دُشوار کن مرحلہ یہی ہوتا تھا جب حاضرین کو اپنی ہنسی دبانی مشکل ہو جاتی۔ آج ان غزلوں کا محرک صدف تھی۔ نواب فاروق حسن خان کی بھانجی کافی خوب صورت اور شوخ سی لڑکی تھی۔ اسی نے اس مشاعرے کی بنیاد ڈالی تھی اور حضرت عالم پناہ ہر رومانی شعر اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہہ رہے تھے۔ بڑی دلچسپ فضا تھی لیکن تابش نے گڑبڑ کر ڈالی۔ چوتھی غزل بہادر شاہ ظفر کی تھی اور عالم پناہ تمام اشعار پڑھ کر مقطع کی طرف آ رہے تھے کہ تابش اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ وہ علی کے سامنے آیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"رحم کریں عالم پناہ......! رحم کریں۔ خدا کے واسطے مقطع نہ پڑھیں۔"

اس نے گڑگڑا کر کہا اور علی صاحب رُک گئے۔ انہوں نے حیرت سے تابش کو دیکھا اور بولے۔

''خیریت......؟ کیا ہوا تابش صاحب......؟''

''آپ اس مقطع میں کہیں فٹ نہ ہوسکیں گے۔ للہ......! اس مظلوم شہنشاہ پر اس قدر ظلم نہ کریں۔ آپ تو اس کے ساتھ انگریزوں سے بھی برا سلوک کررہے ہیں۔''

''کک......کس کی بات کررہے ہیں......؟''

عالم پناہ تعجب سے بولے۔

''اسی مظلوم شاعر کی جس کا تخلص اب آپ ہڑپ کرنے والے ہیں۔ عالم پناہ......! مقطع بے وزن ہو جائے گا۔ خدا کے لئے رحم کریں۔''

''ہی ہی'' ''ہوہو'' کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔

''آپ......آپ مشاعرہ خراب کررہے ہیں۔''

عالم پناہ نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

''اور آپ اُردو کے سرمائے کا خانہ خراب کررہے ہیں۔ اُستاد ذوق کی مٹی پلید کی آپ نے، ہم نے کچھ نہ کہا۔ غالب کی گردن دبائی آپ نے، ہم نے برداشت کیا۔ لیکن بہادر شاہ ظفر پر پہلے ہی بہت ظلم ہوچکا ہے۔ اسے معاف کردیں۔''

''ظفر......ظظ......ظظ......''

عالم پناہ گھبرا گئے، لیکن پھر سنبھل کر غصیلے انداز میں بولے۔

''کک......کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

''یہ ظفر کی غزل ہے۔''

تابش بولا۔

''تو آپ کو کیا......؟ ہمارا خاندانی معاملہ ہے......؟''

علی صاحب بولے۔

''وہ کیسے حضور......؟''

''ترکہ ہے یہ ہمارا، شہنشاہوں کا ترکہ نوابوں کے سر......!''

''اوہ......! گویا یہ غزلیں آپ کو ورثے میں ملی ہیں......؟''

''جی ہاں......! آپ کو کیوں اعتراض ہے......؟''

''اور اُستاد ذوق اور غالب سے آپ کی کیا دشمنی ہے......؟''

''وہی جو ظفر سے ہے۔''

''واہ واہ......! واہ واہ......! اس کا مطلب ہے کہ نوابوں نے ان کا کلام بھی......''

''دیکھئے دیکھئے تابش صاحب......! حد سے آگے بڑھ رہے ہیں آپ......!''

عالم پناہ بری طرح گھبرا گئے تھے، لیکن اسی وقت زوردار آواز سے دروازہ کھلا اور موسیقار اعظم اندر گھس آئے۔ ہال میں نیم تاریکی تھی اور وہ تیز روشنی سے اندر آئے تھے، اس لئے بڑے اطمینان سے سامعین پر چڑھ گئے اور ہنگامہ ہوگیا۔ صائم نے انہیں خود پر سے ہٹایا تو وہ فارعہ کی گود میں گر پڑے اور فارعہ کی سریلی چیخ ان کے کانوں میں گونجی تو وہ خود بھی دہشت زدہ انداز میں چیخ پڑے۔ فارعہ نے بمشکل خود پر سے انہیں ڈھکیلا تھا۔ تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دلربا کی کربناک چیخیں گونج رہی تھیں۔

''کک......کون ہے یہاں......؟ ارے......! کوئی ہے......؟ کوئی ہے......؟ بچاؤ......! مم......میں......میں......''

وہ بری طرح بدحواس ہوگئے تھے۔

''کیا ہوا......؟ کیا مصیبت آگئی آپ کو......؟''

صائم نے ان کی بیلٹ پکڑ کر انہیں کھڑا کیا۔

''ایں......؟ کک......کہاں ہیں آپ......؟ کون ہے یہاں......؟''

وہ خلاء میں ہاتھ مارنے لگے۔

''کھرونچہ لگ جائے گا کسی کے، پیچھے ہٹ جاؤ۔''

تابش چیخا، لیکن آہستہ آہستہ روکی صاحب کی آنکھیں تاریکی کی عادی ہوگئیں اور وہ منہ پھاڑے ایک ایک کو دیکھنے لگے۔ پھر غصیلے انداز میں بولے۔

''کیا ہورہا تھا اندھیرے میں......؟''

''بس......! آپ کا انتظار کررہے تھے۔''

تابش نے جواب دیا۔

''تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے......؟''

اس بار عالم پناہ آگے بڑھ آئے اور روکی کو یہاں آنے کی وجہ یاد آگئی۔ دوسرے لمحے وہ عالم پناہ پر جھپٹا اور ان کا گریبان پکڑ لیا۔

''یہاں گھسے ہوئے ہو، اندھیرے میں بیٹھے ہو......؟ اور وہاں ہم لُٹ رہے ہیں، برباد ہورہے ہیں۔''

''اوہ......! پاگل ہوگئے ہو......؟ کیا کررہے ہو......؟ شیروانی پھٹ جائے گی، چھوڑو مجھے، ارے......! میرا گریبان تو چھوڑو۔''

عالم پناہ نے روکی سے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، لیکن وہ گریبان میں لٹک ہی گیا تھا، بمشکل تمام عالم پناہ اس سے اپنا گریبان چھڑانے میں کامیاب ہوئے۔

''کیا مصیبت آئی ہے تم پر......؟ ارے......! کچھ بکو تو سہی......؟''

☆......☆......☆

"مصیبت......؟ مصیبت مجھ پر نہیں بلکہ ہم دونوں پر آئی ہے۔ دیکھو تو سہی باہر چل کر۔ ارے......! لُٹ گیا، سب کچھ لُٹ گیا، برباد ہو گئے ہم دونوں، برباد ہو گئے۔ ہائے دِلربا......! ہائے دِلربا......!"

وہ عالم پناہ کا گریبان پکڑ کر گٹار کی طرف لپکے اور اسے اُٹھا کر پھر گلے میں لٹکا لیا۔ اسی کے تاروں پر ایک دلدوز دُھن چھیڑ کر ان کی اُنگلیاں رُک گئیں۔

"باہر قہقہے لگ رہے ہیں، ہنسی مذاق ہو رہے ہیں اور وہ دونوں محبت کی وادیوں کی سیر کر رہے تھے۔ ہم لُٹ گئے عالم پناہ......! ارے......! ہم لُٹ گئے۔"

روکی بین کرنے والے انداز میں بولا، نوجوان اسے دیکھ رہے تھے۔

"کہاں قہقہے لگ رہے ہیں......؟ کون قہقہے لگا رہا ہے......؟ کیا......کیا ہوا......؟ دیکھو روکی......! تفصیل سے بتاؤ، بدحواسی چھوڑ دو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

عالم پناہ نے دردمندی سے کہا اور روکی نے پھر دِلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرا۔

"ہوائیوں......!"

وہ بسورتے ہوئے بولا۔

"کہ میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی اور یہ آواز وہی آواز ہے جو ہمیں ہمارے خوابوں میں پریشان کرتی ہے، جو ہم دونوں کے درمیان رقابت کا باعث بنی ہے، وہ آواز سن کر میں رُک گیا اور جب میں نے مہندی کی باڑھ کے دوسری جانب دیکھا تو وہ ایک عجیب سا منظر تھا۔ ایک اجنبی شخص، ایک انوکھی شخصیت اس کے نزدیک موجود تھی اور یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو۔ ہاں......! مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہنس پڑے۔ میں آگے بڑھا اور ان کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میں......میں انہیں روک نہیں سکتا اور معاہدے کے تحت میں تمہیں اطلاع دینے چلا آیا۔ سنبھالو عالم پناہ......! ان حالات کو سنبھالو، ورنہ صورتِ حال بے حد خراب ہو جائے گی۔ ہم پردیس میں لُٹ جائیں گے۔"

روکی نے کہا اور پھر گٹار پر کوئی المیہ دُھن بجانے لگا۔ عالم پناہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے گٹار نیچے گرا دیا تھا۔

"کہاں ہے وہ......؟ اور کون ہے وہ شخص......؟"

انہوں نے خشک لہجے میں کہا۔

"باہر نکلو تو تمہیں کچھ پتا چلے۔ تم تو یہاں اندھیرے میں بیٹھے نہ جانے کیا کر رہے ہو......؟ چلو باہر چلو، آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

روکی نے کہا اور عالم پناہ اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ وہ دونوں اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو نظرانداز کر چکے تھے۔ ان دونوں کو باہر جاتے دیکھ کر ان لوگوں نے گردنیں ہلائیں اور بولے۔

"کوئی نیا سلسلہ، آؤ دیکھیں کیا چکر ہے......؟"

اور یہ غول بیابانی بھی ان کے پیچھے نکل آیا اور دبے قدموں ان کا تعاقب کرنے لگا۔ روکی اور علی عرف عالم پناہ پائیں باغ کی طرف جا رہے تھے جہاں روکی نے شہروز اور سارہ کو دیکھا تھا۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی، لیکن نوجوانوں کا غول بھی اسی رفتار سے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ پائیں باغ کا وہ گوشہ خالی تھا جہاں تھوڑی دیر قبل سارہ اور شہروز کھڑے ہوئے تھے۔ روکی اِدھر اُدھر جھانکنے لگا۔ عالم پناہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑے غصیلی نگاہوں سے روکی کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"کک......کہاں گئے دونوں......؟ ارے......! وہ تھوڑی دیر پہلے تو یہیں تھے۔"

وہ بے بسی سے بولا۔

"یہاں کی آب و ہوا بھی تمہیں راس نہیں آئی روکی......!"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں......؟"

روکی جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"سو فیصدی......! بلکہ ایک سو دس فیصد......!"

"تم خود ایک سو بیس فیصد جھوٹے ہو۔ دیکھو عالم پناہ......! تم میری عزتِ نفس مجروح نہیں کر سکتے۔ میں نے خود دیکھا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ سارہ اس کے ساتھ تھی اور اس سے بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی۔"

"مگر وہ کون تھا......؟"

"اجنبی اس سے قبل نہیں دیکھا گیا۔"

"تو اب کہاں گئے وہ دونوں......؟"

"خدا جانے......! ممکن ہے، چلے گئے ہوں۔"

روکی نے کہا۔ اسی وقت ان کی نگاہ عقب میں اُٹھ گئی۔ لڑکے لڑکیوں کا غول زیادہ دُور نہ تھا۔ تابش نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیا مسئلہ ہے......؟ ہم لوگ آپ کی مدد کر سکتے ہیں......؟"

"آہ......! کرو، خدا کے لئے کرو، میں بے موت مر جاؤں گا۔ میں نہیں برداشت کر سکتا۔ کبھی نہیں برداشت کر سکتا کہ سارہ......"

"زبان سنبھال کے، مَیں کہتا ہوں زبان سنبھال کے۔"

عالم پناہ دھاڑے۔

"مگر مسئلہ کیا ہے مسٹر روکی......؟"

تابش نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں، اسے دِل و جان سے چاہتا ہوں، اسے میرے علاوہ اور کوئی نہ حاصل کر سکے گا۔ خون کی

ندیاں بہادوں گا، ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا، دِلربا کی مدد سے، میری زندگی میں اسے کون حاصل کر سکتا ہے......؟"

"میں......!"

عالم پناہ سینے پر ہاتھ مار کر بولے۔

"مجال ہے کوئی میرے سامنے اپنے ناپاک لبوں سے اس کا نام لے......؟"

"اے اے......! یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے، اس سلسلے میں ہم آپس میں فیصلہ کریں گے۔ اس وقت اس کی بات سوچو جو ہمارے درمیان آ ٹپکا ہے۔"

روی نے کہا۔

"دیکھئے......! آپ لوگ اگر ہمیں دوست نہیں سمجھتے تو آئندہ ہم آپ سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔ آخر آپ ہمارے رشتہ دار ہیں، ہمیں تو بتائیں، مسئلہ کیا ہے......؟"

تابش نے کہا اور روی نے ایک سرد آہ کھینچی، پھر بولا۔

"مسئلہ......؟ آہ......! یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔"

"صرف میری زندگی کا، تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

عالم پناہ دھاڑے۔

"بکواس مت کرو، ہم......میرا مطلب ہے، پلیز خاموش رہو، خاموش رہو ناں......!"

آخری الفاظ روی نے بڑی عاجزی سے کہے تھے۔ علی کا تن و توش اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ علی خاموش ہو گیا تو وہ پھر بولا۔

"میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ آہ......! میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ سارہ میری روح کی گہرائیوں میں اُتر گئی ہے۔ وہ میری ہے، صرف میری، لیکن وہ نوجوان......"

"میرے سامنے اسے اپنی کہہ رہا ہے......؟ کمینے......! ذلیل......! میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

عالم پناہ نے شیروانی کی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ......! ایک منٹ......! پہلے آپ لوگ آپس میں فیصلہ کر لیں۔ پھر کسی دوسرے کے بارے میں سوچیں۔"

تابش نے مداخلت کی۔

"گویا یہ بات طے ہو گئی کہ آپ دونوں سارہ کو چاہتے ہیں......؟"

"صرف میں......!"

عالم پناہ بولے۔

"ناممکن......! خدا کی قسم......! ہرگز ناممکن......! میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا، مگر ایسا کبھی نہ ہونے دوں گا۔"

روی نے چیخ کر کہا۔

"ایسا ہوگا۔"

عالم پناہ دھاڑے۔

"نہیں ہوگا۔"

روی نے بھی اسی طرح کہا۔

"اس کا بہترین طریقہ جنگ ہے۔ آپ دونوں ڈوئل لڑیں، فیصلہ ہو جائے گا۔"

تابش نے پھر مداخلت کی۔

"میں تیار ہوں۔"

عالم پناہ بولے۔

"اور میں بھی تیار ہوں۔"

روی نے جوش کے عالم میں کہا، لیکن پھر اس کی آواز ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے گٹار کے تاروں پر اُنگلیاں پھیریں اور دوبارہ بولا۔

"میں واقعی تیار ہوں۔"

☆......☆......☆

شہروز کلب میں موجود تھا۔ عالیہ شاہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے بس ایک نگاہ شہروز کو دیکھا اور اس طرح اجنبی بن گئی جیسے شہروز پر نگاہ ہی نہ پڑی ہو۔ پتا نہیں شہروز نے اس کو دیکھا بھی تھا یا نہیں۔ اس وقت بھی ایک خوب صورت لڑکی اسے گھیرے بیٹھی تھی اور وہ یوں سر جھکائے شرمایا بیٹھا تھا جیسے کوئی نئی نویلی دُلہن اپنے شوہر کے ساتھ پہلی بار کسی پبلک پلیس میں آئی ہو۔ لڑکی اس سے کچھ باتیں کر رہی تھی اور شہروز شرما شرما کر دُہرا ہوا جا رہا تھا۔ عالیہ شاہ نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا تھا جہاں سے وہ شہروز پر بھی نگاہ رکھ سکتی تھی اور دروازے پر بھی۔ شہروز کو دیکھ دیکھ کر اس کا خون کھول رہا تھا۔

کچھ عرصے قبل شہروز نے اسے بھی اسی طرح بے وقوف بنایا تھا اور اس بھرپور نوجوان کی یہ معصومانہ ادائیں دیکھ کر عالیہ شاہ نے سوچا تھا کہ یہ شخص مرد کی حیثیت سے بھی ایک انوکھی چیز ثابت ہوگا۔ ایک اوباش عورت کی حیثیت سے وہ مردوں کی اقسام سے بخوبی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب تک یہ نوجوان ایک اَن چھوئے پھول کی مانند رہا ہے اور جب پہلی بار وہ زندگی سے آشنا ہوگا تو اس کی کیفیت بہت ہی انوکھی اور بڑی ہی دلکش ہوگی۔ پھر اس نے شہروز کو دوسرے ذریعے سے بھی پھانسنے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن ان تمام فیصلوں میں اسے کس قدر احمق بننا پڑا تھا، کیسی زبردست ناکامی دوچار ہوئی تھی، وہ سب اس کا دل ہی جانتا تھا۔

وہ یہ بات اچھی طرح سے سمجھتی تھی کہ کوئی بھی لڑکی جو شہروز کے پاس آ کر اس کی معصومیت سے نہ جانے

کیسے کیسے ہوائی قلعے تعمیر کر لیتی ہے، سر پکڑ کر رونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکے گی۔ عالیہ شاہ کا تو یہ بھی خیال تھا کہ شہروز اپنی ذات میں جو کچھ بتاتا ہے، وہ بھی ایک فراڈ ہے۔ یہ انوکھی شخصیت کا مالک نوجوان اپنے آپ کو واقعی ایک حیرت انگیز چیز بنا کر پیش کر چکا تھا اور عالیہ شاہ نے دل ہی دل میں یہ اعتراف کیا تھا کہ اس کا تجربہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ نوجوان بڑے بڑوں کے کان کتر سکتا ہے اور اس وقت بھی نہ جانے کس طرح وہ اس لڑکی کے کان کتر رہا تھا۔

"بے وقوف لڑکی سوچ رہی ہے کہ وہ ایک دلچسپ اور دلکش نوجوان سے ہم کلام ہے۔ اپنی دانست میں وہ اسے متاثر کر رہی تھی اور زندگی کے انوکھے خواب بُن رہی تھی، لیکن یہ خواب جس انداز میں چکنا چور ہوں گے، ان پر یہ تلملا کر رہ جائے گی۔"

یہ خیالات تو شہروز کو دیکھ کر اس کے ذہن میں پیدا ہوئے تھے لیکن پھر اسے شاکا کا خیال آ گیا، جواب سے ٹھیک دس منٹ کے بعد پہنچنے والا تھا۔ سات بجے کا وعدہ کیا تھا اس نے اور ابھی سات بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

"مگر شاکا یہاں آ کر کیا کرے گا......؟"

شاکا کی شخصیت کا وہ کسی حد تک اندازہ بھی لگا چکی تھی۔ وہ بظاہر تو ایک شاطر آدمی نظر آتا تھا، لیکن ممکن ہے جذباتی بھی ہو اور خود پرستی کا شکار بھی، ان حالات میں یہی ہوگا کہ شاید وہ سیدھا شہروز کی میز پر پہنچے گا، اسے اُٹھائے گا اور مارنا شروع کر دے گا۔

"اس وقت کیا ہوگا......؟ کیا شہروز اپنی مدافعت کر سکتا ہے......؟ یا پھر وہ شاکا کے ہاتھوں مار کھائے گا......؟"

شہروز اب تک جس روپ میں عالیہ شاہ کے سامنے پیش ہوا تھا، اس سے عالیہ شاہ کو بھی یہی احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی ایک تند خو جوان ہے، ٹھنڈی طبیعت کا مالک بھی ہے اور خونخوار طبیعت کا بھی۔

"ممکن ہے یہاں کوئی خونریز ہنگامہ ہو جائے۔"

سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ کیا شہروز کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاکا کو شہروز کے خلاف آمادہ کرنے والی عالیہ شاہ ہے......؟

"اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔ فیصلہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ شاکا اور شہروز کے درمیان ہونے والی چپقلش میں کامیابی کسے نصیب ہوتی ہے......؟"

اس نے اپنے لئے ایک مشروب منگوا لیا اور اس کی چسکیاں لینے لگی۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہوئی جا رہی تھی، حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے مشروب کے گھونٹ پی رہی تھی، لیکن یوں لگتا تھا جیسے کچھ نہ پی رہی ہو۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس میں خوف بھی تھا اور بے چینی بھی۔ اسی دوران اس نے کئی بار نگاہیں اُٹھا کر شہروز کو دیکھا تھا، لیکن یوں لگتا تھا جیسے شہروز ابھی تک اس کی موجودگی سے لاعلم ہو۔ وقت بہت ہی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ پھر سات بج گئے اور اس وقت گھڑی کی سوئی سات بج کر تین سیکنڈ تک پہنچی تھی کہ شاکا ایک عمدہ تراش کے سوٹ میں اندر داخل ہوا۔ عام حالات میں شاکا شکل سے خوفناک ضرور نظر آتا تھا، لیکن اس قدر غیر مہذب بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کہیں

اس کی آمد اجنبی نگاہوں سے دیکھی جائے۔ دروازے میں کھڑے ہو کر اس لمبے چوڑے آدمی نے پورے ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ اس نے پہلے عالیہ شاہ کو دیکھا اور پھر شہروز کو۔

عالیہ شاہ اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ شاکا نے شہروز کو پہچان لیا ہے۔ پھر وہ خاموشی سے ایک میز کی سمت بڑھ گیا۔ ویٹر اس کے سر پر مسلط ہو گیا تھا۔ شاکا نے اسے کوئی آرڈر دیا اور ویٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے بھی کوئی مشروب ہی منگوایا تھا۔ مشروب آنے کے بعد وہ خاموشی سے بیٹھا اس کی چسکیاں لیتا رہا۔ عالیہ شاہ نے اطمینان کی گہری سانس لی تھی۔ اگر شاکا آتے ہی شہروز پر جھپٹ پڑتا تو اس سے اس کی وحشیانہ فطرت کا اندازہ ہوتا اور کلب کے ماحول میں یہ صورت حال ممکن تھا کہ شاکا کے خلاف ہی چلی جاتی۔ ظاہر ہے، وہاں کے منتظمین اسے ہنگامہ کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سارے نوجوان ہی اس سے ہنگامہ آرائی کے جرم میں لپٹ پڑتے۔ شاکا وہاں کس کس سے نمٹ سکتا تھا......؟ ہاں پستول وغیرہ کی بات دوسری تھی۔ بہر صورت شاکا کے وہاں جا کر خاموش بیٹھ جانے سے عالیہ شاہ کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ شاکا بالکل ہی جاہل آدمی نہیں ہے اور وقت کی نزاکت کا احساس رکھتا ہے۔

چنانچہ اسے کسی قدر اطمینان ہو گیا۔ اگر یہ طاقت کا پہاڑ خالی پہاڑ ہی ہوتا تو خاصی مشکلات پیش آتیں۔ لیکن اب عالیہ شاہ کو ایک حد تک اطمینان ہو گیا تھا۔ شاکا بھی اطمینان سے بیٹھا رہا اور عالیہ شاہ بھی اپنی جگہ بیٹھ کر مشروب کی چسکیاں لیتی رہی۔ اس نے دوبارہ یہی مشروب منگوا لیا تھا۔

ایک عجیب سی سنسنی اس کے بدن میں پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب سے احساسات کا شکار تھی وہ۔ بہر صورت کوئی سوا گھنٹہ گزرنے کے بعد عالیہ شاہ نے دیکھا کہ شہروز اس لڑکی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا ہے۔ شہروز نے کچھ فاصلے پر چل کر لڑکی سے ہاتھ ملایا اور دروازے کی جانب مُڑ گیا۔ عالیہ شاہ نے بے چین ہو کر شاکا کو بھی اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ خود البتہ وہیں بیٹھی رہی۔ اب اسے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا، بعد میں ہی معلوم ہو سکتا تھا۔ اس وقت وہ ان دونوں کا تعاقب کرنے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے اور دیکھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے......؟ لیکن ٹانگیں ساتھ نہ دے رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا اسے کہ اگر اُٹھنے کی کوشش کرے بھی تو وہ اُٹھ نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ وہیں بیٹھی رہی اور اس کے شناسا اس کی اس تنہائی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

اور یہ حقیقت تھی کہ شاکا احمق نہ تھا۔ اس سے قبل وہ اس کلب میں نہیں آیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ یہ کلب کوئی عام سی جگہ ہوگی، وہاں داخل ہو کر وہ شہروز کو بھانپ لے گا۔ اس کی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالے گا۔ اسے ہدایت دے گا کہ وہ عالیہ شاہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے اور اگر آئندہ اس نے ایسا کیا تو اسے ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن کلب میں داخل ہو کر اسے احساس ہوا کہ یہ جگہ ذرا ٹیڑھی ہے، اس کی توقع سے کہیں زیادہ۔ یہ بڑے لوگوں کی تفریح گاہ تھی اور اگر اس کی ذات سے کسی بڑے آدمی کو نقصان پہنچ گیا تو حالات کافی بگڑ سکتے تھے۔ وہ غنڈہ ضرور تھا لیکن ظاہر ہے، اپنی غنڈہ گردی کو برقرار رکھنے کے لئے بھی کچھ اصول اپنانے پڑتے تھے اور وہ ہر جگہ غنڈہ گردی نہیں کر سکتا تھا۔

بہرصورت اس نے شہروز کو پہلی ہی نگاہ میں پہچان لیا۔ عالیہ شاہ نے اس نوجوان کے بارے میں جو کچھ
بتایا تھا، وہ اس تفصیل پر پورا اُترتا تھا اور شاکا سمجھ گیا کہ وہی شہروز ہے۔ چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ شہروز کا
تعاقب کرے گا اور کہیں راستے میں اسے جا لے گا۔ ویسے اسے بہت ہنسی آئی تھی کہ شہروز جیسا نوجوان بھی بلیک میلر ہوسکتا
ہے اور عالیہ شاہ جیسی گھاگ عورت کو قابو میں کرسکتا ہے......؟ بات ہنسی ہی کی تھی، لیکن شاکا بہرصورت ہوشیار تھا۔ اپنی
اب تک کی زندگی میں اس نے بےشمار مسائل میں ہاتھ ڈالا تھا اور کامیابیاں بھی حاصل کی تھیں، لیکن خوب سوچ سمجھ کر غور
وخوض کے بعد۔ وہ اس اُصول کا قائل تھا کہ دُشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اس نوجوان کی طرف سے بھی وہ اتنا
لاپرواہ نہیں تھا۔ رات ہونے کو تھی، سڑکوں پر کہیں کہیں روشنیاں جل اُٹھی تھیں۔ وہ شہروز کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا ارادہ
تھا کہ کسی سنسان سڑک پر شہروز کی گاڑی روک لے گا اور پھر وہاں اس سے بآسانی بات ہوجائے گی۔ چنانچہ وہ اس کے
پیچھے لگا رہا۔ کئی سڑکیں مُڑنے کے بعد اسے یوں لگا جیسے شہروز کو اس تعاقب کا علم ہوگیا ہو، کیونکہ اب وہ کار ایسی سڑکوں پر
گھمارہا تھا جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ ایسا صرف انہی مواقع پر کیا جاتا ہے جب کسی کو تعاقب کا اندازہ کرنا
ہو۔ شاکا کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اگر اسے پتا چل بھی گیا تو وہ اس کا کیا کرسکے گا......؟

اس وقت البتہ اسے حیرت ہوئی جب آگے جانے والی کار بندرگاہ کے راستے کی طرف مُڑ گئی۔ بندرگاہ کو
جانے والا راستہ تھوڑی دُور تک تو آباد تھا، لیکن اس کا ایک بڑا حصہ غیرآباد تھا اور اس سنسان حصے میں کوئی بھی اس قسم کا
کام بآسانی کیا جاسکتا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ شہروز صاحب اپنے آپ کو واقعی تیس مار خان سمجھتے ہیں۔ شاکا نے سوچا
اور اپنے مضبوط بازوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کو اپنے بازوؤں کی قوت پر بےحد ناز تھا۔ روزانہ صبح کو وہ باقاعدگی سے
ورزش کرتا تھا اور اپنے بدن کی مالش کرایا کرتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے چیتے سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور درحقیقت شاکا کا
بدن چیتے ہی کی طرح طاقتور اور پھرتیلا تھا۔

بندرگاہ کے آباد راستے سے گزرنے کے بعد وہ سنسان حصے میں پہنچ گئے، جہاں ریت کے بڑے بڑے
ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ بعض جگہ سے سڑک ان ٹیلوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ جب تیز ہوائیں چلتی تھیں تو ریت
اُڑ اُڑ کر سڑک پر آجایا کرتی تھی۔ بعض اوقات تو اس سڑک کو باقاعدہ صاف کرانا پڑتا تھا اور پھر شہروز نے شاکا کی مزید مدد
کی۔ وہ سڑک سے کچے راستے پر اُتر گیا۔ سمندر زیادہ دُور نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں کے درمیان سے ریت پر گاڑی دوڑاتا ہوا
کافی دُور چلا گیا۔ حالانکہ یہ احمقانہ حرکت تھی، لیکن پتا نہیں اسے کیا ہوگیا تھا......؟ شاکا نے خود بھی اپنی کار ریت پر اُتاری
اور آگے جانے والی کار سے اُڑنے والی گرد اس کی کار کے ونڈ اسکرین پر آگئی۔ اس کی وجہ سے اسے کار ڈرائیو کرنے میں
مشکل پیش آرہی تھی، لیکن کچھ دُور چل کر اس نے اپنی کار روک دی۔ سامنے ہی شہروز کی کار نظر آرہی تھی۔ شہروز کار کے
بونٹ سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔

شاکا اس سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر رُک گیا تھا، وہ خود بھی دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا اور اپنی جگہ
کھڑے ہوکر شہروز کو دیکھنے لگا۔ اس نے موٹا سگار نکالا، دانتوں میں دبایا اور اسے سلگانے لگا۔ تیز ہوا میں اس کا لائٹر صحیح
طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔ شاکا کو کئی بار لائٹر جلا کر اپنا سگار سلگانے کی کوشش کرنا پڑی۔ سگار کے دو تین گہرے گہرے کش

لے کر ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ شہروز بدستور اسی انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ آس پاس کی فضاء
تاریک تھی۔ شاکا، شہروز کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے سگار کا گہرا کش لیا اور دُھواں شہروز کی طرف پھینکا۔ ہوا نے
دُھواں شہروز کی جانب نہیں جانے دیا تھا۔

''ہیلو......!''

شہروز کی آواز اُبھری۔

''بہت دیر سے مشقت کر رہے ہو، کیا بات ہے......؟''

لہجہ خالص کاروباری تھا۔

''اوہ......! تو میرا خیال درست تھا، تم میرے تعاقب سے واقف ہوگئے تھے۔''

شاکا نے بھاری آواز میں کہا۔

''ہاں......! میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کلب سے تم میرے پیچھے لگے ہوئے ہو۔''

''چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو، لیکن شاکا کو تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی۔''

''شاکا......؟ بہت خوب......! شکل سے بھی شاکا ہی معلوم ہوتے ہو۔''

شہروز بولا۔

''معلوم ہوتا ہوں ناں......! بہرصورت، تم سے ایک خاص سودا طے کرنا ہے۔''

''کہو......! کیا بات ہے......؟''

شہروز نے پوچھا۔

''ہوں......!''

شاکا چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اب وہ شہروز سے صرف ایک گز کے فاصلے پر تھا۔

''بات دراصل یہ ہے......''

شاکا نے سگار اُلٹے ہاتھ کی اُنگلیوں میں پھنسایا اور سیدھا ہاتھ گھما دیا۔ اس کا مضبوط گھونسہ شہروز کے گال
کی طرف بڑھا تھا۔ لیکن شہروز تھوڑا سا جھکا اور شاکا کا ہاتھ فضاء میں گھوم کر رہ گیا۔

''خوب......! تو یہ گفتگو کرنے تم میرے پیچھے یہاں تک آئے ہو......؟''

شہروز مسکراتے ہوئے بولا اور شاکا نے جلتا ہوا سگار ایک طرف اُچھال دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا
دیئے تھے۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ خاصی مشقت کرنی پڑے گی۔''

''ہاں......! بغیر مشقت کے انسان کو دُنیا میں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

شہروز نے خود بھی دونوں ہاتھ پھیلا کر اُنگلیوں سے اسے اشارہ کیا اور شاکا ارنے بھینسے کی طرح اس پر پل
پڑا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ شہروز اپنی جگہ سے ہٹا نہیں تھا۔ ہاں......! جب وہ بونٹ پر پہنچا تو شہروز ایک دم سے

نیچے بیٹھ کر اس کی ٹانگوں کے درمیان سے دوسری طرف نکل گیا اور شاکا کار کے بونٹ پر اوندھا ہو گیا۔ یہ بات اسے غصہ دلانے کے لئے کافی تھی۔ وہ پھر سیدھا ہوا، پلٹا اور پھر دونوں ہاتھ ٹکا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا چوہوں کی طرح اُچھل کود کر رہے ہو......؟ آؤ مقابلہ کرو۔"

اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"پاگلوں سے لڑنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر تم دیوانے ہو تو میں تمہیں کسی پاگل خانے میں پہنچا سکتا ہوں اور اگر عقلمند اور ہوشیار ہو تو مجھے بتاؤ کہ یہاں تک آنے کی زحمت کیوں گوارہ کی ہے تم نے......؟ ورنہ پھر دوسری صورت میں، میں واقعی اس پر آمادہ ہو جاؤں گا کہ تمہارا دماغ درست کر دوں۔"

شاکا غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔ یہ گفتگو اس کے لئے اجنبی تھی اور مقابل میں ایک ایسا چھوکرا تھا جسے شاکا جیسا شخص خاطر میں نہیں لا سکتا تھا۔ اس نے دیوانہ وار شہروز پر چھلانگ لگا دی، لیکن شہروز اس کی نسبت بہت ہلکا پھلکا تھا۔ چنانچہ شاکا کی یہ چھلانگ بھی بیکار گئی۔ شہروز اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"تم یہ تیسری کوشش کر چکے ہو اور اب میری باری ہے۔ آخری بار تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ مجھے اس اُچھل کود کا مقصد بتا دو ورنہ اس کے بعد میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

شہروز نے کہا اور شاکا نے اسے ایک موٹی سی گالی دی۔ تب شہروز نے آستینیں چڑھا لیں اور بولا۔

"اچھی بات ہے، اب ہم دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ اس وقت تک کے لئے ختم ہو گیا جب تک ہم دونوں میں سے ایک بولنے پر آمادہ نہ ہو۔"

پھر دوسرے لمحے شہروز اپنی جگہ سے اُچھلا اور اس کی لات شاکا کے سینے پر پڑی۔ شاکا نے ہر چند اس حملے سے بچنے کی کوشش کی تھی، لیکن شہروز کی چھلانگ اتنی نپی تلی تھی کہ وہ بمشکل تمام صرف اپنا چہرہ بچا سکا۔ البتہ اس کی لات شاکا کے سینے پر پڑی تھی اور شاکا کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی فولادی ہتھوڑا اس کے سینے پر آ پڑا ہو۔ بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی اسے اپنے سینے پر۔ وہ پیچھے ہٹ کر پھر کار کے بونٹ سے جا ٹکا، لیکن اب وہ خونریز لڑائی لڑنے پر آمادہ تھا۔

شاکا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا سا چاقو باہر نکال لیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ دشمن کو کمزور سمجھنے کی اس نے پہلی حماقت کیوں کی......؟ وہ اپنے ساتھ پستول نہیں لایا تھا، حالانکہ اگر اس وقت اس کے پاس پستول ہوتا تو اس سے کافی مدد مل سکتی تھی۔ پستول نہ ہونے کی وجہ سے اسے صرف چاقو پر ہی اکتفا کرنا پڑا تھا۔ بہر صورت مجبوری تھی، چاقو کھول کر وہ شہروز کے مقابل آ گیا۔ اب شہروز کے چہرے پر بھی سنجیدگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے اور چہرے پر وہ پہلے جیسی معصومیت نہیں رہی تھی۔

"تم نے چاقو نکالا ہے شاکا......! اب تمہیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔"

"سور کے بچے......! میں تجھے ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔"

شاکا وحشت ناک لہجے میں بولا اور سیدھا چاقو لے کر شہروز کی جانب جھپٹا۔ شہروز نے اس کے چاقو والے ہاتھ پر اپنے پنجے کی گرفت مضبوط کی اور اُلٹے ہاتھ کی زوردار ضرب اس کے چہرے پر لگائی۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مد مقابل کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک نوجوان چھوکرا ضرور ہے، لیکن اس کے ہاتھ فولادی ہیں۔ یہ دو ہی ضربیں شاکا کو احساس دلانے کے لئے کافی تھیں۔ چنانچہ وہ خونی نگاہوں سے نوجوان کو گھورنے لگا۔ اس بار وہ اپنے چاقو کا وار کامیاب ہی کرنا چاہتا تھا، چاقو اگر شاکا کے ہاتھ میں ہوتا تو اس کی ناکامی شاذ و نادر ہی دیکھی گئی تھی۔ اس نے کئی بار چاقو مختلف انداز سے دونوں ہاتھوں میں بدلا اور انتہائی پھرتی سے چاقو دونوں ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ نوجوان شرارت آمیز انداز سے شاکا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جب اس نے چاقو سیدھے ہاتھ میں لے کر نوجوان کو جھکائی دی اور اُلٹے ہاتھ سے اس پر حملہ کیا تو نوجوان اطمینان سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پیچھے ہٹتے ہی اس نے ہاتھ کمر پر رکھ کر ٹھمکا لگایا تھا۔

"آئے ہائے......! قربان جاؤں، واری جاؤں میں۔"

نوجوان کے لہجے میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ شاکا کا پارہ اور چڑھ گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نوجوان اسے غصہ دلا رہا ہے۔ اس نے پلٹ کر پھر وار کیا۔ نوجوان بل کھا کر پھر پلٹ گیا اور گھوم کر اس نے شاکا کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے مضبوط پنجے کی گرفت شاکا کی کلائی پر پڑی اور وہ اس طرح سے اس کے اوپر سے گزر گیا جیسے شاکا انسان ہی نہ ہو۔ البتہ شاکا کا ہاتھ اپنی گرفت میں پکڑے پکڑے اس طرح گھوم گیا تھا کہ شاکا پلٹی کھا کر نیچے گر گیا۔ چاقو ریت میں پیوست ہو گیا تھا۔ نوجوان نے لپک کر اسے اُٹھا لیا اور پھر بڑے اطمینان سے اس کو بند کر کے پوری قوت سے ایک طرف پھینک دیا۔

☆......☆......☆

"آئے ہائے......! میں صدقے میرے لعل......! چاقو سے مارنا اچھی بات نہیں ہے۔ مارنا ہے تو نین کٹاری سے مارو۔ ارے......! قربان ہو جائیں گے تم پر۔ مارنا ہے تو اپنے مضبوط ہاتھوں سے مارو۔ دیکھیں تو سہی ذرا، کتنی جان ہے ان ہاتھوں میں۔"

نوجوان سینہ تانے ہوئے شاکا کے سامنے آ گیا۔ شاکا نے پھر ایک کوشش کی۔ اس بار شاکا کی لات نوجوان کی پنڈلی پر پڑی اور نوجوان دُہرا ہو گیا۔

"آئے ہائے......! مار ڈالا، شہید کر دیا تو نے ہمیں۔ ارے......! ایک اور......! دوسری پنڈلی ابھی خالی ہے۔"

نوجوان نے دوسرا پاؤں آگے کر دیا۔ شاکا اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا اور اس نے جھنجلاہٹ میں دوسری لات نوجوان کی پنڈلی پر رسید کر دی۔ یہ ٹھوکر ایسی تھی کہ اگر پتھر کو بھی ماری جاتی تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دیتا۔ نوجوان کی ٹانگ بھی خاصی زور سے لگی تھی اور وہ اکڑوں بیٹھ گیا۔

"آئے ہائے......! آئے ہائے......! ارے واہ جوان......! ارے......! کیا ہاتھوں کو استعمال نہ کرو گے؟ ارے......! کیا لاتوں ہی لاتوں سے کام چلاؤ گے......؟ آگے تو بڑھو، دیکھیں تو بدن میں کتنی جان ہے......؟"

ہم تو اپنے آپ کو تمہارے سپرد کئے دے رہے ہیں۔"

اس نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا دیئے اور شاکا نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ نوجوان کو بری طرح رگید رہا تھا اور نوجوان کی آنکھوں میں نشے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ شاکا نے ایک عجیب وغریب تماشہ دیکھا۔ وہ نوجوان کو مار رہا تھا، پیٹ رہا تھا اور نوجوان سسکاریاں لے رہا تھا۔ حالانکہ شاکا کی ضربیں اتنی ہلکی نہ تھیں کہ کوئی انسان بآسانی برداشت کر لیتا، لیکن نوجوان تو اب ہاتھ بھی نہ ہلا رہا تھا۔ بدن بالکل بوجھل اور ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ شاکا نے دو تین بار اسے اُٹھا اُٹھا کر ریت پر پٹخا۔ دونوں کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔ نوجوان پٹتا رہا۔ شاکا کو خود ہی اپنے انداز میں تھکن محسوس ہونے لگی۔

"تھک گئے......؟ ارے ظالم......! ابھی تو طبیعت بھی خوش نہیں ہوئی۔ لو، ہم نے تو خود کو تمہارے سامنے پیش کر دیا اور تمہیں اتنی غیرت بھی نہیں آ رہی کہ مارتے رہو......؟ ارے......! اس وقت تک تو مارو کہ ہاتھ پاؤں پرسکون ہو جائیں۔ ارے......! مارو ناں......! کھڑے کیوں ہو......؟"

لیکن شاکا احمقوں کی طرح کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا عجیب وغریب چیز اس کے سر پڑ گئی ہے......؟ اپنی دانست میں اس نے نوجوان کو اَدھ موا کر دیا تھا۔ اس کے جسم کے کئی حصوں سے خون رِسنے لگا تھا، لیکن وہ بدستور اسے چھیڑ چھیڑ کر مارنے پر اُکسا رہا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ......!"

شاکا نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"ہم نہیں کھڑے ہوتے، پہلے ہمیں اور مارو......!"

نوجوان مٹک کر بولا۔

"ارے......! میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ، ورنہ میں تمہاری گردن دبا دوں گا۔"

"دبا دو ناں......! ارے......! کون منع کر رہا ہے تمہیں......؟ ارے......! میں واری......! میں صدقے......!"

نوجوان دانت کٹکٹا کر بولا اور شاکا سر کھجانے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں، یا تو اسے قتل کر کے یہیں دبا دے یا پھر خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھے اور واپس چلا جائے۔ عالیہ شاہ کا کیس اس نے اپنے ہاتھ میں ضرور لے لیا تھا، لیکن اب اس کے ذہن میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ وہ اس نوجوان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ نوجوان دلیری سے لڑتے لڑتے زنخوں کی سی حرکتیں کیوں کرنے لگا ہے......؟ پٹنے کے بعد تو کسی اور منہ سے بولنا بھی نہیں چاہئے تھا، بہرصورت اس نے پھر نوجوان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ نوجوان منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آگے بڑھو نوجوان......! اور ایک زوردار ٹھوکر مارو ہماری پسلیوں پر۔ ارے شاباش......! آگے بڑھو۔"

"میں کہتا ہوں کھڑے ہو گے یا نہیں......؟"

"دیکھو، اگر میں کھڑا ہو گیا تو تمہاری شامت آ جائے گی۔"

نوجوان نے زمین پر پڑے پڑے کہا۔

"کھڑا ہو جاؤ ورنہ......"

شاکا نے ایک بار موٹی سی گالی بکی اور نوجوان کراہتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا، پھر وہ زمین پر ہاتھ ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کہا تھا ناں، ہماری مان لو، نہ مانے، اب بھگتو۔"

نوجوان آگے بڑھا اور دوسرے لمحے اُچھل کر ایک زوردار لات شاکا کے سینے پر رسید کر دی۔ شاکا اُچھل کر نیچے گر گیا۔ اس کے بعد نوجوان نے اسے موقع نہ دیا۔ وہ شاکا کی گردن پکڑ کر اسے اُٹھاتا اور کہیں نہ کہیں اس کے ضرب لگا دیتا۔ ضربیں اتنی شدید تھیں کہ شاکا باوجود پوری کوشش کے ان سے بچ نہیں پا رہا تھا۔ وہی کیفیت شاکا کی ہوگئی جو چند ساعت پہلے اس نوجوان کی تھی۔ وہ اب اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ رہا تھا، لیکن نوجوان نے اسے موقع نہیں دیا۔ آخر میں اس نے شاکا کا منہ ریت میں گھسیڑ دیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بولو......! کیا سلوک کریں تمہارے ساتھ......؟"

شاکا بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور اگر نوجوان کچھ دیر اور اسی طرح کھڑا رہتا تو شاکا کا دم ہی نکل گیا ہوتا۔ نوجوان نے خود ہی اپنی گرفت ڈھیلی کر دی اور اسے کان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اس میں اب اتنی سکت بھی نہ تھی کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور پھر اس نے تیسری بار نوجوان کی کیفیت بدلتے دیکھی۔

"چلو آگے بڑھو اور اپنی گاڑی تک پہنچ جاؤ۔"

نوجوان نے کرخت لہجے میں حکم دیا اور شاکا آگے بڑھنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اتنے مناظر بدلے تھے کہ شاکا کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس پر اتنی مار پڑی تھی کہ اس کے حواس درست ہو گئے تھے۔ وہ ساری زندگی اتنا نہیں پٹا تھا، بمشکل تمام وہ گاڑی تک پہنچ پایا۔

"ہاں......! اب ذرا بتاؤ، کس نے بھیجا تھا تمہیں، کیوں آئے ہو......؟ کہاں سے آئے ہو......؟"

"وہ......مم......میں......میں......"

شاکا ہکلاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو دوست......! اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے، وہ واقعی ایک مذاق تھا۔ لیکن اب جو ہوگا، اس میں مذاق کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوگا، اور پھر اس کھیل کا اختتام تمہاری موت پر بھی ہو سکتا ہے۔ میں خاموشی سے تمہیں قتل کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا اور کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ یہاں ہوا کیا ہے......؟ بہتر ہے سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ تمہارا نام......؟"

"شاکا......!"

"کیا کرتے ہو......؟"

"ایک ہوٹل چلاتا ہوں۔"

''اوہو......! تو تم وہی شاکا ہو......؟ میں سمجھ گیا، لیکن میرے اور تمہارے درمیان تو کوئی جھگڑا نہیں تھا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تھا، لیکن ایک حرافہ نے مجھے تمہارے پیچھے لگایا تھا۔''

''اس کا نام کہیں عالیہ شاہ تو نہیں ہے......؟''

''ہاں......!''

''کیا کہا تھا اس نے تم سے......؟''

''یہی کہ تم اسے بلیک میل کر رہے ہو، میں تمہیں قتل کر دوں۔''

شاکا بولا۔

''ہائے......! پھر قتل کیوں نہ کر دیا تم نے ہمیں......؟ اب خود تیار ہو جاؤ قتل ہونے کے لئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی، اس کمبخت نے ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کے لئے بھیجا جو ہمیں قتل بھی نہیں کر سکتا۔ شاکا......! تم بزدل چوہے ہو، کیا میں تمہارا چاقو تلاش کر کے تمہیں دوں......؟ تم چاقو ہی سے مجھے مار دو، کچھ تو مزہ آئے۔''

''دوست......! میں تمہیں شہروز کے نام سے جانتا ہوں، نام بھی مجھے اسی نے بتایا تھا لیکن مجھے حیرت ہے کہ میں تمہیں سمجھ ہی نہیں سکا کہ تم ہو کیا چیز......؟''

''گل زادی کہتے ہیں ہمیں۔''

شہروز نے شرما کر جواب دیا اور شاکا کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

''شاکا......!''

اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں تو تم جانتے ہو ہمیں......؟''

شہروز بدستور اٹھلا کر بولا اور شاکا کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔

''اُستاد گل زادی......! شکل و صورت سے نہیں جانتا تھا، نام سے اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا......؟ یقین کریں اُستاد......! مجھے نہیں معلوم تھا، اگر وہ ذلیل عورت مجھے بتا دیتی کہ یہ تم ہو تو میں کبھی یہ جرأت نہ کرتا۔ مجھے معاف کر دو اُستاد......! مجھے معاف کر دو۔''

شاکا کی حالت ہی بدل گئی تھی۔

''آئے ہائے......! چل ہٹ کمینے کہیں کے، پہلے تو دولتیاں چلا رہا تھا، اب معافی مانگ رہا ہے......؟''

شہروز پھر اسی موڈ میں آ گیا تھا۔

''یقین کرو اُستاد......! میں بالکل بے قصور ہوں، میں تو خود تم سے ملنا چاہتا تھا، مگر تمہارے کسی ٹھکانے کا پتا ہی نہیں معلوم تھا۔ دھوکہ ہو گیا اُستاد گل زادی......! دھوکہ ہو گیا۔''

شاکا بری طرح گڑگڑا رہا تھا۔ شہروز اپنا ہونٹ بھینچے ہوئے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلا دی۔

''ٹھیک ہے......! اگر غلط فہمی کا شکار ہو کر یہاں تک چلے آئے ہو تو گل زادی تمہیں معاف کرتا ہے، لیکن شاکا......! گل زادی کے اندر ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ بدمعاشوں میں صرف اپنے آپ کو بدمعاش سمجھتا ہے۔ غنڈہ گردی میں اس سے بڑا غنڈہ کوئی اور نہیں ہے اور لڑائی بھڑائی میں بھی وہ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہے۔ کوئی اس کی یہ غلط فہمی دُور کرنا چاہے تو اسے چیلنج کر دے یا دھوکے سے وار کرے۔ گل زادی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن اگر وہ گل زادی سے شکست کھا جائے تو پھر اس کے لئے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ گل زادی کی اطاعت گزاری یا موت۔ تم ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ اگر گل زادی کے شاگرد بن کر کام کرنا چاہتے ہو تو چلو گردن جھکا کر یہیں ریت پر بیٹھ جاؤ اور اگر اس بات کے خواہاں ہو کہ اس وقت مہلت حاصل کر کے کے بعد دوبارہ گل زادی کے مقابلے پر آؤ گے تو اب تک جو کچھ ہوا ہے، دوسرے حساب میں تھا، لیکن یہاں سے نیا حساب کھل جائے گا۔ گل زادی کی طرف سے تم کو دعوت ہے کہ جب چاہے حملہ کرنا اور اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کر لینا۔ ناکام رہے تو گل زادی تمہیں قتل کر دے گا، کیونکہ اس کے بعد تمہارے لئے زندگی کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔''

''نہیں اُستاد گل زادی......! میں بہت دنوں سے آپ کا نام سن رہا تھا۔ بہت بڑے بڑے کارنامے ہماری لائن کے لوگوں میں آپ کے نام سے منسوب کئے جا رہے ہیں۔ میں تو خود آپ سے ملنے کا شوقین تھا اور جس طرح ہماری آپ کی ملاقات ہوئی ہے، اس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے نام کی شہرت غلط نہیں ہے۔ میں بھی لڑاکا ہوں اُستاد......! بہت سے لوگوں کے درمیان لڑا ہوں اور کامیاب رہا ہوں، لیکن آپ نے مجھ پر جو غلبہ حاصل کر لیا، اس کے بعد شاکا دُنیا کے سامنے سر ضرور اُٹھائے گا، مگر آپ کے سامنے نہیں۔ میں خوشی سے آپ کے آدمیوں میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔''

''اگر تم دھوکہ نہیں کر رہے تو ٹھیک ہے......! جاؤ آج سے تم ہمارے لوگوں میں سے ہو۔ مجھے جب بھی کسی کام کی ضرورت پڑی، تمہیں اطلاع بھجوا دی جائے گی۔''

''شاکا دل و جان سے تیار ہے جناب......!''

شاکا نے جواب دیا۔ شہروز گردن ہلا کر وہاں سے مُڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار فراٹے بھرتی ہوئی دُور نکل گئی۔ شاکا اپنی جگہ کھڑا عجیب سی نگاہوں سے اس کار کے عقبی حصے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر گل زادی کی کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ ایک گہری سانس لے کر اپنی چوٹوں کو دیکھنے لگا۔ جسم کے تمام ہی حصے مجروح ہوئے تھے۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی ضرب آئی تھی۔ چہرہ ریت میں اَٹا ہوا تھا۔ کپڑے بھی بری طرح گندے ہو گئے تھے۔ اس نے ایک موٹی سی گالی عالیہ شاہ کو دی اور اپنا لباس جھاڑنے لگا۔

☆......☆......☆

بات کافی دیر تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن بالآخر پتا چل گیا تھا کہ یہ دونوں بے وقوف یعنی عالم پناہ اور گلوکار روکی، سارہ کو چاہتے ہیں اور روکی نے سارہ کو کسی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا، چنانچہ وہ اطلاع دینے کے

لئے دوڑا چلا آیا تھا۔ لیکن وہ شخص کون تھا جس کے ساتھ سارہ کو دیکھا گیا تھا......؟ یہ بات ابھی تک نوجوانوں کی ٹولی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ تاہم ایک دلچسپ مرحلہ شروع ہوگیا تھا۔ دونوں نے ڈوئل لڑنے کا چیلنج قبول کرلیا تھا۔ حالانکہ علی کے سامنے روکی کچھ بھی نہ تھا۔ علی کا تن وتوش واقعی کسی پہلوان کا سا تھا اور روکی بیچارہ بالکل ہی دھان پان قسم کی چیز تھا۔ علی کا بدن خاصا کسرتی تھا اور اس کے جسم کے کٹس ہی بتاتے تھے کہ وہ ایک طاقتور آدمی ہے جبکہ اس کے برعکس ارقم الدین روکی دھان پان تو تھا ہی، مجہول بھی تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ یہ چیلنج کشتی کس طرح لڑی جاتی ہے......؟

نوجوانوں کی ٹیم میں یوں تو بہت سے شریر لڑکے اور لڑکیاں تھیں، لیکن تابش ان سب سے بازی لے گیا تھا۔ وہ شرارتوں میں ان سب سے آگے تھا اور اس کی بہت سی حرکتیں مشہور تھیں اور اس وقت بھی ان دونوں کو ڈوئل پر اُکسانے میں وہ پیش پیش تھا۔ چنانچہ ڈوئل کا فیصلہ ہونے کے بعد روکی کی گردن تو لٹک گئی تھی، لیکن علی عرف عالم پناہ کسی لڑاکے مرغے کی طرح سینہ پھلائے پھلائے پھر رہے تھے۔ تابش نے اس سلسلے میں ایک میٹنگ کر ڈالی۔

''بات دراصل یہ ہے دوستو......! کہ اس قسم کے ہنگامے کوٹھی میں تو نہیں ہونے چاہئیں۔ اوّل تو بزرگ اس کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر ظاہر ہے، کوٹھی اس کام کے لئے موزوں بھی نہیں ہے۔ یہ دونوں لڑ رہے ہوں اور بزرگ باہر نکل آئیں تو فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ اہم پروگرام گھر سے دُور کسی ایسی جگہ ترتیب دیا جائے جہاں بزرگوں کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں علی صاحب......؟''

تابش نے پوچھا۔

''میں ہر جگہ اس سے جنگ کرنے کو تیار ہوں اور یہ بات بھی آپ کے سامنے کہے دے رہا ہوں کہ اگر اس نے آئندہ سارہ کا نام اپنی مکروہ زبان سے لیا تو یہ آئندہ نہ تو یہ کوئی گانا گا سکے گا اور نہ ہی کچھ بول سکے گا۔''

''ارے......! ہاں ہاں......!''

اب اس وقت تک تم مجھ پر رُعب نہیں جماؤ گے، جب تک کہ مجھ سے مقابلہ نہ کرلو۔''

''میں تو اسی وقت تیار ہوں۔''

علی آستین چڑھانے لگا۔

''ارے......! نہیں نہیں......! میں نے آپ لوگوں سے کہا ناں کہ کوٹھی میں یہ فیصلہ ہونا مشکل ہے۔ اس کا سارا بار آپ ہمارے کندھوں پر ڈال دیجئے۔ ہم آپ کے اس اہم فریضے میں آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔ دراصل یہ زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ بھلا بتایئے، سارہ تنہا ہے اور آپ دونوں اس کو برابر ہی چاہتے ہیں۔ ڈوئل کے ذریعے یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سارہ کو زیادہ چاہتا ہے......؟ اور پھر شکست خوردہ آئندہ کبھی سارہ کا نام نہیں لے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔''

دونوں نے بیک وقت کہا تھا اور بہت سوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''تو پھر طے ہے۔''

دونوں نے پھر کہا اور لڑکے لڑکیاں ہنسنے لگے۔

''ٹھیک ہے......! تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج رات ہم بزرگوں سے ایک چھوٹی سی پکنک منانے کی اجازت لے لیتے ہیں۔ کل صبح گیارہ بجے ہم لوگ ایک پُرفضاء مقام پر روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں دوپہر کا کھانا کھایا جائے گا اور پھر کوئی عمدہ سی جگہ ترتیب دے کر ڈوئل کا انتظام کرلیا جائے گا۔ آپ لوگوں کوئی اعتراض تو نہیں ہے......؟''

تابش نے پھر ان دونوں سے پوچھا اور اس بار صرف عالم پناہ نے جواب دیا تھا۔

''نہیں......! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

البتہ روکی بھی کچھ آہستہ سے منمنایا تھا۔ خوف کے مارے اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، لیکن پھر تابش نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''تم سارہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈوئل کرنا پسند کرو گے روکی......؟ اگر ایسا نہیں تو ہم عالم پناہ سے تمہاری سفارش کئے دیتے ہیں کہ بے شک وہ سارہ کو اپنا لیں، لیکن روکی کو کچھ نہ کہیں۔''

''ارے واہ......! زندگی بیکار نہ ہو جائے گی......؟ پھر میرا جینا کس کام کا......؟ میں تو جی ہی نہیں سکتا سارہ کے بغیر۔ میں موت کو گلے لگا لوں گا، مگر میں جنت کی حور کو اس جہنم کے داروغہ کے حوالے ہرگز نہیں کروں گا۔''

روکی نے جوش کے عالم میں کہا اور عالم پناہ غصے سے سرخ ہونے لگے۔

''ارے......! بتاؤں ابھی تجھے......؟ ارے......! میں کیا جہنم کا داروغہ ہوں......؟ ابے......! اپنے آپ کو دیکھ تو، تو صورت ہی سے جہنمی نظر آتا ہے۔ اُلٹی سیدھی ''ہا، ہو، ہی'' کرتا رہتا ہے، فضول میں اُچھل کود مچاتا رہتا ہے۔ میں تیری ساری اُچھل کود اگر صحیح نہ کردوں تو میرا نام علی عرف عالم پناہ نہیں ہے۔ بس بس......! فیصلہ کر دیا ہے ان لوگوں نے، کل تک کے لئے تو بالکل خاموش ہو جا، ورنہ اسی وقت تو مجھ سے مار کھا جائے گا۔''

''دیکھو عالم پناہ......! تم زیادتی کر رہے ہو۔ تم اس صدیوں پرانی دوستی پر لات مار رہے ہو جو ہمارے اور تمہارے درمیان قائم تھی۔''

روکی نے کہا۔

''فضول بکواس مت کرو......! اب کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔ تجھے مجھ سے لڑائی لڑنا ہی ہوگی۔ کل کا دن تیرے اور میرے لئے فیصلے کا دن ہوگا۔ یہ اچھا ہوا کہ ہم لوگ یہاں آگئے۔ کم از کم وہ تنازعہ تو ہمارے درمیان باقی نہیں رہے گا جو ہم دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنے کے لئے اُکساتا رہتا تھا۔''

''ٹھیک ہے......! آپ لوگ الگ الگ راستوں پر چل پڑیں اور کل صبح تک ایک دوسرے سے بالکل ملاقات نہ کریں۔ ہم آج رات تک سارے انتظامات کرلیں گے۔''

''ٹھیک ہے......!''

عالم پناہ نے گردن ہلائی اور ایک جانب مُڑ گئے۔ روکی متحیرانہ انداز میں ایک جگہ کھڑا منہ پھاڑے انہیں جاتا دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب عالم پناہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے دِلربا پر اُنگلیاں پھیریں۔ دِلربا سے ایک غمناک دھن نکلی تھی۔ شمائل ہنسی روک کر بولی۔

''روکی صاحب......! آپ بہت دُکھی معلوم ہوتے ہیں۔''

''ارے واہ......! میں دُکھی کیوں ہونے لگا......؟ کیا مقصد ہے آپ کا اس بات سے......؟''

روکی نے ایک دم بھڑک کر پوچھا اور شائل ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

''میرا مطلب ہے، اگر آپ عالم پناہ سے جان بچانا چاہیں تو کل ہمارے ساتھ پکنک پر ہی نہ جائیں۔ جان بچ جائے گی، البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بعد آپ سارہ کا نام نہ لینے کے پابند ہو جائیں گے۔''

''نہیں......! ہرگز نہیں......! میں لڑوں گا، میں ضرور لڑوں گا۔ جان لے لوں گا یا جان دے دوں گا۔ لیکن سارہ سے جیتے جی منہ نہیں موڑوں گا۔ آہ......! آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ میرے سینے کی کتنی گہرائیوں میں ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں، اس کی صورت دیکھ کر ہی میں ہر نئی دُھن تیار کرتا ہوں۔ اب تو جیسے اس وقت وہ میری نگاہوں میں ہے اور میں اسے دیکھ کر گا رہا ہوں۔''

روکی نے گٹار درست کر لیا اور اس کے بعد اس سے بے تکی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس نے بے خودی کے عالم میں آنکھیں بند کر لی تھیں اور گٹار بجا رہا تھا۔ لڑکے اور لڑکیاں ایک ایک کر کے کھسک چکے تھے اور جب پہلی دردانگیز دُھن بجانے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ متحیرانہ انداز میں گردن اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر خود بھی رہائشی عمارت کی جانب چل پڑا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ بہت خوش تھی۔ شاکا کے بارے میں اسے کوئی صحیح اندازہ تو نہیں تھا لیکن بہرصورت شاکا کی شخصیت سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ وحشی آدمی ہے۔ ممکن ہے شہروز پر قابو پا لے۔ البتہ کلب میں شاکا کو ہنگامہ نہ کرتے دیکھ کر اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ شاکا موقع شناس آدمی ہے۔ اگر ایک آدمی چالاک اور طاقتور ہو تو پھر وہ واقعی بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ شہروز وقت سے کچھ پہلے چلا گیا تھا اور شاکا بھی اس کے تعاقب میں چلا گیا تھا۔ بہرصورت عالیہ شاہ خود ان دونوں کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک کلب میں اپنی میز کے گرد تنہا بیٹھی رہی۔ حالانکہ وہ تنہا بیٹھنے کی عادی نہیں تھی اور جب لوگوں نے اسے اس طرح بیٹھے دیکھا تو اس کے دو شناسا اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس پہنچ گئے۔

''ہیلو عالیہ......!''

''ہیلو......!''

وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

''کیا بات ہے......؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟''

ان میں سے ایک نے عالیہ شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! ٹھیک ہے......! لیکن کیوں......؟ کیا ہوا......؟ کیا میں تمہیں کچھ بیمار نظر آ رہی ہوں۔''

عالیہ شاہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اپنے چہرے کے تاثرات کو فوری طور پر تبدیل کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے چہرے سے اس کی ذہنی پریشانی کا اندازہ لگا سکے۔ چنانچہ اس نے خود پر بشاشت طاری کر لی تھی۔

''یہ بات نہیں ہے، آپ تنہا اور خاموش بیٹھی ہوئی ہیں اور یہ آپ کی فطرت کے خلاف ہے۔''

''اوہ......! انسان کو کبھی کبھی اپنی فطرت کے خلاف بھی کچھ کرنا چاہئے۔''

عالیہ شاہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ کوشش کے باوجود خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی۔

''تو اس وقت آپ اپنی فطرت کے خلاف کچھ کر رہی ہیں۔''

دوسرے نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ مسکرانے لگی۔ پھر وہ یکا یک اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

''کیوں......؟ خیریت کہاں......؟''

''واپس گھر جا رہی ہوں۔''

''ارے......! کیوں عالیہ شاہ......؟''

''بس......! تم لوگوں نے مجھے احساس دلایا ہے کہ واقعی میرے سر میں شدت کا درد ہے۔''

عالیہ شاہ نے اُنگلی اور انگوٹھے سے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

''میرا تو خیال تھا آپ کچھ دیر......''

''نہیں......! پھر کبھی سہی سوری......!''

عالیہ شاہ نے کہا اور باہر نکل آئی۔ کار میں بیٹھ کر وہ اپنی کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرز رہے تھے۔

''اگر شاکا کامیاب نہ ہوا تو......؟''

یہ احساس اسے بار بار پریشان کر رہا تھا۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ شاکا ناکام ہو جائے اور شہروز کو اس کے بارے میں بتا دے......؟ اگر ایسا ہوا تو پھر......؟ پھر......؟''

لیکن عالیہ شاہ کو پھر اپنے آپ پر ہی غصہ آنے لگا۔

''میں بلاوجہ کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہوں......؟ آخر شہروز جیسے ذلیل آدمی سے میں بلاوجہ خوفزدہ ہو کر کیوں رہ گئی ہوں......؟ آخر شہروز ہے کیا......؟ شہروز جیسا شخص تو اس قابل نہیں ہے جسے کوئی اہمیت دی جائے......؟ لیکن اس نے خود کو زبردستی میرے اوپر مسلط کر رکھا ہے۔''

وہ خود پر ضبط کئے ہوئے تھی۔

''نہیں......! کسی قیمت پر نہیں شہروز......! کتے......! کسی قیمت پر بھی نہیں......!''

اس نے اپنے ہونٹ بری طرح بھینچ لئے تھے۔

"اگر...... اگر شاکا ناکام ہوگیا تو پھر میں اس کے خلاف دوسرے ذرائع سے کوشش کرتی رہوں گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ شہروز مجھ پر حاوی ہو جائے۔"

وہ خود کو دلاسے دے رہی تھی، لیکن خوف تھا کہ سارے وجود میں سرائیت کر چکا تھا۔ اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ نہ جانے وہ کس طرح گاڑی چلاتی ہوئی کوٹھی میں داخل ہوئی اور اپنے بیڈ روم میں جا کر بے سدھ سی ہو کر گر پڑی۔ اب اسے شاکا کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔ ملازمہ نے آ کر چائے وغیرہ کے لئے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں...... ! میں اس وقت کچھ نہیں پیوں گی۔ تم مجھے آرام کرنے دو۔ ہاں...... ! اگر کوئی اس دوران مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اسے منع کر دینا۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔"

اس نے کہا اور ملازمہ گردن جھکا کر چلی گئی۔ کئی گھنٹے وہ اسی طرح پڑی رہی اور پھر اس وقت سوا گیارہ بجے تھے، جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"اگر آج ہی شاکا کی رپورٹ نہ معلوم ہوئی تو ساری رات میں بے چینی سے سو نہ سکوں گی۔ ممکن ہے میں بیمار پڑ جاؤں۔"

اس نے سوچا اور اُٹھ کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ شاکا کے پاس جانا ہی تھا، لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ کوٹھی سے نکل آئی اور پھر اس کی کار برق رفتاری سے اس طرف بڑھنے لگی جہاں شاکا کا اڈہ تھا۔

شاکا کا اڈہ بدستور پُر رونق تھا۔ ہال میں اچھے خاصے لوگ نظر آ رہے تھے۔ لڑکیاں بھی تھیں، مرد بھی تھے، سودے ہو رہے تھے۔ وہ کافی دیر تک بیٹھی رہی اور یہ اندازہ لگاتی رہی کہ شاکا موجود ہے یا نہیں۔ جب اسے پتا نہ چل سکا تو اس نے ویٹر کو بلا کر پوچھ ہی لیا۔

"شاکا موجود ہے......؟"

"ہاں میڈم...... ! صاحب اوپر موجود ہیں۔"

"میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"جائیے، مل لیجئے......!"

ملازم نے جواب دیا اور عالیہ شاہ ان سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی جہاں سے گزر کر وہ ایک بار پہلے بھی شاکا سے ملاقات کے لئے جا چکی تھی۔ اس نے شاکا کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایک غراہٹ اُبھری۔

"آجاؤ......!"

عالیہ شاہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ شاکا ایک لونگ چیئر پر نیم دراز تھا۔ اس کے بدن پر سلیپنگ سوٹ تھا، پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بائیں آنکھ سوجھی ہوئی تھی، ایک جبڑا اُبھرا ہوا تھا۔ عالیہ شاہ اسے اس حال میں دیکھ کر کانپ گئی۔ شاکا کی خونی نگاہیں اس کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں اور عالیہ شاہ نے محسوس کر لیا کہ اس کی آنکھوں میں شدید غصے کے تاثرات تھے۔

"آ گئی عیار عورت......؟"

شاکا نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور عالیہ شاہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"جانتا ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں، تو نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ میرا مقابلہ کس سے ہوگا......؟ ذلیل عورت...... ! تو نے میرے ساتھ اتنی بڑی چالاکی کیوں کی......؟"

شاکا غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"شاکا...... ! شاکا...... ! تمہاری ان باتوں کا مطلب کیا ہے آخر......؟"

عالیہ شاہ، شاکا کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے ناشائستہ الفاظ بھی برداشت کر گئی۔

"گل زادی سے بھڑوا دیا تھا تو نے مجھے......؟"

"کک...... کس سے......؟"

عالیہ شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"گل زادی سے، کیا تو نے اس کا نام نہیں سنا......؟"

"میں...... میں نے نہیں سنا۔"

عالیہ شاہ کی حالت بری ہوگئی تھی۔

"نہیں سنا تو کمبخت...... ! مجھ سے سن لے، تو میری پیشگوئی سن لے، اب تیری موت ہی آ گئی ہے۔ وہ شہروز نہیں، گل زادی ہے۔"

"گ...... گل زادی......؟ مگر...... مگر شاکا...... ! میں تو اسے شہروز کی حیثیت سے جانتی ہوں۔"

عالیہ شاہ نے بمشکل تمام کہا۔

"فضول بکواس مت کر...... ! اگر تو مجھے یہ بتا دیتی کہ شہروز کا دوسرا نام گل زادی ہے تو میں کبھی اس بات کے لئے تیار نہ ہوتا۔ کیا تجھے اس کا علم نہیں ہے کہ پچھلے دنوں نہ صرف اس شہر میں بلکہ قرب و جوار کے دوسرے بڑے شہروں میں بھی گل زادی کا نام گونج رہا ہے......؟ بڑے بڑے غنڈے اس کا نام سن کر اس کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے عالیہ شاہ...... ! بتا میں تیرے ساتھ اب کیا سلوک کروں......؟"

"مم...... مجھے نہیں معلوم کہ یہ گل زادی کون ہے......؟ اور شاکا...... ! میں تمہیں بھی اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی۔"

"میں تجھے بتاؤں کمینی عورت...... ! کہ میں بزدل ہوں یا بہادر......؟"

شاکا غرا کر لونگ چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ شاکا...... ! کہ تم اس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے یا نہیں......؟"

"دیکھ لے میری کامیابی تیرے سامنے ہے۔"

شاکا بدستور غرا کر بولا۔

"تت......تو شہروز......میرا مطلب ہے، گل زادی......اس کی کیا کیفیت ہے......؟"

"کیفیت......؟ کچھ نہیں، وہ واپس چلا گیا ہے اپنے گھر، اور تو نے مجھے ہمیشہ کے لئے اس کا غلام بنا دیا ہے۔ اب میں اس سے مقابلہ نہیں کرسکتا اور تیرے لئے میرا بہترین مشورہ یہ ہے کہ یا تو اس ملک سے بھاگ جا یا پھر شہروز سے معافی مانگ لے، ورنہ گل زادی کے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کر۔"

"مگر یہ گل زادی کون ہے آخر......؟"

"بس......! میں اتنا ہی بتا سکتا ہوں تجھے کہ اس وقت شاید پورے ملک میں اس سے بڑا بدمعاش کوئی نہ ہو۔ اس کا نام آہستہ آہستہ اُبھر رہا ہے، لیکن تھوڑے دن میں دیکھ لینا کہ اس کا نام پورے ملک میں پھیل چکا ہوگا۔ یہ شاکا کی پیشگوئی ہے۔ اگر تو جان بچانا چاہتی ہے تو اس کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو گل زادی سے معافی مانگ لے، اس کے قدموں میں لپٹ جا، یا پھر یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور بھاگ جا۔ شاکا تجھ سے اس سے زیادہ ہمدردی نہیں کرسکتا۔"

شاکا نے کہا اور عالیہ شاہ کا چہرہ لٹک گیا۔ شہروز کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ ایک زود رنج آدمی تھا، لیکن شاکا کی بات بھی عجیب تھی۔ وہ اسے گل زادی کے نام سے پکار رہا تھا۔

"آخر یہ گل زادی ہے کیا بلا......؟"

عالیہ شاہ کے کانوں میں یہ نام ضرور پہنچا تھا لیکن وہ اس شخص کی حیثیت سے ناواقف تھی۔ بہرصورت اب وہ شاکا کی طرف سے مایوس ہوگئی تھی اور اب اس کے دل میں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ شہروز اس سے انتقام لے گا۔ وہ کچھ سوچتی رہی پھر اس نے ڈرتے ڈرتے شاکا سے پوچھا۔

"مگر ایک بات بتاؤ شاکا......!"

"ہاں پوچھو......!"

شاکا ڈھیلے لہجے میں بولا۔

"کیا تم نے اسے بتا دیا کہ یہ کام تم نے میرے لئے کیا تھا......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، جب مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ شہروز نہیں، گل زادی ہے تو پھر اس سے جھوٹ بولنا میرے بس کی بات نہیں رہی تھی۔"

"اوہ......! مگر تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔"

عالیہ شاہ غرا کر بولی اور شاکا کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"ذلیل عورت......! کمینی عورت......! تو معاہدے کی بات کر رہی ہے مجھ سے......؟ ابھی تیری شکل بگاڑ کر میں تجھے یہاں سے روانہ کرتا ہوں۔ معاہدے میں صرف یہ بات تھی کہ نواب فاروق حسن خان کے بیٹے شہروز کا حلیہ

درست کرنا ہے۔ معاہدے میں یہ تو نہیں تھا کہ مقابلہ گل زادی سے ہوگا۔ یہ بات تو تجھے خود ہی معلوم کرنی چاہئے تھی کہ شہروز کون ہے......؟ تو نے بلاوجہ مجھے اس سے بھڑوا دیا۔ ساری بنی بنائی خاک میں ملوا دی۔ اب میں خود اپنی نگاہوں میں گر گیا ہوں۔ چلی جا......! دفع ہو جا یہاں سے۔ ورنہ میں ابھی تیرا حساب کتاب درست کردوں گا۔"

شاکا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور عالیہ شاہ نے واپسی ہی مناسب سمجھی۔ وہ شاکا سے پٹنا نہیں چاہتی تھی، چنانچہ تیزی سے شاکا کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے لئے اب خوف ہی خوف تھا۔ خوف و دہشت کا شکار تھی وہ بری طرح۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ چنانچہ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ سیڑھیوں کی جانب چل پڑی۔ اس کے بدن پر دہشت طاری تھی۔ وہ بری طرح خوفزدہ تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب شہروز اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ کیونکہ شہروز نے اسے وارننگ دی تھی کہ اگر عالیہ شاہ نے اس کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کی تو اس کا ٹھکانہ کہیں اور ہی ہوگا۔

"پھر کیا کیا جائے......؟ کیا شاکا کی بات مان لی جائے......؟ دُنیا تو بہت وسیع ہے، کہیں نہ کہیں اپنا کاروبار پھر سے جمایا جاسکتا ہے لیکن اس بار نہایت سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔ لیکن کیا......کیا شہروز میرا پیچھا چھوڑ دے گا......؟"

بہت سے تفکرات لئے ہوئے وہ نیچے اُتر آئی اور پھر وہ ہوٹل میں ایک منٹ کے لئے بھی نہ رُکی۔ باہر اس کی لمبی خوب صورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی۔ اس کی کیفیت مناسب نہ تھی۔ اس وقت اسے شراب کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی تاکہ وہ خود کو پُرسکون رکھ سکے۔ کار کا رُخ کوٹھی کی جانب تھا۔ اس وقت وہ ایک سنسان سڑک سے گزر رہی تھی کہ دفعتہً کوئی ٹھنڈی چیز پیچھے سے آکر اس کی گردن سے چپک گئی۔ وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ تب عقب سے آواز اُبھری۔

"رُخ بدل دے ری......! اگلے چوراہے سے سیدھے ہاتھ پر مُڑ جائیو۔"

اسے ایک انتہائی بھونڈی اور پھٹی پھٹی آواز سنائی دی اور عالیہ شاہ کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو اسے ایک عجیب و غریب مخلوق نظر آئی۔ لیکن یہ تو شہروز تھا۔ ہاں، یہ شہروز ہی تو تھا، لیکن یہ تھا یا تھی......؟ کیونکہ اس وقت وہ ایک انتہائی خوب صورت ریشمی زنانہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے پر لڑکیوں کا سا میک اَپ تھا، بال نہایت خوب صورت انداز میں سیٹ کئے گئے تھے۔ وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھا جس کے دونوں سرے کانوں میں پھنسا لئے گئے تھے۔ عجیب و غریب شکل لگ رہی تھی اس کی، مضحکہ خیز بھی اور خوب صورت بھی۔

"اری چل ناں اللہ ماری......! کیوں ٹکر ٹکر میرا منہ دیکھے جا رہی ہے......؟ اگلے چوراہے سے سیدھے ہاتھ پر موڑ لینا۔ بڑی باتیں کرنی ہیں تجھ سے۔ چل جلدی چل......! ورنہ یہ طمنچہ چل گیا تو پھر تیری گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔ چل فوراً آگے بڑھ......!"

پستول کا دباؤ عالیہ شاہ کی گردن پر شدید ہوگیا اور عالیہ شاہ نے گھبرا کر کار کا کلچ چھوڑ دیا۔ کار گیئر میں تھی، اس لئے ایک جھٹکا لے کر بند ہوگئی۔ شہروز مسخرے انداز میں بولا۔

''اے نگوڑ ماری......! بالکل ہی ہول گئی کیا......؟ طمنچہ کا نام سن کر گھگھی بندھ گئی میری چنچل حسینہ کی......؟ چل ری......! اسٹارٹ کر گاڑی۔''

عالیہ شاہ نے اسی بدحواسی کے عالم میں کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر دیا اور اسے آگے بڑھا دیا۔ اگلے چوراہے سے وہ داہنے ہاتھ کی جانب مُڑ گئی تھی۔

☆......☆......☆

نواب فاروق حسن اور احتشام حسن طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ دونوں بھائیوں کی تو کیفیت ہی مختلف تھی، لیکن دوسروں کو بھی مزہ آ گیا تھا۔ تابش اور کوٹھی میں رہنے والے دوسرے نوجوان بھی بے حد خوش تھے۔ سارہ بے شک بے حد حسین لڑکی تھی لیکن یہ فارن ملانی ان لوگوں کو زیادہ پسند نہیں آئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں سے بے تکلف نہیں ہو سکی تھی۔ وہ زیادہ تر بزرگوں میں بیٹھنے کی عادی تھی، لیکن سب ہی احتشام حسن کے شکر گزار تھے کہ وہ بیرونِ ملک سے واپسی پر ان کے لئے دو اعلیٰ ساخت کے بندر لے آئے تھے۔ ایک کلاسیکل بندر تھا اور دوسرے کا تعلق جدید نسل سے تھا، لیکن دونوں ہی خوب تھے۔ ان دونوں کے درمیان تابش کی کوششوں سے ٹھن گئی تھی۔ ویسے یہ بات بڑی دلچسپ تھی کہ دونوں احمق سارہ جیسی لڑکی کو چاہتے تھے۔ سارہ بلاشبہ خود کو لئے دیئے رہتی تھی۔

نواب احتشام حسن نے ایک یورپین عورت کی بیٹی ہونے کے باوجود جس مشرقی انداز میں اسے پرورش کیا تھا، وہ قابل تحسین تھا۔ لیکن کم از کم یہ بات ان لوگوں کے ذہنوں سے بھی نہیں اُترتی تھی کہ ان میں سے کوئی بے وقوف سارہ کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا۔ نواب احتشام نے انہیں رشتے دار ہونے کی حیثیت سے ہی ساتھ رکھا ہوا تھا۔ چونکہ غیر ملک میں تنہا تھے، اس لئے رشتہ داروں کی اہمیت ان کی نگاہوں میں بہت زیادہ تھی، لیکن یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ سارہ جیسے پھول کو ان بندروں میں سے کسی کی جھولی میں ڈال دیں۔ پتا نہیں وہ انہیں برداشت ہی کس طرح کر رہے تھے......؟

بہرصورت یہ ان کا معاملہ تھا، لیکن جو تفریح ان لوگوں کے ہاتھ آئی تھی، وہ بے مثال تھی۔ وہ سب ہمیشہ ان لوگوں کو گھیرے رہتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ بڑی انوکھی شخصیت کے مالک تھے یہ بندر۔ اس وقت بھی ہال میں انہوں نے علی عالم پناہ کو شعر و شاعری کے چکر میں پھانسا ہوا تھا اور عالم پناہ اپنی ذہانت کے مظاہرے کر رہے تھے کہ روکی ان کے درمیان ٹپک پڑا۔ جو صورتِ حال سامنے آئی تھی، وہ کچھ یوں تھی کہ روکی نے کسی نوجوان کو سارہ کے ساتھ دیکھا تھا اور سارہ اس سے اتنی گھل مل کر باتیں کر رہی تھی کہ ارقم الدین روکی اسے برداشت نہ کر سکے اور دوڑے اپنے بھائی کی طرف۔ اس سلسلے میں ان دونوں کے درمیان یقینی طور پر کوئی معاہدہ نہ تھا۔ بہرصورت انہیں اس ڈوئل کا انتظار تھا جو دوسرے دن ہونے والی تھی۔ تابش اس پروگرام کو دلچسپ سے دلچسپ بنانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورے بھی طلب کر لئے تھے۔

''یارو......! مسئلہ یہ ہے کہ کیا بزرگ ہمیں پکنک پر جانے کی اجازت دے دیں گے......؟''

''میں بھی اسی موضوع پر سوچ رہا ہوں۔''

احمد نے اپنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

''کوئی ایسی شکل ہونی چاہئے کہ ہم ان سے یہ اجازت حاصل کر لیں۔''

تابش نے کہا۔

''سارہ کے ذریعے کیوں نہ اجازت طلب کی جائے......؟''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ ہم اس سے کم گفتگو کرتے ہیں، لیکن اگر اس سلسلے میں ہم اسے اپنے رشتے ناطوں کا واسطہ دے کر اس سے یہ بات کہیں تو وہ مان جائے گی۔''

''مجھے تو ایک اور خطرہ ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''پتا نہیں یہ سارہ خاتون نوجوان لڑکوں کے ساتھ پکنک پر جانا پسند کرے گی یا نہیں......؟ ممکن ہے، یہ بات ان کی پردہ نشینی کے آڑے آتی ہو۔''

''یار......! جتنی خوب صورت ہے، اتنی ہی بور لڑکی ہے۔''

''بہرصورت کوشش کر لینے میں حرج ہی کیا ہے......؟''

''لیکن ایک خاص بات کو تو آپ لوگ نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ اس پر بھی غور کریں۔''

ثناء نے کہا۔

''وہ کیا......؟''

''بھئی......! وہ نوجوان کون تھا جس کو روکی نے دیکھا تھا......؟''

''ارے ہاں......! واقعی، اس نوجوان کو تو ہم نے نظر انداز ہی کر دیا تھا، لیکن کیا یہ روکی کی اختراع نہیں ہو سکتی......؟''

''نہیں......! میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''کہیں شہروز بھائی نہ آ گئے ہوں......؟''

''اوہو......! خدا کرے، اگر ایسا ہو تو مزہ ہی آ جائے۔''

تابش نے اُچھل کر کہا۔

''تو پھر اس بات کی جاسوسی کیوں نہ ہو جائے......؟''

ثناء بولی۔

''جاسوسی کون کرے گا......؟''

"بھئی......! شمائل کے علاوہ کون کرے گا......؟ ایک شمائل ہی ایسی لڑکی ہے جو شہروز بھائی سے بے تکلف ہے اور اگر یہ شہروز بھائی سے کل کے پروگرام کے بارے میں بات چیت کر لے تو بس اپنا کام بنا سمجھو......!"

"ہوں......! کیا خیال ہے آپ کا مس شمائل......؟ کیا آپ ہمارے تاریک دلوں میں روشنی پھیلائیں گی......؟"

"جاتی ہوں، جاتی ہوں، تم لوگ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد مجھے پائیں باغ میں ملو۔ جیسی بھی صورت حال ہوئی، میں واضح کر دوں گی۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ شہروز بھائی آئے بھی ہیں یا نہیں، یا روکی صاحب صرف خواب ہی دیکھ آئے تھے......؟"

"جیسا کہ روکی نے رنج و غم کے اظہار کے دوران مرد کی تصویر کھینچی ہے، اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نوجوان مرد شہروز بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے......! تو میں پھر جاتی ہوں شہروز بھائی کے پاس۔"

شمائل نے کہا اور اندر کی طرف چل پڑی۔

شمائلہ شہروز کی پھوپھی زاد بہن تھی، یہی ایک لڑکی ایسی تھی جس سے شہروز کافی حد تک بے تکلف تھا، ورنہ عام طور سے وہ ریزرو ہی رہتا تھا۔ اس کی کیفیت عجیب سی تھی، حالانکہ صحیح معنوں میں وہی نواب فاروق حسن خان کی ساری جائیداد کا وارث تھا۔ یہ کوٹھی بھی اسی کی تھی۔ جو کچھ بھی تھا، سب کچھ اسی کا تھا، لیکن اس نے خود کبھی اس کوٹھی میں کسی سے گھل مل کر رہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ عموماً کوٹھی میں ہوتا بھی تھا تو لوگوں سے الگ تھلگ ہی رہتا تھا۔ گو اپنے عزیزوں کے ساتھ وہ کبھی بداخلاقی سے بھی نہیں پیش آیا، لیکن جب بھی اس پر جنون کا دورہ پڑتا تھا تو پھر وہ انوکھی حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ لیکن ان حرکتوں میں کبھی یہ لوگ شامل نہ ہوئے، بلکہ ایک طرح سے انہیں شہروز سے اور نواب فاروق حسن سے ہمدردی ہی محسوس ہوئی تھی۔ حالانکہ بعض اوقات شہروز کی حرکتوں پر ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جاتی تھی، لیکن بہر صورت یہ سب اس کی عزت کرتے تھے۔

شمائل، شہروز سے بہت بے تکلف تھی۔ کئی بار شہروز نے اس کی پٹائی بھی کر دی تھی، لیکن شمائل نے ایک بڑے بھائی کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس مار پیٹ کو قبول کر لیا تھا۔ بلکہ جب بھی کسی نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو شمائل نے اسے ڈانٹ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ شہروز کے اور اس کے مسئلے میں کوئی کچھ نہ بولے۔ وہ بڑے پیار سے اسے شہروز بھیا کہا کرتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ شہروز کو تلاش کرتی ہوئی اس کے کمرے میں پہنچ گئی اور شہروز کو کمرے میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شہروز خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھا خلاء میں گھور رہا تھا۔

"آپ یقیناً دیوار کے اس کونے میں مجھے تلاش کر رہے ہوں گے شہروز بھیا......!"

شمائل کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہوں......! کیسے تشریف لائیں آپ......؟"

اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھیا کے پاس آ جانا کوئی بری بات ہے کیا......؟ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہی ہے دیکھنے کو۔"

"دیکھ لیا......؟ چلو بس اب بھاگ جاؤ۔"

"جی نہیں......! کچھ اور گفتگو کرنی ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ خیر......! آپ فرمائیے، کیا حکم ہے......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"بھیا......! کوئی مصروفیت ہے کیا......؟"

شمائل نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"جی نہیں......! بالکل فارغ بیٹھا ہوں آپ کی طرح۔ فرمائیے......! کیا حکم ہے......؟"

"بس بھیا......! دل چاہ رہا ہے، کل آپ کے ساتھ پکنک منائیں۔ آپ ہمیں کسی اچھی جگہ لے چلیں۔ دیکھئے، آپ ہمارا آخری سہارا ہیں۔ اگر آپ نے انکار کر دیا تو پھر ہم کسی سے یہ بات نہ کہہ سکیں گے۔"

"بھئی......! کیا فضول بکواس ہے، میں نہیں جاتا پکنک وکنک پر۔"

"نہیں بھیا......! پلیز مان جائیں ناں......!"

شمائل لاڈ سے بولی۔

"کہاں جاؤ گی......؟"

"بس......! کسی عمدہ سی جگہ۔"

"ہوں......! تو گویا تم یہ چاہتی کہ میں تمہیں اجازت دلوا دوں......؟"

"جی نہیں......! میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ کتنے دن کے بعد تو آپ گھر میں نظر آئے ہیں۔"

"مصروف رہتا ہوں، کل بھی مصروف ہوں، تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔"

شہروز نے کہا۔

"بھیا......! اگر میں درخواست کروں، تب بھی نہیں......؟"

"کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے تم نے......؟ کیا ضروری ہے کہ ہم پکنک منانے باہر ہی جائیں......؟ بھئی......! تمہیں جتنا شور مچانا ہے، کوٹھی میں ہی مچا لو۔ باہر جانے کی کیا ضرورت ہے......؟"

"جی نہیں......! ہم پکنک پر ہی جائیں گے۔ سمجھے آپ......؟ اور آپ ہی ہمیں لے کر جائیں گے۔"

"جگہ کا تعین کر لیا ہے......؟"

شہروز نے پوچھا اور شمائل خوشی سے اُچھل پڑی۔

"جی نہیں......! وہ بھی آپ ہی کریں گے۔"

"خیر......! کہیں بھی جایا جا سکتا ہے۔ کون کون جائے گا......؟"

’’سب کے سب، اور سارہ بھی۔‘‘

’’سارہ......؟‘‘

شہروز کے لہجے میں اُلجھن سی پیدا ہوگئی۔

’’ہاں......! کیوں......؟‘‘

’’بس شمائل......! سارہ عجیب سی لڑکی ہے۔‘‘

’’کیوں......؟ خیریت......؟ کیا ملاقات ہوئی آپ سے......؟‘‘

’’ہاں......! ہوئی تھی، گفتگو بھی اچھی کرتی ہے، لیکن......لیکن میں اپنی اس طبیعت کا کیا کروں......؟ میں اس سے ٹھیک طور سے نہیں مل سکا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی پائیں باغ میں وہ مجھ سے باتیں کررہی تھی۔ مگر میں اُلجھا ہوا سا تھا۔ مجھے بس یہ احساس ہوتا ہے شمائل......! کہ جیسے میں اپنے مدمقابل کو کوئی بہتر رسپانس نہیں دے سکوں گا۔ پتا نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی......؟‘‘

’’بھیا......! فضول باتیں سوچتے ہیں آپ۔ میں آپ کی تعریف کروں گی تو آپ اسے خوشامد کہہ دیتے ہیں۔ لیکن آپ سے ملنے کے بعد کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو آپ کو زندگی بھر یاد نہ رکھے۔‘‘

’’یہ تو تم کہہ رہی ہے ناں شمائل......! لیکن دوسرے لوگ ایسا نہیں سوچ سکتے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔ بس......! کیا کہوں تم سے......؟‘‘

’’کچھ بھی نہیں بھیا......! کچھ بھی نہیں۔ بس......! کل ہم سب کے سب آپ کے ساتھ جائیں گے اور سارہ بھی جائے گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے......! تو پھر یہ ساری ذمے داری تم میرے اوپر ہی کیوں ڈال رہی ہو......؟ ڈیڈی سے پوچھ لیا ہے کیا......؟‘‘

’’ڈیڈی سے ہم نہیں، آپ پوچھیں گے، اور وہ بھی آج رات کے کھانے پر۔‘‘

شمائل نے جواب دیا۔

’’ٹھیک ہے بھئی......! تم لوگ انتظام کرلو۔ میں رات کے کھانے پر ڈیڈی سے بات کرلوں گا۔‘‘

شہروز نے جواب دیا اور شمائل دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے شہروز کی پیشانی پر، گالوں پر، سر پر اور آنکھوں پر بہت سے بوسے دے ڈالے، اور شہروز نے مسکرا کر اس کی بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ ڈالے۔ صرف یہی ایک لڑکی تھی جسے شہروز بچپن سے لے کر آج تک اپنی چھوٹی بہنوں کی مانند چاہتا تھا اور پیار بھی کرتا تھا۔ بہت سے خطرناک معاملات میں شمائل نے اسے بچوں کی طرح سنبھال لیا تھا جبکہ وہ کسی دوسرے کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ شمائل وہاں سے نکل آئی اور پھر اس نے واپس آ کر چنڈال چوکڑی کو یہ خوشخبری سنائی کہ شہروز بھیا راضی ہوگئے ہیں اور ہم لوگ کل پکنک پر چل رہے ہیں۔ نوجوانوں نے خوشی کے نعرے لگائے تھے۔

رات کے کھانے کی اہمیت اس لئے اور زیادہ تھی کہ شہروز اس میں شریک تھا۔ نواب احتشام شہروز کو دیکھ کر

صدقے واری ہورہے تھے۔ انہوں نے شہروز کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان کے دوسری جانب سارہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شہروز اور سارہ بلاشبہ دیکھنے والوں کے لئے ایک ایسی حسین جوڑی تھے کہ اگر یہ دونوں کہیں نکل جاتے تو لوگ انہیں دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے۔ دونوں حسن و جمال میں یکتا تھے۔ ایک مردانہ حسن کا شاہکار تھا اور دوسری نسوانیت کی دیوی۔ دونوں ہی بیحد خوب صورت لگ رہے تھے۔ سارہ کئی بار شہروز کو دیکھ چکی تھی، لیکن شہروز نے اس دوران ایک بار بھی نگاہ اُٹھا کر سارہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

کھانا ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے۔ علی اور روکی بھی ابھی نہیں آئے تھے اور نوجوانوں میں سے بھی کچھ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی۔ اس دوران نواب احتشام، شہروز کی جانب ہی متوجہ رہے تھے۔ انہوں نے شہروز سے بہت سی باتیں بھی کی تھیں اور شہروز نے نہایت شائستگی سے ان کا جواب دیا تھا۔ یہ بات فاروق حسن کے لئے بہت دل خوش کن تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ شہروز کے مزاج کا کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ نہ جانے کب اور کیسے پٹڑی سے اُتر جائے......؟ اس بات سے وہ بہت خوفزدہ تھے۔ لیکن شہروز کی یہ کیفیت دیکھ کر انہیں بڑا سکون محسوس ہوا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد علی عالم پناہ اور روکی دوسرے لوگوں کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ لمبی میز کے گرد بہت سی کرسیاں خالی تھیں۔ نواب فاروق کی کوٹھی میں عموماً دسترخوان بڑا طویل ہوا کرتا تھا اور اس کے لئے ڈائننگ ہال میں ایک عظیم الشان میز لگوائی گئی تھی۔ دونوں بندر ایک دوسرے سے کشیدہ تھے۔ ان کی آپس کی بات چیت بند ہوگئی تھی اور ابھی فیصلہ ہونے میں بارہ سے بیس گھنٹے باقی تھے۔ لیکن اس دوران انہوں نے ایک دوسرے کی دُشمنی پر کمر باندھ لی تھی۔ البتہ ہال میں داخل ہو کر جب ان کی نگاہ شہروز پر پڑی تو روکی بری طرح اُچھل پڑا تھا۔ اس نے ایک دم عالم پناہ کے قریب ہونے کی کوشش کی، لیکن تابش نے ایک دم اس کا کالر پکڑ کر اسے پیچھے گھسیٹ لیا۔ روکی حیرانگی سے تابش کی شکل دیکھنے لگا۔

’’ہوں، ہوں......! ایسے مت دیکھو، گھسیٹا تمہیں صرف اس لئے ہے کہ تم عالم پناہ سے کوئی گفتگو نہ کرسکو۔ تم غصے کے عالم میں ہوناں، اس لئے۔‘‘

’’ایں......؟ ہاں......! دِلربا......دِلربا......‘‘

روکی نے اپنی گردن میں گٹار تلاش کرنے کوشش کی، لیکن ظاہر ہے، کم از کم ڈائننگ ہال میں تو گٹار کا لایا جانا ممکن نہیں تھا۔ نواب احتشام الدین اسی وقت جوتے مار کر باہر نکال دیتے۔ چنانچہ اس وقت وہ تشنہ سا رہ گیا۔ تابش سے لے کر ایک کونے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عالم پناہ دوسری سمت بڑھ گئے تھے۔

’’یہ کیا روکی......؟ کیا تم علی سے خوفزدہ ہو......؟‘‘

’’ہرگز نہیں، ہرگز نہیں......!‘‘

روکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

’’پھر تم اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کیوں کررہے تھے......؟‘‘

’’ایک بہت ہی اہم مسئلہ آپڑا تھا۔‘‘

''وہ کیا......؟''

''میں نے اس چور کو پکڑ لیا ہے۔''

''چور......؟''

تابش نے تعجب سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ہاں چور......! وہ دیکھو ناں انکل کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور انکل نہایت شفقت سے اس سے گفتگو کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں، کون ہے یہ......؟ کون ہے......؟''

''اوہ......! کیا یہ وہی چور ہے جو پائیں باغ میں سارہ سے گفتگو کر رہا تھا......؟''

تابش نے پوچھا۔

''جی ہاں......! بالکل بالکل......!''

''سوچ لو، اچھی طرح سے میاں روکی......!''

''میں کہتا ہوں، میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں، اور دیکھو تو ذرا، اب بھی وہ اس سے کس قدر قریب ہے۔ خدا کی قسم......! میں برداشت نہیں کروں گا۔ اس کے بدن کی لہریں اس کمبخت کے بدن کی لہروں سے ٹکرا رہی ہوں گی۔ عالم پناہ......! جہاں......جہاں......''

اس نے آواز لگانے کی کوشش کی، مگر تابش نے اس کا منہ بند کر دیا اور اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''میرا خون کھول رہا ہے۔''

''کوئی بات نہیں......! ٹھنڈا پانی پی لو، ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

تابش نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھا دیا اور روکی نے سارا پانی حلق میں اُنڈیل لیا۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''مگر یہ ہیں کون......؟''

''نواب زادہ شہروز حسن خان......!''

''کون......؟''

روکی نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''نواب فاروق حسن خان کے بیٹے نواب زادہ شہروز حسن خان......!''

تابش نے الفاظ چبا چبا کر ادا کئے اور روکی بدحواس ہو گیا۔

☆......☆......☆

''تو یہ......تو یہ......اوہو......! اوہو......! بیڑہ غرق ہو گیا، ہو گیا ناں بیڑہ غرق......!''

روکی کا چہرہ اُتر گیا۔

''کیوں......؟ کیا ہوا......؟''

''اس کا مطلب ہے، اس کا مطلب ہے......تو......تو یہ......لیکن میں اس سلسلے میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ پہلے ہمارے درمیان یہ مرحلہ طے ہو جائے، اس کے بعد ہی کچھ اور ہو سکتا ہے۔''

روکی نے غم آلود لہجے میں کہا اور پھر اس طرح ہاتھ پھیلائے جیسے گٹار پر انگلیاں مارنا چاہتا ہو لیکن گٹار اس وقت کہاں تھا......؟ بہرصورت کھانا شروع ہو گیا۔ نواب فاروق حسن خاموشی سے کھانے میں مصروف تھے، لیکن احتشام حسن صاحب کھانے کے دوران شہروز سے گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتہً شہروز نے چونک کر پہلے شمائل کو اور پھر نواب فاروق حسن کو دیکھا۔ اسے شمائل کی بات یاد آ گئی تھی۔

''ڈیڈی......! کیا آپ نے ان لوگوں کی سیر و تفریح بھی کرائی کہیں......؟''

نواب فاروق حسن نے چونک کر شہروز کو دیکھا۔

''مجھ سے کہہ رہے ہو بیٹے......؟''

''جی......!''

''بیٹے......! میں بوڑھا آدمی ان نوجوانوں کے ہنگاموں میں کہاں پھنستا پھرتا......؟ تابش وغیرہ کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہئے تھی۔ وہی اس سلسلے کا روحِ رواں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کہیں باہر بھی گئے ہیں یا نہیں......؟''

نواب فاروق حسن نے کہا۔

''میرے خیال میں ڈیڈی......! کل ان لوگوں کو ایک پکنک کرا دی جائے۔ آپ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں......؟''

''اوہو......! ضرور، ضرور......! اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کون سی ہو سکتی ہے......؟''

نواب فاروق حسن خوش ہو کر بولے اور سارہ مسکرا کر شہروز کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''آپ بھی چلیں ناں شہروز صاحب......!''

''ہاں......! یقیناً میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے......!''

سارہ مسرت سے بولی اور تابش کے ساتھ بیٹھا ہوا روکی ایک بار پھر مضطرب ہو گیا۔ تابش نے اس کی اس کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے روکی کو تسلی دی اور روکی کی صورت پر یتیمی برسنے لگی۔ تب ہی شہروز نے نواب احتشام سے پوچھا۔

''انکل......! آپ چلیں گے ناں......''

''نہیں بھئی......! ہم سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔ یہ نوجوانوں کا ہنگامہ ہوگا۔ ہماری اس میں کیا ضرورت ہے......؟ بس شہروز میاں جا رہے ہیں، اس کے بعد ہمیں کسی کی پرواہ نہیں رہ

جاتی۔ بس شہروز میاں......! آپ جس طرح چاہیں تیاریاں کر لیں۔ نوکروں کو ہدایات دے دیں۔ راتوں رات تیاریاں ہو جائیں گی۔ صبح کو آپ جس وقت مناسب سمجھیں، نکل جائیں۔ گاڑیاں کچھ گھر کی موجود ہیں اور اگر مزید ضرورت ہو تو ہم منگوا دیں گے۔ میں دفتر اپنے ٹرانسپورٹ آفیسر کو فون کر دوں گا۔"

"بہت بہتر......! صبح کو دو گاڑیاں منگوالی جائیں، باقی تین یا چار گاڑیاں تو گھر میں موجود ہیں ناں......!"

شہروز نے جواب دیا اور نواب فاروق حسن خان مسرور ہو گئے۔ شہروز کی زندگی میں یہ دلچسپی ان کے لئے انتہائی خوش آئند بات تھی۔

☆......☆......☆

شہروز نے ایسے راستے اختیار کئے تھے کہ عالیہ شاہ چکرا کر رہ گئی تھی۔ یوں بھی اس کی کیفیت بے حد خراب تھی۔ نہ جانے کس طرح ڈرائیونگ کر رہی تھی......؟ بس یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے اور کار ڈرائیو کرنے میں اس کی قوتِ ارادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ پھر شہروز نے کار ایک طرف مڑوائی، ایک خوب صورت کوٹھی کا مین گیٹ سامنے تھا۔

"ہارن بجاؤ......!"

شہروز نے حکم دیا اور عالیہ شاہ کا ہاتھ ہارن پر جا پڑا۔ کئی بار ہارن بجانے کے بعد ایک چوکیدار نے باہر نکل کر جھانکا۔ پھر عقب میں شہروز کو دیکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ عالیہ شاہ شہروز کے اشارے پر کار اندر لے گئی تھی۔ بہت خوب صورت کوٹھی تھی، پورچ میں اس نے کار روک کر انجن بند کر دیا۔

"آ جاؤ بی بی......!"

شہروز نے کہا اور عالیہ شاہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ شہروز خود بھی عقبی سیٹ سے نیچے اُتر آیا تھا، لیکن اسے دیکھ کر عالیہ شاہ کو چکر آ رہے تھے۔ انتہائی خوب صورت شلوار سوٹ میں وہ بالکل لڑکی معلوم ہو رہا تھا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کوئی نوجوان ہے۔ پورا بدن کسی لڑکی کے نسوانی خدوخال کی کیفیت پیش کر رہا تھا۔ لباس بھی نفیس تراش کا سِلا ہوا تھا۔ بس اس کا انداز عجیب و غریب تھا۔ تب اس نے دوپٹے کا کونا اپنے ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔

"چلو، اندر چلو جانِ من......! تمہاری یہاں آمد پر بڑی خوشی ہوئی ہے ہمیں۔ پر کیا کریں بی بی......! تم نے خود ہی ہمیں اس کا موقع فراہم کیا ہے، ورنہ ہم تو تمہیں خلوصِ دل سے اپنوں میں شامل کر چکے تھے۔ چلو جلدی چلو......! ہمیں پریشان مت کرو۔ طمنچہ اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

شہروز نے پستول کا رُخ اس کی جانب رُخ کر کے کہا اور عالیہ شاہ آگے بڑھ گئی۔ وہ کوٹھی کے صدر دروازے سے داخل ہونے کے بعد ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ ہال میں سامنے ہی ایک بہت بڑی راہ داری نظر آ رہی تھی۔ راہ داری دونوں جانب سے کور تھی اور اس کے اطراف میں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کا اختتام ایک اور ہال میں ہوا تھا۔ شہروز اسے لئے ہوئے اندر ہال میں داخل ہو گیا۔ نہایت نفیس پیمانے پر آراستہ کیا ہوا ہال تھا۔ فرش پر

صرف ایک قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ پورے ہال میں کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ دیواریں انتہائی شفاف اور خوب صورت رنگ سے آراستہ تھیں۔ شہروز نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر دُہرا ہو گیا۔

"اللہ اللہ......! تمہارے آنے پر کس طرح خوشی کا اظہار کریں......؟ اچھا......! ایسا کرو، تم تھوڑی دیر یہاں بیٹھو، ہم ابھی آتے ہیں۔"

شہروز نے کہا اور ہال کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ عالیہ شاہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی، اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ہال کا وہ دروازہ کھلا تھا جس سے وہ لوگ اندر آئے تھے۔ وہ اگر چاہتی تو بھاگ سکتی تھی، لیکن اس وقت اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرتی۔ شہروز بے وقوف تو نہ تھا، یقینی طور پر باہر اس کے فرار کے راستے مسدود ہوں گے۔ وہ پتا نہیں اندر گیا تھا یا باہر......؟ عالیہ شاہ کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔ چند ساعت کے بعد ہال میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور عالیہ شاہ انہیں دیکھ کر چونک گئی۔

یہ دو زنخے تھے، طویل القامت، مکروہ شکل، لیکن جسموں پر زرق برق قسم کے زنانہ لباس تھے۔ شیو بڑھی ہوئی تھی لیکن آنکھوں میں کاجل، ہونٹوں پر سرخی، گالوں پہ لالی موجود تھی۔ ایک کے گلے میں ڈھول تھا اور دوسرے کے گلے میں ہارمونیم۔ وہ شرماتے لجاتے اندر آ گئے۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے دونوں چیزیں رکھ دیں۔

"تت......تم......تم......"

عالیہ شاہ ہکلائی۔

"ہاں بی بی......! ہمیں شبو کہتے ہیں۔"

"اور مجھے مینا......!"

دوسرے نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"مم......مگر......"

"اگر مگر کچھ نہیں بی بی......! بیٹھ جاؤ، یہ بتاؤ کون سا گانا سنو گی......؟"

"میں کوئی گانا نہیں سنوں گی۔"

"پر ہم تو سنائیں گے بی بی......! یہ تو پیشہ ہے، شوق ہے ہمارا۔ آئے ہائے......! اُستاد جی......! آئے ہائے......! اُستاد جی......!"

شبو نے اندر کی طرف رُخ کر کے آواز لگائی اور ایک اور شخص اندر آ گیا۔ یہ بھی ایک ساز لئے ہوئے آیا تھا۔ عجیب و غریب مضحکہ خیز شکل تھی۔ چہرے پر عجیب و غریب ڈاڑھی، لیکن زنانہ لباس، چہرے پر چشمہ بھی لگا ہوا تھا۔

"چل ری......! اُستاد جی آ گئے۔ چل ری......! بجا تین تالا۔"

اس نے مینا سے کہا اور خود بھی ہارمونیم پر مصروف ہو گئی یا ہو گیا۔ اس کے بعد کمرے میں محفلِ موسیقی جم گئی۔ اُستاد جی ساز بجا رہے تھے اور شبو اور مینا ڈھول اور ہارمونیم کے ساتھ ساتھ گائیکی سے شغل فرما رہی تھیں اور عالیہ شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑی تھی اور وہ تینوں حلق پھاڑ رہے

تھے۔ بہادر شاہ ظفر کی ایک خوب صورت غزل تھی جس کے ساتھ وہ تینوں زیادتی کر رہے تھے۔ ایسی بھونڈی اور بے تکی آوازیں تھیں کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ پھر اندر سے ایک اور زنخا نکل آیا۔ یہ ساڑھی میں ملبوس تھا اور اس کے موٹے موٹے پیروں میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ ہال میں آ کر وہ قالین پر تھرکنے لگا۔ عالیہ شاہ تو شہروز کی باز پُرس کی منتظر تھیں۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اب شہروز اس کے ساتھ کوئی سخت سلوک کرے گا۔ لیکن شہروز نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا......؟ اور وہ چاروں ناچ گا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے غزل ختم ہوئی۔ ناچنے والا رک گیا، سازندے بھی خاموش ہو گئے۔ عالیہ شاہ کھڑے کھڑے تھک گئی تھی۔

''اب کون سا گائے گی ری......؟''

''کوئی گیت ہو جائے۔''

''نہیں......! غزل ہو جائے۔''

''نہیں......! گیت ہو جائے۔''

وہ جھگڑنے لگے۔

''تو بتا بی بی......! تو کیا سنے گی......؟''

انہوں نے عالیہ شاہ سے پوچھا۔

''کیا بکواس ہے، شہروز کہاں ہے......؟''

''آئے ہائے......! اپنی ماں کی گود میں ہوگا۔''

''پنگوڑے میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہوگا۔''

''ہائے ہائے......! باتیں بنائے جا رہی ہو تم لوگ گاؤ ناں......! بجاری اللہ ماری......! ڈھول بجا۔''

اور پھر ایک بے سُرا راگ شروع ہو گیا۔ عالیہ شاہ پریشان نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ انتہائی بے ہودہ رقص اور گیت تھا۔ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ وہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہی۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ گزر چکا تھا اور جب بات اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ واپسی کے لئے دروازے کی طرف پلٹی۔ کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن اس کا اندازہ درست نکلا! راہ داری کے بعد دوسرے ہال کا دروازہ بند تھا اور باہر جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ اعصاب پھٹے جا رہے تھے۔ ڈھول اور باجے کی آوازیں یہاں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اب کوئی تیسری غزل ہو رہی تھی۔ عالیہ شاہ زمین پر بیٹھ گئی۔ اگر کوئی خطرناک سلسلہ شروع ہو جاتا تو شاید اس کی کیفیت اتنی بری نہ ہوتی۔

''لیکن یہ تکلیف دہ مرحلہ......؟ آخر اس کا مقصد......؟''

کوئی بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور جب یہاں بیٹھے بیٹھے وہ عاجز آ گئی تو پھر ہال میں داخل ہو گئی۔

''بند کرو یہ شور و غل، کیا پاگل ہو گئے ہو تم سب......؟''

وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور وہ خاموش ہو گئے۔

''آئے ہائے......! شبو......!''

''جی اُستاد جی......!''

''کوئی دوسری گاؤ، بی بی کو پسند نہیں آئی۔''

''کوئی فلمی گانا سنو گی بی بی......؟''

''اب اگر تم نے آواز نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

عالیہ شاہ دھاڑی۔

''تم سے بہت برا ایک یہاں موجود ہے بی بی......! اس کا کہنا ہے کہ ساری رات تمہیں گانا سناتے رہیں، اور ایک بات اور سن لو بی بی......! سونے کی کوشش مت کرنا۔ چل بدی......! شروع ہو جا۔''

اور ڈھول کی دھما دھم پھر گونج اُٹھی۔

''بند کرو، میں کہتی ہوں بند کرو یہ۔''

عالیہ شاہ دھاڑی اور پھر ان پر جھپٹ پڑی، لیکن رقص کرنے والے نے ناچتے ناچتے پیچھے سے اس کی کمر پر ایک لات رسید کر دی اور عالیہ شاہ اوندھے منہ قالین پر جا پڑی۔ رقص کرنے والا اب بھی مٹک مٹک کر رقص کر رہا تھا۔ عالیہ شاہ نے اپنی جگہ سے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ لات بہت زوردار تھی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خاصی چوٹ آئی تھی۔ زنخے بدستور بے ہنگم آوازوں میں گا رہے تھے۔ تب دفعتہً عالیہ شاہ کے بدن سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹنے لگا۔

''کیا یہ سزا ہے......؟ کیا شہروز نے میرے کے لئے اس ذہنی سزا کا انتخاب کیا ہے......؟''

غور کرنے سے احساس ہوا کہ یہ سزا دوسری سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ ان لوگوں کی بھیانک آوازیں براہِ راست اس کے اعصاب متاثر کر رہی تھیں اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔ وہ فرش پر پڑی رہی اور وہ گاتے رہے۔ کمبخت تھک بھی نہیں رہے تھے۔ جوں جوں گاتے جا رہے تھے، ان کی آوازیں کھلتی جا رہی تھیں۔ عالیہ شاہ پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دو گھنٹے گزر گئے، سر کا درد نا قابل برداشت ہو گیا تو وہ پھر فرش پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں، لیکن ان کمبختوں نے ایک اور حرکت کی۔ برف کی طرح سرد پانی سے بھرا ہوا جگ اس پر انڈیل دیا گیا تھا۔ عالیہ شاہ ہڑبڑا کر اُٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے پانی ڈالنے والے کو دیکھا اور وہ ہنس پڑا۔

''نہیں بی بی......! یہاں سونا منع ہے۔''

''کیا......کیا بکواس کر رہے ہو تم......؟''

''آئے ہائے......! ہم کیا بکواس کریں گے بی بی......؟ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔''

''ہم تو غلام ہیں اس کے۔''

دوسرے نے کہا۔

''کس کے......؟''

''گل زادی کے، اُستاد گل زادی کے۔''

''کہاں ہے وہ......؟ بلاؤ اسے، میں اس سے بات کروں گی۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''آئے ہائے......! وہ تو چلی گئی، اب تو ہم ہیں، ہم سے بات کرو، گانے سنو، چل ری مینا......! شروع ہو جا۔''

اور وہ پھر شروع ہو گئے۔ عالیہ شاہ اپنی زندگی کی سب سے کرب ناک رات گزار رہی تھی۔ سخت شور و ہنگامے سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔ اس عالم میں بھی اگر کبھی اس کا ذہن غنودہ ہوا تو اسے ٹھنڈے پانی سے بھگو دیا گیا۔ یوں ساری رات گزر گئی۔ صبح کو اس کی بری حالت تھی اور جب سورج نکل آیا تو گانا بجانا ختم ہوا۔ ان میں سے ایک بولی۔

''چلو اُستاد جی......! صبح ہو گئی۔''

''چلو بی بی......! اب آرام کرو۔''

لیکن عالیہ شاہ میں اب اُٹھنے کی سکت کہاں تھی......؟ وہ تینوں اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے تھے۔ کئی راہ داریوں سے گزرتے ہوئے۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو شاید قید خانے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ بہت بڑی جگہ تھی لیکن سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان سلاخوں کے پیچھے آٹھ نو آدمی نظر آ رہے تھے۔ دروازے سے عالیہ شاہ کو بھی اندر داخل کر دیا گیا۔ وہ دروازہ لاک کر کے واپس چلے گئے تھے۔ عالیہ شاہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہی تھی، سب کے سب مرد اور خطرناک چہروں والے تھے، لیکن ان کی حالت کافی خراب نظر آ رہی تھی۔ عالیہ شاہ کو وہ بغور دیکھ رہے تھے۔

''آپ لوگ......آپ لوگ کون ہیں......؟''

عالیہ شاہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''پہلی غلطی کے مجرم......!''

ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب تمہیں معلوم ہوگا۔ کیا تم نے گل زادی کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے......؟''

ان میں سے ایک نے کہا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''ہاں......!''

اس نے بمشکل کہا۔

''پہلی بار کی ہے......؟''

''ہاں......!''

وہ اسی انداز میں بولی۔

''ٹھیک ہے......! ابھی تمہارے لئے معافی کی گنجائش ہے۔ یہاں تین درجے ہیں۔ پہلی غلطی کرنے والوں میں ہم سب شامل ہیں۔ دوسری غلطی کرنے والوں کے لئے بھی یہاں ایک قید خانہ ہے۔ لیکن تیسری غلطی کے بعد زندگی کا کوئی امکان نہیں رہتا اور گل زادی انہیں قتل کر دیتا ہے۔''

''اوہ......! تم سب اس کے سامنے بے بس ہو......؟''

''ہاں......! انسان کو زندگی میں کسی نہ کسی کے سامنے بے بس ہونا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ ہم میں سے کون شریف آدمی ہے......؟ لوٹ مار، قتل و غارتگری ہمارا پیشہ ہے اور ہم سب اپنی فیلڈ کے بدنام ترین لوگ ہیں۔ لیکن اب ہم سب گل زادی کے غلام ہیں، ایک غلطی والے مجرم۔''

ایک بدمعاش نے کہا اور عالیہ شاہ کو سردی لگنے لگی اور اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوزہ کا علاقہ شہر سے تقریباً اسّی میل دُور تھا۔ یہ خالص تفریحی جگہ تھی، دوزہ جھیل بہت وسیع تھی۔ اس کے اطراف سبزے سے لدے ہوئے تھے۔ جس طرف نگاہ اُٹھ جاتی، سرسبز درختوں کے جھنڈ بکھرے نظر آتے۔ ان سے پرے اونچے نیچے بھورے پہاڑ بکھرے ہوئے تھے۔ ویسے دوزہ جھیل کے علاقے میں بہت کم لوگ آتے تھے، کیونکہ یہاں آنے کے لئے کوئی عام راستہ نہیں تھا۔ عام سواری بھی نہیں ملتی تھی، بس جن کے پاس اپنی سواریاں تھیں، وہی اِدھر کا رُخ کرتے تھے۔

چھ گاڑیاں دوزہ کے کنارے آ کر رُکی تھیں۔ ان میں سے چار گاڑیوں میں فاروق حسن خان کے اہل خاندان تھے، دو میں نوکر اور پکنک کے دوسرے لوازمات بھرے ہوئے تھے۔ ملازموں کو قیام کے لئے جگہ بتا دی گئی اور وہ جلدی جلدی نفیس قسم کی چھولداریاں نصب کرنے لگے۔ لڑکے اور لڑکیاں بکھر گئے تھے۔ ان نوجوانوں کی تفریح میں بوڑھے یا معمر لوگوں نے کوئی دخل نہیں دیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ سب کے سب آپس میں قریبی عزیز تھے۔ بزرگوں کو سب پر اعتماد تھا، چنانچہ کسی قسم کی اُلجھن کی بات نہیں تھی۔

شہروز کا سلسلہ بھی عجیب تھا۔ نوجوان لڑکیوں میں سے تقریباً تمام ہی لڑکیاں اس کے لئے اپنے دل میں چور رکھتی تھیں۔ یہ بات کوٹھی ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ شہروز کی جاذبِ نگاہ شخصیت باہر کی دُنیا میں بھی ہلچل مچائے ہوئے تھی اور اس سلسلے میں اکثر دلچسپ واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ لیکن بدنصیب انسان زندگی کی ان نعمتوں سے محروم تھے اور اسی محرومی نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ کسی دلچسپی میں حصہ لے۔ نہ جانے کس طرح وہ اس بار اس پکنک پر آنے کے لئے تیار ہو گیا تھا......؟ اور اس وقت وہ بھی ایک گاڑی میں اپنے عزیزوں کے ساتھ آیا تھا۔

خاموش اور سنجیدہ شہروز اس وقت ہلکے سرمئی رنگ کے شلوار قمیص میں ملبوس اتنا خوب صورت اور پُر وقار نظر آ رہا تھا کہ نہ دیکھنے والی نگاہیں بھی اس کو بار بار دیکھنے پر مجبور تھیں۔ سارہ کی مشرق پسندی تو اس وقت کچھ اور نمایاں ہو گئی

تھی۔ حالانکہ وہ اس گاڑی میں نہیں آئی تھی جس میں شہروز نے یہاں تک کا سفر کیا تھا، لیکن اپنی گاڑی سے اُترتے ہی اس نے شہروز کو دیکھا اور پھر اس کا جی چاہا کہ کسی الگ گوشے میں وہ خاموش اور تنہا کھڑے ہو کر اس مشرقی مجسمے کو دیکھتی رہے۔

نوجوان اپنی اپنی دلچسپیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ آج خاص طور سے ان کی دلچسپیوں کا مرکز علی اور روکی تھے۔ یہ دونوں آج اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے یہاں آئے تھے اور ان دونوں کو ڈوئل پر آمادہ کرنے والا تابش تھا۔ یوں تو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شرارت اور حرکتوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، لیکن تابش ان سب کا اُستاد تھا۔ وہ بہت تیز و طرار نوجوان تھا۔ ویسے وہ دل کا بہت اچھا تھا۔ شہروز پر یہ سب بری طرح جان چھڑکتے تھے۔ حالانکہ شہروز ان سب سے اتنا بے تکلف نہیں تھا، لیکن مجال ہے کہ شہروز کے خلاف ذرا سی بات بھی مان لی جائے۔

وہ سب اس کی عزت کرتے تھے اور اس کے الگ تھلگ رہنے کے باوجود دیوانہ وار اس کی عزت کرتے تھے۔ اس کا احساس شہروز کو بھی تھا۔ وہ اپنی فطرت کی ایک مخصوص کمزوری کی بناء پر ان لوگوں سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کے دل میں ان سب کے لئے چاہت تھی جس کا اظہار کبھی کبھی ڈھکے چھپے انداز میں ہو جاتا تھا۔

چھولداریاں نصب ہو گئیں، سامان رکھ دیا گیا اور سب نوجوان جوڑے آزاد ہو گئے۔ سب اپنی اپنی تفریحات میں گم تھے، سب اپنا اپنا سامان سنبھال رہے تھے۔ تابش ایک جگہ کھڑا علی سے باتیں کر رہا تھا۔ روکی کو دوسرا گروہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ویسے روکی اپنی دِلربا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی گٹار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا اور وہ باتیں کرتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق بار بار گٹار کے تاروں کو چھیڑ دیتا تھا۔ شہروز ان کے ساتھ آ تو گیا تھا لیکن پھر اس کی وہی تنہائی پسندی عود کر آئی اور وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جھیل کے ایک گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ جھیل کا ایک پُرسکون گوشہ تھا ویسے اس کے اطراف نہایت حسین تھے جنہیں دیکھتے ہوئے دل نہیں بھرتا تھا اور جس گوشے کا انتخاب شہروز نے کیا تھا، وہ انتہائی حسین تھا۔ چنانچہ اس جگہ پہنچ کر وہ ایک گھنے درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھ گیا اور خلاؤں میں گھورنے لگا۔ بعض اوقات اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ وہ مختلف کیفیات کا مجموعہ تھا۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں بے پناہ شرارت اُبھر آتی اور وہ معصوم بچوں کی طرح شرارتیں کرتا پھرتا۔ اس وقت اس کی شرارتیں بے ضرر ہوتی تھیں۔

دوسری طرف کبھی کبھی اس پر اپنی فطرت سے اُلجھن پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اپنی شخصیت کا تعین نہ پا کر خوفناک اور اذیت پسند بن جاتا تھا۔ اذیت پسندی بھی اور اذیت رساں بھی۔ ایک تیسری شخصیت بھی تھی اس کی، جس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہو چکا تھا، یعنی عالیہ شاہ اور کئی خطرناک انسانوں کو جو اس کے مقابل آئے تھے۔ اس طرح وہ انوکھی شخصیات کا مجموعہ تھا۔ خود اس نے کبھی اپنی ذات کے بارے میں کوئی تعین نہیں کیا تھا کہ وہ کیا ہے......؟ اور اس تعین نہ کرنے کی وجہ سے وہ اکثر جھنجلاہٹ کا شکار رہتا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اسے سکون ملتا تھا، لیکن کبھی کبھی یہ تنہائی اسے اتنی خوفناک لگتی کہ وہ خودکشی کرنے پر غور کرنے لگتا تھا۔ اس وقت اس پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر اسے بڑا سکون مل رہا تھا۔ ذہن میں عجیب و غریب خیالات رقص کر رہے تھے کہ دفعتہ اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس نے چونک کر

گردن گھمائی۔

سارہ تھی، شگفتہ اور شاداب، اس کا چہرہ کسی ایسے مشرقی چہرے کا عکس پیش کرتا تھا جو انوکھی رنگتوں کا حامل ہو، جس کے خدوخال میں حسن کائنات جھلک رہا ہو، قد و قامت جسمانی موزونیت اور حسن کے اس مجسمہ کو سارہ کا نام دے کر صحیح معنوں میں خوش ذوقی کا ثبوت دیا گیا تھا۔ شہروز کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یوں لگا جیسے سیپ کا منہ کھل گیا ہو اور آبدار موتی جھانکنے لگے ہوں۔ شہروز وارفتگی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات اُبھر آئے تھے اور اس کی آنکھیں سارہ کے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔ سارہ کو احساس ہو گیا اور وہ کسی قدر شرما گئی اور اس کی آنکھیں جھک سی گئیں، لیکن شہروز کی نگاہیں اس پر سے نہ ہٹیں، وہ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔

"آپ......آپ یہاں کیوں آ گئے......؟"

"ایں......؟"

شہروز چونک پڑا۔

"ہاں......بس......"

"میں آپ کو دیکھ رہی تھی، آپ......آپ اس طرف چلے آئے۔"

سارہ کسی قدر گھبرا سی گئی تھی، اسے گفتگو کرنے کے لئے صحیح الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ شہروز خود ہی سنبھل گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو آپ بھی یہاں چلی آئیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں......! وہ......وہ......میں بس آپ ہی کو دیکھتی ہوئی یہاں نکل آئی۔"

"کیوں......؟"

شہرورز نے سوال کیا اور سارہ کے انداز میں ایک لمحے کے لئے پھر گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر وہ سنبھل کر مسکرا دی۔

"یہ "کیوں" اور "کیا" لگا رکھی ہے آپ نے......؟ ظاہر ہے، میرے لئے آپ سے زیادہ ان لوگوں میں اور کون ہو سکتا ہے......؟"

"اوہ......! میرے اندر کوئی خاص بات ہے کیا......؟"

شہروز نے سوال کیا۔

"ہاں......!"

"کیا......؟"

"آپ میرے بالکل اپنے ہیں ناں اور یہ لوگ، یہ سب لوگ، بہرصورت آپ کے بعد شروع ہوئے

ہیں۔''

سارہ نے کہا اور شہروز ہنس پڑا۔

''کون کہاں سے شروع ہوتا ہے......؟ اس کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے......؟ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں ختم ہوتا ہے......؟ بہر حال آپ تشریف لائی ہیں، آپ کا شکریہ......! آیئے بیٹھئے......!''

اور سارہ اس کے قریب بے تکلفی سے بیٹھ گئی، لیکن اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''شہروز صاحب......! آپ کبھی ملک سے باہر نہیں گئے کیا......؟''

''نہیں......!''

''کیوں......؟''

''بس......! اس کا موقع ہی نہیں ملا۔''

''افریقہ یوں تو زیادہ خوب صورت جگہ نہیں ہے، لیکن ایڈونچر پسند لوگ ان علاقوں کو پسند کرتے ہیں۔ میں بھی کبھی کبھی اپنے ڈیڈی کے ساتھ شکار کھیلنے مختلف علاقوں میں گئی ہوں لیکن مجھے بڑا ڈر لگا۔ دراصل ڈیڈی ایسے مواقعوں پر اپنے آپ میں گم رہتے ہیں۔''

وہ کہہ رہی تھی اور شہروز اس کی طرف دیکھے بغیر اسے سنے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''وہ ان تمام خطرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ بس میں اسی بات سے ڈرتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ...... کوئی...... میرا مطلب ہے...... میرا مطلب ہے۔''

''ہاں......! کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

شہروز نے سوال کیا۔

''آپ وہاں آیئے ناں......!''

''کہاں......؟''

''افریقہ......!''

''بہتر ہے، کبھی حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابھی آپ افریقہ جا رہی ہیں کیا......؟''

''کیوں......؟''

''بس......! میرا خیال ہے کہ یہ مشکل ہے۔''

شہروز نے جواب دیا۔

''کیا مطلب......؟ میں سمجھی نہیں۔''

''بھئی......! مطلب یہ ہے کہ اب آپ لوگوں کو یہاں سے جانے کون دے گا......؟ اور میرا خیال ہے کہ

اب خود چچا احتشام کے دل میں بھی یہاں سے جانے کا کوئی خیال نہیں ہے۔ وہ یقیناً اب مستقل قیام یہیں کریں گے۔ البتہ کاروبار افریقہ سے رکھیں گے۔''

شہروز نے کہا۔

''اوہ......! یہ ساری باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں......؟''

''بس......! معلوم ہو گئیں، کسی نہ کسی طرح، کچھ ڈیڈی نے بتائیں اور کچھ ہم نے اپنے طور پر معلوم کیں۔''

''آپ نے......؟''

''ہاں ہاں......! کیوں......؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے......؟''

شہروز نے پوچھا۔

''بس......! میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ گھر والوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ بہت سی باتیں میرے ذہن میں آپ کے بارے میں پیدا ہوئی ہیں۔''

''مثلاً......؟''

شہروز نے سوال کیا۔

''مثلاً یہ کہ جب ہم لوگ آئے تھے، اس کے بعد دو تین دن تک تو آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ آئے اور اس طرح گھر میں آئے جس طرح آپ وہاں اجنبی ہوں۔''

''نہیں سارہ......! ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس کچھ فطرت ہی ایسی ہے، فطرت کی ان خامیوں کو میں خود بھی بری طرح محسوس کرتا ہوں، لیکن یہ بدنصیبی ہے میری کہ ان کو دُور نہیں کر سکتا۔''

شہروز نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے ارے......! تو اس میں سنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے......؟ اور پھر ایسے پُرفضاء مقام پر، ہم لوگ سنجیدہ کیوں ہوں......؟''

سارہ نے کہا اور شہروز کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگی۔ شہروز بھی مسکرانے لگا تھا۔

''آیئے......! جھیل کی طرف چلیں۔ اس سنسان گوشے میں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ ہے......؟''

سارہ نے کہا اور شہروز اس کی فرمائش پر اُٹھ گیا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک پتھر پر آ بیٹھے جو جھیل کے کنارے پڑا ہوا تھا۔ درختوں کے چند جھنڈ ان پر آڑ کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف کے لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ نہ جانے ادھر کیا کیا ہنگامے ہو رہے تھے......؟ سارہ نے ایک کنکری اُٹھائی اور جھیل کی ساکت سطح پر پھینک دی۔ گول گول دائرے جھیل کی سطح پر رقص کرنے لگے اور شہروز کی آنکھوں میں عجیب سی حسرت اُبھر آئی۔ وہ ان دائروں کو دیکھ رہا تھا اور سارہ اس کے چہرے کو، نہ جانے سارہ کو اس کے چہرے سے کیسی کیسی کیفیات کا اندازہ ہو رہا تھا......؟ اس نے شہروز کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیابات ہے......؟ آپ بیٹھے بیٹھے کھو سے کیوں جاتے ہیں......؟''

''نہیں نہیں......! کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں دیکھ رہا تھا کہ جھیل کی ساکن سطح پر ننھی سی کنکری نے کس قدر ہلچل مچادی ہے۔''

شہروز نے معنی خیز لہجے میں کہا اور سارہ کی آنکھوں میں شرم کے آثار نمودار ہوگئے۔ نہ جانے وہ ان الفاظ کو کیا سمجھی تھی......؟

☆......☆......☆

تفریحات کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن آج کی سب سے بڑی تفریح علی عالم پناہ اور روکی کے درمیان ڈوئل کی تھی اور اسی کے لئے یہ سارا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے، حویلی میں یہ سب کچھ ممکن نہ ہوتا۔ بزرگوں کی مداخلت کا خطرہ تھا، چنانچہ ضروری تیاریوں سے فارغ ہونے کے بعد تابش نے ان دونوں کو اُکسانا شروع کردیا۔

''ہاں......! تو پھر آغاز کیا جائے......؟ اور فیصلہ ہوجائے کہ سارہ کا اصل حقدار کون ہے......؟''

اس نے کہا اور علی عالم پناہ تن کر کھڑے ہوگئے۔

''میں اور صرف میں......!''

انہوں نے سینہ تان کر کہا، لیکن دوسرے لمحے روکی کی گردن میں پڑے ہوئے گٹار کے تاروں کی ٹنٹناہٹ گونج اُٹھی۔

''ناممکن......! یہ میری زندگی میں ناممکن ہے۔''

''ٹھیک ہے......! تو پھر میں تمہاری زندگی کو ناممکن بنائے دیتا ہوں۔''

علی گرج کر بولا۔

''منظور ہے، منظور ہے......! فیصلہ ہوجانا چاہئے۔''

روکی نے غصے سے کہا۔ اس کی آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ ہورہی تھیں۔ اسی دوران کسی نے سارہ کے بارے میں سوال کردیا۔

''ارے......! یہ سارہ کہاں گئی......؟''

''ابھی اس طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے میں نے۔''

کسی نے جواب دیا۔

''چلو اچھا ہے، وہ نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس ڈوئل کا فیصلہ اس کی غیر موجودگی میں ہو۔ اگر وہ موجود ہوئی تو اسے کبھی پسند نہیں کرے گی۔''

کسی اور نے کہا۔ ویسے ان لوگوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ سارہ اور شہروز کسی طرف نکل گئے ہیں اور ان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹیں بھی پھیل گئی تھیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان یہ چہ میگوئیاں پھیل گئی تھیں کہ سارہ، شہروز

بھائی کی طرف مائل ہے اور شہروز بھائی بھی سارہ کو ناپسند نہیں کرتے، جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ تھا کہ وہ ان دنوں کوٹھی پر موجود تھے اور یہاں پکنک منانے بھی آگئے تھے۔ پکنک منانے کا مقصد یہ تھا کہ شہروز نے زندگی میں دلچسپی لینا شروع کر دی ہے اور شاید اب اس کی کیفیت بدل جائے۔ اس لئے اس مسئلے کو زیادہ ہوا نہ دی گئی۔ تابش نے دونوں لڑاکوں کو تیاریاں کرنے کا حکم دیا اور علی عالم پناہ تیزی سے اُٹھ کر درختوں کے ایک جھنڈ کی جانب چل پڑے۔

''ٹھیک ہے......! میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔''

''اور میں بھی......!''

روکی نے کہا۔ وہ بھی درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے پہنچ گیا، لیکن جھنڈ کے پیچھے پہنچ کر شاید اس کی عقل نے اس کے دماغ کو ٹھوکا دیا۔ علی کے مقابلے پر آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور یہ احساس کر کے کہ اب علی سے کشتی لڑنا پڑے گی، اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ پریشانی سے گٹار کے تاروں پر بے آواز اُنگلیاں پھرتے ہوئے سوچ رہا تھا، پھر ایک ہی ترکیب ذہن میں آئی اور پھر اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ دوسری جانب نوجوان بے چینی سے ان دونوں کی کشتی کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد علی عالم پناہ درختوں کے پیچھے سے برآمد ہوئے تو دیکھنے والوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

وہ سرخ رنگ کی ایک لنگوٹی باندھے ہوئے تھے، باقی بدن برہنہ تھا۔ وہ پہلوانوں کی طرح اُچھلتے کودتے آرہے تھے اور درحقیقت ان کی جسامت پہلوانوں سے ملتی تھی۔ لباس سے بے نیاز ان کا بدن خاصا کسرتی اور سڈول تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے واقعی وہ پہلوانی کرتے رہے ہوں۔ وہ اس وقت پوری طرح چاق و چوبند تھے اور گردن کو اِدھر اُدھر پٹخ رہے تھے اور سخت غصے کے عالم میں تھے۔

''کہاں گیا وہ بزدل چوہا......؟ ابھی تک نہیں آیا......؟ اسے نہیں معلوم کہ آج اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے......؟ ہوں......! سارہ کا مقدر......؟ ناممکن......! بخدا......! ناممکن......! وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے......میرا مطلب ہے، میں نے......''

لیکن ان کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی گئی تھی۔

''شعر نہیں ہوگا اس وقت عالم پناہ......! ورنہ کشتی کا سارا موڈ کرکرا ہوجائے گا۔''

تابش نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ عالم پناہ اپنی جگہ اُچھلتے رہے۔

''بلاؤ، اسے بلاؤ......! آواز دو......! جلدی کرو ورنہ میرا غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''ارے بھئی......! ارقم الدین روکی صاحب......! کہاں چلے گئے آپ......؟ جلدی آیئے......! ورنہ آپ کا نام مقابلے سے خارج بھی ہوسکتا ہے۔''

دوسرے لمحے گٹار کے تاروں کی ٹنٹناہٹ سنائی دی اور روکی صاحب درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے نکل آئے تھے۔ گٹار بہت تیزی سے بج رہا تھا۔ کوئی نغمہ نہیں تھا، بس بے تکی آوازیں تھیں۔ انہوں نے لباس وغیرہ بھی جوں کا

تو پہنا ہوا تھا۔ سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے، لیکن سب خاموش تھے۔ روکی ان لوگوں کے اور نزدیک آ گیا۔ پھر گٹار کے تاروں سے دُھنیں نکلنے لگیں اور روکی کے ہونٹوں پر ایک نغمہ پھوٹنے لگا۔

''صبح کی مانند
شام کی سیاہیوں میں ڈوبی ہوئی
ماہتاب کی وہ کرن
جو نہ جانے کب میرے سینے میں اُتری
اور......اور......''

''ابے او ماہتاب کے بچے......! کیا فضول باتیں شروع کر رکھی ہیں......؟ گٹار اُتار اور فیصلہ کر لے۔''

عالم پناہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ہو جائے، ہو جائے۔''

روکی نے جھومتے ہوئے کہا اور لہرا کر ایک دائرہ بنایا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

''اور جب ماہتاب کی وہ کرن......''

''ارے......! میں کہتا ہوں، کیا بکواس ہے......؟ ابے......! گٹار رکھ دے۔''

عالم پناہ کا غصہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔

''واہ......! کیوں رکھ دوں......؟ تم میرے گٹار سے خوفزدہ کیوں ہو......؟''

روکی بولا۔

''ابے......! تو ڈوئل لڑنے آیا ہے یا گانا گانے......؟''

عالم پناہ نے پوچھا۔

''اوہ......! میری کشتی ایسے ہی ہوگی۔''

''کیا مطلب......؟''

تابش کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں......! میں سُر کی مار ماروں گا، سُر کی۔ کیا سمجھتا ہے یہ عالم پناہ خود کو......؟ ارے......! ذرا ایک آواز ہی نکال لے سُر میں، بے سُرا کہیں کا......؟ گلا یوں لگتا ہے جیسے پھٹا ہوا بانس ہو۔''

''بب......بکواس مت کر، تو مجھے سُر کی مار مارے گا، میں تجھے جوتوں کی مار ماروں گا۔''

''توبہ کرو توبہ......! عالم پناہ......! ایک مہذب آدمی ہو کر دھینگا مُشتی کی بات کرتے ہو۔ لڑو پر تہذیب سے لڑو۔ ذرا ہو جائے، میں تمہیں ایک اسپینش نغمہ سناؤں گا، تم مجھے اس نغمے کے جواب میں کچھ گا کے سنا دینا۔''

''گانے کی ایسی تیسی......! تو مجھ سے کشتی لڑنے آیا ہے یا گانا گانے......؟''

''دیکھو دوست......! ہر انسان کا اپنا مطمع نظر ہوتا ہے۔ میں لڑائی بھڑائی سے دُور کا آدمی ہوں، بس یوں

سمجھو کہ میری اور تمہاری جنگ یہی ہوگی۔ چلو آؤ، سُروں کی مار مارتے ہیں ایک دوسرے کو۔ ہاں......! تو پھر ہو جائے......؟ تو میں کہہ رہا تھا کہ ماہتاب کی وہ کرن......''

''ماہتاب کے بچے......! میں تیری ڈاڑھی اُکھاڑ دوں گا۔''

عالم پناہ، روکی کی جانب دوڑے اور روکی لہرا کر ایک جانب ہو گیا۔ عالم پناہ اپنی ترنگ میں دوڑے گئے تھے۔ انہیں اس وار کے خالی جانے کا بہت غصہ تھا۔ چنانچہ وہ پھر پلٹے اور روکی پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ لیکن روکی ان کا وار خالی دے کر گٹار بجا رہا تھا۔ سب دیکھنے والوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

''سُر کی جنگ لڑوں گا سُر کی، لڑنا ہے تو لڑ لو، ورنہ یہ دھینگا مُشتی اپنے بس کی بات نہیں ہے۔''

روکی، عالم پناہ کے وار سے بچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں تجھے تیرے سُروں سمیت جہنم رسید کر دوں گا۔ ورنہ توبہ کر میرے سامنے، کان پکڑ اور وعدہ کر کہ تو آئندہ سارہ کا نام اپنے ناپاک منہ سے نہیں لے گا۔''

''سارہ......!''

روکی نے پھر گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرا۔

''سارہ میری زندگی، میری روح، میری آرزوؤں کا پہلا کنول۔''

روکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور وہ عالم پناہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس بار وہ پوری قوت مجتمع کر کے روکی کی طرف دوڑے تھے، اور روکی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب مشکل ہی سے جان بچے گی۔ چنانچہ اس نے بڑی تیزی سے ایک جانب چھلانگ لگائی۔ عالم پناہ دونوں ہاتھ پھیلائے اس کے پیچھے دوڑے چلے آئے تھے اور روکی بے تحاشہ دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا، وہ رُکتا اور گٹار کے تاروں پر اُنگلی پھیر کر کوئی بات کہتا اور آگے چھلانگ لگا دیتا۔ دیکھنے والے اپنی جگہ کھڑے ہوئے تھے اور ان کی یہ دلچسپ کشتی دیکھ رہے تھے۔

''بلاشبہ یہ روکی بہت بدمعاش ہے، درختوں کے پیچھے جا کر اسے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ جذبات میں آ کر ایک غلط بات کہہ بیٹھا ہے، مگر اب اسے کافی مشکل پیش آ رہی ہے۔''

''مگر اب ہوگا کیا......؟''

''دیکھو، کیا ہوتا ہے......؟ ویسے مجھے یقین ہے کہ عالم پناہ اسے پکڑ لائے گا۔''

تابش نے جواب دیا اور وہ سب انتظار کرتے رہے۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے بہت دُور نکل گئے تھے۔ پھر وہ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے غائب ہو گئے۔

☆......☆......☆

جب نوجوان نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو روکی ایک لمحے کے لئے رُکا۔

''سنو علی......! میری بات سنو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں اس ملک میں آ کر......؟ میں جانتا ہوں، میں جانتا

ہوں یہاں کی آب و ہوا ہی ایسی ہے۔ پسماندہ ملک اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ وہاں نہ جاؤ، وہاں ہماری صلاحیتیں کند ہو جائیں گی اور دیکھا، یہی ہوا ناں......!''

''صلاحیتوں کے بچے......! تو نے مجھے چیلنج کیا تھا، اب لڑ تو کشتی مجھ سے۔''

''علی......! تم جانتے ہو کہ میں جسمانی طور پر تمہارا مقابل نہیں ہوں۔ کشتی ہی لڑنی ہے تو آؤ سُروں میں لڑتے ہیں۔ ایک گیت تم گاؤ، دوسرا میں گاتا ہوں۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔''

''تم بیٹھ جاؤ۔''

علی سنجیدہ ہو کر بولا۔

''بیٹھ جاؤں تاکہ جونہی میں بیٹھوں، تم مجھ پر آ پڑو اور میری ہڈیاں پسلیاں پیس کر رکھ دو، اور دلربا تو بھی مجھے خونی بھیڑیئے سے نہیں بچا سکتی۔''

''میں بھیڑیا ہوں......؟ ہیں......؟''

علی نے اس پر چھلانگ لگا دی اور روکی اُچھل کر بھاگا۔ اس بار دوڑتے ہوئے وہ درختوں کے کنج کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ دفعتہً روکی نے کچھ دیکھا اور ساکت ہو گیا۔ اتنی دیر میں علی، عالم پناہ کو موقع مل گیا اور دوسرے لمحے وہ روکی کے پیچھے پہنچ گئے اور انہوں نے اپنے چوڑے ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی۔

''اب بول بیٹا......!''

''خاموش......! دیکھو، کیا ہو رہا ہے......؟ لڑتے رہو مجھ سے، لڑتے رہو، اور وہاں سب کچھ ختم ہو جائے، سب کچھ ختم ہو جائے۔ اس دن بھی میں نے یہی کہا تھا تم سے، اور اس دن بھی تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔ ذرا دیکھو تو اس طرف۔''

علی، عالم پناہ نے چونک کر روکی کے اشارے کی طرف دیکھا۔ شہروز اور سارہ جھیل کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ عالم پناہ کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ انہوں نے روکی کی گردن چھوڑ دی تھی۔

''روکی......! روکی......! یہ وہی نوجوان ہے ناں......؟''

''ہاں......! شہروز، نواب فاروق حسن خان کا بیٹا۔''

''ہونہہ......! وہ کسی کا نواب کا بیٹا ہے تو ہم کیا کسی سے کم ہیں......؟ مگر یہ کیا ہو رہا ہے......؟ اب کیا کرنا چاہئے......؟''

''کرنا کیا چاہئے......؟ مجھ سے کشتی لڑو، مار کر پھینک دو مجھے اس جھیل میں اور اس کے بعد خود بھی فنا ہو جاؤ۔ پھر یوں ہو کہ سارہ یہیں رہ جائے اور ہماری لاشیں افریقہ پہنچ جائیں۔''

''ناممکن ہے یہ، ہرگز ناممکن ہے۔ میری زندگی میں یہ قطعی ناممکن ہے۔''

عالم پناہ غرا کر بولے۔

''تو پھر کچھ کرو، آپس کا جھگڑا تو ہم کسی وقت بھی طے کر لیں گے۔ پہلے اس جھگڑے کو ختم کرو۔''

''ہوں......!''

عالم پناہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئے۔ روکی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں خاموشی سے ان دونوں کے عقب میں پہنچ گئے۔

☆......☆......☆

شہروز اور سارہ جھیل کی پُرسکون لہروں میں کھوئے ہوئے تھے۔ انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کوئی ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ دفعتہً روکی نے پیچھے سے گٹار پر ہاتھ مارا اور وہ دونوں اُچھل پڑے۔ سارہ نے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور اس کا منہ نفرت سے سکڑ گیا۔ شہروز نے بھی چونک کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ پھر عالم پناہ کو دیکھ کر اس نے مسخرے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

''ارے ارے......! یہ آپ کے کپڑے کہاں گئے علی صاحب......؟''

''علی صاحب کی ایسی تیسی......! یہاں کیا ہو رہا ہے......؟''

عالم پناہ نے غصیلے انداز میں کہا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں......؟''

''کچھ بھی نہیں......!''

''یہ......یہ سارہ یہاں کیوں ہے......؟''

''آپ سے مطلب......؟''

سارہ غرائی۔

''مطلب......؟ ہماری زندگی کو روگ لگانے کے بعد آپ ہم سے مطلب پوچھ رہی ہیں مس سارہ......؟''

''علی......! تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ایسی بدتمیزی مت کیا کرو۔ تمہیں اس بدتمیزی کا حق کس نے دیا ہے......؟ اور کیا یہ مناسب بات ہے کہ تم بے لباس میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو......؟''

''ہاں......! میں جیسا بھی ہوں، اپنی جگہ ٹھیک ہوں۔ اس وقت میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔ پہلے مجھے فیصلہ لینا ہے تمہارے بارے میں، اس کے بعد میں سوچوں گا کہ تہذیب کیا کہتی ہے......؟''

عالم پناہ نے غصے کے عالم میں کہا۔ اس کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔ شہروز، سارہ کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھ آیا۔ پیچھے ہٹانے کے سلسلے میں اس نے سارہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس پر عالم پناہ پھر چیخ پڑے۔

''اے اے......! پیچھے ہٹ کے، پیچھے ہٹ کے۔''

''ہاں علی صاحب......! کبھی کبھی حد سے بڑھ جانے کو جی چاہتا ہے۔''

شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا اور روکی نے پھر زور سے گٹار کے تاروں پر ہاتھ مارا۔

''حد سے زیادہ بڑھ جانے والے۔''

اس نے بدستور گٹار بجاتے ہوئے کہا۔

''کبھی کبھی ٹھوکر کھاتے ہیں، آسمان کی وسعتوں میں، زمین کی گہرائیوں میں، ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتے ہیں۔''

''ابے......! چپ کر۔''

علی نے اس کے سر پر ہاتھ مارا اور روکی دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا۔

''یہ کوئی گانے بجانے کی محفل نہیں ہے۔ خاموش ہو جا۔ مجھے ان صاحب سے بات کرنے دے۔ دیکھ نہیں رہا، معاملہ کتنا سیریس ہے۔ ہاں تو صاحب......! آپ کا نام کیا ہے......؟''

''خادم کو شہروز کہا جاتا ہے۔''

شہروز نے گردن جھکا کر ادب سے کہا۔

''مسٹر شہروز......! سارہ کا مسئلہ طویل عرصے سے ہم دونوں کے درمیان چل رہا ہے۔ ہم دونوں آپس میں گہرے دوست ہیں، لیکن سارہ کے مسئلے میں ایک دوسرے کے گہرے دُشمن ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ سارہ کے مسئلے میں ہم کسی تیسرے دُشمن کا اضافہ قطعی برداشت نہیں کر سکتے۔''

''اوہو......! مس سارہ......! کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ......؟''

''پاگل ہیں، بالکل گاؤدی ہیں۔ ڈیڈی نے ہی ان دونوں کو منہ لگا رکھا ہے، ورنہ میں تو ایک منٹ کے لئے بھی ان دونوں کو اپنی کوٹھی میں برداشت نہیں کر سکتی۔''

''ناممکن......! غلط، بالکل غلط......! نواب فاروق حسن خان نے ہمیں آج تک گلے نہیں لگایا۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے منہ سے خوشبو آتی ہے یا بدبو......؟''

روکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''دیکھ رہے ہیں آپ......! یہ دونوں اس کوٹھی میں رہتے ہیں۔ آپ یقین کریں، ان کی وجہ سے ہماری کوٹھی کا سارا ماحول خراب ہو کر رہ گیا ہے۔''

سارہ نے شہروز کی طرف رُخ کر کے کہا۔

''نہیں......! یہ تو دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں اور یہ علی صاحب تو پورے پہلوان ہیں۔ کیوں پہلوان جی......؟ مگر آپ نے یہ لباس کیوں اُتار ڈالا علی صاحب......؟''

شہروز نے پوچھا۔

''روکی کی مرمت کرنے کے لئے۔''

''کیوں......؟ اس بیچارے نے کیا کیا ہے......؟''

''کیا کیا ہے......؟ اس کا یہ قصور کم ہے کہ یہ سارہ سے عشق کرتا ہے......؟''

''اوہو......! واقعی......؟ لیکن کیا آپ سارہ کو بہن کی مانند چاہتے ہیں......؟''

''بکواس مت کرو، بکواس مت کرو، میں بھی...... میں بھی تو......''

علی صاحب نے شرمانے کی ناکام کوشش کی، لیکن پھر انہیں اپنے غصے کا خیال آ گیا اور تن کر کھڑے ہو گئے۔

''مگر تم ہم دونوں کے درمیان کیوں کود پڑے ہو......؟''

''ارے ارے......! میں کہاں کودا ہوں......؟ میں تو ایک کونے میں کھڑا ہوا ہوں۔''

''دیکھو مسٹر شہروز......! ہمیں معلوم ہے کہ تم نواب فاروق حسن خان کے بیٹے ہو۔ لیکن اس مسئلے میں ہم کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ سارہ کو وہی حاصل کر سکتا ہے جو ہم تینوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہو، اور میں......''

علی، عالم پناہ نے اپنا بازو آگے کر دیا۔ بلاشبہ اس کا بازو بہت توانا تھا اور اس کے بازو کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔ شہروز نے کہا اور پھر وہ سر ہلانے لگا۔

''واقعی......! آپ تو پورے پہلوان ہیں، لیکن پھر روکی اور آپ کی کشتی کا کیا ہوا......؟''

''بس......! بھاگ گیا۔ یہ کہنے لگا، سُر کی جنگ کروں گا۔ اب بتاؤ بھلا، میں کیا ٹنٹی بجاؤں گا......؟ میں تو اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''تو تمہیں ہاتھ لگانے کو کون کہہ رہا ہے......؟ ہاتھ لگا کر دیکھو تو ذرا......!''

''میں کہتا ہوں روکی......! بکواس بند کرو۔ تم موقع نہیں دیکھ رہے۔ ہم تم آپس میں پھر جھگڑا کریں گے۔ پہلے اس شہروز کے بچے سے تو نمٹ لیا جائے۔''

''اوہو......! تو کیا آپ مجھ سے بھی لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں......؟''

شہروز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اگر سارہ کے سلسلے میں تم بھی سنجیدہ ہو تو پھر ہاں، اس کا فیصلہ جنگ سے ہی ہو گا۔''

''ٹھیک ہے......! تو پھر آ جایئے۔''

شہروز نے تمسخرانہ انداز میں قمیص کی آستین اونچی کرتے ہوئے کہا اور عالم پناہ کا چہرہ ہونق ہو گیا۔ پھر وہ غصے سے دھاڑے۔

''تو تم...... تو تم مجھ سے جنگ کرو گے......؟''

''ہاں......! کوشش کروں گا۔''

شہروز نے شرارت بھرے لہجے میں کہا اور سارہ ہنس پڑی۔

''شہروز صاحب......! آپ کس چکر میں پڑ رہے ہیں......؟''

''نہیں سارہ......! ذرا عالم پناہ کی طاقت کا عالم بھی دیکھ لیا جائے۔''

شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا اور عالم پناہ زمین پر کسی بھینسے کی طرح پاؤں مارنے لگے۔ وہ زمین پر کود رہے تھے، ان کی گردن مسلسل ہل رہی تھی اور دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ سارہ نے بے چین نگاہوں سے شہروز کو دیکھا

جو ایک سمت ہو گیا تھا اور اب اس کا رُخ عالم پناہ کی طرف تھا۔

"تو اب تم تیار ہو جاؤ۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔"

شہروز نے پوزیشن بنالی اور عالم پناہ پوری قوت سے شہروز کی جانب لپکے۔ شہروز اسی طرح کھڑا رہا، جیسے عالم پناہ کی ٹکر کو اپنے بدن پر روکے گا، لیکن جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچے، شہروز سامنے سے ہٹ گیا۔ شاید اس کا پروگرام اس نے پہلے ہی سے ترتیب دے دیا تھا۔ وہ جھیل کے بالکل کنارے پر کھڑا ہوا تھا اور عالم پناہ پوری قوت سے اس کی جانب آئے تھے۔ شہروز کے ہٹ جانے سے وہ سیدھے جھیل میں چلے گئے۔ کنارے پر زیادہ گہرائی نہیں تھی، لیکن پھسلوان کٹاؤ تھے یعنی جھیل کا پانی اس جگہ سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ نیچے تھا اور اس جگہ بہت پھسلن تھی۔ کنارے کو پکڑ کر اوپر آنا واقعی خاصا مشکل کام تھا۔ شاید عالم پناہ تیرنا بھی نہیں جانتے تھے۔ جھیل میں گرنے کے بعد ان کے حواس درست ہو گئے اور دوسرے لمحے ان کی آوازیں فضاء میں گونجنے لگیں۔

"ب...... بچاؤ......! بچاؤ......! پانی...... پ...... پانی......"

روکی دوڑتا ہوا ان کے نزدیک پہنچ گیا تھا، پھر دوسرے لمحے اس کا زوردار قہقہہ فضاء میں گونج اُٹھا۔

☆......☆......☆

"ایک بھینسا......!"

اس نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔

"اپنی طاقت کے زعم میں۔"

اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا لیکن اسی وقت علی کی آواز سنائی دی۔

"روکی......! روکی......! میرے دوست......! مجھے بچاؤ......! ہمارا تمہارا جھگڑا......"

پانی شاید علی، عالم پناہ کے منہ میں گھس گیا تھا۔

"جھگڑا......؟ ڈوئل تو ابھی ہوگی۔"

روکی نے گٹار کا ایک سرا پکڑ لیا اور دوسرا سرا دھپ سے عالم پناہ کے سر پر پڑا جو کنارے پر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر پانی میں جا پڑا۔

"نکلو بیٹے......! اب باہر نکلو، اور ہاں......! ذرا باباؤ سب ؤاور بتاؤ کہ تم نے میرا کیا حال کیا......؟"

روکی چیخنے چلانے لگا، وہ بری طرح چیخ رہا تھا، بری طرح چلا رہا تھا اور اس کی آوازیں دُور تک سنی جا سکتی تھیں۔ تابش وغیرہ جوان دونوں کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر خود بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑے تھے، چند ساعت کے بعد ان تک پہنچ گئے اور پھر وہاں کا منظر دیکھ کر ان کی ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

"یہ کیا ہوا......؟"

تابش نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"کشتی لڑ رہے تھے بیٹا جی مجھ سے۔ سُر کی مار ماری ہے۔ یقین کرو، سُر کی مار جوتے کی مار سے زیادہ بری ہوتی ہے۔"

روکی بدستور اُچھل اُچھل کر خوش ہو رہا تھا اور گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتا جا رہا تھا۔ سارہ اور شہروز بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے تھے۔ علی کی حالت بہت بری تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اسے تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ تابش نے اس صورتِ حال کو محسوس کیا اور پھر دو تین نوجوان تیراکی کا لباس پہن کر جھیل میں کود گئے۔ یہ تابش ہی کی ذہانت تھی کہ اس نے تیراکی کے لباس لے لئے تھے کہ ہو سکتا ہے کسی مشکل وقت میں اس کی ضرورت پیش آ جائے اور واقعی اس وقت ان کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ بمشکل تمام علی کو باہر نکالا گیا تھا۔ پانی اس کے حلق میں بھر چکا تھا اور اس سے بولا تک نہیں جا رہا تھا۔ اسے زمین پر لمبا لمبا لٹا دیا گیا۔ اب صورتِ حال بدل گئی۔ اب ڈوئل کا پروگرام ختم ہو گیا تھا اور بقول روکی کے یہ ڈوئل اس نے جیت لی تھی۔ شہروز یا سارہ نے اس بات کی تردید نہیں کی تھی کہ روکی نے علی کو اُٹھا کر پانی میں پھینکا ہے یا نہیں......؟ سب لوگ حیرت سے روکی کو دیکھنے لگے۔

"میں نے کہا ناں، یہ لوگ سُروں سے واقف نہیں ہیں۔ آئندہ علی میرے مسئلے میں ذرا ہوشیار رہے گا۔"

روکی بدستور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا اور وہ سب بے تحاشہ حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔

☆......☆......☆

پانچواں دن تھا۔ یہ پانچوں دن عالیہ شاہ نے جس عالم میں گزارے تھے، اس کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ بار بار اس بات پر غور کرنے لگی تھی کہ خودکشی ہی کر لے۔ یہاں موجود خونخوار لوگ چوہے بنے ہوئے تھے۔ ابتداء میں تو عالیہ شاہ کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان وہ محفوظ نہیں ہے۔ کسی بھی وقت وہ اس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ شکل و صورت سے ہی وہ خونخوار بھیڑیئے نظر آتے تھے۔ لیکن پھر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ گل زادی کی قید میں وہ بھیڑیوں سے بھیڑ بن گئے ہیں۔ ان کی حالت اتنی خراب کیوں تھی......؟ اس کی وجہ بھی عالیہ شاہ سمجھ چکی تھی۔ یہاں کا ماحول ہی ایسا خوفناک تھا۔ گل زادی اتنی سخت جسمانی اور ذہنی سزائیں دینے کا عادی تھا کہ انسان بے بس چوہے کی مانند ہو کر رہ جاتا تھا۔

اس دوران ان لوگوں نے اسے ایسے دل دہلا دینے والے واقعات سنائے تھے کہ وہ خوف سے کپکپا اُٹھی تھی۔ یہ سارے واقعات گل زادی کی زندگی سے متعلق تھے۔ عالیہ شاہ بعض اوقات یہ سوچنے لگتی تھی کہ ایک نواب کا بیٹا اتنا خونخوار اور خطرناک کیسے ہو گیا......؟ اس دوران اس نے بہت سی باتیں سوچی تھیں اور کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکی تھی۔ گل زادی سے وہ خوفزدہ ضرور ہو گئی تھی لیکن انتقام کی آگ اس کے دل میں اب بھی سلگ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر زندگی ملی تو اس شخص کو چھوڑے گی نہیں۔ البتہ اس بات کا اظہار اس نے کسی سے نہیں کیا تھا۔

اس دوران وہ لوگ بھی اس سے جب بھی باتیں کرتے، یہی کہتے کہ گل زادی کی اس قید سے اگر رہائی مل جائے تو اس کے بعد کوئی بھی کام اس کے خلاف کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ عالیہ شاہ نے ان سے بظاہر اتفاق کیا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ ان سے اتفاق نہ کر سکی تھی۔ چھٹے دن اس کا بلاوا آیا۔ شبو اور مینا ہی آئے تھے۔ ان دونوں کی صورتیں دیکھ کر عالیہ شاہ کو ہول چڑھنے لگتا تھا۔ ویسے بھی عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے، لیکن کس قدر خوفناک تھے، اس کا اندازہ عالیہ شاہ کو بخوبی ہو چکا تھا۔

''چل ری......! بلایا ہے تجھے۔''

مینا نے مٹکتے ہوئے کہا اور شبو تالیاں بجانے لگی۔

''کک...... کس نے بلایا ہے......؟''

''ارے......! اسی اللہ مارے گل زادی نے، چل ناں......! دیر ہوگئی تو ہماری بھی شامت آ جائے گی۔''

اور عالیہ شاہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر دوسرے لوگوں کی جانب دیکھا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔

''اگر ہماری بھی سفارش ہو جائے تو ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

عالیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے شبو اور مینا کے ساتھ باہر آ گئی۔ عالیہ شاہ کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کرے گی گل زادی سے......؟ بہرصورت تھوڑی دیر کے بعد مینا اور شبو اسے لے کر اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے جس کے اندر گل زادی موجود تھا۔

''جا، اندر چلی جا۔ اللہ بیلی......!''

شبو بولا اور عالیہ شاہ دھڑکتے ہوئے دل سے اندر داخل ہو گئی۔ اندر ایک بڑی سی میز کے پیچھے شہروز بیٹھا ہوا تھا۔ سفید لباس میں ملبوس، چہرے سے ایک خوش پوش اور پاکیزہ صورت نظر آنے والا یہ نوجوان ایسی عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا کہ عالیہ شاہ یا دوسرے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہرصورت وہ آدمی کے جامہ میں تھا۔ عالیہ شاہ کو دیکھ کر اس نے گردن ہلائی اور سامنے پڑی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ عالیہ شاہ کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیسی ہیں آپ......؟''

اس نے سرد لہجے میں پوچھا اور عالیہ شاہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

''میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تھا......؟''

''ہاں......! ٹھیک ہوں۔''

وہ آہستہ سے بولی۔

''آپ نے میرے خلاف سازش کی تھی عالیہ شاہ......!''

اس وقت شہروز کی شخصیت یکسر بدلی ہوئی تھی۔ عالیہ شاہ نے پھر اسے دیکھا اور اس سے آنکھیں ملتے ہی

نگاہیں جھکا لیں۔

''ہاں شہروز......! مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔''

''شہروز نہیں، میں گل زادی ہوں۔''

''ہاں گل زادی......! مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔''

عالیہ شاہ نے جواب دیا۔

''غلطی سہواً ہوئی ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا، جان بوجھ کر کیا۔ جبکہ میں آپ کو خبردار کر چکا تھا۔ عالیہ شاہ......! میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہی واقف ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن اپنے آپ کو آپ سے روشناس کرا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ سے جو کچھ میں کہوں، اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیجئے، کیونکہ ان لوگوں سے میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا جو میرے مقابلے کے لوگ نہیں ہوتے۔ آپ میری شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا چکی ہیں کہ میں کیا ہوں......؟ اور جو کچھ بھی ہوں، وہی ہوں، اور اس میں کوئی ملمع نہیں ہے۔ لیکن میری اس اُدھوری شخصیت کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے کہ میں ان دونوں صنفوں کو نیچا دکھا دوں جو مجھ سے مختلف ہیں۔ میں ہر عورت کو اپنے تلوے چاٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں اور ہر مرد کو اپنے سامنے سرنگوں۔ یہی میری زندگی کا مقصد ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے جب تک میں زندہ ہوں، کام کرتا رہوں گا۔ عالیہ شاہ......! میرے جیسے لوگوں کو دیکھ کر آنکھوں میں تمسخر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرے جیسوں کو بالکل بے مصرف سمجھا جاتا ہے اور میں اسی خیال کی تردید میں مصروف ہوں۔ چنانچہ یہ میرے اپنے موڈ کی بات ہے کہ میں جب چاہوں، جس طرح چاہوں اپنے آپ کو دُنیا کے سامنے پیش کر دوں۔ میرے بارے میں آپ کو بہت کچھ معلومات ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے کبھی خود کو کسی سے چھپانا پسند نہیں کیا۔ میں اپنی ذہانت کو بھی آزماتے رہنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مجھ سے واقف ہو جائیں اور میرے بارے میں منصوبے تیار کریں۔ اگر میں ان میں سے کسی کے منصوبے کا شکار ہو جاؤں تو مجھے بے حد مسرت ہوگی۔ کیونکہ میری زندگی ایک طرح سے بے مصرف ہے، اور اگر وہ لوگ میرے سامنے ناکام ہوئے تو تب بھی مجھے اتنی ہی مسرت ہوگی۔ کیونکہ میں اپنی نامکمل شخصیت کو ان پر حاوی پاؤں گا۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں......؟''

عالیہ شاہ نے بے اختیار گردن ہلا دی تھی۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں ادا ہو پا رہے تھے۔ وہ تو بس حیران، پریشان سی شہروز کو دیکھ رہی تھی۔ شہروز یا گل زادی نے پھر کہا۔

''آپ نے شاکا جیسے خطرناک آدمی کو میرے قتل پر معمور کیا۔ شاکا کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی تفصیل بتانا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ میں آپ کی تاک میں تھا اور میں آپ کو یہاں اُٹھا لایا۔''

''آپ کو میرے ہاتھ سے ایک بات پر شکست نصیب ہوئی ہے، لیکن میں ایک ایسے شخص کو اپنے راستے سے ہٹا دینے کا عادی نہیں ہوں جو مجھ سے قطعی دُشمنی رکھتا ہوں۔ جن لوگوں کے ساتھ آپ نے میری قید میں وقت گزارا ہے، ان لوگوں نے یقیناً آپ سے اپنا تعارف کرا دیا ہوگا۔ میں دو غلطیاں معاف کرتا ہوں، تیسری غلطی کو معاف کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ البتہ میں مقابل کو جنگ کی دعوت ضرور دیتا ہوں۔ چنانچہ ابھی آپ اس تیسری غلطی کی

صف میں نہیں آئی ہیں۔ میں آپ کو ان تمام لوگوں کے ساتھ آزاد کر رہا ہوں۔ جائیے اور میرے خلاف سازشیں کیجئے، جس طرح بھی بن پڑے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ مجھے قتل کر دیں ورنہ دوسری صورت میں آپ تمام لوگوں کو میری غلامی میں زندگی بسر کرنا ہوگی۔ آپ کو میرے اشاروں پر عمل کرنا ہوگا۔ عالیہ شاہ......! میں ان تمام لوگوں کو بھی آپ کے ساتھ چھوڑ رہا ہوں۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائیں اور میرے خلاف کوئی سازش تیار کریں۔ آج سے پانچویں روز میں گرین وڈ کے تفریحی مقام پر تنہا آپ تمام حضرات کو ملوں گا۔ اگر اس وقت تک آپ لوگ میرے خلاف کوئی مؤثر کارروائی کر سکے تو یہ آپ کی تقدیر ہوگی۔ لیکن اگر آپ میرے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کر سکے تو پھر آپ کو میری ایک اسکیم پر عمل کرنا ہوگا اور یہ اسکیم میں آپ کو اسی دن بتاؤں گا۔"

شہروز نے انتہائی سنجیدگی سے یہ ساری باتیں کی تھیں اور عالیہ شاہ اس دوران اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھرتی رہی تھی۔

"تو پھر آپ اس سلسلے میں کچھ اور تو کہنا نہیں چاہتیں......؟"

شہروز نے اسی سنجیدگی سے پوچھا۔

"گل زادی......! میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جو کچھ میں کر چکی ہوں، اس کا اعادہ اگر ممکن ہو تو......"

"نہیں عالیہ شاہ......! ابھی آپ اپنے آپ کو آزمائیے، میں تو آپ کو چانس دے رہا ہوں۔ اس چانس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیے۔ بس اب آپ جا سکتی ہیں۔"

شہروز نے گھنٹی بجائی اور شبو اور مینا اندر آ گئے۔

"ان سب کو باعزت طریقے سے باہر چھوڑ دیا جائے، لیکن انہیں اس عمارت کا اندازہ نہ ہونے پائے۔"

اس نے کہا اور شبو اور مینا نے گردن ہلا دی۔

"آؤ بیگم صاحب......!"

شبو اور مینا نے عالیہ شاہ سے کہا اور عالیہ شاہ نے تھکے تھکے انداز میں گردن ہلا دی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ اس کے ذہن میں شدید ہیجان تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ گل زادی نے اس سے اور کوئی بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ عالیہ شاہ خاموشی سے باہر نکل آئی اور دونوں اسے لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں وہ تمام لوگ موجود تھے جو اس عمارت میں عالیہ شاہ کے ساتھ قید تھے۔ وہ سب بھی حیران و پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے دُھواں دُھواں ہو رہے تھے۔ عالیہ شاہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں دیکھا۔ شبو اور مینا چلے گئے تھے۔

"تم لوگ...... تم لوگ......"

چند لمحات کے بعد عالیہ شاہ نے کہا۔

"ہمیں شاید آزادی دی جا رہی ہے۔"

"اوہ......! کیا گل زادی سے بات ہوئی تھی......؟"

"نہیں......! براہ راست نہیں، لیکن اس کا پیغام ملا ہے۔"

"کیا......؟"

عالیہ شاہ نے بے اختیار پوچھا۔

"عجیب پیغام ہے۔"

دوسرے نے کہا۔

"کیا ہے......؟ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

عالیہ شاہ نے سوال کیا۔

"اس نے پیغام دیا ہے کہ اتنے دن تک اس کی قید میں رہنے کے بعد اس کے خلاف ہمارے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہو گئی ہوگی۔ اس نفرت کو بڑھانے کے لئے اس نے ان لوگوں کو آج تک قید رکھا تھا، کیونکہ اسے مزہ ہی ان دشمنوں کے ساتھ آتا ہے جو اس سے بے پناہ نفرت کریں۔ چنانچہ اب وہ انہیں آزادی دے رہا ہے تاکہ وہ اس کے خلاف بہتر محاذ بنائیں۔ اس نے یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ ہم سب عالیہ شاہ کے ساتھ چلے جائیں اور سب مل کر اس کے خلاف کوئی ایسا جامع پروگرام بنائیں جس سے اس کی زندگی ناممکن ہو کر رہ جائے۔"

ایک شخص نے کہا اور عالیہ شاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ٹھیک ہے......! تو پھر تم نے کیا سوچا......؟"

"ارے......! کیا سوچیں گے......؟ بس اس کی خواہش ہے کہ ہم اس کے غلام بن کر زندگی گزاریں تو اب یہی سب کچھ کرنا پڑے گا۔"

"گویا تم لوگ ہمت ہار چکے ہو......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"اور تم......؟"

ایک بندے نے پھر کہا اور وہ سب عالیہ شاہ کی صورت دیکھنے لگے تھے۔ عالیہ شاہ عام حالات میں بہت جلد غصے میں آ جانے والوں میں سے تھی۔ بہرصورت چند ساعت خاموشی رہی، پھر وہی شخص بولا۔

"لیکن اب اس کا کیا پروگرام ہے......؟ سنا یہ ہے کہ وہ ہمیں اس عمارت سے نکل جانے کا موقع دے رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہے کہ ہم اپنے ہوش و حواس میں یہاں سے نہ جائیں، تاکہ اس عمارت کو نہ پہچان سکیں۔ اب اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا......؟"

لیکن اس کا جواب جلد ہی مل گیا۔ دروازے سے شبو اور مینا اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر لا رہے تھے جس پر کسی مشروب کا جگ اور گلاس رکھے ہوئے۔ شبو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لو بھیا......! آب حیات ہے، آب حیات۔ پیئو اور جنت کی سیر کرو۔"

"کک...... کیا مطلب......؟"

عالیہ شاہ نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"اے بی بی......! آبِ حیات کا مطلب آبِ حیات ہی ہوتا ہے۔ ہم نے تو یہی سنا ہے آج تک۔ ایک ایک گلاس سب پی لو اور پھر جنت کی سیر کرو۔"

"اوہ......! گویا......گویا اس میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی ہے......؟"

عالیہ شاہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب اس میں کیا ملا ہوا ہے......؟ ہمیں نہیں معلوم۔ یہ تو اُستاد گل زادی ہی جانے۔"

مینا تالے بجاتے ہوئے بولا اور شبو نے گلاسوں میں شربت اُنڈیلنا شروع کر دیا۔ اچھی زبردستی تھی۔ انہیں بتا کر بے ہوشی کی دوا پلائی جا رہی تھی، کسی کی کوئی چال کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں شیطان ان پر نگاہیں رکھے ہوئے تھے۔ انہیں یہ بے رنگ سیال جو ٹھنڈا اور شیریں تھا، پینا پڑا۔ ایک ایک گلاس سب نے پیا اور گلاس اپنی اپنی جگہ پر واپس رکھ کر انتظار کرنے لگے کہ کب آنکھیں بند ہوں اور کب وہ گریں......؟ سب سے پہلے بے ہوش ہونے والی عالیہ شاہ ہی تھی اور اس کے بعد وہ سب اوندھے سیدھے ہو گئے۔ دونوں شیطانوں نے ان کا اچھی طرح جائزہ لیا اور اس کے بعد انہوں نے ایک اور عجیب و غریب حرکت کی۔ انہوں نے دو لمبی لمبی سوئیاں نکال لیں اور پھر انتہائی بے دردی سے وہ سوئیاں ان کے جسموں میں چبھونے لگے، لیکن کسی کے بدن میں کوئی لرزش نہ ہوئی تو انہوں نے اطمینان سے گردن ہلائی اور پھر ایک ایک آدمی کو کندھے پر ڈال کر باہر آنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے سب کو ایک بند وین میں ٹھونس دیا اور چند ساعت کے بعد وین اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

عالم پناہ کی حالت تو وہیں درست ہو گئی تھی، لیکن ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کون سی رگ ڈھیلی ہو گئی تھی......؟ وہ شرمندہ شرمندہ سے تھے اور گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے اسے لاکھ چھیڑا، مگر اس کے اندر کوئی تبدیلی نہ پیدا ہوئی۔ وہ خاموشی سے بیٹھے رہے اور روکی کے نغمے اور قہقہے گونجتے رہے۔ روکی نے اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ فتح اس کے نام سے منسوب ہو گئی تھی تو وہ بھلا کسی کو کیوں بتاتا کہ شہروز نے ان لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے......؟ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر عالم پناہ راستے سے ہٹ گئے تو اس کے بعد شہروز سے نمٹنا کون سا مشکل کام ہوگا۔ یہ بچہ کیا حیثیت رکھتا ہے......؟

روکی نغمے سناتے رہے اور پکنک کا پروگرام جاری رہا۔ عالم پناہ نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ لوگوں نے لاکھ کوششیں کیں، لیکن انہوں نے کچھ بھی کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ بس خاموش اور غمزدہ تھے۔ بہر حال سارا دن ہنسی اور قہقہوں میں گزرا اور اس کے بعد واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ سب لوگ کوٹھی پہنچ گئے۔ شہروز اور سارہ بھی ہمراہ تھے اور دونوں ہی خاموش نظر آتے تھے۔

پکنک سے واپسی پر تمام لوگ اپنی ضرورتوں میں مصروف ہو گئے۔ عالم پناہ اور روکی اپنی اپنی آرام گاہوں

میں واپس چلے گئے تھے عالم پناہ بدستور مغموم تھے۔ رات ہو گئی اور پھر انہیں کھانے کی میز پر طلب کیا گیا، لیکن عالم پناہ کھانے کی میز پر بھی نہیں آئے تھے۔ نواب احتشام پوچھ بیٹھے۔

"یہ علی کہاں ہے......؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"اسے کھانے کی اطلاع دے دی گئی......؟"

"جی......!"

"پھر کیوں نہیں آیا......؟"

"وہ کہتے ہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

ملازم نے جواب دیا۔

"بیمار ہے کیا......؟"

"نہیں نہیں پھوپھا میاں......! مفتوح کو فاتح کے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہو رہی۔"

روکی نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

نواب احتشام نے تعجب سے پوچھا اور روکی کو احساس ہو گیا کہ اس سے کیا حماقت ہو گئی ہے......؟ اس کا منہ بند ہو گیا اور وہ بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"جواب نہیں دیا تم نے۔"

نواب احتشام نے پوچھا۔

"قم......قم......وہ......اوں......اوں......"

روکی کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس سے بڑی حماقت ہو گئی تھی۔ جلدی میں اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی لیکن اب نواب صاحب کو وہ کیا جواب دیتا......؟

"کیا بک رہا ہے یہ......؟"

احتشام حسن کا پارہ چڑھنے لگا اور تابش نے جلدی سے صورتِ حال سنبھال لی۔

"اوہ......! ماموں میاں......! تخلص ہے دونوں کا، شعروشاعری ہو رہی ہے آج کل، ایک کا تخلص فاتح ہے اور دوسرے کا مفتوح۔ بیت بازی ہو رہی تھی آج بھی، بس ارقم الدین بازی لے گئے۔"

"میرے سامنے نہ ہوا کرے۔"

نواب احتشام نے کہا اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن عالم پناہ کی اُداسی مناسب نہ تھی۔ چنانچہ کھانے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ان کے پاس نشست جمائی جائے۔ غول بیابانی عالم پناہ کی خواب گاہ پر حملہ آور ہو گیا۔

"میں سونا چاہتا ہوں، آپ لوگ مجھے آرام کرنے دیں۔"

''ہرگز نہیں......! ہم سے آپ کی یہ اُداسی دیکھی نہیں جاتی عالم پناہ......!''

تابش نے دست بستہ کہا۔

''اگر آپ روکی سے مات کھا گئے تو یہ کون سی انوکھی بات ہے......؟ آپ دونوں تو بہت گہرے دوست ہیں۔''

''دوست......؟''

عالم پناہ نے شکایت آمیز نگاہوں سے روکی کو دیکھا اور روکی نظریں چرانے لگا۔ اسے اصلیت معلوم تھی کہ عالم پناہ جھیل میں کیسے تشریف لے گئے تھے......؟ لیکن اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ عالم پناہ نے ہوش میں آنے کے بعد بھی اس بات کی تردید نہیں کی تھی کہ انہیں روکی کی وجہ سے یہ ہزیمت نہیں ہوئی تھی۔

''ہوں......! کیا آپ لوگوں کی دوستی ختم ہوگئی......؟''

''اس کا جواب روکی دے گا۔''

''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں......!''

روکی نے کہا اور کھڑا ہوگیا۔ دلربا ٹنٹنانے لگی اور روکی کی آواز اُبھری۔

''یہ دوستی، ازل سے ہے، ابد تک رہے گی، لوگ ہنستے رہیں گے، ساز بجتے رہیں گے۔''

''ایں......؟ اس وقت نہیں بجیں گے، خاموش ہو جاؤ۔''

تابش نے کہا اور گٹار روکی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ روکی تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔

''بخدا......! میری دلربا کو ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ میری حرمت ہے، یہ میری عزت ہے۔ کسی غیر محرم کا ہاتھ اسے نہیں چھو سکتا۔''

روکی نے بڑے انداز سے لپک کر گٹار تابش کے ہاتھ سے لے لیا۔

''یہ گٹار کسی غیر محرم کے ہاتھ سے تمہارے سر پر بجے گا اور ساتھ ہی ٹوٹ بھی جائے گا کسی دن۔ اس لئے وقت بے وقت اسے نہ بجایا کرو۔''

تابش نے کہا اور روکی گردن ہلانے لگا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! نہیں بجائیں گے۔ ہم آپ سے کب تعرض کرتے ہیں تابش بھائی......؟''

روکی نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

''ہاں تو جناب عالم پناہ......! ہماری درخواست ہے کہ آپ کھانا کھا لیں۔ دوپہر کو بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ آخر یہ فاقہ کشی کب تک رہے گی......؟ ہار جیت تو زندگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اب اس سے کیا ہوگا......؟ لیکن ایک بہت بڑا مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور آپ سے مدد درکار ہے۔''

تابش نے کہا اور عالم پناہ نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بولے۔

''میں مغموم ہوں، رنجور ہوں۔ براہِ کرم اس وقت مجھے پریشان نہ کریں۔ یعنی یہ تو وہی مثل ہوئی کہ دو گز

زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں۔''

''یہ آپ کا شعر ہے......؟''

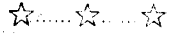
تابش نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

''تو کیا کسی دوسرے کی غزل میں آپ کو سناؤں گا......؟ ایسا سمجھتے ہیں آپ مجھے......؟''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! علی صاحب......! جیسا کر رہے ہیں ویسا بھر رہے ہیں، ابھی تو آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا......؟ لڑکیاں ماریں گی آپ کو۔''

''کیا مطلب......؟''

عالم پناہ نے کہا۔



''بس بس......! کچھ نہیں......! یہ شعر جو آپ نے سنایا ہے، اس پر دل دُکھ کر رہ گیا ہے۔''

''ہاں......! یہ میرے حسبِ حال ہے۔ ابھی ابھی ہوا ہے۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''خوب......! گویا مصرع ثانی ہوا ہے۔ مصرع اولیٰ ابھی نہیں ہوا ہوگا۔''

تابش نے چہک کر کہا۔

''یہ......یہ مصرع ثانی ہے۔''

عالم پناہ ذہن پر زور دینے لگے، پھر مسکرا پڑے۔

''ارے واہ......! آپ کو واقعی شعر کی بڑی پہچان ہے۔ ٹھیک ہی تو کہا آپ نے۔ مصرع اولیٰ تو بہت پہلے ہوا تھا۔''

''بھلا وہ کیا تھا......؟''

''کتنا بدنصیب ہے علی قبر کے لئے۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''بس بس......! خدا کی قسم......! ساری ہمدردیاں ختم ہوگئی ہیں آپ سے۔ چلو یار......! چلو۔ خواہ مخواہ اس ... اب لڑ رہے ہیں یہ عالم پناہ صاحب۔ ان کا بھوکا رہنا ہی زیادہ اچھا ہے۔ لعنت ہے آپ پر......!''

تابش نے کہا اور قہقہے اُبل پڑے۔ عالم پناہ حیرت سے ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''ہوا کیا......؟ ہوا کیا......؟ آپ لوگ تشریف رکھئے۔''

''ہرگز نہیں......! ہرگز نہیں......! آپ ہماری طرف سے تین دن اور بھوکے رہئے۔ آپ لوگوں کے شعر ... اچھی طرح پتا چل گیا ہے۔''

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟"

علی عالم پناہ حیرت سے بولے۔

"ارے......! تم یہ گٹار اُٹھا کے ان کے سر پر ماردو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

تابش نے کہا اور اپنی ٹولی کو لے کر باہر نکل گیا۔ البتہ روکی علی کے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔ علی غصیلی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ ان سب کے جانے کے بعد وہ روکی سے مخاطب ہوا۔

"دیکھا تم نے ان لوگوں کو، یہ ہمارے اپنے ہیں۔ میں کہتا ہوں بدترین دشمن ہیں یہ سب ہمارے۔ اچھے اشعار ہضم نہیں ہوتے ان سے۔ یہ سوچتے ہیں کہ زبان صرف ان کی میراث ہے۔ میں اگر افریقہ میں رہ کر اچھی شاعری کر لیتا ہوں تو ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ کریں، بس یہی کریں، اور انہی کے نام سے منسوب رہے، اور روکی......! روکی......! تم......"

علی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور روکی کے حواس جواب دینے لگے۔ علی، عالم پناہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور پھر جب اس نے دروازہ بند کر دیا تو روکی بالکل ہی نروس ہو گیا۔ وہ منہ پھاڑ کے رہ گیا تھا۔ پھر وہ بمشکل تمام بولا۔

"سنو......! سنو......! وہ......وہ......علی بھائی......! میرا مطلب ہے، عالم پناہ صاحب......! جناب عالم پناہ صاحب......!"

"تم سے بات کرنی ہے روکی......!"

"اب......باہر چل کر بات کیجئے۔ للہ......! دروازہ کھول دیجئے۔ دیکھئے، تنہائی میں کسی قسم کی ہاتھا پائی نہیں کرنا، اچھی بات نہ ہوگی۔"

"بکواس مت کرو......! میں ہاتھا پائی نہیں کر رہا۔"

"خ......خدا کی قسم......! ج......جھوٹ بول رہے ہیں آپ، ماریں گے مجھے، میں کہتا ہوں، دروازہ کھول دو، ورنہ میں شور مچاؤں گا۔"

روکی کے ہاتھ گٹار کی طرف بڑھے اور عالم پناہ نے آگے بڑھ کر گٹار چھین لیا۔

"گٹار بجایا تو اسے اُٹھا کر زمین پر دے ماروں گا۔ تم سمجھتے ہو کہ جھیل کے کنارے فضول بکواس کر کے تم فتح حاصل کر گئے ہو......؟ حالانکہ اصلیت تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"جانتا ہوں، جانتا ہوں بھائی جان......! بس غلطی ہو گئی۔ یہی تو ایک غلطی ہوئی ہے زندگی میں۔ بس آئندہ......آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تو مرے کیوں جا رہے ہو......؟ بیٹھو نا......!"

"م......ماریں گے تو نہیں......؟"

روکی نے کہا۔

"میں نے تمہیں مارنے کے لئے نہیں روکا ہے۔ اس وقت ایک سنجیدہ مسئلہ ہم دونوں کے سامنے ہے۔ تم اس پر غور کرو یا نہ کرو، لیکن میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ......! سنجیدہ مسئلہ......؟"

روکی کے حواس کسی قدر بحال ہونے لگے۔

"تم نے میرے بارے میں جو بکواس کی تھی، کیا وہ درست تھی۔"

"بالکل غلط تھی، انتہائی غلط تھی، بڑی ذلیل حرکت کی تھی میں نے۔"

روکی نے بڑی ایمانداری سے اعتراف کیا۔

"تو تم اس کی تردید کرو گے روکی......!"

عالم پناہ نے کہا۔

"کر دوں گا، ضرور کر دوں گا، ابھی کر دوں گا۔ بلا کر لاؤ ان سب کو، ذرا دروازہ کھول دو۔"

روکی صرف اس چکر میں تھا کہ یہاں سے باہر نکل جائے۔

"مکار ہو تم......! بے ایمان بھی ہو۔ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتے ہو۔ بیٹھ جاؤ......! میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ضروری بات کرنی ہے۔"

"موڈ تو خراب نہیں ہوگا۔"

"نہیں......!"

"وعدہ......؟"

"ہاں ہاں......! وعدہ......!"

عالم پناہ نے کہا اور روکی بیٹھ گیا۔ لیکن وہ چوکنا تھا تاکہ جوں ہی حملہ ہو، وہ راہِ فرار اختیار کرے۔ عالم پناہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"لڑائی جب تک ہمارے تمہارے درمیان تھی، ٹھیک تھا۔ لیکن اب......اب ہمارا مقابلہ ایک مشترکہ دشمن سے ہے، سمجھے......؟"

"بلاشبہ......!"

"غدار ہو تم......! مکار بھی ہو۔"

"د......دیکھئے......دیکھئے......گ......گالیاں دے رہے ہیں آپ......؟"

"سچ کہہ رہا ہوں، تم نے بھی تو دیکھا تھا۔ تم نے بھی تو وہ روح فرسا منظر دیکھا تھا۔ ہم سب اپنی تفریحات میں مصروف تھے اور وہاں جھیل کنارے......"

"جھیل کنارے......؟"

"اندھے ہو تم......! دیکھا نہیں تھا، دونوں جھیل کے کنارے بیٹھے اُفق کے اس پار گھور رہے تھے۔"

"کیا دیکھ رہے تھے اس طرف......؟" روکی نے پوچھا۔

"ہمارا تاریک مستقبل......!"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"اوہ......! وہ کیسے......؟"

روکی نے سوال کیا۔

"روکی......! تم بالکل گدھے ہو۔"

علی ناک چڑھا کر بولا۔

"یقیناً یقیناً......! کیونکہ دروازہ بند ہے۔"

روکی بے بسی سے بولا۔

"وہاں عشق ہو رہا تھا۔ کیا فلموں میں تم نے نہیں دیکھا، ہیرو اور ہیروئن ایسی ہی جگہوں کی تلاش میں نہیں رہتے۔ وہاں بیٹھ کر وہ کیا باتیں کرتے ہیں......؟ کیا تم نے نہیں سنیں......؟"

"سنی تو ہیں۔"

"یہ اُردو فلموں کی بات ہے، اگر انگریزی فلموں تک نوبت پہنچ جاتی تو ہمیں خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے......!"

"روکی......! میرے دوست ارقم الدین......! کچھ سوچو......! اس برے وقت میں صرف ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں۔ کون ہے جو اس دیارِ غیر میں ہمارا غم گسار ہوگا......؟"

"کوئی نہیں......!"

روکی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ہم بے بس ہیں، بے کس ہیں، سب ہمارے حال پر ہنسنے والے ہیں۔ کوئی ہم پر آنسو نہیں بہائے گا۔"

"میں بہاؤں گا میرے دوست......! میں بہاؤں گا۔"

روکی نے کہا اور دوسرے لمحے اس کی بھوں بھوں کمرے میں گونج اُٹھی۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ عالم پناہ کی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں۔

"سارہ......!"

عالم پناہ نے سرد آہ بھری۔

"میری زندگی......!"

روکی دُکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"بکواس مت کرو۔"

علی دہاڑا اور روکی اُچھل پڑا۔

"کک......کوئی غلطی ہو گئی......؟"

"تم ذلیل انسان ہو۔"

"ہوں......! اس لئے کہ دروازہ بند ہے۔"

روکی بولا۔

"تم اسے اپنی زندگی کہہ رہے ہو......؟"

"اوہ......! سوری......! سارہ ہم دونوں کی زندگی......"

روکی نے تصحیح کی۔

"اسے شہروز کے چکر سے نکالنے کی ترکیب سوچو......!"

"ترکیب......؟"

روکی سنجیدہ ہو گیا اور پھر دیر تک خاموشی چھائی رہی، پھر روکی نے کہا۔

"لاجواب......! بے نظیر......!"

"کیا مطلب......؟"

"ترکیب سوچ لی۔"

"کیا ہے......؟"

"نہایت آسان، بے حد سادہ، لیکن موثر......! اتنی موثر کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔"

"بتاؤ......!"

عالم پناہ نے کہا۔

"پھپ......پھوپھا میاں......!"

روکی نے کہا اور عالم پناہ اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کک......کہاں......کیا دروازے کے باہر......؟"

انہوں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"اوہ......نہیں......علی بھائی......! میرا مطلب ہے، اس سلسلے میں نواب احتشام حسن خان بہترین ثابت ہوں گے۔"

"وہ کیسے......؟"

"کیا انہیں اس خطرے سے آگاہ نہیں کیا جا سکتا......؟ کیا انہیں یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ ہوشیار ہو جائیں......؟ ان کا وقار ان کی عزت خطرے میں ہے۔ شہروز ان کی آبرو کا دُشمن ہے۔ بچائیں اپنی عزت بچائیں۔ بس علی بھائی کام بن جائے گا۔ بھلا پھوپھا میاں کہاں برداشت کر سکیں گے۔ بلکہ اگر ممکن ہو سکا تو ہم اُن دونوں کی اگلی ملاقات پھوپھا میاں کو دکھا بھی دیں گے۔"

علی سوچ میں پڑ گیا تھا، پھر وہ مسکرا کر بولا۔

''ترکیب عمدہ ہے، مگر ابتداء کیسے کی جائے......؟''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ ہے کہ نواب صاحب کو یہ اطلاع کیسے دی جائے گی......؟''

''آپ دیں گے جناب عالم پناہ......! آپ دیں گے نواب صاحب کو یہ اطلاع۔''

روکی نے کہا۔

''کیا......؟''

علی اُچھل پڑا۔

''میں......میں دوں گا۔''

''ہاں......! تم......تم مضبوط اعصاب کے مالک ہو۔ یہ کام تم آسانی سے کر لو گے۔''

روکی نے کہا اور عالم پناہ گردن ہلانے لگے۔

''روکی......! تم اس وقت بھی مخلص نہیں ہو۔ بہت گہری چال چل رہے ہو اور پھنسوں گا میں۔''

''کیوں......؟''

''تم چاہتے ہو نواب احتشام حسن مجھے گولی ماریں اور اس کے بعد تم میدان مارلو۔ کیوں......؟ کیا میرا یہ خیال غلط ہے......؟''

''سو فیصد......!''

روکی نے کہا۔

''کیسے......؟ بولو......! جواب دو......؟''

''پھوپھا میاں کے پاس پستول نہیں ہے۔''

روکی نے سکون سے کہا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟''

''ابے......! تو کیا وہ تمہیں فنائل کی گولی ماریں گے یا مٹھائی کی گولی سے تمہاری شہادت واقع ہو جائے گی......؟''

''بہر حال روکی......! اس انکشاف کے وقت تم میرے ساتھ ہو گے۔''

عالم پناہ نے کہا اور روکی بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔

''مجھے اجازت دو......!''

''بھاگ رہے ہو......؟ ایسے نہیں جانے دوں گا، پہلے پروگرام مکمل کرو۔''

''کون بھاگ رہا ہے......؟ میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا۔''

''کیا سوچ رہے تھے......؟''

''یہی کہ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، کچن سے تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاؤں......؟ اس دوران گفتگو بھی ہوتی رہے گی۔''

''دیکھو روکی......! اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ دوپہر کو سینڈوچز کا ایک پیکٹ اُڑا لیا تھا۔ کام چل گیا تھا اور اس وقت بھی ڈیڑھ کلو دودھ پی چکا ہوں۔''

عالم پناہ نے کہا اور روکی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

بالآخر طے ہوا تھا کہ دونوں نواب صاحب کو اس سنگین صورتِ حال کی اطلاع دیں گے۔ لیکن ذرا مختلف شکل میں، ان میں ہمت نہ تھی کہ زبانی ان سے کچھ کہہ سکیں۔ چنانچہ عالم پناہ نے ایک شاندار تجویز پیش کی تھی۔

''استعارہ سمجھتے ہو......؟''

انہوں نے کہا۔

''لوٹے کی شکل کا ہوتا ہے......؟''

روکی نے سوال کیا۔

''جاہل ہو نرے......! تشبیہ کے بارے میں کچھ پتا ہے......؟''

''لو، اس میں جہالت کی کیا بات ہے......؟ دادی صاحبہ محترمہ دن رات پڑھتی رہتی تھیں۔ ایک واقعہ بھی ہوا تھا، ایک دفعہ۔''

روکی مسکرا اُٹھا۔

''کیا......؟''

عالم پناہ نے بے اختیار پوچھا۔

''تمہیں ایرا یاد ہے......؟''

''کون ایرا......؟''

''وہ جس کی آنکھوں میں ستارے چمکتے تھے، جس کا باپ باکسر تھا، جین آگسٹس......؟''

''اوہ......! تم اس کالی کلوٹی کی بات کر رہے ہو......؟ وہ افریقی لڑکی......؟''

عالم پناہ منہ بنا کر بولے۔

''آہ......! تم اسے کالی کلوٹی کہہ رہے ہو عالم پناہ......؟ کاش کبھی تم نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا ہوتا، وہ حسین آنکھیں جن میں کہکشاں اُتر آئی تھی۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! میں اس کے چہرے ہی کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا، جس پر ہمیشہ کالی گھٹائیں چھائی رہتی تھیں۔''

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو......! تو میں تمہیں واقعہ سنا رہا تھا۔ ہوا یوں کہ ایرا کی سالگرہ تھی اور مجھے اس کی سالگرہ میں یقینی طور پر شریک ہونا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں اس کی سالگرہ میں شریک نہ ہوا تو وہ سالگرہ نہیں منائے گی۔ لیکن بھائی عالم پناہ......! تمہیں تو معلوم ہے کہ دیارِ غیر میں رہ کر بھی ہم قلاش کے قلاش رہے۔ کبھی جیب میں اتنے پیسے ہی نہ ہوئے کہ کوئی ڈھنگ کی چیز خرید کر کسی کو دے سکتے۔ ایرا کو تحفہ دینا ضروری تھا اور میں سخت پریشان تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک نغمہ اس کی نذر کردوں گا، لیکن پھر مجھے اس کی پچھلی سالگرہ کا خیال آیا جس میں، میں نے ایک نغمہ نگار کا برا حشر دیکھا تھا۔ شاید اس بیچارے نے بھی تحفے میں نغمہ پیش کیا تھا۔ ایرا کے کہنے پر اس کے باپ نے نغمہ نگار کو دو گھونسے لگائے اور اس کے بعد ایرا نے اسے گردن سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا۔ چنانچہ اس سالگرہ پر ایرا کو کوئی نہ کوئی تحفہ دینا ضروری تھا۔ چنانچہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی تو میری نگاہ بھی اچانک دادی اماں کی تشبیہ پر پڑ گئی۔ وہ ہمیشہ اس کے دانے گھماتی رہتی تھیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتی رہتی تھیں۔ چنانچہ میری آنکھوں میں بھی کہکشاں اُتر آئی اور میں نے دادی اماں کی تشبیہ پار کرلی اور جب میں نے وہ تشبیہ ایرا کو دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ یہی سمجھی کہ یہ شاید کوئی قیمتی ہار ہے۔"

"میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

عالم پناہ بگڑ گئے اور روکی منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"کیوں......؟ کیا تشبیہ تم نے دی تھی دادی اماں کو......؟"

روکی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"بیوقوف انسان......؟ اسے تشبیہ نہیں تسبیح کہا جاتا ہے۔"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"لو، تین نقطوں کا تو فرق ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟"

روکی نے منہ بنا کر کہا۔

"بہت فرق پڑتا ہے۔ فضول باتوں میں اُلجھ کر خواہ مخواہ میرا دماغ خراب کررہے ہو تم۔ میں اس تسبیح کی بات نہیں کررہا، تشبیہہ کہتے ہیں کسی بات کے حوالے کو۔"

"حوالہ......؟ یہ حوالہ کیا ہوتا ہے......؟"

"تم باہر نکل جاؤ، فوراً دروازہ کھولو اور باہر نکل جاؤ، دفع ہوجاؤ......! ورنہ میرا دماغ خراب ہوجائے گا۔"

"ارے......! نہیں نہیں......! میں ایسے باہر نہیں جاؤں گا۔ میں انتہائی شرمندہ ہوں۔ تم مجھے ایسی بات بتاؤ جو میری سمجھ میں آجائے۔"

روکی نے کہا۔

"سنو......! ہم اپنی زبان سے تو نواب صاحب سے یہ باتیں نہیں کہہ سکیں گے۔ پہلے ہم انہیں اشاروں سے سمجھائیں گے۔ ایسی چیزیں ان کے سامنے پیش کریں گے جن سے وہ بھی صورتِ حال سے واقف ہوجائیں۔ تم فکر مت کرو۔ یہ سارا کام میں کروں گا۔"

"تم کرلو گے، تو پھر مجھے بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے......؟ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔"

روکی نے جواب دیا اور عالم پناہ نے گردن ہلا دی۔ روکی آہستہ آہستہ دروازے کی جانب کھسک رہا تھا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ عالم پناہ نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ان اشاروں پر غور کررہے تھے جو انہیں نواب صاحب کو پیش کرنے تھے۔

☆......☆......☆

آنکھ کھلی تو ٹھنڈی ہوائیں عالیہ شاہ کے پورے بدن کو چھو رہی تھیں۔ اس نے ایک انگڑائی لی اور اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرا گیا، وہ چونک پڑی۔ اس نے دیکھا تو وہ قید خانے کا دوسرا ساتھی تھا۔ وہ بری طرح اُچھل پڑی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کسی پارک کا سنسان گوشہ تھا۔ اس کے نزدیک وہ پانچوں بھی پڑے ہوئے تھے۔ عالیہ شاہ ان کے نزدیک ہی موجود تھی۔ عام حالات میں وہ ان لوگوں کا قرب ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی، لیکن اس وقت وہ پارک کے اس سنسان گوشے میں ان کے بالکل قریب پڑی ہوئی تھی۔ اگر ان میں سے کسی کو ہوش آجاتا تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا......؟

اس کے ذہن میں بھنور پڑنے لگے۔ شدید غصہ آرہا تھا اسے اس صورت حرام زنجے پر۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائے، لیکن اس نے جس طرح عالیہ شاہ کو مجبور کردیا تھا، اس کا بھی اسے بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔ ساری کوششیں ناکام ہوکر رہ گئی تھیں اس کمبخت کے سامنے۔ عالیہ شاہ جیسی گھاگ عورت کے ساتھ اس نے کتنا برا سلوک کیا تھا۔ وہ بیٹھی دانت پیستی رہی اور پھر اسے گل زادی کا خوفناک کردار یاد آگیا۔ اب اس سے کسی قیمت پر بچا نہیں جاسکتا تھا۔ اب اس کی زندگی گل زادی کے قبضے میں جا چکی تھی۔

"کیا کیا جائے......؟ کیا یہ شہر چھوڑ دیا جائے......؟ لیکن نہ جانے وہ کمبخت کہاں تک پیچھا کرے گا......؟ ایک بار غلطی کی تھی جس کا نتیجہ بھگتنا پڑ گیا۔ اُف......! اُف......!"

عالیہ شاہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ اسی دوران باقی چاروں بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

"ارے......! یہ کون سی جگہ ہے......؟"

سردارے نے کہا۔

"پتا نہیں......!"

عالیہ شاہ منہ بنا کر بولی۔

"تو......تو ہم وہاں سے نکال دیئے گئے۔"

"ہاں......! بے ہوش کرکے۔"

عالیہ شاہ نے دانت پیس کر کہا اور سردارے خاموش ہوگیا۔

سب اپنے اپنے طور پر سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔تب دوسرے آدمی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ کون سی جگہ ہے......؟ کوئی پارک ہے یا ویرانہ ہے......؟"

"پتا نہیں......! دیکھنا پڑے گا۔"

دارا نے کہا اور پھر وہ اپنی گردن اوپر اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔پھر بولا۔

"میرا خیال ہے، کوئی پارک ہے۔"

اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"پارک......؟"

عالیہ شاہ آہستہ سے بولی۔اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔پھر اس نے کہا۔

"اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے......؟"

"کچھ نہیں......! میں تو زندگی سے بیزار ہوں، میری ہمت نہیں ہے کہ گل زادی کے حکم کی خلاف ورزی کر سکوں۔"

سردارے نے کہا۔

"یہ ہمت تو ہم میں سے کسی کی نہیں ہوگی۔"

"پھر میری ایک تجویز ہے۔"

عالیہ شاہ بولی۔

"کیا......؟"

"تم میرے ساتھ چلو، میری کوٹھی یہاں سے بالکل قریب ہے۔جب تک چاہو میرے مہمان رہو۔ہوش میں آ کر ہم ان حالات پر غور کریں گے اور سوچیں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟"

"اگر تم پسند کرو تو اس وقت یہ سہارا ہمارے لئے بہت اچھا ہوگا۔"

"ہاں......! میں تم چاروں کو دعوت دیتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ......!"

چاروں نے کہا اور عالیہ شاہ ان چاروں کو لے کر چل پڑی۔

اس کی خوب صورت کوٹھی جوں کی توں تھی، کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی اس میں۔ملازموں کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس سے کوئی سوال کر سکتے۔عالیہ شاہ نے ان لوگوں کے آرام کا بندوبست کیا اور پھر اپنے کمرے میں آ کر باتھ روم میں چلی گئی۔شاور کے نیچے بیٹھے بیٹھے اسے چکر آ رہے تھے۔وہ جن حالات سے گزری تھی، ان کے بارے میں کبھی اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، لیکن اب گردن تک دلدل میں غرق ہوگئی تھی۔شہروز جیسے شیطان سے اب بچاؤ مشکل نظر آتا تھا۔وہ تو عورت تھی۔یہ چار خطرناک بدمعاش بھی اس کے چنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے اور عالیہ شاہ ان

کی بے بسی اور خوف کو محسوس کر چکی تھی۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر اس نے کافی کا بندوبست کیا اور ان چاروں کو بلوایا۔سب تازہ دم نظر آ رہے تھے۔سب لوگ ایک میز کے گرد آ بیٹھے اور ان کے سامنے کافی اور دوسری چیزیں سرو ہوگئی تھیں۔کافی کے دوران عالیہ شاہ نے کہا۔

"ہاں......! تو میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ مشترکہ دوستوں کی مانند مل کر یہ فیصلہ کریں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟"

سب کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں نظر آ رہی تھیں، پھر سردارے نے کہنا شروع کیا۔

"دوستو......! میں لگی لپٹی نہیں رکھوں گا، جو کچھ میرے دل میں ہے، وہ تمہارے سامنے ہے۔گل زادی بے حد خطرناک انسان ہے، میں اندازہ لگا چکا ہوں۔میں اس سے شکست کھا چکا ہوں۔اس لئے اب میں اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔اس لئے مجھے تو اس معاملے میں معذور ہی سمجھو۔"

"نہیں سردارے......! ہم میں سے کوئی بھی اس کے خلاف کوئی سازش کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اب ہمیں اس کی ماتحتی میں کام کرنا چاہئے یا راہِ فرار اختیار کرنی چاہئے......؟"

"یہ بھی سب کی اپنی مرضی ہے۔"

"میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"

"کیا......؟"

"یہی کہ ہم مشترکہ طور پر اس سے وفاداری کا اعلان کریں، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی درخواست کریں کہ ہم پانچوں آدمیوں کو ایک گروہ کی حیثیت دے دی جائے۔ہم جو کام کریں گے، ساتھ ہی کریں۔کیا خیال ہے......؟"

"بخوشی......! ہم تیار ہیں۔"

سردارے نے کہا۔باقی سب نے بھی اس بات کی تائید کی تھی۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ نے پھر کہا۔

"تو پھر یہ طے ہے۔آج منگل ہے، اتوار کے دن اس سے ملاقات کرنی ہے۔اس کے لئے تیاریاں کرلو۔میں سارے انتظامات کرلوں گی۔"

اور سب کے درمیان یہ پروگرام طے ہوگیا۔ان لوگوں سے رخصت ہو کر عالیہ شاہ رات کو اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔دل میں تو اس کے کچھ اور تھا، لیکن ان لوگوں کے بارے میں جاننے کے بعد اس نے مصلحت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔اس کی دلی خواہش تھی کہ شہروز کو زندہ زمین میں دفن کر دے۔لیکن یہ بھی جان چکی تھی کہ یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ان لوگوں کو بھی اس نے ٹٹولا تھا کہ ان کے دلی تاثرات معلوم کرے، لیکن یہ سب کے سب بزدل نکلے۔وہ سب گل

زادی سے شکست کھا چکے تھے اور ان کی شخصیت ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ عالیہ شاہ نے خود بھی مصلحت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ حالات کا انتظار کرے گی اور زندگی میں جو بھی پہلا موقع ملا، اس سے فائدہ اُٹھائے گی اور گل زادی کو قتل کر دے گی۔ بس یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

☆......☆......☆

تاحد نگاہ بھورے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ گرین وڈ کا علاقہ تھا۔ وہ پانچوں شہروز کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنسان جگہ تھی اور دُور دُور تک کوئی انسانی وجود نہیں نظر آ رہا تھا۔ دفعتہً انہوں نے ایک جیپ دیکھی جو اسی طرف آ رہی تھی۔ اس میں شہروز ہی تھا، تنہا، درحقیقت وہ دلیر انسان تھا ورنہ اتنے خطرناک لوگوں کے درمیان اس طرح تنہا نہ چلا آتا۔ جیپ ان کے پاس پہنچ گئی۔ شہروز حسب معمول ایک خوب صورت لباس میں ملبوس تھا اور بے حد حسین نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک کھلنڈری سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ نزدیک آ کر اس نے جیپ روک دی اور نیچے اُتر آیا۔

''تصدیق کر سکتے ہو کہ میرے ساتھ یا میرے آس پاس اور کوئی موجود نہیں ہے۔''

شہروز نے کہا۔

''ہم تصدیق کر چکے ہیں۔''

سردارے بولا۔

''تو پھر ہو جائے......؟''

شہروز نے کہا اور سردارے نے پستول نکال لیا۔ آن کی آن میں بقیہ تینوں کے ہاتھوں میں بھی پستول نظر آنے لگے تھے۔ شہروز کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''اور تم عالیہ شاہ......؟''

اس نے پوچھا۔

''میں بھی ان کی ہم نوا ہوں۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے......!''

شہروز چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیل گئے تھے اور چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت اُبھرنے لگی تھی۔ انہوں نے اسے محسوس کیا پھر سب سے پہلے سردارے نے اپنا پستول شہروز کے قدموں میں پھینکا اور اس کے بعد باقی تینوں نے بھی یہی عمل کیا، پھر سردارے آگے بڑھ کر بولا۔

''ہم سب خلوصِ دل کے ساتھ تمہاری برتری قبول کر چکے ہیں گل زادی......! ہمیں تمہاری غلامی پسند ہے۔''

چاروں نے بیک وقت کہا اور شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اور تم عالیہ شاہ......؟''

''میں بھی......!''

عالیہ شاہ نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

دونوں کے دل کو لگی ہوئی تھی، آپس میں تو معاہدہ تھا کہ بالآخر فیصلہ اس کے حق میں ہوگا جسے سارہ قبول کر لے۔ یہ بھی طے تھا کہ دونوں سارہ کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جس وقت بھی سارہ کسی ایک کے حق میں فیصلہ دے دے، دوسرا اس سے دست بردار ہو جائے گا، لیکن اس وقت تک کسی ایک کو دوسرے پر حق جتانے کا حق نہیں ہوگا، جب تک دوسرا اپنے کانوں سے سارہ کا یہ اقرار نہ سن لے۔

نواب احتشام بے حد دولت مند تھے، اتنے دولت مند کہ خود انہیں اپنی دولت کا شمار نہیں تھا۔ اس لئے اگر خاندان کے کچھ لوگ اس دولت پر پل رہے تھے تو انہیں چنداں فکر نہ تھی، بلکہ وہ اس بات سے خوش تھے کہ اچھا ہے، اس طرح اہل خاندان کی مدد بھی ہو رہی ہے اور مطمئن بھی تھے کہ کاروبار اپنے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ خاندان میں جہاں بہتر لوگ تھے، وہیں علی اور روکی جیسے بے وقوف گدھے بھی تھے جو کسی مصرف کے نہ تھے اور احتشام حسن کے لئے دردِ سر ہی بنے رہتے تھے۔ لیکن احتشام بہت تحمل مزاج تھے، انہیں اپنے بچوں کی مانند ہی سمجھتے تھے اور ان کی تمام حماقتوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں عالم پناہ اور روکی کے درمیان ہونے والی کشمکش کا علم نہیں تھا اور نہ شاید وہ اسے برداشت نہ کر سکتے۔ ان دونوں کو وہ بس معصوم نوجوان ہی سمجھتے تھے۔ پھر ایک مرتبہ خاندان کی ایک بزرگ خاتون نے یہ شوشہ چھوڑا تھا اور انہی کی بزرگانہ شرارت نے ان دونوں بیچاروں کو اس حماقت میں مبتلا کیا تھا۔ خاتون جو خود کو اس خاندان کا بہت اہم فرد تصور کرتی تھیں، اس موقع پر جوشِ جذبات میں کہہ بیٹھیں۔

''اللہ رکھے، سارہ جوان ہوگئی ہے، اچھے نواب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ

''بڑی ممانی جان......! اب سارہ کی فکر کریں۔''

میں نے کہا کہ

''میاں......! فکر کی کیا بات ہے......؟ خاندان بہت بڑا ہے، بہتیرے لڑکے ہیں۔''

جس پر اچھے نواب کہنے لگے۔

''بڑی ممانی جان......! میں سارہ کی مرضی سے اس کی شادی کروں گا، اگر گھر کے کسی لڑکے نے اس کا دل جیت لیا تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو مجبوراً باہر دیکھنا پڑے گا۔''

بس ان بزرگ خاتون کی یہ بات ان دو کڑیل جوانوں نے بھی سن لی اور اس کے بعد کیا تھا، دونوں نے سارہ کے لئے آہیں بھرنا شروع کر دیں اور اس دن سے آج تک وہ اُمیدوں کے تاج محل تعمیر کر رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے راز دار تھے، رقیب تھے، دُشمن تھے اور شاید دوست بھی۔ افریقہ میں بھی سارہ بہت محدود حلقۂ احباب رکھتی

تھی جو لڑکیوں تک محدود تھا۔ اس کی فطرت میں اس قدر مشرقیت تھی کہ وہ نوجوان لڑکوں کو گھاس ہی نہیں ڈالتی تھی۔ سارہ نے کبھی ان دونوں سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی لیکن انہیں اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ پھر وہ یہ سوچ کر سارہ کے پیچھے یہاں تک آئے تھے کہ ممکن ہے، بدلے ہوئے ماحول میں اور دوسرے ملک میں جا کر سارہ پر کچھ رومانیت سوار ہو جائے۔ ان کی توقع کے مطابق ایسا ہوا تھا لیکن درمیان میں شہروز آ چکا تھا اور اب شاید انہیں یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ شہروز کی پوزیشن بے حد مضبوط ہے۔ پکنک کے دوران انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ ان کے لئے سخت تشویش ناک تھا۔ جس کے نتیجے میں دونوں نے طے کیا تھا کہ یہ بات بزرگوں تک پہنچائی جائے گی۔ احتشام حسن خان سے تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی، جانتے تھے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ لیکن نواب فاروق حسن خان ٹھیک انسان تھے اور یہ اہم کام علی نے سنبھال لیا تھا۔ چنانچہ روکی کے ساتھ ان کی کئی میٹنگیں ہو چکی تھیں اور اب اس آخری میٹنگ میں آخری فیصلے ہونے تھے۔

یہ میٹنگ باغ کے ایک سنسان گوشے میں ہو رہی تھی۔ علی عرف عالم پناہ کافی دیر سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ روکی وہاں پہنچا تو پہلے انہوں نے ناک چڑھائی، اس کے ساتھ ہی بھنویں چڑھانے کی کوشش کرنے لگے تھے، لیکن دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں چڑھ رہی تھیں۔ روکی تعجب سے ان کی یہ حرکت دیکھنے لگا۔ عالم پناہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہ چڑھنے سے پریشان تھے۔

''عالم پناہ......!''

وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

''ہوں ہوں......! دیکھو چڑھ گئے۔''

عالم پناہ بولے اور روکی نزدیک کے درخت پر جھانکنے لگا۔ پھر اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''کون ہے......؟''

''اوہ......! اوپر نہیں، نیچے دیکھو، نیچے......!''

عالم پناہ بگڑ کر بولے اور روکی جلدی سے نیچے جھک گیا۔ اس نے درخت کی جڑ میں دیکھا اور پھر عالم پناہ کے عقب میں جا کر نیچے جھک کر دیکھنے لگا۔ عالم پناہ غصے سے جھنجلا گئے تھے۔ انہوں نے روکی کی گردن پکڑ کر اسے سامنے گھسیٹ لیا۔

''اتنے نیچے بھی نہیں، تھوڑا سا اوپر......!''

عالم پناہ بولے۔

''کتنے اوپر......؟ صحیح تو بتاؤ۔''

روکی بھی بگڑ گیا۔

''م......میری ناک اور بھنویں......!''

عالم پناہ نے کہا۔

''کیا مطلب......؟ ناک اور بھنویں......؟''

روکی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ہاں ہاں......! ناک اور بھنویں، میں انہیں چڑھا رہا ہوں۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے دونوں ایک ساتھ تو نہیں چڑھ رہی ہیں۔''

عالم پناہ نے اپنی ناک کو زور سے مروڑتے ہوئے کہا اور روکی خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''خ......خدا کے واسطے، ابھی اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھو۔ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ یہ اچانک تمہاری ناک اور بھنوؤں کو کیا ہو گیا ہے......؟''

''اونہہ......! ہو نہیں گیا، میں تمہیں دیکھ کر ناک اور بھنویں چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابے یار......! وہ محاورہ ہے ناں، تم اتنی دیر سے کیوں آئے......؟''

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی عالم پناہ......! تم مجھے دیکھ کر کے چڑھانے کی کوشش کر رہے ہو......؟ اور کہاں چڑھا رہے ہو......؟ یہ سب کیا ہے......؟ اچانک تمہارے ہوش و حواس کیوں معطل ہو گئے......؟''

''فضول بکواس مت کرو، بیٹھ جاؤ......!''

عالم پناہ غصیلے انداز میں بولا اور روکی بیٹھ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے عالم پناہ کی دماغی صحت پر شبہ ہو اور سوچ رہا ہو کہ وہ کہیں اُٹھ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ ایسے موقع کے لئے اسے بھاگنے کی تیاریاں کرنی تھیں اور وہ بآسانی بھاگ جانے کے لئے تیار بیٹھا ہوا تھا۔

''تمہیں اتنے اہم مسئلے پر توجہ دینی چاہئے۔''

عالم پناہ بولے۔

''دے تو رہا ہوں، اور کیسے دوں......؟''

روکی نے کہا۔

''اتنی دیر سے کیوں آئے......؟''

''مگر دیر کہاں ہوئی ہے......؟ تم نے یہی وقت تو دیا تھا۔''

''اچھا اچھا......! پھر میں ہی جلدی آ گیا ہوں گا۔''

''ہاں......! تو اب بتاؤ، ہمیں آخری فیصلہ کرنا ہے۔''

''بھلا اس میں بتانے کی کیا بات ہے......؟''

روکی بولا۔

''میرا مطلب ہے، اشارے کنائے......اشارے کنائے......''

عالم پناہ اپنا داہنا گال کھجاتے ہوئے بولے اور پھر خوفزدہ انداز میں ''ارے باپ رے'' کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"کک...... کیا ہوا......؟"

روکی بھی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"اونہہ......! بیٹھ جاؤ یار......! کیوں دماغ خراب کر رہے ہو......؟ میں تو ان اشاروں کنایوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو مجھے کرنے ہیں۔ دراصل روکی......! نواب فاروق حسن خان مشرقی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں کھل کر تو ان سے بھی کوئی بات نہیں کہہ سکتا، کیونکہ ظاہر ہے، شہروز ان کا بیٹا ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ ایسے لطیف اشاروں میں بات سمجھ جائیں کہ انہیں بھی لطف آ جائے اور محتاط بھی ہو جائیں۔"

"بے شک بے شک......! مجھے یقین ہے کہ تم بآسانی یہ کر لو گے۔"

روکی نے عالم پناہ کو چڑھایا۔

"خیر......! اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ مجھے باقاعدہ کلاسیکل ڈانس کے انداز میں یہ اشارے ترتیب دینے ہوں گے۔ تم تو سمجھو گے بھی نہیں کہ کلاسکس کیا ہوتے ہیں......؟ لیکن میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اشاروں ہی اشاروں میں گوری پنگھٹ پر کیسے جاتی ہے......؟ اور ساجن کا انتظار کیسے کرتی ہے......؟ اور پھر اس کے آنے کے بعد مست جوانی کی طرح کیسے ناچنے لگتی ہے......؟"

"کک...... کیا مطلب......؟ تو کیا تم ناچ کر دکھاؤ گے نواب فاروق حسن خان کو......؟"

روکی نے کہا اور عالم پناہ مسکرا دیئے۔

"اب جو کچھ کرنا پڑے، تم نے یہ ذمے داری میرے سپرد کر دی ہے۔ میں تو اسے اپنے اسٹینڈرڈ کے مطابق ہی نبھاؤں گا۔"

"بھائی صاحب......! کہیں ہم دونوں کا اسٹینڈرڈ خراب نہ ہو جائے۔"

روکی خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"بس بس......! تم تو صرف باتیں بنانے کے ہو، کبھی کوئی کام کر کے نہیں دکھایا اور رقیب تو بن بیٹھے، لیکن محبوب کے حصول کی رکاوٹیں دُور کرنے میں تم نے کبھی کوئی کردار ادا نہیں کیا۔"

"میں بڑا بدکردار ہوں بھائی صاحب......! مگر اس مسئلے کو تو حل کرنا ہی ہے۔ دیکھو ناں......! فیصلہ صرف ہمارے اور تمہارے درمیان ہی تو ہونا تھا۔ شہروز کمبخت بیچ میں ٹپک پڑا۔ پہلے اسے اُٹھا کر باہر پھینک دو۔ اس کے بعد ہم اپنی آپس کی رقابت کا مسئلہ تو طے کر لیں گے۔"

روکی نے کہا اور عالم پناہ نے گردن ہلا دی۔

"بہرصورت دیکھتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ نواب احتشام اس فحاشی کو روکیں گے۔ یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ باغوں کے سنسان گوشے، جھیل کے کنارے درختوں کی اوٹ میں اور نہ جانے کہاں کہاں یہ رومان پرورش پا رہا ہے......؟ ہمیں اس رومان کو روکنا ہوگا اور اگر اسے نہ روک سکے تو پھر خودکشی کرنا ہوگی۔"

"انشاء اللہ......! انشاء اللہ......! تم ضرور خودکشی کر لینا علی......!"

"میں جانتا ہوں کہ تم کس قدر رزو درنج ہو۔ تم یقیناً یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تمہاری...... میرا مطلب ہے، ہم دونوں کی محبوبہ کسی اور کی دسترس میں جائے۔"

"بکواس بند......! تم علی الاعلان یہ بات نہیں کہہ سکتے۔"

"کک...... کون سی بات......؟"

روکی نے کہا۔

"دونوں کی محبوبہ......! بتاؤں ابھی۔"

عالم پناہ اپنی جگہ سے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ روکی جلدی سے دس قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا مطلب ہے، میرا مطلب ہے۔ اوہو......! شاید کوئی آ رہا ہے......؟"

"تو پھر یہ بات طے ہوگئی......؟"

"ہاں......! ٹھیک ہے......! بس......! اب مجھے میرا کام کرنے دو، مجھے پریشان مت کرو۔"

عالم پناہ نے دردناک لہجے میں کہا اور روکی نے دِلربا پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر وہ وہاں سے پلٹ پڑا اور عالم پناہ، نواب فاروق حسن خان کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ کی ذہنی کیفیت کافی بدل گئی تھی۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا تقریباً چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہر وقت سوچوں میں گم رہتی۔ جو زندگی وہ گزار چکی تھی، وہ ایک طرح سے مطلق العنان تھی۔ کسی کی برتری قبول کرنے کا وقت نہ جانے کب کا گزر چکا تھا اور وہ اپنے طور پر بہتر زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن اب حالات ایک دم بدل گئے تھے۔ اب خود اس کی اپنی نگاہوں میں اپنی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ شہروز جس قدر خطرناک ثابت ہوا تھا، اس کا وہ کبھی تصور نہیں کر سکتی تھی، حالانکہ شہروز کو اس نے اپنا ایک شکار سمجھا تھا۔ نہ صرف شکار بلکہ شکار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ خوب صورت لڑکیاں تو نوجوان لڑکوں کو پھانسنے کے لئے کارگر ثابت ہوتی رہی ہیں، لیکن عالیہ شاہ نے اپنے اس کھیل میں جدت پیدا کی تھی۔ کلب میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ بے شمار لڑکیاں اور خواتین شہروز کی جانب متوجہ ہیں، لیکن شہروز ذرا مختلف فطرت کا مالک ہے اور وہ ان پر زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ عالیہ شاہ نے سوچا تھا کہ اگر شہروز ان کے شکنجے میں پھنس جائے تو اس کے ذریعے وہ اتنی دولت کما لے گی کہ خرچ کرنا مشکل ہو جائے۔

اس نے پہلی ہی کامیاب کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی کوشش ناکام ہوگئی تھی، نہ صرف ناکام ہوئی تھی بلکہ اس کوشش کے ذریعے وہ ایسے جال میں پھنس چکی تھی جس سے نکلنا اب بہت مشکل بلکہ ناممکن محسوس ہو رہا تھا اور اب وہ شہروز کی محکوم بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہمیشہ اس وقت کو کوستی رہتی تھی جب اس نے کلب میں شہروز پر نگاہ ڈالی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو ممکن تھا کہ شہروز کا ایسا کوئی مسئلہ ہی سامنے نہ آتا۔ لیکن اب اس مسئلے سے بچنے کا کوئی ذریعہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ درحقیقت خود کو جو ظاہر کرتا ہے، وہی ہے یا اس نے اپنی فطرت پر یہ انوکھا خول چڑھا رکھا ہے......؟ لیکن یہ

فطرت بھی عجیب وغریب تھی۔ جس جگہ شہروز نے انہیں قید کیا تھا، وہاں وہ عجیب وغریب مخلوق تھی جنہیں حرفِ عام میں قطعی بے ضرر سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ ناچ گا کر زندگی گزارنے والے یہ تمام لوگ شہروز کے ساتھ مجرمانہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ممکن ہے شہروز نے یہ انوکھا ناٹک رچانے کے لئے خود کو ان ہی کے انداز میں سامنے لانے کا ڈھونگ رچایا ہو۔

بہرصورت ڈھونگ ہی ڈھونگ میں عالیہ شاہ ایک عجیب مشکل کا شکار ہوگئی تھی۔ نہ صرف وہ بلکہ اس نے شہر کے اتنے بڑے بڑے غنڈوں کو اس کے جال میں پھنسے ہوئے دیکھا تھا۔ اس دوران عالیہ شاہ ان غنڈوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرچکی تھی اور تو اور، شاکا جیسا آدمی بھی شہروز کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا تو اب عالیہ شاہ کی کیا حیثیت رہ جاتی تھی......؟ لیکن اس کے اندر سے بار بار ایک آواز اُبھرتی تھی کہ جب بری زندگی اپنائی ہے تو وہ مطلق العنان ہونی چاہئے۔ کسی کے ماتحت رہ کر اس کے احکامات ماننے تو کیا کیا......؟ لیکن موجودہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس نے شہروز کی قید سے نکلنے کے بعد شہروز سے وفاداری کا اقرار کیا تھا اور اب اس شہر میں بلکہ اس ملک میں رہنا ہے تو شہروز کا وفادار رہنا شرط ہے۔ لیکن دل سے اس نے یہ وفاداری قبول نہیں کی تھی اور یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی کو اس کا علم نہیں ہونے دے گی، بلکہ جب بھی موقع ملا تو شہروز کو زندگی سے محروم کردے گی۔

بار ہا اس نے سوچا کہ نواب فاروق حسن کو بیٹے کی ان حرکات کا علم نہ ہو، لیکن یہ رابطہ قائم کرنا بھی اب بعد از وقت تھا۔ شہروز کو اگر پھر شبہ ہوگیا کہ وہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہے تو پھر شاید اسے اس کی دوسری یا پھر تیسری غلطی تسلیم کیا جائے، جبکہ یہ لوگ بتا چکے ہیں کہ تیسری غلطی معاف نہیں کی جاتی۔ عالیہ شاہ دل ہی دل میں دانت پیس کر رہ جاتی تھی۔

اس دوران شہروز نے ایک بار بھی ان سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ ہاں......! عالیہ شاہ نے اپنے ان کلائنٹ سے گفتگو کی تھی جنہیں وہ بلیک میل کرتی تھی اور انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے پاس رقوم کی وصولیابی کی اطلاعات پہنچ چکی ہیں۔ پھر جب مقررہ تاریخ پر شہروز نے فون پر عالیہ شاہ کو حکم دیا کہ وہ تمام تر وصولیابی کر کے اس تک پہنچا دے تو عالیہ شاہ کا دل خون ہوکر رہ گیا۔ تاہم دولت کا مسئلہ اتنا بڑا نہیں تھا۔ اس نے بخوشی شہروز کی ہدایت پر عمل کیا اور وہ رقم جو ہر ماہ اس کی ملکیت ہوتی تھی، شہروز کے حوالے کردی اس رقم کو شہروز تک پہنچاتے ہوئے اس کی جو ذہنی کیفیت ہوئی تھی، وہ ناقابل بیان تھی۔

دوسری مرتبہ اسے شہروز کا فون موصول ہوا تو وہ بھنائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا بات ہے......؟''

''عالیہ شاہ......!''

شہروز کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

''ہاں ہاں......! بول تو رہی ہوں، پوچھ رہی ہوں، کیا بات ہے......؟''

''تمہاری آواز میں یہ اُکھڑا اُکھڑا پن کیوں ہے عالیہ شاہ......؟''

شہروز کے لہجے میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

''یہ تمہارے اپنے احساسات ہیں شہروز......! میں کیا کہہ سکتی ہوں......؟''

''عالیہ شاہ......! کل شام سات بجے شواز کلب میں ملو۔''

''مم......مگر......میں......میں......''

عالیہ شاہ نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند کردیا گیا۔ عالیہ شاہ ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کے دل میں پنکھے لگ گئے۔ شہروز شاید اس کے لہجے سے بگڑ گیا ہے۔ شواز کلب پہنچنے پر وہ اس کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرے......؟ عالیہ شاہ کو اپنی حماقت کا احساس ہونے لگا کہ یہ کیا بے وقوفی کر بیٹھی......؟ اس کے لہجے سے شہروز نے کوئی غلط اندازہ نہ لگا لیا ہو......؟ اور اب اسے اس کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے......؟ تھوڑی دیر پہلے جو جھلاہٹ سوار تھی، اب وہ خوف میں تبدیل ہوگئی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ بہت برا ہوا۔

''اب کیا کرنا چاہئے......؟''

بہت غور کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ شہروز سے جھوٹ بولے گی، اسے بتائے گی کہ ٹیلی فون کی لائن میں خرابی شہروز کے اس احساس کی وجہ بنی ہے، ورنہ وہ تو بہت پرسکون تھی۔ پھر شام کو وہ شواز کلب پہنچ گئی اور ایک میز پر بیٹھ کر شہروز کا انتظار کرنے لگی۔ سات بج کر دو منٹ پر شہروز اپنے مخصوص انداز میں وہاں پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک معصوم سی چمک تھی اور چہرے پر بے پناہ ملاحت۔ وہ جب دروازے سے داخل ہوا تو عالیہ شاہ دل مسوس کر رہ گئی۔

''یہ کمبخت جو دیکھنے میں فرشتہ، مقدس اور پاکیزہ نظر آتا ہے، اندر سے اس قدر شیطان ہوگا، کون تصور کرسکتا ہے......؟''

بہت سی نگاہیں اس کی جانب اُٹھ گئی تھیں۔ یوں بھی وہ بہت اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ عالیہ شاہ، شہروز کے نزدیک آنے پر کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور شہروز شرما کر بولا۔

''تشریف رکھئے تشریف رکھئے......! آپ تو ہمیں شرمندہ کررہی ہیں۔''

عالیہ شاہ بیٹھ گئی اور شہروز بھی ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کیسے مزاج ہیں آپ کے......؟''

''ٹھیک ہوں......!''

''چہرے سے تو آپ واقعی ٹھیک نظر آرہی ہیں۔''

اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

''کیا مطلب......؟''

عالیہ شاہ چونک کر بولی۔

''میرا مطلب ہے، فون پر آپ کچھ غلط ہوگئی تھیں۔''

''نہیں شہروز......! یہ صرف تمہارا خیال تھا، مجھے خود تمہاری بات پر حیرت ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب......؟''

شہروز کا لہجہ سرد تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ تم میری بات سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ میں اپنے ملازم کو ڈانٹ چکی تھی، ممکن ہے لہجے میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔ بھلا تم فون کرو اور میرے لہجے میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے......؟"

"ہاں......! نہیں ہونی چاہئے عالیہ شاہ......! آپ خود سمجھدار ہیں۔"

"مجھے احساس ہے۔"

عالیہ شاہ آہستہ سے بولی۔

"کمال کی بات ہے......! پھر بلاوجہ ہی میں نے یہاں تک تکلیف کی......؟ چلیں چھوڑیں......! آپ سے کچھ کام تھے۔"

"مثلاً......؟"

"اوہو......! ٹھہریئے......! یہ لڑکی آ رہی ہے۔ آپ اسے جانتی ہیں۔"

شہروز نے عالیہ شاہ کے بائیں سمت آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ نے بے اختیار گردن گھمائی۔

"نہیں......! میں نہیں جانتی۔"

"سامنے کی میز پر جو خاتون بیٹھی ہوئی ہیں، یہ باہر سے تشریف لائی ہیں۔ یہ شہزادی شیرانہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک چارٹرڈ طیارے سے آئی ہیں اور غالباً یہ ہوٹل ایروز میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ باقی باتیں ان خاتون کے جانے کے بعد ہوں گی۔"

"یہ کون ہے......؟"

عالیہ شاہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"شاید شیرانہ کی کوئی خادمہ ہے۔"

شہروز نے جواب دیا۔ اتنی دیر میں وہ لڑکی شہروز کی میز کے پاس پہنچ گئی اور پھر بولی۔

"کیا میں آپ لوگوں کے چند لمحات لے سکتی ہوں......؟"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں......! تشریف رکھئے......؟"

عالیہ شاہ نے انگریزی میں کہا۔ لڑکی بھی انگریزی بول رہی تھی۔ پھر لڑکی بیٹھ گئی۔ اس نے شہروز کی جانب نہیں دیکھا تھا، بلکہ عالیہ شاہ سے ہی مخاطب تھی۔

"میرا نام روشی ہے۔"

"روشی......؟ عجیب نام ہے۔"

"ہاں......! میں ایک چھوٹی سی ریاست سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس ریاست کی شہزادی شیرانہ آپ کے وطن میں آئی ہوئی ہیں اور یہاں مہمان کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ وہ خوش شکل اور خوش لباس لوگوں سے بہت متاثر ہوتی

ہیں اور ان سے راہ و رسم بڑھانے کی خواہاں ہوتی ہیں۔ آپ دونوں اس وقت اس کلب کے حسین ترین لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

لڑکی کے الفاظ پر عالیہ شاہ کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی جبکہ شہروز پُرسکون تھا۔

☆......☆......☆

لڑکی نے پھر کہا۔

"معاف کیجئے گا خاتون......! اگر آپ لوگ محسوس نہ کریں تو میں آپ کو خاتون شیرانہ کی جانب سے کچھ دیر کے لئے مہمان بنانا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کام کے لئے خود خاتون شیرانہ ہی نے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہو......!"

عالیہ شاہ بولیں۔

"خاتون شیرانہ کہاں ہیں......؟"

"وہ آپ کے بائیں سمت جو بیٹھی ہوئی ہیں، اپنی دو خادماؤں کے ساتھ۔"

لڑکی نے جواب دیا۔

"ہمیں مسرت ہوگی خاتون شیرانہ کے ساتھ بیٹھ کر، کیوں شہروز......؟"

عالیہ شاہ نے شہروز سے پوچھا اور وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں ہاں......! اس میں بھلا کیا حرج ہے......؟ مگر ہمیں شرم آتی ہے۔"

شہروز نے بھی یہ بات انگریزی میں ہی کہی تھی۔ روشی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ نہ جانے کیوں وہ شہروز سے نگاہیں ملاتے ہوئے کترا رہی تھی......؟ پھر بڑی ہمت کر کے اس نے شہروز کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ مرد ہو کر شرماتے ہیں......؟"

"ہائے......! کاش ہم مرد ہوتے۔"

یہ بات شہروز نے اُردو میں کہی تھی۔ عالیہ شاہ نے گھبرا کر روشی کی طرف دیکھا اور روشی سوالیہ نگاہوں سے عالیہ شاہ کو دیکھنے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں......؟ غالباً انہوں نے اپنی مقامی زبان میں کچھ کہا ہے......؟"

"یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں نہ جانے کیوں خواتین سے شرم آتی ہے......؟"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"اوہو......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ خاتون شیرانہ آپ کو اپنی میز پر خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا میں انہیں مطلع کر دوں......؟"

"ہاں......! آپ اطلاع دے دیں، ہم پہنچ رہے ہیں۔بس ذرا چند لمحات کے بعد۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور روشنی چلی گئی۔شہروز نگاہیں جھکائے بیٹھا رہا۔عالیہ شاہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

"شہروز......! کیا......میرا مطلب ہے، تمہیں ان کے آنے کی توقع تھی......؟"

"ہاں......! یقیناً......!"

شہروز نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اوہ......! تو مجھے یہاں کسی عتاب کے تحت نہیں بلایا گیا ہے......؟ بلکہ تم مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے تھے......؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"تو ٹھیک ہے......! مگر فون پر تم نے ایسا لہجہ کیوں اختیار کیا......؟ میں تو خواہ مخواہ ہولتی رہی۔"

"ہولنا اچھی بات ہے عالیہ شاہ......! آدمی کے اندرونی اعضاء اوور ہال ہو جاتے ہیں اور پھر وہ لہجے کو تلخ کرتے ہوئے بہت کچھ سوچتا ہے۔آیئے......! تھوڑی دیر ان خاتون شیرانہ کے ساتھ بیٹھیں گے اور پھر میں آپ کو ایک اور کام بتاؤں گا۔دراصل میں مختصر وقت میں بہت سارے کام کرنے کا عادی ہوں۔"

شہروز نے کہا۔چند ساعت کے بعد عالیہ شاہ اُٹھیں۔شہروز بھی ان کے پیچھے شرماتا لجاتا چل رہا تھا۔تقریباً اٹھائیس اُنتیس سال کی یہ حسین عورت جس کے چہرے سے عالیہ شاہ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کسی قدر اوباش فطرت کی مالک ہے، شہروز کو اپنی چمکدار آنکھوں سے گھور رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک بھوکی بلی کی سی کیفیت تھی اور نرم و گداز ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔عالیہ شاہ کو اس نے نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔البتہ شہروز کو دیکھ کر اس کے چہرے کی چمک بڑھتی جا رہی تھی اور پھر اس نے کسی قدر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

"آنے والے......! ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔لیکن یوں ملو گے، یہ معلوم نہ تھا۔"

اس کے لہجے میں خاصی بے باکی تھی۔شہروز شرما کر اُنگلیاں مروڑنے لگا۔عالیہ شاہ کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔اس بات کو سن کر اس کا جی چاہا کہ خاتون شیرانہ کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دے۔لیکن اب اس کی وہ حیثیت نہ تھی۔اب وہ صرف شہروز کی ایک خادمہ کی حیثیت رکھتی تھی۔تینوں خادمائیں یہاں سے اُٹھ کر برابر کی میز پر جا بیٹھیں اور شہروز اور عالیہ شاہ خاتون شیرانہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔لیکن شیرانہ اب بھی عالیہ شاہ کی جانب متوجہ نہیں تھی۔اس نے شہروز کو اسی انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا......؟"

"ان سے پوچھیں......!"

شہروز نے شرما کر جواب دیا اور پہلی بار شیرانہ نے متحیرانہ نگاہوں سے عالیہ شاہ کو دیکھا۔عالیہ شاہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے شیرانہ کو گھور رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا......؟"

خاتون شیرانہ نے پوچھا۔

"بس......! شہروز صاحب خواتین سے بات کرتے ہوئے کسی قدر اُلجھتے ہیں۔"

"اوہ......! تو کیا کمسن ہیں ابھی......؟"

خاتون شیرانہ نے بدستور اپنے مخصوص لہجے میں کہا اور شہروز نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

"ارے ارے......! ایسا تو نہ کریں۔یہ چہرہ ہی تو قریب سے دیکھنے کے لئے ہم نے آپ کو زحمت دی ہے۔شہروز نام ہے آپ کا......؟ بہت خوب......! ایسے حسین کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔آپ کی صحبت ہمارے لئے بڑی ہی جان فزاء ہے۔ان خاتون سے آپ کا کیا تعلق ہے......؟"

"ان سے پوچھئے......!"

شہروز نے پھر لچک کر کہا اور عالیہ شاہ کی ہنسی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔اسے وہ وقت یاد آ گیا تھا جب وہ اور ایک رئیس زادی نہ جانے کیسے کیسے خیالات لئے شہروز کا انتظار کر رہے تھے......؟ شہروز آیا اور اس نے لچک لچک کر، مٹک مٹک کر جو باتیں کیں تو ان کی کیا کیفیت ہو گئی تھی......؟

"یہ شہزادی صاحبہ دُنیا کی آوارہ گردی کو نکلی ہیں۔جب اس نوجوان کی خلوت حاصل کریں گی تو شاید دیواروں سے سر پھوڑنے ہی میں انہیں سکون ملے گا۔"

اس بار شیرانہ کسی قدر بے چینی کے انداز میں عالیہ شاہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"یہ کیسے آدمی ہیں......؟ ساری باتیں آپ ہی کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں، آپ ان کی کون ہیں......؟"

"میں......میں......"

عالیہ شاہ نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے شہروز کی جانب دیکھا اور شہروز ایک اُنگلی مروڑ کر بولا۔

"خالہ جان......!"

عالیہ شاہ کا دل غصے سے تڑپ کر رہ گیا تھا۔شیرانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یوں لگتا ہے جیسے آپ نے انہیں بہت زیادہ کنٹرول میں رکھا ہوا ہے۔"

"جی ہاں......! آپ نے ہمیں کیوں طلب کیا تھا......؟"

عالیہ شاہ نے خفگی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"بس......! میں نے کہا ناں، مجھے خوش پوش، خوش شکل لوگوں سے عشق ہے۔آپ اگر اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہوں۔"

"اگر یہ پسند کریں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"کیوں جناب......! کیا آپ میرے ساتھ رقص کریں گے......؟"

"اللہ نہ کرے......!"

شہروز نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"مم......میں......میں ناچنے گانے کا کاروبار نہیں کرتا۔"

"ناچنے گانے کا......؟ میں ڈانس کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔ ہم جاز ناچیں گے، تھوڑی دیر کے بعد جاز کی موسیقی شروع ہو جائے گی۔ میں ایک بہترین رقاصہ ہوں۔ تم میرے ساتھ ڈانس کر کے خوش ہو گے شہروز......!"

"نن......نہیں......! خالہ جان گھر جا کر ڈانٹیں گی۔"

شہروز نے سہمی ہوئی نظروں سے عالیہ شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ عالیہ شاہ کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔ خالہ جان کہہ کر شہروز نے اس کا ستیاناس مار دیا تھا۔ جبکہ شہروز کو وہ ایک طویل عرصے تک اپنا محبوب سمجھتی رہی تھی، لیکن کہہ بھی کیا سکتی تھی۔

"کیوں ڈیئر خالہ جان......! کیا آپ ہمیں رقص کرنے سے روکیں گی......؟"

شیرانہ نے خود بھی احتراماً عالیہ شاہ کو خالہ جان کہنا شروع کر دیا۔

"جی نہیں......! میں ان تمام فضولیات کی قائل نہیں ہوں۔"

عالیہ شاہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کسی مہمان کا دل بھی نہیں رکھ سکتیں......؟"

شیرانہ نے نخوت سے کہا۔

"جی......! ایسی ہی بات ہے۔ ہمیں اجازت دیں۔"

عالیہ شاہ نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن شہروز نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"رُکیئے تو سہی خالہ جان......! اب یہ خاتون، کیا نام ہے آپ کا......؟"

شہروز نے شیرانہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر شرمائے ہوئے انداز میں نگاہیں جھکا لیں۔

"جی......شیرانہ......!"

"جی ہاں، جی ہاں......! شیرانہ جی......! ارے خالہ جان......! اب یہ خاتون ہمیں اتنی اچھی لگ رہی ہیں کہ ہمارا دل یہاں سے اُٹھنے کو نہیں چاہ رہا۔ آپ اجازت دے ہی دیں خالہ جان......!"

"تمہاری مرضی......! میں اپنی میز پر بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"جی بہت اچھا......!"

شہروز نے سعادت مندی سے کہا اور عالیہ شاہ پھنائی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے بال نوچ ڈالے یا پھر میز پر سے بوتلیں اُٹھا اُٹھا کر شیرانہ اور شہروز کو مارنا شروع کر دے، شکلیں بگاڑ دے ان کی، حالانکہ عمر کی بہت سی منازل طے کر چکی تھی اور اب نوجوانی کی عمر میں نہیں تھی لیکن اس کے باوجود خود کو بوڑھا سمجھنے پر تیار نہیں تھی اور نہ ہی کسی کے منہ سے کہلوانا پسند کرتی تھی۔ شہروز نے اس کی مٹی پلید کر دی تھی۔ کہاں کہاں وہ اسے ذلیل و رُسوا کرے گا......؟ میز پر بیٹھ کر اس نے غصے سے ویٹر کو بلایا اور شراب کا آرڈر دے دیا۔ وہ آؤٹ ہوتی جا رہی تھی۔

شراب کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے وہ ان دونوں کو گھورتی رہی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے کسی قدر سکون محسوس ہوا تو عقل نے بھی ساتھ دینا شروع کر دیا۔ عالیہ شاہ ان خواتین میں سے نہ تھی جو شراب کے چند گھونٹ لے کر اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں بلکہ وہ تو اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ شراب پی کر اسے بہت کچھ یاد آنے لگتا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ دراصل شہروز کو فون والی بات پر یقین نہیں آیا اور یہ حرکت ایک سزا کی حیثیت رکھتی ہے اور اس خیال کے ساتھ وہ ایک دم سنبھل گئی۔

شیرانہ اپنی میز سے اُٹھ رہی تھی۔ اس نے شہروز کا ہاتھ اس طرح پکڑ رکھا تھا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو اور پھر وہ شہروز کو لئے ڈانسنگ فلور پر چلی گئی۔ جاز کے لئے ہلکی ہلکی موسیقی شروع ہو گئی تھی اور جوڑے اُٹھ اُٹھ کر فلور کی جانب جا رہے تھے۔ پھر شیرانہ، شہروز کے ساتھ رقص کرنے لگی اور عالیہ شاہ کی نگاہیں ان دونوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ کمبخت بڑا عمدہ رقص کر رہا تھا۔ شیرانہ کو یقیناً اس کے رقص کرنے کے انداز پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ شہروز کو دیکھتی رہی۔ پہلا راؤنڈ ختم ہوا تو شہروز، شیرانہ کی بجائے عالیہ شاہ کے پاس آ گیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"خالہ جان......! یہ رقص کرتے ہوئے کیسا لگتا ہے......؟ آپ نے کبھی رقص کیا ہے......؟"

"شہروز......! کیوں میرے صبر کو آزما رہے ہو......؟"

"میں سمجھا نہیں خالہ جان......!"

"یہ اچانک میں تمہاری خالہ جان کیسے ہو گئی......؟"

"اوہو......! بس ضرورتاً سمجھ لیں۔ اب ظاہر ہے، میں آپ کو اپنی نواسی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ خالہ جان ہی کہہ کر کام چلا لیا۔ ویسے شیرانہ بہت دلچسپ ہیں، کسی عجیب سی ریاست کا نام لیتی ہیں۔ ریاست کے بارے میں تو خیر مجھے معلومات حاصل نہیں، لیکن یہ خبریں بہت دن سے اُڑ رہی ہیں کہ خاتون شیرانہ کے پاس نہایت قیمتی ہیرے ہیں، ایسے قیمتی کہ شہر کے کئی جوہری راتوں کی نیندیں حرام کر چکے ہیں۔ وہ سب کے سب خاتون شیرانہ سے کسی نہ کسی طور پر مل چکے ہیں۔ ویسے عام لوگوں کو ہیروں سے دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن ہم تو خاص لوگوں میں سے ہیں۔ پھر کیا خیال ہے......؟"

"اوہو......! کیا مطلب......؟"

عالیہ شاہ چونک پڑی۔

"بس......! کچھ نہیں خالہ جان......! گندی گندی باتیں نہیں کرتے، میں آپ سے دوسرے کام کے لئے کہہ رہا تھا۔ یاد ہے آپ کو......؟"

"ہاں......!"

"وہ دراصل ہمارے ایک کرم فرما ہیں، نام ہے ان کا شانی بھائی روئی والا۔ یہ روئی والا تو پتا نہیں کیا ہے......؟ لیکن وہ شاہین سیٹھ ضرور ہیں، اور شانی بھائی روئی والا کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، تو عالیہ شاہ......! کل آپ کو اور سردارے کو شانی بھائی روئی والا کے پاس جانا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا پیغام لیتی جایئے، کل دن کو ٹھیک ساڑھے

گیارہ بجے آپ مجھے کیرن روڈ کے چوراہے کے پاس ملیں گی۔ وہاں میں آپ کو ایک لفافہ دے دوں گا۔ یہ لفافہ آپ شانی بھائی کو دے دیں گی۔''

''اس کے علاوہ کوئی تفصیل بتاؤ گے......؟''

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

''نہیں بس......! میرا خیال ہے، شانی بھائی جیسے لوگ ایک آدھ بار داؤ میں نہیں آتے۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں۔ آپ انہیں گل زادی کا حوالہ دے سکتی ہیں۔''

''کوئی اُلجھن تو نہیں پیش آئے گی......؟''

''میرا خیال ہے، نہیں......! یہ اپنے روئی والا امن پسند آدمی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے مخالفوں میں سے کئی کو قتل کرا چکے ہیں، لیکن خود کبھی کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارا۔ میرے سلسلے میں ذرا احتیاط ہی رکھیں گے۔ آپ کو فکر نہیں کرنی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے......! میں کل تم سے مل لوں گی اور یہ شیرانہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا......؟''

''جو کچھ سوچا ہے، آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ ابھی تو ہماری ان سے شناسائی ہوئی ہے۔ بڑی دلکش خاتون ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے......؟''

''میں ان فضولیات پر غور نہیں کرتی۔''

''ارے ہاں......! آپ کی عمر جو زیادہ ہو چکی ہے۔ چلیں، کوئی حرج نہیں ہے۔ آیئے، چلتے ہیں۔ میں پھر کبھی خاتون شیرانہ سے مل لوں گا۔ ابھی تو میں نے ان سے معذرت کر لی ہے۔''

شہروز نے کہا اور عالیہ شاہ نے ویٹر کو بل لانے کے لئے ہدایت کر دی تھی۔

☆......☆......☆

نواب فاروق حسن خان دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کر رہے تھے۔ یہ ان کی عادت میں شامل تھا۔ وہ ایک گھنٹہ آنکھیں بند کر کے تنہائی میں لیٹ جاتے تھے۔ اس دوران کسی کو ان کے آرام میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ اہل خاندان اور ملازمین سبھی جانتے تھے کہ نواب صاحب اس وقت قیلولہ کر رہے ہیں۔ نواب صاحب اس ایک گھنٹہ میں سونے کی کوشش نہیں کرتے تھے، بس آنکھیں بند کئے خاموشی سے کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی یہی کیفیت تھی۔ باہر کا دروازہ کبھی بند کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، کیونکہ اس دوران کوئی مخل نہیں ہوتا تھا، لیکن جب دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز اُبھری تو انہوں نے حیرانی سے آنکھیں کھول دیں۔ یقیناً کوئی خاص ہی معاملہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آنے والے کو بغور دیکھا۔ علی عالم پناہ کو دیکھ کر انہوں نے کسی قدر ناگواری محسوس کی۔ لیکن پھر خیال کیا کہ خاندان کا بچہ ہے۔ اب اگر تھوڑا سا احمق ہے تو اسے نبھانا ہی پڑے گا۔ اسی خیال کے تحت وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگے۔ عالم پناہ نے سوئچ تلاش کر کے کمرے میں تیز روشنی کر دی اور خواب گاہ کے بیچوں بیچ آ کھڑے ہوئے۔

''کیا بات ہے میاں......؟ کیسے آنا ہوا......؟''

نواب صاحب نے کہا تو عالم پناہ نواب صاحب کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے ناک پر اُنگلی رکھ کر کمر لچکائی اور آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر لچک لچک کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر دکھانے لگے۔ نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ یہ احمقانہ حرکات کیا معنی رکھتی ہیں......؟ چند ساعت تو وہ عالم پناہ کے بولنے کا انتظار کرتے رہے جو اب درمیان میں پھر ساکت ہو گئے تھے۔ نواب صاحب نے پھر پوچھا۔

''تمہیں کیا ہو گیا بھئی......؟ کیا کھانے میں کوئی غلط چیز کھا لی ہے......؟''

عالم پناہ نے انہیں پھر کٹیلے انداز میں دیکھا اور نچلا ہونٹ دبا کر اور دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسرے پر رکھ کر لچک کر رُخ بدل لیا۔ اس کے بعد انہوں نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور گھٹنا زمین پر ٹکا کر دل پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے گویا ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر پیش کی تھی۔ اس کے بعد عالم پناہ نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ایک والہانہ انداز میں ایسے آگے بڑھے جیسے نواب صاحب کے سینے سے لپٹ جائیں گے۔ نواب صاحب جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

''کک......کیا بالکل ہی پاگل ہو گئے ہو......؟ پیچھے ہٹو، پیچھے ہٹو......! کیا بدتمیزی ہے......؟''

عالم پناہ نے ایک گہرا سانس لیا اور اس طرح کسی خیالی محبوبہ کو آغوش میں لے لیا کہ نواب صاحب ان کے اشارے کو سمجھ لیں۔ انہوں نے آنکھوں کی پتلیوں کو اِدھر اُدھر حرکت دی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ یہ تصویر پیش کر رہے تھے کہ جیسے عاشق اور محبوبہ میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہو۔ پھر انہوں نے بچکولے لئے اور اپنی دانست میں محبوبہ کی کلائی پکڑ لی۔ پھر انہوں نے مونچھوں پر تاؤ پھیرا اور سینہ تان کر کھڑے ہوئے۔ گویا خاندان کی رُسوائی کا مظاہرہ کر رہے ہوں۔ نواب صاحب پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عالم پناہ کا دماغ چل گیا ہے اور اب ان کی آنکھوں میں وحشت کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

''تجھے کیا ہو گیا بھئی......؟ ارے احتشام......! احتشام......! ذرا اسے دیکھو، یہ کیا گڑبڑ ہو گئی بھئی......؟''

وہ مسہری پر سمٹتے ہوئے بولے۔ عالم پناہ زور زور سے گردن ہلانے لگے تھے۔ انہوں نے دوبارہ وہی منظر پیش کرنا شروع کر دیا۔ لیکن نواب صاحب اب اس چکر میں تھے کہ جوں ہی موقع ملے دروازے سے نکل بھاگیں۔ وہ مسہری کے نیچے جوتیاں تلاش کر رہے تھے۔ عالم پناہ نے پھر ہاتھ بڑھائے اور کئی قدم پھر نواب صاحب کی طرف بڑھائے۔

''میں کہتا ہوں، ہٹ جا پیچھے، ہٹ......!''

نواب صاحب نے جلدی سے جھک کر جوتی اُٹھائی اور عالم پناہ گردن لٹکا کر کھڑے ہو گئے۔

''ارے بھئی احتشام......! کوئی ہے......؟ کہاں مر گئے سب کے سب......؟''

نواب صاحب خوف زدہ لہجے میں چیخے۔ باہر سے ایک ملازم گزر رہا تھا۔ وہ دروازے پر رُک گیا۔ اندر داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن یہ سن لیا تھا کہ نواب صاحب احتشام صاحب کو پکار رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دوڑتا ہوا

احتشام حسن کے پاس پہنچ گیا اور یہ اطلاع دی کہ نواب فاروق حسن اپنے کمرے میں گھسے ہوئے ''احتشام، احتشام'' چیخ رہے ہیں۔ احتشام صاحب نے جو یہ سنا تو بیچارے ہانپتے کانپتے نواب صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔

دوسری جانب عالم پناہ نے نئے نئے اشاروں کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا اور نواب فاروق حسن کو ابھی تک موقع نہیں ملا تھا کہ وہ دروازے سے چھلانگ لگا کر باہر نکل جاتے۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا تو احتشام حسن خان اندر داخل ہو گئے۔ عالم پناہ نے چونک کر احتشام حسن کو دیکھا اور ان کی روح فنا ہو گئی۔ وہ ایک دم سارے اشارے بھول گئے اور سمٹ کر ایک دیوار سے جا لگے۔

''کیا ہو رہا ہے بھئی......؟ خیریت تو ہے بھائی جان......! میں نے سنا آپ مجھے آوازیں دے رہے تھے۔''

''ارے بچاؤ......! مجھے بچاؤ اس سے، یہ پاگل بیل کہاں سے گھس آیا......؟''

فاروق حسن جلدی جلدی جوتیاں پہنتے ہوئے بولے اور پھر بھاگ کے نواب احتشام حسن کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ نواب احتشام عالم پناہ کو گھور رہے تھے۔ عالم پناہ کا رنگ فق ہو گیا۔

''کیا بات ہے بھئی......؟''

''وہ......وہ......کک......کچھ نہیں پھوپھا جان......! وہ میں......میں......''

''میں کہتا ہوں یہاں کیوں آئے تھے......؟''

نواب احتشام حسن نے پوچھا۔

''بس اشاروں کنایوں میں......میرا مطلب ہے، کلاسیکل انداز میں......میرا مطلب ہے......''

''میں ابھی تجھے مطلب سمجھاؤں، میں کہتا ہوں، یہاں کیوں گھسا......؟''

''اب نہیں گھسوں گا، اب نہیں گھسوں گا۔''

عالم پناہ کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

''کیا کر رہا تھا یہ......؟''

''عجیب وغریب حرکتیں کر رہا تھا۔ خدا کی قسم......! عجیب وغریب رقص کر کے دکھا رہا تھا مجھے، ایسے شرمناک پوز بنا رہا تھا کہ خدا کی قسم......! میں تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس کمبخت کو سوجھی کیا......؟ میں تو بوڑھا آدمی ہوں، یہ مجھے ایسی حرکتوں سے رجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میاں احتشام......! یہ ہے کیا بلا......؟''

نواب فاروق نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ابھی تک ان کے حواس درست نہیں ہوئے تھے۔

احتشام حسن اس انوکھے انکشاف پر خود بھی حیران رہ گئے تھے۔

''کیا بالکل ہی نکل گیا یہ......؟''

انہوں نے عالم پناہ کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ شاید مارنے کے لئے کوئی چیز تلاش کر رہے تھے۔ عالم پناہ نے ان کی یہ کیفیت محسوس کر لی اور چھلانگ لگا کر ایک صوفے کے پیچھے ہو گئے۔

''پھوپھا میاں......! پھوپھا میاں......! آپ کو......آپ کو خدا کی قسم......! دیکھئے......دیکھئے کوئی غیر......میرے ساتھ کوئی......میرا مطلب ہے......لاحول ولاقوۃ......! یہ زبان کمبخت لڑکھڑائے جا رہی ہے۔ پھوپھا میاں......! معاف کرو، میرا کوئی مقصد نہیں تھا، یقین کریں، میں تو......میں تو......''

احتشام صاحب کو اور کچھ تو نہ ملا۔ انہوں نے پاؤں سے جوتا اُتار لیا اور عالم پناہ کی طرف بڑھے۔ عالم پناہ چھلانگ لگا کر صوفے کے دوسری طرف ہو گئے اور پھر وہاں سے بھی چھلانگ لگائی تو نواب فاروق حسن کے پیچھے پہنچ گئے۔

''دیکھ بھائی......! مجھے مت چھونا ناپاک کہیں کا......! ایسی حرکتیں کرنے کے بعد کہیں انسان پاک رہ سکتا ہے......؟''

فاروق حسن اُچھل کر ایک طرف ہٹ گئے اور ان کے آگے سے ہٹتے ہی عالم پناہ کو موقع مل گیا۔ وہ ایسے دروازے کی طرف بھاگے کہ پھر انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ دوسری جانب فاروق حسن کی آنکھیں اب بھی حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''پاگل تو بہت سے دیکھے ہیں، مگر یہ انوکھا پاگل تھا۔ نہ جانے کیا سوجھی تھی کمبخت کو......؟ مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ اس گھر کی کچھ فضاء ہی خراب ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''میاں زنخوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا، اور......اور......''

دفعتہً نواب فاروق حسن کو خیال آ گیا کہ وہ کیا کہنے جا رہے ہیں......؟ چنانچہ جلدی سے زبان بند کر لی۔

''ایسا تو کبھی نہیں ہوا اسے۔''

احتشام حسن پُرخیال انداز میں بولے۔

''چیک کراؤ میاں......! اسے چیک کراؤ، کسی ڈاکٹر کے پاس اسے لے جاؤ۔ ابھی تو مرض ابتدائی منازل میں ہے، آگے بڑھ گیا تو نہ جانے کیا ہو......؟''

فاروق حسن نے کہا اور پھر احتشام حسن کے ساتھ باہر نکل آئے۔ عالم پناہ کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر اب عالم پناہ کا یہاں وجود کہاں تھا......؟ انہیں تو جان بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ انہیں پتا چل گیا تھا کہ جب فاروق حسن، احتشام صاحب کو ساری تفصیل بتائیں گے تو ان کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی......؟

☆......☆......☆

اس وقت کوئی جائے پناہ نہیں تھی کہ تابش نظر آ گیا اور عالم پناہ، تابش کے پاس پہنچ کر اس کے گھٹنوں میں بیٹھ گئے۔ تابش ایک دم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''یہ......یہ......کک......کیا کر رہے ہیں......؟ جوتیاں اُٹھا رہے ہیں کیا......؟''

تابش نے پریشانی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''تابش بھائی......! تابش بھائی......! بخدا......! عزت بچا لیجئے، ورنہ ہم تو گئے۔''

''ہوا کیا ہے آخر......؟''

''بچا لیجئے تابش بھائی......! اس وقت آپ ہی بچا سکتے ہیں، آپ سے زیادہ ذہین شخص اس پوری کوٹھی میں اور کوئی نہیں ہے۔''

''مکھن مت لگاؤ، اصلی بات بتاؤ......!''

تابش نے کہا۔

''چھپا لیجئے مجھے کہیں، چھپا لیجئے......! ورنہ پھوپھا میاں، میرا مطلب ہے، احتشام صاحب میری کھال اُتار لیں گے پورے بدن کی۔ سخت غصے میں ہیں وہ۔ ارے باپ رے......! سب کچھ پتا چل گیا انہیں تو کیا ہوگا......؟''

عالم پناہ کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ تابش نے متحیرانہ انداز میں انہیں دیکھا۔ پھر چند ساعت سوچتا رہا اور پھر گردن ہلا کر بولا۔

''ٹھیک ہے......! آپ کی مدد کی جا سکتی ہے۔''

''تو جلدی کرو......! اس وقت کیا فائدہ ہوگا جب میں کسی مدد کے قابل ہی نہیں رہوں گا......؟''

''چھپنا چاہتے ہیں......؟''

''ہاں ہاں......! جلدی کرو، پلیز......!''

عالم پناہ کی آواز بری طرح بھرا رہی تھی۔

''آئیے میرے ساتھ......!''

تابش نے کہا اور کوٹھی کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں ایک اسٹور بنا ہوا تھا، وہ اس میں پرانا کاٹھ کباڑ بھرا رہتا تھا۔ اس نے اسٹور کا دروازہ کھولا اور آنکھ سے اشارہ کر کے عالم پناہ سے کہا کہ اندر گھس جائیں۔ عالم پناہ بدحواس تو تھے ہی، فوراً اندر گھس گئے اور تابش نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ لیکن صورتِ حال ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ نہ جانے کیا قصہ تھا......؟ بہرصورت وہ دوسرے تمام لوگوں کو اس دلچسپ واردات کی اطلاع دینے کے لئے دوڑ گیا۔

☆......☆......☆

ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر سرخ رنگ کی اسپورٹس کار عالیہ شاہ کے پاس آ کر رُک گئی۔ شہروز اس میں موجود تھا۔ اس نے خاموشی سے ایک لفافہ عالیہ شاہ کی طرف بڑھا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

''ایک منٹ......! ایک منٹ شہروز......!''

عالیہ شاہ نے کہا اور شہروز کار ریورس کر کے عالیہ شاہ کے پاس آ گیا۔

''ہوں......! بولو......!''

''کب جاؤں اس کے پاس......؟ ابھی چلی جاؤں کیا......؟''

''ظاہر ہے، ورنہ تمہیں یہ لفافہ کس لئے دیا گیا ہے......؟''

شہروز نے کہا۔

''میں وہاں رُکوں......؟''

''ہاں......! جواب لے کر آنا۔''

شہروز بولا اور عالیہ شاہ گردن ہلا کر اپنی کار کی جانب بڑھ گئی۔ شہروز کی اسپورٹس ایک زناٹے کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ عالیہ شاہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ شانی بھائی روئی والا کے بارے میں شہروز اسے تھوڑا بہت بتا چکا تھا۔ چنانچہ وہ شانی بھائی کے آفس کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک بلڈنگ کے سامنے کار روک دی جس کی دوسری منزل پر شانی بھائی کے پاس پورا فلور تھا اور اس میں اس کے دفاتر پھیلے ہوئے تھے۔ اوپر پہنچ کر اس نے اس عظیم الشان دفتر کو دیکھا۔ کافی بڑی فرم تھی، یقیناً لمبا چوڑا کام بھی ہوتا ہوگا۔ اس نے ایک چپڑاسی سے شانی بھائی کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں......! سیٹھ صاحب اندر موجود ہیں، مگر آپ کا کارڈ کہاں ہے......؟''

''بس......! ان سے کہہ دو کہ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''بہت مشکل ہے خاتون......! سیٹھ صاحب سے وقت لئے بغیر کوئی نہیں مل سکتا۔''

''مگر میں ان سے ملوں گی، جاؤ اور جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، ان سے کہہ دو۔''

عالیہ شاہ نے غصیلے انداز میں کہا اور اردلی سر ہلانے لگا، پھر اس نے کہا۔

''دیکھیں، میں کوشش کرتا ہوں، سیٹھ صاحب کے پی اے سے بات کر لوں۔ اگر وہ آپ کو جانے کی اجازت دے دے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم مجبور ہوتے ہیں۔''

''مجبور کے بچے......! میں کہہ رہی ہوں جاؤ۔ سیٹھ شاہین سے کہہ دو کہ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں، اور اگر ان کے پاس وقت نہیں ہے تو وہ گل زادی سے فون پر بات کر لیں۔''

''کس سے......؟''

اس نے پوچھا۔

''گل زادی......!''

عالیہ شاہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ ''گل زادی، گل زادی'' کی گردان کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے جا کر سیٹھ شاہین روئی والا کے اردلی سے بات کی اور اردلی اندر چلا گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ بھڑاک سے کھلا اور ایک عجیب و غریب شخصیت نظر آئی۔ یقیناً یہ سیٹھ شاہین عرف شانی بھائی روئی والا ہے۔ وہ لمبی سی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ کھدر کا کُرتہ اور پاجامہ، آنکھوں پر قدیم طرز کا چشمہ، عجب ہونق سی صورت تھی۔ وہ باہر آئے اور منہ پھاڑ کر

اِدھراُدھر دیکھنے لگے۔

"ارے......! کدرے بابا......! کون بائی ہے......؟ بلاؤ نی......! جلدی بلاؤ......!"

انہوں نے کہا اور اردلی جو ابھی ان کے پیچھے ہی تھا، ان کی بغل میں سے نکل آیا۔ اس نے عالیہ شاہ کو اشارہ کیا اور عالیہ شاہ آگے بڑھ کر اندر داخل ہوگئی۔ روئی والا نے اسے دیکھا اور بولا۔

"ارے......! کس کا نام لیا بائی تم نے......؟ نی......! پھر سے بولو......! کس نے بھیجا ہے تمہارے کو......؟ نی......! جلدی سے بولو......!"

سیٹھ صاحب کا سانس پھول رہا تھا۔

"آپ ہی سیٹھ شاہین عرف شانی بھائی روئی والا ہیں......؟"

"ہاں......! اپن ہی ہے بابا......! نی......! تمہارے کو کیا کام پڑ گیا اپن سے......؟ کس کا نام بولا تم اپنے چڑ پھانسی کو......؟"

"گل زادی......!"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"وارے بپا......! مار دیو......! ہائے گل زادی......! ہمارے دفتر میں بھی آ گھسیلا ہے......؟ ارے......! یہ ادر کدرے آ گیا رے......؟"

"سیٹھ صاحب......! یہ کیا فضول کا تماشہ لگا رکھا ہے آپ نے......؟ اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھئے اور مجھ سے بات کیجئے......!"

عالیہ شاہ نے سرد اور بھاری لہجے میں کہا اور سیٹھ صاحب منہ پھاڑ کر اسے دیکھتے رہے۔

"جا تو رہا ہے بابا......! جاتا تو ہے۔ ارے بپا......! اپن کی کمپنی میں گھس کر اپن کو ڈانٹتا پڑا ہے......؟ آؤ نی......! تم بھی مرو، آ جاؤ......!"

سیٹھ صاحب کراہتی ہوئی آواز میں بولے اور گھوم کر اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ سامنے رکھی ہوئی میز کافی طویل وعریض اور خوب صورت تھی، لیکن سیٹھ صاحب اس میز کے پیچھے ذرا بھی نہیں جچ رہے تھے۔ سامنے ڈیکوریشن پیس اور خوب صورت ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ ایک طرف سلیقے سے کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ لیکن سیٹھ صاحب کی شخصیت بالکل ایسی نہیں تھی کہ وہ اس فرم کے مالک معلوم ہوتے۔ بمشکل تمام انہوں نے ناک کی پھنگ پر رکھے ہوئے چشمے کو درست کیا۔ ان کی شکل پر یتیمی برس رہی تھی۔ پھر وہ بولے۔

"ہاں......! بولو بائی......! اب بولو نی......! کیا بولنے آیا تم......؟"

"یہ دیا ہے گل زادی نے آپ کے لئے......!"

عالیہ شاہ نے ایک لفافہ نکال کر شانی بھائی کو دیتے ہوئے کہا۔

"ارے بپا......! کیا ہے اس میں......؟ تم ہی کھول لو نی......! اپن کی تو آنکھوں کے نیچے ستارے دوڑتے

پھر رہے ہیں۔ ایک اِدھر تو دوسرا اُدھر۔ نی بولو بائی......! جلدی بولو......! اپن ذرا کمزور دل کا آدمی ہے۔ جلدی بولو......! کیا ہے اس میں......؟"

"آپ خود ہی دیکھ لیں سیٹھ صاحب......! مجھے یہ لفافہ دیا گیا ہے اور اسے کھولنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔"

عالیہ شاہ نے لفافہ سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ سیٹھ صاحب کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ انہوں نے لفافہ اب بھی عالیہ شاہ کے ہاتھ سے نہیں لیا۔ پہلے ٹوپی اُتار کر نیچے رکھی، پھر چشمہ اُتارا اور اسے کُرتے کے دامن سے صاف کرنے لگے۔ اس کے بعد اسے دوبارہ ناک پر جمالیا اور ٹوپی اُٹھا کر سر پر رکھی اور عالیہ شاہ کی طرف بیچارگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"نی......! اپن کو ہی پڑھنا پڑے گا......؟"

"ہاں سیٹھ صاحب......!"

"نی......! تم ہی سنا دو بائی......! تمہارا مہربانی ہوگا۔"

"لفافہ آپ کے لئے ہے سیٹھ صاحب......!"

"تو اپن تمہارے سامنے موجود ہے۔"

"پھر بھی یہ گل زادی کا حکم ہے۔"

"تحریر میں بھی حکم ہے......؟ ارے......! صاحب کو دینا پڑا ہے، لاؤ اپن کو ہی دے دو، لاؤ دو......!"

سیٹھ صاحب کا لرزتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا اور انہوں نے بمشکل تمام لفافہ عالیہ شاہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ ان کے اعصاب جواب دے گئے تھے اور آنکھوں میں بار بار پانی آ رہا تھا۔ بڑے جتن کرنے کے بعد انہوں نے لفافہ کھول کر اس میں سے کچھ نکال لیا۔ یہ صرف ایک کارڈ تھا۔ عالیہ شاہ دلچسپ نگاہوں سے اس کارڈ کو دیکھ رہی تھی۔ یہ سبز رنگ کا سادہ کارڈ تھا جس کے نچلے حصے پر کوئی تحریر لکھی ہوئی تھی جو عالیہ شاہ کو نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن سیٹھ صاحب نے خود ہی یہ مشکل حل کر دی اور بلند آواز میں اس تحریر کو پڑھا۔

"تاریخ گزر چکی ہے۔"

اس کے بعد سیٹھ صاحب خاموش ہو گئے۔ عالیہ شاہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس عجیب و غریب کارڈ پر اس کے علاوہ اور کوئی تحریر نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب کی بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"تاریخ گزر چکی ہے، اے گزر چکی ہے تو میں کیا کرے بابا......؟ میرے کا آج کل ہر سودے میں گھاٹا ہو رہا ہے، مندا چل رہا ہے، چاروں طرف گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ ابھی کدر سے لائے پیسہ......؟ اتا تو مغز خراب ہو گیا ہے بائی......! ارے......! بولو نی......! کدے سے لائے پیسہ......؟"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں سیٹھ صاحب......؟"

"ارے......! کدر کو روتا پڑا......؟ اور کیا کہتا......؟ اے بائی......! تیرے کو خدا کو واسطہ......! تو ہی

سفارش کر دے اپن کی، ابھی کدر سے پیسہ لائے......؟ وہ بولتا پڑا تاریخ گزر چکی ہے......؟ ارے......! کیا کرے بابا......؟''

عالیہ شاہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ سیٹھ صاحب تھوڑی دیر تک بین کرتے رہے، پھر چونک کر عالیہ شاہ کو دیکھنے لگے۔

''اے بائی......! اے بائی......! تیرے تو اس سے اچھے تعلقات ہوں گے، تو بھی تو کچھ بول بائی......! ارے......! یہ گل زادی......اس کا بیڑہ غرق ہو۔ ارے......! کدر سے آمرا اپن کی کھوپڑی پر......؟ نی......! بولو، کدر سے لائے پیسہ......؟ دس لاکھ......؟ ارے بپا......! پورے دس لاکھ......؟ ہائے......! مرگئیو رے......!''

سیٹھ صاحب گریبان کھول کر سینے پر پھونکیں مارنے لگے۔ عالیہ شاہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ صورتِ حال کسی قدر اس کی سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔ اسی وقت سیٹھ صاحب پھر بول پڑے۔

''نی......! تم پتھر کا بنا ہوا ہے کیا......؟ نہ بولتا ہے، نہ ہلتا ہے، نہ چلتا ہے۔ ارے بابا......! تم بھی انسان ہے۔ کچھ تو بولو نی......! اپن کو تسلی دو، اپن مر جائیں گا۔ خدا قسم......! کچھ کرو ہمارے لئے، اپن کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ سارا بینک اوڈی پڑا ہے۔ اپن کو اب اوڈی بھی نہیں ملیں گا۔ کدر سے دس لاکھ روپیہ نکالے......؟ بتاؤ، تم میرے کو بتاؤ......!''

''سیٹھ صاحب......!''

عالیہ شاہ سرد لہجے میں بولی اور سیٹھ صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''بولو......! بولو بائی......! کیا بولتا پڑا......؟''

''گل زادی نے جواب مانگا ہے۔''

''اِیں......؟''

سیٹھ صاحب کا منہ کھل گیا۔ پھر وہ ہانپتے ہوئے بولے۔

''جواب مانگا ہے......؟ بس جواب مانگا ہے......؟ ارے......! بس یہی بولنا تھا تمہارے کو......؟ ٹھیک ہے......! بس ٹھیک ہے بائی......! جاؤ، اس کو جواب دے دو، بول دو اس کو کہ اپن کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ جب پیسہ ہوئیں گا تو دے دیں گا۔ ابھی کدر سے لائے......؟ اپن مرنے کو تیار ہے، بس تیار ہے۔ جاؤ بول دو گل زادی کو، جاؤ بائی......! اب اپن کیا کرے......؟''

سیٹھ صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔ عالیہ شاہ کرسی کھسکا کر خاموشی سے کھڑی ہوگئی اور پھر وہ دروازے کی طرف مڑ گئی۔ لیکن ابھی وہ دروازے تک پہنچی بھی نہ تھی کہ سیٹھ صاحب نے کرسی کھسکا کر اس کی طرف دوڑ لگائی۔

''اے بائی......! اے بائی......! نی......! تھوڑا سنو تو......! او تیرے کو خدا کا واسطہ......! سنو تو......!''

عالیہ شاہ رُک گئی

''جی کہئے......!''

اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''بائی......! تو مسلمان ہے......؟''

''ہاں، ہوں۔''

''انسان ہے......؟''

''یہ تم خود اندازہ لگاؤ۔''

''کیا اندازہ لگائے بابا......! اس گل زادی نے تو اپن کو کوئی اندازہ لگانے کے قابل نہیں چھوڑا۔''

''تو میں کیا کروں......؟''

''اے سن تو بائی......! میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، میری بات تو سن لے۔ نی......! میرے کو دس لاکھ روپے قرض دے دے۔''

''کون......؟ میں......؟''

''تو اور کس کو بولتا پڑا بابا......؟''

''آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں سیٹھ صاحب......؟''

''اے کالا کافر ہو جو مذاق کرتا ہو۔ بائی......! میری بات مان لے۔''

''آپ کا دماغ خراب ہے سیٹھ صاحب......!''

''کیوں بائی......! کیوں......؟ تو اپن کی حالت کا اندازہ نہیں لگا رہی......؟ اپن بہت پریشان ہے، خدا قسم......!''

''تو میں کیا کروں......؟ میں جا کر گل زادی کو بتائے دیتی ہوں کہ آپ نے کیا جواب دیا ہے......؟''

عالیہ شاہ پھر دروازے کی طرف مُڑ گئی۔

''سن تو بائی......! اپن کا مغز خراب ہوا پڑا ہے۔ اس لئے اپن اُلٹی سیدھی باتیں بولتا پڑا۔ ارے بابا......! معاف کردو......! خدا کے واسطے......! معاف کردو......! اپنا تو بیڑہ غرق ہوگیا۔ ارے......! ایسا مت بول دینا تم اس کو۔ وہ ہماری آنتیں باہر نکال دے گا۔ نہیں بائی......! تھوڑا بیٹھو، رُک جاؤ۔ کیا پیئے گا تم......؟ ٹھنڈا پانی منگوائیں......؟''

سیٹھ صاحب نے پوچھا۔

''جی نہیں......! شکریہ......! مگر اب آپ اور کیا کہنا چاہتے ہیں......؟''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''ارے کیا کہے گا بابا......! تھوڑا سا سوچنے کا موقع دو، سوچنے کا موقع دو۔ بیٹھو بیٹھو......! بیٹھو نی......! تم تو اُٹھ کر ایسے بھاگتا پڑا، جیسے ام تم کو کھا جائے گا......؟ بیٹھو بائی......! بیٹھو، ہم شریف آدمی ہیں۔''

سیٹھ صاحب نے کہا اور عالیہ شاہ ایک گہری سانس لے کر کرسی کی جانب بڑھ گئی۔ سیٹھ صاحب نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر دونوں پاؤں اوپر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ کسی اُلو کی مانند نظر آ رہے تھے۔ عینک کھسک

کرناک کی نوک پر آ گئی تھی اور سر کے بال بری طرح بکھر کر ٹوپی سے باہر نکل آئے تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی، سیٹھ صاحب اسی طرح اُداس کا متفکر بیٹھے رہے، پھر عالیہ شاہ ہی بور ہو گئی اور اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے کوئی جواب نہیں دیں گے......؟"

عالیہ شاہ کے اس انداز پر سیٹھ صاحب کے دونوں پاؤں ایک دم ہی کرسی سے نیچے کھسک گئے۔ ان کا سر میز کی ٹاپ سے ٹکرایا تھا اور وہ دونوں ہاتھ میز پر ٹکا کر اس طرح عالیہ شاہ کو دیکھنے لگے جیسے ابھی ابھی وہاں اس کی موجودگی کا انکشاف ہوا ہو۔ وہ دیر تک اسی طرح دیکھتے رہے، پھر ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گئے۔

"اس سے بولنا کہ اپن کے پاس آج کل روپیہ نہیں ہے، ابھی ہم نے اس کو کچھ مال دیا تھا تو اس نے بولا تھا کہ تھوڑے دن تک پریشان نہیں کرے گا۔ پن بابا......! پھر اس نے تقاضہ کر دیا......؟ اپنی تو جان مصیبت میں آ گئی ہے۔ ارے......! کیا کرے بائی......! تم ہی ہماری کچھ مدد کرو۔"

"میں اسے یہ بات بتا دوں کہ آپ کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہے......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"ارے......! بتاؤ گی نہیں تو پھر کیا کریں گے ام......؟ اپنی اس کو بولو، تھوڑا معافی دے دے۔ تھوڑا موقع دے دے نی......! ہم پیسے کا بندوبست کر لے تو پھر اس کا ادائیگی کر دے گا۔ ہاں......! ذرا آرام سے بولنا نی......! ٹھیک ہے......؟"

"بہت بہتر......!"

عالیہ شاہ نے کہا اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازے تک پہنچی تھی کہ سیٹھ صاحب ایک بار پھر سر پیٹتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔

"بائی......! تھوڑا رکو......!"

اور عالیہ شاہ غصیلے انداز میں پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے پاگل معلوم ہوتے ہیں۔"

"بنا دیا ناں مجھے پاگل، پہلے کدر تھا......؟ اپنی تم اس کو بولو کہ پندرہ دن انتظار کرے۔ ہم اس دوران پیسے کا بندوبست کرے گا، آں ضرور کرے گا۔"

عالیہ شاہ نے گردن ہلائی اور دروازے سے باہر نکل آئی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا، اس فضول سے آدمی سے ملاقات کر کے۔ وہ باہر نکل آئی، پھر اپنی گاڑی میں بیٹھی اور چل پڑی۔

☆......☆......☆

شام کی چائے پر اور پھر رات کے کھانے پر بھی عالم پناہ گول رہے تھے، شام کی چائے پر نواب احتشام حسن خان نے ان کے بارے میں پوچھا تو سب نے ان کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور کسی نے نہیں بتایا کہ وہ کہاں

ہیں......؟ پھر جب رات کے کھانے پر بھی عالم پناہ غیر حاضر رہے تو نواب احتشام کو بھی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے براہِ راست روکی کو مخاطب کر کے کہا۔

"ارقم الدین......! تمہارا دوسرا پارٹ کہاں ہے......؟"

انہوں نے سوال کیا اور سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مم......میرا دوسرا پارٹ......؟"

روکی نے باری باری اپنے دونوں ہاتھ دیکھے، پھر مسکرا کر بولا۔

"اوہ......! میں سمجھا ماموں میاں......! آپ دلربا کی بات کر رہے ہیں۔"

"دلربا کر بچے......! میں علی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں......؟"

"علی تو غائب ہے، دوپہر ہی سے غائب ہے۔"

روکی نے جواب دیا۔

"کہاں غائب ہے......؟ تمہیں نہیں معلوم......؟"

"مم......میں اسے تلاش کر چکا ہوں۔"

روکی بولا۔

"ہوں......! کہاں مر گیا بے وقوف گدھا......؟ یوں لگتا ہے بھائی جان......! جیسے سچ مچ ہی اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں تو ان دونوں لڑکوں کے مستقبل سے پہلے ہی خوفزدہ تھا۔ ان کی حرکات بتاتی تھیں کہ ایک نہ ایک دن یہ ضرور پاگل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایک تو ہو چکا، اب دیکھیں ارقم الدین پر کیا دورہ پڑتا ہے......؟"

"مم......میں......میں کبھی پاگل نہیں ہوؤں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"بکومت......! علی کو تلاش کرو۔"

"بہت بہتر......!"

روکی کھانے کی میز سے اُٹھنے لگا تو نواب فاروق کو اس پر رحم آ گیا۔

"کھانا کھانے کے بعد جانا، سب لڑکے تمہارے ساتھ جائیں گے۔ بھئی......! دیکھو تو سہی، یہ آخر علی کہاں چلا گیا......؟ دوپہر کو تو اس نے عجیب و غریب حرکات کی تھیں۔ مجھے سخت حیرت ہے اور میں شدید تشویش کا شکار ہوں کہ کہیں خدانخواستہ اس سچ مچ کچھ ہو نہ گیا ہو۔"

"کیا ہو گیا تھا......؟"

بیگم صاحبہ نے سوال کیا۔

"بس......! کیا بتاؤں......؟ عجیب و غریب حرکات کر رہا وہ۔ مجھے تو خواب و خیال میں بھی توقع نہ تھی کہ وہ اس طرح لچکنا اور مٹکنا شروع کر دے گا۔"

"ایں......؟"

بیگم صاحبہ کا ہاتھ کھانے پر ہی رُک گیا۔

''ہاں......! اسے کچھ ہوگیا ہے۔''

نواب فاروق حسن نے دوسرے لوگوں سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔ انہیں شہروز کا خیال آگیا تھا۔ شہروز پھر غائب ہوگیا تھا۔ کب گیا تھا......؟ اور کہاں گیا تھا......؟ انہیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ سارہ بھی بیچاری بکھری بکھری سی نظر آتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں چاروں طرف شہروز کو تلاش کرتی تھیں اور مایوس ہوکر واپس آجاتی تھیں۔ بہرصورت عالم پناہ کی گمشدگی سب کے لئے باعث تشویش بنی رہی۔ لیکن ابھی یہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ چند ملازم دوڑے ہوئے آئے اور نواب فاروق حسن سے کہنے لگے۔

''وہ جناب......! وہ......وہ پرانے اسٹور میں کوئی چور گھس گیا ہے۔''

''کک......کیا......؟''

نواب فاروق حسن چونک پڑے۔

''جی جناب......! اندر سے دروازہ پیٹنے کی آواز آرہی ہے۔ کسی نے کنڈی لگادی ہے باہر سے۔''

''ارے......! کس نے لگائی ہے کنڈی......؟ اگر چور اندر گھس گیا ہے تو یقیناً باہر سے کسی نے دروازہ بند کیا ہوگا۔ تم لوگوں میں سے کون تھا......؟''

نواب صاحب نے نوجوانوں کی طرف رُخ کر کے پوچھا لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تابش نے عالم پناہ سے سازش کی تھی، یہ تو کسی کو بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ عالم پناہ کو ہوا کیا تھا......؟ لیکن بہرصورت وہ انہیں اسٹور میں بند کر آیا تھا، اور اسٹور کوئی معمولی جگہ نہیں تھی۔ مچھر، کھٹمل اور دوسرے حشرات الارض دوسرے سامان کی طرح اس میں بھرے ہوئے تھے۔ البتہ کوئی خطرناک کیڑا نہیں تھا جس سے عالم پناہ کی جان کو خطرہ ہوتا، لیکن عالم پناہ چند گھنٹے وہاں گزار چکے تھے۔ حالانکہ تابش نے یہی سوچا تھا کہ کھانے کے بعد انہیں خاموشی سے رہا کردے گا۔ لیکن وقت سے پہلے ہی بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ بہرصورت اس نے خاموشی اختیار کرلی۔

نواب فاروق حسن خان نے اس طرف چلنے کا فیصلہ کیا اور نواب احتشام بھی ساتھ چل پڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے باقی افراد بھی تھے۔ ملازم ڈنڈے اور لاٹھیاں اُٹھا لائے تھے اور چور کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔ راستے میں دفعتہً نواب فاروق حسن کو ہی کچھ خیال آگیا تھا اور انہوں نے نواب احتشام حسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''احتشام......! کہیں وہ ہی نہ ہو......؟''

''کون......؟''

''علی......!''

نواب فاروق حسن خان نے کہا اور نواب احتشام حسن اُچھل پڑے۔

''ارے ہاں......! اس بات کا امکان ہے، مگر اسے بند کس نے کیا......؟''

''پتا نہیں......! کمبخت نہ جانے کیا کچھ کرتا پھر رہا ہے......؟ آیئے دیکھیں......!''

نواب احتشام نے کہا اور سب اسٹور کے پاس پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا اور عالم پناہ باہر نکل آئے۔ لیکن صورتِ حال یہ تھی جیسے آنکھوں سے اندھے ہوچکے ہوں۔ لباس پسینے سے شرابور تھا اور پسینہ تلوؤں سے بہہ رہا تھا، بال لٹکے ہوئے تھے، ساری پہلوانی دھری کی دھری رہ گئی تھی، بہت بری حالت تھی۔ وہ باہر نکلے اور سب کو نظرانداز کرتے ہوئے سیدھے چلے گئے، جیسے مارچ کر رہے ہوں، لیکن چند ہی ساعت کے بعد ان کی گدی نواب احتشام کے ہاتھوں میں تھی، لیکن نواب صاحب کی گرفت پر بھی انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ البتہ ہاتھ لٹکائے خاموش کھڑے ہوگئے تھے۔

''کیا مصیبت نازل ہوگئی ہے تم پر......؟''

نواب احتشام حسن غصیلے لہجے میں بولے۔

☆......☆......☆

''کچھ نہیں بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت خداوند قدوس سے نیک مطلوب ہے۔''

عالم پناہ نے جواب دیا۔

''اسٹور میں کیوں گھس گئے تھے......؟''

''قسمت نے دھکا دے دیا تھا۔''

عالم پناہ گہری سانس لے کر بولے۔

''اور دروازہ بھی قسمت ہی بند کرگئی ہوگی باہر سے......؟ کیوں......؟''

احتشام صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''اب یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ قسمت کیا کیا کرسکتی ہے......؟ لیکن جو کچھ کرچکی ہے، میرا خیال ہے، وہ بہت کافی ہے۔ میں بھوک پیاس سے نڈھال ہوں۔ اگر آپ لوگ مجھے کھانا دے سکیں تو میں زندگی بھر شکر گزار رہوں گا۔''

علی پر اس وقت نہ جانے کیا موڈ طاری تھا......؟ نواب فاروق حسن کو اس پر رحم آگیا۔

''بس بھئی احتشام......! رہنے دو، باقی باتیں پھر بعد میں کرلیں گے۔ چلو تم لوگ لے جاؤ ان کو، کھانا وانا کھلاؤ اور سنو......! کوئی شرارت نہ ہو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہی ہونا چاہئے۔''

نواب فاروق حسن نے کہا اور علی کو نوجوانوں کے حوالے کر کے احتشام صاحب کو لے کر چلے گئے جو شیطان صفت تھے اور علی کی اس حالت پر ان کے پیٹوں میں کھلبلی مچ کر رہ گئی تھی۔ لیکن تابش کو اپنی انتہاء پسندی پر افسوس ہو رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ علی کی حالت اس قدر خراب ہو جائے گی، اس لئے تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ علی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی اور انہیں تسلی و تشفی سے کھانا کھلایا جائے گا۔

تابش انہیں اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ تمام لوگ علی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، جیسے کسی پاگل کے پیچھے بچے لگے ہوتے ہیں۔ علی کو اطمینان سے بٹھایا گیا۔ تابش نے ازراہِ ہمدردی انہیں پیش کی کہ پہلے وہ غسل خانے میں

جا کر غسل کر لیں، اس کے بعد کھانا کھائیں۔ جس کے جواب میں عالم پناہ نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"بھائیو......! میں نے آپ کے ساتھ کوئی دُشمنی نہیں کی۔ اگر میری زندگی چاہتے ہیں تو پہلے مجھے کھانا کھلا دیں، ورنہ یہ غسل میرا غسلِ میت ہی ثابت ہوگا۔"

"ارے......! نہیں نہیں......! عالم پناہ......! ابھی تو ایک عالم کو آپ کی ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے......! آپ کی مرضی......! لیکن ذرا منہ ہاتھ تو دھو لیجئے۔ ارے بھئی......! جلدی سے کھانے کا بندوبست کرو۔"

تابش نے کہا۔ کھانے کے لئے پہلے ہی ملازموں کو دوڑا دیا گیا تھا۔ عالم پناہ نے بمشکل تمام غسل خانے کی طرف قدم بڑھائے۔ دروازے سے اندر گئے اور پھر ایک دم باہر نکل آئے۔ باہر آ کر انہوں نے سب کو باری باری گھورا اور سب حیرت سے ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"اب کیا ہوا محترم عالم پناہ......؟"

تابش نے پوچھا۔

"دروازہ تو بند نہیں کرو گے......؟"

عالم پناہ نے سوال کیا اور کمرے میں چھت پھاڑنے والے قہقہے گونجنے لگے، لیکن تابش سنجیدہ تھا۔

"کیوں......؟ دروازہ کیوں بند کروں گا......؟ آپ کو یہ خیال کیوں آتے رہتے ہیں......؟"

"اچھا اچھا......! اب جائیں اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آئیں، کھانا بھی آ رہا ہے۔"

تابش نے کہا اور عالم پناہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔ پھر ایک قدم غسل خانے کے اندر رکھتے ہوئے بولے۔

"دیکھو......! دروازہ مت بند کرنا، ورنہ اس غسل خانے سے میری لاش ہی برآمد ہوگی۔"

"آپ اطمینان سے چہرہ دھوئیے، اس وقت آپ بھوت لگ رہے ہیں بالکل۔ اس وقت تو کسر نہیں رہ گئی ہے، جائیے جائیے......! ہم آپ کے دُشمن تھوڑی ہیں۔"

تابش نے کہا اور عالم پناہ کسی قدر مطمئن ہو کر اندر چلے گئے۔ انہوں نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، تولیے سے چہرہ صاف کیا اور باہر نکل آئے۔ جب باہر نکلے تو کھانا میز پر لگا ہوا تھا۔ عالم پناہ سب کچھ بھول گئے اور کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ کھانا کافی تعداد میں تھا، لیکن انہوں نے اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک کھانے کی ایک ایک پلیٹ صاف نہ کر دی۔

"کچھ اور منگوا لیا جائے عالم پناہ......؟"

تابش نے پوچھا۔

"نہیں......! اللہ کا شکر ہے، پیٹ بھر گیا۔"

عالم پناہ پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے اور پھر وہ ایک آرام کرسی میں دھنس گئے۔ تب تابش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی......! تو آپ پر کیا گزری......؟ ذرا یہ تو فرمائیں......؟"

"میں تو فرما دوں گا، لیکن آپ یہ بتایئے کہ مجھے بند کرنے کے بعد آپ کہاں فرار ہو گئے تھے......؟"

علی نے تابش کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......؟ میں وہاں کھڑا رہتا......؟ چوکیداری کرتا آپ کی......؟"

تابش نے پوچھا۔

"نن...... نہیں......! ام...... مگر دروازہ کھول کر میری خیریت تو پوچھ لیتے، کچھ پانی وغیرہ......؟"

"عالم پناہ......! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ میری مدد کرو۔ آپ اتنے خوفزدہ تھے کہ میں سمجھا آپ کے پیچھے کوئی دُشمن لگا ہوا ہے، آپ کو قتل کر دینا چاہتا ہے۔ میں نے فوراً جا کر کھڑکی کو چیک کیا، لیکن روکی پُرسکون بیٹھا ہوا تھا جس سے میں نے فوراً یہ اندازہ لگا لیا کہ آپ کا قاتل روکی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد بھی آپ میرا صبر اور حوصلہ دیکھئے کہ میں نے سارا دن انتظار کیا۔ حالانکہ میرے دل میں شدید خواہش مچل رہی تھی کہ معلوم تو کروں، آپ پر کیا اُفتاد پڑی ہے......؟ لیکن آپ ہی کی حفاظت کی خاطر میں اس اسٹور سے دُور دُور ہی رہا۔ صرف اس لئے کہ آپ وہاں چھپے ہوئے ہیں، اور اب آپ مجھے اپنا دُشمن قرار دے رہے ہیں۔"

تابش نے کہا اور عالم پناہ کے چہرے پر کسی قدر جھینپے جھینپے سے تاثرات نظر آئے۔ غالباً بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ تب انہوں نے شکر گزار نگاہوں سے تابش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"چلئے......! کوئی بات نہیں ہے۔ مگر اب تو فرما دیجئے کہ آپ پر کیا قیامت ٹوٹی تھی......؟"

"بس......! میں نے کہا ناں، تقدیر کا مارا ہوں، عشق کا ستایا ہوا ہوں، ظالم زمانے نے زندگی کو تاریک رات بنا دیا ہے اور میں اس تاریکی میں سفر کر رہا ہوں، آوارہ بادلوں کی طرح جو ستاروں کو اپنے جلوس میں لے کر چلتے ہیں، اور کوئی منزل نہیں پاتے۔"

عالم پناہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے......! اچانک یہ آپ پھر پٹری سے اُتر گئے......؟"

تابش نے کہا۔

"نہیں تابش بھائی......! پٹری سے نہیں اُترا، بلکہ زندگی سے عاجز آ گیا ہوں۔"

عالم پناہ نے اُداس لہجے میں کہا۔

"ماشاءاللہ......! یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے۔"

تابش نے گردن ہلا کر کہا۔ روکی ایک کونے میں بیٹھا ہوا خاموشی سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، لیکن دفعتہً روکی لوگوں کے درمیان سے اُٹھ کر عالم پناہ کے قریب پہنچ گیا۔

"نہیں علی بھائی......! میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ میں...... میں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں۔ انسان کو

اگر زندگی میں ایک دُشمن بھی مہیا نہ ہو تو اسے مر جانا چاہئے۔"

"لیجئے......! یہ روکی بھائی بھی مرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے بھائی......! اگر تم دونوں ہی مرنے پر راضی ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں......؟"

کسی نے کہا اور قہقہے پھر گونجنے لگے۔

"سنو سنو......! بات تو سنو......!"

"روکی......! تم کیوں عالم پناہ کو بور کر رہے ہو......؟ ذرا سن تو لیں کہ مسئلہ کیا تھا......؟"

"مسئلہ آپ لوگ مزید سنیں گے، اگر نہ سنیں تو کیا ہے......؟"

"اگر آپ ہمیں اپنا دُشمن سمجھتے ہیں علی صاحب......! تو رہنے دیں، کوئی حرج نہیں ہے۔ آئندہ ہم آپ سے بات بھی نہیں کریں گے۔"

"نہیں نہیں......! آپ یہ سب نہ کہیں، میرے عزیز ہوتے ہیں، دُشمن تو آپ میں سے کوئی بھی نہیں ہے، پر وہ دُشمنِ جاں، دُشمنِ جاں ضرور ہے۔"

عالم پناہ نے سرد آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

"سارہ کی بات کر رہے ہیں......؟"

تابش نے پوچھا۔

"ارے نہیں بھائی......! رقیب روسیاہ کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن اب تو رقیب روسیاہ بھی نہیں ہوتے، بلکہ ان کے چہرے تو بہت سرخ و سفید ہوتے ہیں۔"

"ہوں......! تو یہ اشارہ شہروز بھائی کی طرف ہے۔"

شائل بولی۔

"کیا خیال ہے عالم پناہ......! آپ نے رقیب روسیاہ شہروز بھائی کو کہا ہے......؟"

"کتنے احترام سے اس کا نام لے رہے ہو، وہ جو میرا دل جلانے کا باعث ہے۔"

عالم پناہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"ارے ہاں......! یہ شہروز بھائی بھی بس یوں ہی ہیں۔ خواہ مخواہ اتنے اچھے آدمی کو زندگی سے محروم کئے دے رہے ہیں۔ آپ ہمیں بتایئے عالم پناہ......! ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں......؟"

"میں جانتا ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں، تم میں سے کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیسے......؟"

"بس......! آپ سب بھی انہی کے ہم نوا ہیں، میرے لئے تو منہ دیکھے کی باتیں کرتے ہیں آپ۔ آپ لوگ اس کے ساتھ رہے ہیں جبکہ ہم تو دو دن کے مہمان ہیں۔ آئے ہیں، چلے جائیں گے۔ آپ کو ان کا ساتھ دینا ہے، چنانچہ آپ ہماری مدد کیوں کریں گے......؟"

"نہیں نہیں......! آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم آپ کی پوری پوری مدد کریں گے۔ مگر مسئلہ کیا ہے......؟"

"مسئلہ نمبر ایک تو آپ لوگ بہتر طور پر جانتے ہیں، یعنی وہ...... یعنی جو دُشمنِ دین ایمان ہے، میرا مطلب ہے، جس نے مجھ سے میری زندگی چھین لی ہے، جس کی تصویر دن رات میری آنکھوں میں بسی رہتی ہے، اور جس کے خواب میں سوتے جاگتے دیکھتا رہتا ہوں، کاش میں اس دُنیا میں نہ آیا ہوتا۔ کاش......! اے کاش......!"

"شاعری کر رہے ہیں آپ......؟"

تابش نے پوچھا۔

"ہاں......! آزاد شاعری معلوم ہوتی ہے۔"

"اوہو......! تو پھر ان ٹکڑوں کو جوڑنے کی بجائے اوپر نیچے کر کے پڑھنا پڑے گا۔"

کسی دوسرے نے لقمہ دیا اور عالم پناہ ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"للہ......! مذاق نہ اُڑایئے، کچھ دلجوئی فرمایئے، ہم عشق کے ستائے ہوئے ہیں، زندگی سے بیزار ہیں اور آپ مذاق فرما رہے ہیں۔"

عالم پناہ نے نہایت ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جب تک آپ اصل بات نہیں بتائیں گے عالم پناہ......! سب لوگ یوں ہی مذاق کرتے رہیں گے۔"

"خیر......! اب تو جان ہتھیلی پر رکھ ہی لی ہے۔"

"اچھا......!"

تابش بولا۔

"جی ہاں......! میں آپ کے شہروز بھائی کی بات کر رہا ہوں۔ ہم افریقہ میں اچھی خاصی زندگی گزار رہے تھے کہ پھوپھا میاں کو یہاں آنے کی سوجھی۔ خود آ جاتے تو کوئی حرج نہ تھا، سارہ کو بھی ساتھ لے آئے، اور جب روح علیحدہ ہو جائے تو جسم الگ رہ کر کیا کرے گا......؟ ہم روح کے پیچھے پیچھے لگے چلے آئے۔"

"کیا مطلب......؟ کیا سارہ مر چکی ہے......؟"

کسی نے کہا اور روکی پھسل پڑا۔ اس نے اپنی دِلربا اُٹھالی تھی۔

"کس نے کہے یہ الفاظ......؟ کس نے کہے......؟ آج میں دِلربا کے سارے تار اس کے سر پر توڑ دوں گا۔ کس نے کہے ہیں یہ الفاظ......؟ جلدی بتاؤ مجھے، کس نے کہے سارہ کے بارے میں یہ نازیبا الفاظ......؟"

روکی چلاتا رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب تابش نے روکی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جایئے روکی صاحب......! بیٹھ جایئے، خواہ مخواہ دِلربا ٹوٹ جائے گی۔"

"سوری......! میں نے خواہ مخواہ دِلربا کا نام لے دیا تھا۔ سر پھوڑنے کے لئے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔"

روکی نے جلدی سے اپنے گٹار کو پیچھے کر لیا تھا۔

''عالم پناہ کو کہنے دیجئے......!''

''آپ لوگ ہمارا مذاق نہ اُڑائیں۔ میرا مطلب یہی تھا کہ سارہ میری زندگی ہے۔''

''دیکھو عالم پناہ......! برسرِ عام تم یہ باتیں کھلے الفاظ میں نہیں کہہ سکتے، اس طرح معاہدے کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔''

''کچھ بھی کہو روکی......! لیکن جو بات میرے دل میں ہے، وہ میں ضرور کہوں گا۔ واقعی سارہ میرے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں بدن ہوں، وہ روح ہے، میں جسم ہوں، وہ جان ہے، اور جب میری جان یہاں چلی آئی تو پھر میں بھلا اس کالے کلوٹے افریقہ میں کس طرح رہ سکتا تھا......؟ لیکن یہاں آ کر ایک دُشمن ہمارے راستے میں آ گیا۔ سارہ، شہروز کی جانب مائل ہے اور ہمیں یہ بات بالکل پسند نہیں کہ جس بُت کو ہم عرصۂ دراز سے پوجتے چلے آ رہے ہیں، وہ کسی اور کا ہو جائے۔''

''اچھا اچھا......! آگے بڑھیئے......! پھر کیا ہوا......؟''

''بس......! پھر کیا ہونا تھا......؟ اس دن جھیل کنارے آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا، جس وقت ہم پانی میں...... پانی میں اُتر گئے تھے۔''

عالم پناہ نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''غالباً خودکشی کرنے گئے تھے آپ......؟''

''یہی سمجھ لیں۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس جھیل سے نہ نکلیں۔ مم...... مگر پانی بہت ٹھنڈا تھا، لیکن اس کے باوجود اگر آپ لوگ ہمیں نہ بچاتے تو ہم کبھی بھی پانی سے، باہر نہ آتے۔ ہمیشہ کے لئے وہیں رہ جاتے۔''

عالم پناہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور ایک بار پھر کمرے میں کھی کھی کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ عالم پناہ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور سنجیدگی سے بولے۔

''اس کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں کچھ ہونا چاہئے اور آج یہی سب کچھ کرنے کے لئے ہم سر پر کفن باندھ کر گئے تھے۔''

''کہاں......؟''

کسی نے پوچھا۔

''بڑے پھوپھا میاں کے کمرے میں۔''

''اوہو......! یعنی نواب فاروق حسن خان کے کمرے میں......؟''

''ہاں......!''

''آپ وہاں کیوں گئے تھے......؟''

''اس لئے کہ اشاروں کنایوں میں انہیں صحیح صورتِ حال سمجھا دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم کلاسیک کے عاشق ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ہم ایسے اشارے اختراع کریں جس سے پھوپھا میاں سب کچھ سمجھ جائیں اور اس کے بعد جو

وہ ہم سے اس موضوع پر سوالات کریں تو ہم نہایت سعادت مندی سے انہیں بتا دیں کہ شہروز اور سارہ کا ملاپ ہمیں پسند نہیں، وہ دونوں سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ روکئے پھوپھا میاں......! خدا کے واسطے......! انہیں روکئے۔ ہم یہ سب کچھ ان سے کہنا چاہتے تھے، لیکن اتنے چھوٹے تھے کہ ہم ان کے سامنے زبان نہ کھول سکے۔ چنانچہ ہم نے کتھک اور منی پوری کے انداز میں اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی پہلے ہم نے ایک حسین لڑکی کا پوز بنایا اور بڑے پھوپھا میاں کو یہ تاثر دینے لگے کہ ہم کسی لڑکی کا تذکرہ کر رہے ہیں اور جب ہم نے اس لڑکی کے سراپا کا نقشہ کھینچا تو ہمیں یقین تھا کہ بڑے پھوپھا میاں فوراً سمجھ جائیں گے کہ وہ سارہ ہے۔ یہ نقشہ کھینچنے کے بعد بڑے پھوپھا میاں کی شکل بنائی کہ ان کی عزت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ خاندان بدنام ہو جائے گا، سب رُسوا ہو جائیں گے، مگر بڑے پھوپھا پر نہ جانے کیا اللہ کی مار تھی......؟ وہ پہلے تو مسہری پر اُٹھ کر بیٹھ گئے، پھر جوتا ہاتھ میں اُٹھا لیا اور پھر کمرے کے دروازے کی طرف بھاگنے کی سوچنے لگے۔ ہم نے انہیں روکا، ہم چاہتے تھے کہ وہ اشاروں کی زبان سمجھ جائیں، مگر بات بگڑ گئی۔ وہ زور زور سے چیخنے لگے اور چھوٹے پھوپھا میاں وہاں پہنچ گئے۔ بس اس کے بعد ہماری جو درگت ہوئی، وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ ہم بمشکل تمام وہاں سے جان بچا کر بھاگے تو تابش بھائی کے پاس پہنچ گئے۔ بلاشبہ تابش بھائی نے ہماری مدد کی، ہمیں اسٹور میں چھپا دیا، لیکن افسوس اس کے بعد یہ ہمیں بھول گئے۔ جو کچھ بھی گزری ہے، ہمیں اس کا رنج نہیں ہے۔ لیکن صاحبو......! ہم اپنے مقدمے کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ کی عدالت میں پیش ہیں۔ بتایئے......! اب ہم کیا کریں......؟''

عالم پناہ نے کہا اور قہقہوں کا طوفان کمرے میں گونج اُٹھا۔ عالم پناہ ہکا بکا ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ گلوگیر آواز میں بولے۔

''گویا یہ قہقہے ہمارے درد کا درماں بنیں گے......؟''

''نہیں نہیں عالم پناہ......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہماری جان آپ پر نثار......! ہم آپ پر اپنی زندگیاں قربان کر دیں گے۔ شہروز بھائی کی بھلا کیا مجال ہے کہ سارہ کی طرف متوجہ ہو سکیں......؟ سارہ آپ کی ہے، صرف آپ کی۔''

اسی وقت دِلربا کے تاروں کے ٹھن ٹھنانے کی آواز سنائی دی اور روکی سینہ تان کر میدان میں کود آیا۔

''ہرگز نہیں......! جب تک میں زندہ ہوں، سارہ کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کن لہجے میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے درمیان تصفیہ باقی ہے، تصفیہ ہوگا اور اس کے بعد ہی کوئی صحیح صورتِ حال نکل سکتی ہے۔''

''یار......! تم تو بس خاموش ہی ہو جاؤ۔ اچھی خاصی ڈوئل لڑنے گئے تھے، کہنے لگے کہ سُر کی مار ماروں گا۔''

''سُر کی مار جوتے کی مار سے بھی بری ہوتی ہے۔''

روکی نے دِلربا کے تار چھیڑتے ہوئے کہا۔

''بے شک، بے شک......! لیکن اس مار کو صرف تم سمجھتے ہو اور کوئی نہیں سمجھتا۔ یہ الگ بات ہے کہ علی بے سُرا آدمی ہے، اسے سُر کی کوئی سمجھ نہیں ہے۔''

''ہاں ہاں......! بالکل......! دے دو ایک تان پورہ علی کو، اور ایک میرے ہاتھ میں دے دو، درمیان میں رکھو گلاس، پھر دیکھ لینا کس کے تاروں سے گلاس ٹوٹ جاتا ہے......؟''

''اوہو......! گلاس کے پیسے کون دے گا......؟''

تابش نے دانت نکال کر کہا۔ لڑکے اور لڑکیاں ہنستے ہنستے بے حال ہوئے جا رہے تھے، لیکن عالم پناہ کو شاید اس بات میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ انہوں نے روکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے ارے......! آج تو، تو کلاسیکل باتیں کر رہا ہے......؟ کیا واقعی تو مجھ سے مقابلہ کرے گا......؟''

''ہاں......! لیکن سُر کا مقابلہ......!''

روکی نے کہا۔

''ہاں ہاں......! لیکن یہ مقابلہ ہوگا کیسے......؟''

عالم پناہ نے پوچھا۔

''میں اپنا ستار لے کر ایک سمت بیٹھوں گا، تم دُوسری سمت، اور ہم لوگ سُر کی جنگ لڑیں گے، منظور ہے......؟''

☆......☆......☆

''ہاں......! منظور ہے......! میں تو بس بے جا ناچ رنگ سے گھبراتا ہوں۔ رمبھا سمبھا، ڈسکو، یہ کوئی گانے ہیں......؟ لعنت ہے ان گانوں پر۔ کوئی شریف آدمی انہیں پسند کر سکتا ہے بھلا......؟ ہونہہ......! اب تم نے بات کی پُر وقار جنگ کی تو ٹھیک ہے......! میں اس مقابلے کے لئے دل و جان سے تیار ہوں۔''

''عالم پناہ......! سوچ لو اچھی طرح۔ اس بار تمہاری شامت آ گئی۔''

روکی نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''ہاں ہاں......! سوچ لیا، میں تم سے سُر کی جنگ اسی طرح جیت لوں گا جس طرح فری اسٹائل۔''

''مجھے تمہارا چیلنج منظور ہے......!''

روکی نے کہا اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ نوجوانوں کو پھر ایک نیا مقابلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ تابش نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! تان پورہ کا بندوبست میں کروں گا۔ اس سارے مقابلے کا سارا انتظام ہم لوگ کریں گے۔ اس کے بعد فیصلہ جو بھی ہو۔''

''بالکل ٹھیک ہے......!''

عالم پناہ نے کہا اور پھر ایک دم نڈھال ہو گئے۔

''یہ فیصلہ تو ہو گیا، وہ بڑا فیصلہ بھی تو کرو۔''

''بڑے فیصلے کے سلسلے میں ہمارے تمہارے درمیان جو معاہدہ ہے، اسی پر عمل ہوگا۔''

روکی نے نتھنے پھلا کر کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''جو کام تم نے کر سکے [وہ میں کروں گا۔''

''کیا مطلب......؟''

عالم پناہ نے بدستور اسی انداز میں کہا۔

''بڑے پھوپھا میاں کو تم نے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ تمہیں پاگل سمجھ بیٹھے۔ اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ تم کس قدر ناکارہ انسان ہو۔ جبکہ یہ کام میں بہتر طور سے کر سکتا ہوں اور یقین کرو چٹکی بجا کر سکتا ہوں۔''

''آپ......؟''

تابش نے پوچھا۔

''ہاں میں......! دراصل لوگ میری صلاحیتوں سے ناواقف نہیں ہیں۔ ابھی وقت چاہئے۔ میں وہ ہوں جو ستاروں پر کمند ڈال دیتے ہیں، جو کام عالم پناہ نہ کر سکے، آپ کا یہ خادم ارقم الدین روکی بخوبی اسے انجام دے گا۔''

روکی نے کہا اور تمام لوگ قہقہے لگانے لگے۔

☆......☆......☆

شانی بھائی روئی والا کے بارے میں پوری رپورٹ شہروز کو دے دی گئی تھی اور بظاہر عالیہ شاہ کے پاس اور کوئی کام نہیں تھا۔ لیکن اس کا ذہن ہر وقت شہروز میں اُلجھا رہتا تھا۔ شہروز اتفاقیہ طور پر اپنی اصل حیثیت میں ملا ہوتا تو شاید عالیہ شاہ اس شدید کیفیت کا شکار نہ ہوتی۔ لیکن بدبختی تو یہی تھی کہ شہروز خود اس کی دریافت تھی۔ یعنی اس نے خود کوشش کر کے شہروز کو شیشے میں اُتارا تھا اور اس مقصد کے تحت کہ شہروز اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کے شکار کے سلسلے میں اس کا معاون ثابت ہوگا، اس کا حسن اور خوب صورتی لڑکیوں پر جس طرح اثر انداز ہوتا تھا، اسے عالیہ شاہ نے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ وہ خود بھی گھاگ عورت تھی اور مارکیٹ میں رکھی ہوئی مختلف اشیاء کی قیمت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ امیر خاندانوں کی ماڈرن لڑکیاں شہروز جیسے لڑکے تلاش کرتی رہتی ہیں اور ان کے کلب اور ہوٹل جوائن کرنے کا ایک بڑا مقصد یہی ہوتا ہے۔ یہی کچھ سوچ کر اس نے شہروز کے بارے میں اپنے ذہن میں ایک عمدہ پروگرام ترتیب دیا تھا لیکن بس تقدیر کو یہ سب کچھ دکھانا تھا۔ شہروز اس سے بڑا گھاگ تھا اور اب عالیہ شاہ اس کے چنگل میں کسی مکھی کی طرح پھنس گئی تھی۔ اس کی شخصیت پر غور کرتی تو اسے غصہ آنے لگتا۔

''ایک معمولی سا نوجوان جو خود کو نہ جانے کیا سمجھتا ہے......؟''

لیکن جب گزرے ہوئے حالات پر غور کرتی تو وہ نوجوان اسے معمولی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ جتنا غور و خوض کرتی، اُلجھتی چلی جاتی تھی۔ اس کی شخصیت کے کتنے روپ ہیں......؟ یہ بات عالیہ شاہ کی سمجھ میں آج تک نہیں آ سکی تھی۔ بے شمار خطرناک لوگ جن میں شاکا جیسی شخصیت بھی شامل تھی، شہروز کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔

"آخر کیوں......؟ آخر کون سی خوبی ہے اس میں......؟ اس کی شخصیت میں کیا پوشیدہ ہے......؟"

اور اب وہ عالیہ شاہ کو اُنگلیوں پر نچا رہا تھا۔

"بھلا بری زندگی میں داخل ہونے کے بعد کسی کا آلۂ کار بن کر رہنا کہاں کی دانشمندی ہے......؟"

لیکن وہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ ملک کے کسی گوشے میں وہ شہروز کی دسترس سے دُور رہ سکتی ہے۔ یہاں سے بھاگنے میں اسے کامیابی حاصل ہو سکے گی یا نہیں......؟ ہر وقت اس کا ذہن شہروز ہی میں ڈوبا رہتا تھا۔ چشم تصور سے وہ شہروز کی گردن نرخرے کے پاس سے کٹی ہوئی دیکھتی، جس سے گاڑھا گاڑھا سرخ خون بہہ رہا ہوتا۔ لیکن جب تصور کی دُنیا سے واپس لوٹتی تو اسے بے حد خوف محسوس ہوتا کہ کہیں اس کے خیالات شہروز نے پڑھ تو نہیں لئے......؟

شہروز نے کہاں کہاں اسے زِچ نہیں کیا تھا......؟ وہ خود بھی حسن پرست عورت تھی۔ ایک عورت کی حیثیت سے اس نے شہروز کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ کمبخت اگر اسے اپنے ماتحتوں میں کوئی خاص مقام ہی دے دیتا تو شاید دل کی خلش اس قدر شدید نہ ہوتی۔ لیکن اس کی کیا حیثیت تھی......؟ وہ تو معمولی درجے کی آلۂ کار بن کر رہ گئی تھی اور یہ بات عالیہ شاہ کو کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ بعض اوقات جھنجلاہٹ میں وہ جان کی بازی لگانے پر تیار ہو جاتی۔ سوچتی کہ وہ پستول لے کر جائے اور شہروز کا سامان ہوتے ہی پستول اس پر خالی کر دے گی۔ لیکن جب وہ حقیقت کی دُنیا میں آتی تو اسے محسوس ہوتا کہ یہ فعل اس کے بس کا نہیں ہے۔ ان دنوں اسی ذہنی بحران کا شکار تھی کہ درمیان میں شیرانہ آ کودی۔ خوب صورت شہزادی جو عمر میں شہروز سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ بڑے چرچے ہو رہے تھے اس کے ان دنوں، خاص طور سے جرائم پیشہ افراد کے درمیان۔ سردارے وغیرہ بھی شہزادی شیرانہ کے بارے میں تذکرہ کر چکے تھے۔

"آپ کو معلوم ہے عالیہ شاہ......! کہ شیرانہ کس ریاست کی شہزادی ہے......؟"

"ہاں......! مل چکی ہوں میں اس سے۔"

"اوہو......! کسی خاص مسئلے میں......؟"

سردارے نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو......!"

عالیہ شاہ بیزاری سے بولی۔

"لیکن مسئلہ کیا ہے عالیہ شاہ......؟"

"مسئلہ......؟ مسئلہ تو اس شیطان کو معلوم ہوگا۔"

عالیہ شاہ دانت پیس کر بولی۔

"کس شیطان کی بات کر رہی ہیں آپ......؟"

"شہروز کی، اور کس کی......؟"

"اوہو......! عالیہ شاہ......! سوچ سمجھ کر۔"

سردارے نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ......! ٹھیک تو کہہ رہی ہوں میں۔ شیطان کا روپ اس سے مختلف ہو سکتا ہے۔"

عالیہ شاہ بدستور تیز لہجے میں بولی اور سردارے کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

"نہیں عالیہ شاہ......! براہِ کرم نہیں......! اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کے بارے میں ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی بدروح ہو، جو ہر وقت ہمارے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے۔"

"بزدل ہو تم لوگ......! قطعی ناکارہ......! میں تو عورت ہوں، لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم میں بھی کوئی مرد نہیں ہے۔"

"خدا کے لئے عالیہ شاہ......! خدا کے لئے......! آپ میرے ساتھ ایسی گفتگو نہ کریں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں ان سے عشق کرتا ہوں، یا ان کے عقیدت مندوں میں سے ہوں، بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی بات ان سے چھپی نہیں رہتی۔"

سردارے نے کہا۔

"ہوا بن کر سوار ہو گیا ہے وہ تمہارے ذہنوں پر، لعنت بھیجو اس پر، تم شیرانہ کی بات کر رہے تھے۔"

"ہاں......! میں شہزادی شیرانہ کی بات کر رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہے 23 ہیرے ہیں اس کے پاس، قیمتی ترین ہیرے۔ جنہیں وہ ایک بار ایک کلب میں نمائش کے لئے پیش کر چکی ہے۔ یہاں کے تین بڑے جوہریوں نے ان ہیروں کو دیکھا تھا اور ان کی مالیت لاکھوں پونڈ بتائی تھی۔ اس لحاظ سے شہزادی شیرانہ امیر ترین خاتون ہے۔ لیکن میرے ذہن میں صرف ایک بات ہے۔"

"کیا......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"کیا یہ ہیرے اس سے حاصل کرنے کے لئے آج تک کوئی کوشش نہیں کی گئی......؟ یا ان ہیروں کی نمائش اس کی زندگی کے لئے خطرہ نہیں بن سکتی......؟"

"خدا بہتر جانتا ہے۔ ویسے تمہیں سن کر خوشی ہوگی کہ تمہارا گل زادی اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"کون......؟"

"پھر وہی کون......؟ میں کہتی ہوں کہ دُنیا کا جو بدترین لفظ استعمال کیا جائے، وہ صرف شہروز یا گل زادی کے لئے ہی استعمال ہو سکتا ہے۔"

"اوہو......! تو کیا گل زادی......؟"

"ہاں......!"

"لیکن ان سے ملاقات کیسے ہوئی......؟"

"ایک کلب میں شہزادی شیرانہ سے اس کی ملاقات ہو چکی ہے اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شیرانہ کتنی دولت مند عورت ہے اور اسی لئے وہ اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ بلکہ ایک بات میں کہوں، جو شاید تمہیں خوفزدہ نہیں کرے

گی۔"

"وہ کیا عالیہ شاہ......؟"

"شہروز تقدیر کا دھنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا خود کو سمجھتا ہے یا پوز کرتا ہے۔ البتہ اس کی تقدیر خطرناک حد تک اس کا ساتھ دیتی ہے۔ شہزادی شیرانہ خود اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ وہ اس کی معصومیت اور شکل وصورت پر ریجھ گئی ہے۔"

"بہر صورت عالیہ شاہ......! آپ اس بات سے انکار تو نہیں کر سکتیں کہ شہروز صاحب ایک حسین اور خوب صورت شخصیت کے مالک ہیں۔"

سردارے نے کہا۔

"سردارے......! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

عالیہ شاہ نے اس کی بات سنی اَن سنی کر کے کہا۔

"وہ کیا......؟"

"شہروز کے بارے میں تمہیں بھی مکمل معلومات حاصل ہوں گی۔ وہ ایک دولت مند صنعت کار کا بیٹا ہے۔ نواب فاروق حسن خان ایک خاندانی آدمی ہے اور یقینی طور پر سماج اور معاشرے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ کیا شہروز کی ان حرکتوں کا اس کے باپ کو علم نہیں ہوگا......؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ مجھے کیا معلوم......؟"

"سردارے......! اگر اس کے باپ کو اس جانب متوجہ کر لیا جائے تو کیا خیال ہے......؟"

"دیکھئے عالیہ شاہ......! آپ پھر لائن سے ہٹنے لگیں۔ میں نے کہا ناں، اس کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے، یہ بات اس کے والدین کو بھی معلوم ہو۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ کس کی کیا سوچ ہے......؟ شہروز جتنا خطرناک انسان ہے، اس کے تحت کوئی بھی اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔"

سردارے نے کہا۔

"ہوں......! ٹھیک ہے......! بس یوں ہی تذکرہ کر بیٹھی تھی۔ کیا خیال ہے......؟ کہیں گھومنے چلو گے......؟"

"آپ......آپ کے ساتھ......؟"

"کیوں......؟ کیا کوئی حرج ہے......؟ پسند نہیں کرتے کیا......؟"

"نہیں......! یہ بات نہیں ہے عالیہ شاہ......! میرے اور آپ کے اسٹیٹس میں بڑا فرق ہے۔"

"کیا فرق ہے......؟"

"آپ مجھ سے بہت بلند ہیں۔ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ تم ایک عمدہ سے لباس میں میرے ساتھ چلو، اور سنو......! ہم کلب میں رقص بھی

کریں گے۔"

سردارے تحیر آمیز نگاہوں سے عالیہ شاہ کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک دلکش اور بھرپور عورت تھی، لیکن جن حالات میں اسے ملی تھی، ان کے تحت سردارے جیسے لوگ اس کی جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اب اس کی طرف سے دعوت ملی تھی تو سردارے کیسے ٹھکرا دیتا......؟ چنانچہ وہ تیار ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کلب کی جانب چل پڑے۔ سردارے نے ایک عمدہ سا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ یوں بھی تن و توش کا اچھا آدمی تھا، متناسب اعضاء تھے، شکل وصورت بھی ٹھیک ہی تھی۔ سوٹ میں ملبوس ہو کر اچھا خاصا نظر آ رہا تھا۔ عالیہ شاہ صرف اپنی ذہنی کیفیت کا شکار تھی، ورنہ عام حالات میں وہ سردارے جیسے تیسرے درجے کے آدمی کو اتنی حیثیت نہ دیتی۔ لیکن صرف ایک خیال تھا اس کے ذہن میں۔ ممکن ہے شہروز نائٹ کلب میں موجود ہو۔ اس خیال کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ بس شہزادی شیرانہ کا خیال تھا اسے۔ پہلی بار ان لوگوں کی ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے اس کی دوسری ملاقات بھی وہیں طے ہوئی ہو۔

اور جب وہ نائٹ کلب پہنچی تو اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ شہروز نائٹ کلب میں موجود تھا۔ شہزادی شیرانہ اس کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی اور دونوں بڑے ہی والہانہ انداز میں ایک دوسرے میں گم تھے اور شیرانہ کی ملازمائیں دُور بیٹھی ہوئی تھیں۔ عالیہ شاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے ویٹر کو بلا کر شراب طلب کر لی اور شراب آنے پر اس نے گلاس منہ تک بھر لیا۔ سردارے نے متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عالیہ شاہ نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سردارے نے ہاتھ بڑھا کر اسے روک دیا۔

"سادہ پئیں گی......؟"

"ہاتھ ہٹاؤ......!"

عالیہ شاہ نے کہا اور سردارے نے اپنا ہاتھ جلدی سے پیچھے کر لیا۔ پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے عالیہ شاہ کو گلاس خالی کرتے دیکھا تھا اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ گلاس خالی کرنے کے بعد عالیہ شاہ نے دوبارہ شراب گلاس میں بھر لی۔ سردارے کو چکر آ رہے تھے۔ اتنی زبردست پینے والی اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ لیکن عالیہ شاہ کا بدن اندر سے کھولتا جا رہا تھا۔ پھر جب رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو اس نے سردارے کا بازو پکڑ کر اسے اُٹھا لیا۔

"آؤ سردارے......!"

اور سردارے اس کے ساتھ چوبی فرش پر پہنچ گیا۔ شہروز کی نگاہ اس پر پڑی تھی، لیکن اس نے عالیہ شاہ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔ لیکن دورانِ رقص اس نے عالیہ شاہ سے کچھ نہیں کہا۔ عالیہ شاہ بڑی والہیت سے سردارے کے سینے سے لگی رقص کرتی رہی تھی۔

☆......☆......☆

باغ کے ایک تنہا گوشے میں عالم پناہ اور ارقم الدین روکی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان اس

وقت بڑی مفاہمت نظر آ رہی تھی۔ عالم پناہ متفکرانہ انداز میں روکی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک طویل سانس لے کر روکی سے کہا۔

''روکی......! میرے دوست......! اس ملک میں آ کر تو ہم مزید پریشانیوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ افریقہ میں ہی رہتے۔''

''وہاں کیا کرتے......؟''

روکی نے مظلومیت سے پوچھا۔

''کچھ بھی کرتے، کم از کم یہ نظارہ تو ہمیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو نہ ملتا۔''

''نظارے سے آپ کی کیا مراد ہے علی بھائی......؟''

''اونہہ......! عالم پناہ کہو، عالم پناہ......!''

''وہ کیوں......؟''

''بھئی......! سمجھا کرو۔ مجھے یہ خالی علی کا لفظ پسند نہیں ہے۔''

علی نے کسی قدر ناخوش گواری سے کہا اور روکی گردن ہلانے لگا۔

''عالم پناہ......! عالم پناہ......!''

''تو کیا کہہ رہے تھے تم......؟''

عالم پناہ بولے۔

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ افریقہ میں رہ کر ہم کیا کرتے......؟''

''اور آپ کس نظارے کی بات کر رہے ہیں......؟''

''یہاں آ کر سارہ کی پاکیزگی اور معصومیت رُخصت ہو گئی ہے۔ وہ نوجوان جو کسی طور شکل وصورت سے مرد معلوم ہی نہیں ہوتا، لڑکیوں کی طرح شرماتا ہے، لڑکیوں کی طرح لچکتا ہے اور ایسے ہی بات کرتا ہے۔ سارہ کے دل و دماغ پر وہ چھا گیا ہے۔ کم از کم افریقہ کے کالے بھجنگ نوجوان ہماری راہ کا پتھر تو نہیں تھے۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''بات تو درست ہے عالم پناہ......! مگر مسئلہ بھی عجب ہے۔''

روکی بولا۔

''کیا......؟''

''بس......! یہی کہ کسی طرح وہ قابو میں نہیں آتا۔''

''اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی روکی......! کہ بزرگوں کو اس صورتِ حال کے بارے میں بتا دیا جائے۔ اس سے پہلے کہ احتشام صاحب کی عزت لُٹ جائے، ہمیں دونوں بزرگوں کو ہوشیار کر دینا چاہئے۔ خاص طور سے نواب فاروق حسن خان کو۔ میرا خیال ہے، ان کی ذمے داری زیادہ ہے۔ کیونکہ سارہ اور احتشام حسن خان ان کے

مہمان ہیں۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''بات تم ٹھیک کہتے ہو عالم پناہ......! بہرصورت میں کوشش کر رہا ہوں۔ تم میری اس کامیابی کے لئے دُعا کرنا۔''

''ہاں ہاں......! بے شک......!''

عالم پناہ نے کہا اور جیب سے ایک گلاب کے پھولوں کا ہار نکال لیا جو جیب میں رکھنے کی وجہ سے مسل گیا تھا۔ گلاب کے پھول مرجھائے ہوئے تھے اور جگہ جگہ لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ ہار روکی کی گردن میں پہنا دیا۔

''یہ......یہ کیا......؟''

''میری طرف سے نذرانہ عقیدت سمجھو۔ کب جا رہے ہو فاروق حسن خان کی طرف......؟''

''بس......! اب ایک گھنٹے کے بعد۔ میں اس وقت ان کے پاس پہنچوں گا جس وقت وہ قیلولہ کر رہے ہوں گے۔''

''سوچ سمجھ لینا، کہیں وہ تمہیں بھی پاگل قرار نہ دے دیں، اور ہاں سنو......! اگر صورتِ حال بگڑ جائے تو کم از کم اس تابش سے کبھی رابطہ قائم مت کرنا۔ بڑا ہی سیانا اور بدمعاش آدمی ہے۔ مجھے اسٹور میں بند کر دیا تھا۔ تم یقین کرو، میرا کئی گیلن خون خشک ہو گیا ہو گا۔''

''کئی گیلن......؟''

روکی نے کہا۔

''ارے میاں......! محاورہ ہے، محاورہ۔ بس سمجھ لو......!''

''کیوں......؟ کوئی خاص بات تھی اس اسٹور میں......؟''

''ہاں......! بہت ہی خاص بات، بس کیا بتاؤں......؟''

عالم پناہ پریشان لہجے میں بولے۔

''کیوں کیوں......؟ مجھے بھی بتا دو، ممکن ہے کبھی میرا واسطہ بھی اسی اسٹور سے پڑ جائے۔''

''ارے......! بھول کر بھی مت جانا، اُدھر چھپکلیاں ہیں، یہ لمبی لمبی......!''

''چھپکلیاں......؟''

روکی اُچھل پڑا۔ پھر وہ اس طرح اُچھلنے لگا جیسے چھپکلیاں اس کے پیروں کے نیچے آ کر دب رہی ہوں۔ ہر اُچھلتے ہوئے اس کے ہاتھ دلربا کے تاروں پر پڑتے تھے اور دلربا سے ٹن ٹن کی آوازیں نکلتی تھیں۔ عالم پناہ نے غصیلے انداز میں آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''کیا چھپکلیاں تمہاری پینٹ میں گھس گئی ہیں......؟''

عالم پناہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور روکی اس تصور سے ہی لچکنے لگا۔

شہروز......سارہ......"

"یہ بھی نظم ہے کیا......؟"

فاروق حسن خان بولے۔

"جی ہاں......! نظم وہ جو حقیقت سے لبریز ہے، جس میں بے پناہ حقیقتیں پنہاں ہیں۔ آپ کی عزت ہماری آنکھوں کی بینائی ہے، ہم اس بینائی کو دُھندلانے نہیں دیں گے۔"

"اچھا......! بات سنو......!"

"جی ماموں جان......!"

"باہر نکل جاؤ......! چلو چلو، جلدی......!"

نواب فاروق حسن خان دھاڑے۔

"مم......میں......میں جا رہا ہوں، لیکن وقت اپنی کہانی دُہراتا رہے گا اور جب وہ آگے بڑھے گا تو آپ لوگ پھر ارقم الدین روکی کی بات پر غور کریں گے۔"

"یہ بھی نظم ہے......!"

فاروق حسن نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور روکی بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی ماموں جان......؟"

"میری سمجھ میں صرف ایک بات آتی ہے۔"

"وہ کیا، وہ کیا......؟"

روکی نے مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ یہ کہ افریقہ کی شدید گرمی میں تم دونوں مکمل طور پر پاگل ہو چکے ہو، اور ہاں......! یہ جو تم نے سر پر جھاڑ جھنکاڑ اکٹھا کر رکھا ہے ناں، اور یہ جو نیچے اتنی لمبی بے تکی ڈاڑھی رکھ چھوڑی ہے، یہ اس ڈاڑھی کے تقدس کا مذاق ہے۔ میں آج ہی احتشام سے کہتا ہوں کہ وہ تمہارے سر کے بال چھوٹے کرائے اور تمہاری ڈاڑھی بھی صاف کرا دے۔"

"ارے باپ رے......! مر گیا، مر گیا......!"

ارقم الدین، روکی نے دہشت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ دِلربا کو ایک طرف رکھ کر فاروق حسن کے پیروں پر گر پڑا۔

"خدا کے واسطے......! اس طرح نہ کریں ماموں جان......! اللہ کے واسطے ایسا نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو میں خودکشی کر لوں گا۔ یہ میری دُبلی پتلی معصوم سی لاش بے گور و کفن آپ سے فریاد کرے گی۔ خدا کے واسطے ایسا نہ کریں، ایسا نہ کریں۔ یہی تو میرا حسن ہے، یہی تو میرا سنگھار ہے۔ خدا کے واسطے......! اللہ کے واسطے......!"

ارقم الدین، روکی نے فاروق حسن خان کے پیر پکڑ لئے تھے اور نواب فاروق حسن خان بمشکل سے پاؤں چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بس......! ٹھیک ہو گئے۔ چلو اُٹھو......! سر میں تیل ڈالو، کنگھی کرو اور کم از کم یہ ڈاڑھی تھوڑی چھوٹی کر لو۔ ورنہ تم لوگ بالکل ہی پاگل ہو جاؤ گے۔ میں اپنے عزیز و اقارب کو کیا منہ دکھاؤں گا......؟ کیا سوچیں گے وہ کہ تم میرے پاس آئے تھے اور تمہاری یہاں یہ دُرگت بنی۔ بتاؤ، اب سناؤ گے کوئی نظم......؟"

"نہیں ماموں جان......! کبھی نہیں......!"

"اشاروں کنایوں میں کچھ بتاؤ گے مجھے......؟"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں......! مگر ماموں جان......! آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔"

"وہ کیا......؟"

"مجھے تو آپ نے زندہ درگور کر دیا، یہ دھمکی دے کر کہ میرے بال ترشوا دیئے جائیں گے، ڈاڑھی کٹوا دی جائے گی۔ لیکن عالم پناہ کو کچھ نہیں کہا۔ وہ سانڈ جو آپ کو کتھک اور منی پوری دکھاتا رہا ہے، اس کو آپ نے سزا نہیں دی۔"

"ٹھیک ہے......! اسے بھی دیکھ لوں گا۔ لیکن تم دونوں اپنے آپ کو درست کرو۔ انسان کے بچے بنو۔ یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے تم نے......؟ تم جس خاندان سے تعلق رکھتے ہو، اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو......؟"

نواب فاروق حسن نے کہا۔

"ہاں......! بہت کچھ جانتا ہوں ماموں جان......! اور اسی خاندان کی عزت اور وقار کے لئے تو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔"

"کیا عرض کر رہے ہو......؟ بیٹھ جاؤ اور انسانوں کی طرح بات کرو۔"

نواب فاروق حسن خان صاحب اس کی جانب متوجہ ہوئے تو روکی کے چہرے پر مسرت کی لہریں پھوٹنے لگیں۔ صورتِ حال کچھ بہتر ہوتی نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ فاروق حسن کے اشارے پر وہ بیٹھ گیا۔

"کیا سمجھانا چاہتے ہو تم مجھے......؟"

"ماموں جان......! اسے گستاخی تو تصور نہ کریں گے......؟"

"نہیں نہیں......! تم کہو، کیا بات ہے......؟"

"شہروز اور سارہ ایک دوسرے کی جانب بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرنے لگے ہیں۔ آپ خود سوچیں ماموں جان......! کتنے افسوس کی بات ہے۔ سارہ آپ کے بھائی کی عزت ہے اور اس عزت کی حفاظت آپ پر فرض ہے۔ اگر یہاں خدانخواستہ کوئی ایسا حادثہ یا واقعہ ہو گیا، جس نے اس خاندان کی عزت خراب کر دی تو ہم سب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ روکیئے اس خطرے کو، پلیز روکیئے......!"

فاروق حسن خان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے مسرت کی چمک نظر آئی۔ وہ عجیب سے انداز میں روکی کو دیکھنے لگے۔ پھر لرزتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تمہیں اس بات کا اندازہ کیسے ہوا......؟"

''مذاق تو نہیں کر رہے عالم پناہ......؟''

''نہیں......! میں اس وقت مذاق نہیں کر رہا، مجھے گانا سناؤ......!''

عالم پناہ نے کہا اور روکی جھوم جھوم کر گانا گانے لگا۔ دروازے کے باہر نوجوان جمع ہونے لگے تھے۔

☆......☆......☆

صبح کو عالیہ شاہ خوفزدہ تھی۔ رات کو جنون کے عالم میں جو کچھ ہو گیا تھا، اس کے نتائج خوفناک بھی ہو سکتے تھے۔ شہروز کی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھی۔ بہر حال نہ جانے کب تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ کوئی پروگرام نہیں تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ ابھی باہر نہیں نکلی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی اور اس نے پلٹ کر ریسیور اُٹھالیا۔

''ہیلو......!''

دوسری طرف سے شہروز کی آواز سن کر عالیہ شاہ کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ بہر حال اس نے خود کو سنبھال لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہیلو......!''

''کہئے......! کیسے مزاج ہیں عالیہ شاہ......؟''

''اوہ......! ٹھیک ہیں۔''

وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''تاریخ یاد ہے آپ کو......؟''

''ایں......؟ ہاں ہاں......! آج بیس تاریخ ہے۔''

''آج کا پروگرام......؟''

''پپ......پروگرام......؟ میں سمجھی نہیں......!''

عالیہ شاہ نے کہا اور دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی۔ عالیہ شاہ کے ذہن میں اُلجھن پیدا ہونے لگی تھی۔

''آج آپ کو دھوم نگر جانا ہے عالیہ شاہ......! شاہان کو بھول گئیں آپ......؟ میں نے آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔''

''اوہ......! جی ہاں......! میں واقعی بھول گئی تھی۔''

''آپ بہت کچھ بھول جاتی ہیں عالیہ شاہ......! مجھے خطرہ ہے، کہیں آپ کسی دن سانس لینا بھی نہ بھول جائیں۔''

عالیہ شاہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن شہروز سے وہ بہر حال خوفزدہ ضرور تھی۔

''ہیلو......!''

شہروز کی آواز سنائی دی۔

''جی......!''

''کہاں کھو گئیں آپ......؟''

''سوری شہروز......! مجھے افسوس ہے۔''

''دھوم نگر کس وقت جا رہی ہیں......؟''

''میں ابھی تیار ہو کر چلی جاتی ہوں۔''

''اوکے......!''

شہروز نے فون بند کر دیا اور عالیہ شاہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ دیر تک وہ اسی جگہ بیٹھی سوچتی رہی اور پھر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار اس کی رہائش گاہ سے باہر نکل رہی تھی۔ ابھی وہ سڑک پر مڑی ہی تھی کہ سردارے ٹیکسی سے اُترتا نظر آیا۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر عالیہ شاہ کو اشارہ کیا اور عالیہ شاہ نے کار روک دی۔

''کسی ضروری کام سے جا رہی ہیں......؟''

''ہاں......!''

''کہاں......؟''

''دھوم نگر......!''

''اوہ......! اچھا ٹھیک ہے، پھر جائیں۔''

سردارے نے کہا اور عالیہ شاہ اسے دیکھنے لگی۔

''کوئی کام تھا مجھ سے......؟''

''نہیں......! بس آپ کے پاس آیا تھا، پھر آ جاؤں گا۔''

''آؤ میرے ساتھ دھوم نگر چلو......!''

''کوئی حرج تو نہیں ہوگا......؟''

''جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور سردارے اس کے برابر بیٹھ گیا۔ کار آگے بڑھ گئی تھی۔ عالیہ شاہ خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ کار مختلف سڑکوں سے گھومتی ہوئی اس سڑک پر نکل آئی جو دھوم نگر جاتی تھی۔ سردارے کئی بار کن اکھیوں سے عالیہ شاہ کو دیکھ چکا تھا۔ جب خاموشی اس سے برداشت نہ ہوئی تو اس نے خود ہی عالیہ شاہ کو مخاطب کیا۔

''کوئی خاص بات ہوئی ہے......؟''

کاؤنٹر کلرک نے منہ پھاڑ دیا۔

"شاہان صاحب......!"

"اپن کو شبیر بولتے ہیں۔"

"شاہان کہاں ہے......؟"

"اوہ......! شاہان صاحب کو منگتا ہے......؟ پن وہ آج نہیں ملیں گے۔"

"کیوں......؟"

"مشاعرے میں جانے کی تیاری کرتا پڑا ہے، بہت مصروف ہے۔"

"ہے کہاں......؟"

"اپنے کمرے میں ہے، پن وہ آج......"

"اس کا کمرہ کہاں ہے......؟"

"اوپا جو والا سیڑھیوں کے اوپر، پن وہ آج نہیں ملیں گا۔"

عالیہ شاہ نے اس کی تکرار نہیں سنی اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

"او بے بی......! او میم صاب......! اے......! رکو تو......او بے بی......!"

کاؤنٹر کلرک آواز لگاتا رہ گیا، لیکن عالیہ شاہ سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی اوپر پہنچ گئی۔ ایک راہ داری تھی اور اس کے بعد ایک کمرہ نظر آ رہا تھا۔ کمرے کے دروازے کو دھکیلا تو وہ فوراً کھل گیا۔ سامنے ہی ایک بڑے آئینے کے سامنے ایک قوی ہیکل شخص چمکدار بروکیڈ کی شیروانی پہنے، ٹوپی لگائے لہک لہک کر کچھ گا رہا تھا۔

"مست آنکھوں کی
ارے ہاں مست آنکھوں کی
میاں مست آنکھوں کی گہرائیوں میں۔"

اس کی بھاری آواز اُبھر رہی تھی، لیکن آئینے میں عالیہ شاہ کی شکل دیکھ کر وہ رُک گیا اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔

"ہیلو......!"

عالیہ شاہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"بخدا......! یہ کمال طلب ہے، سچا شعر وہی ہے جو مجسم ہو جائے۔"

اس نے آنکھیں پھاڑے پھاڑے کہا۔

"شاہان صاحب......!"

"غلام ہی کو کہا جاتا ہے۔"

"کمال ہے......!"

عالیہ شاہ بولی۔

"درحقیقت کمال ہے۔ شعر سنیئے......!

تیری مست آنکھوں کی گہرائیوں میں
مرا ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے"

"توقف فرمایئے......! اگر آپ ڈوب گئے تو مجھے بڑی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"تشریف رکھئے......!"

شاہان بولا اور عالیہ شاہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہو رہا تھا یہ......؟"

وہ بولی۔

"غزل ہو رہی تھی، کیا شعر تشنہ ہے......؟"

"افسوس......! میں شعر سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔"

"ناممکن......! یہ شعر آپ ہی کے لئے تو کہا گیا ہے۔"

"تو پھر مقطع حاضر ہے، قبول فرمایئے......!"

عالیہ شاہ نے لفافہ نکال کر شاہان کو پیش کر دیا جو شہروز نے اسے دیا تھا۔

"مقطع......؟ آپ کے پاس کہاں سے آیا......؟"

"دیکھ لیں، پتا چل جائے گا۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان حیرت سے لفافہ کھول کر دیکھنے لگا اور پھر اس کا موڈ یک دم بگڑ گیا۔ اس نے اس طرح شکل بنالی جیسے کونین کی گولی منہ میں گھل گئی ہو۔

"کتنی بدذوق ہیں آپ......؟"

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں......؟"

"اس حسین خواب کی یہ بھیانک تعبیر ہے......؟"

"تعبیر کیا ہے......؟ مجھے نہیں معلوم۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"آہ......! کیسی حسین غزل تشنہ رہ گئی۔ شاید یہ اب کبھی مکمل نہ ہو۔"

دونوں غم نصیب قابل رحم تھے۔ ہر وقت سانپ کی طرح پھنکاریں مارتے رہتے تھے۔ سارہ کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں درد سمٹ آتا تھا۔ نوجوان انہیں کئی دن سے سمجھا رہے تھے، لیکن ابھی تک ان کی حالت ٹھکانے نہیں آئی تھی۔ دونوں ہی ڈفر تھے اور لڑکے لڑکیاں جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی سارہ کے لئے سنجیدہ نہیں ہے۔ بس ان کی حماقتیں انہیں عشق زدہ کئے ہوئے تھیں۔ صاف ظاہر تھا، سارہ دونوں کی ملکیت تو بن نہیں سکتی تھی، لیکن دونوں ہی اپنی اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔ خود سارہ ذرا مختلف قسم کی لڑکی تھی، انتہائی سنجیدہ اور متین، گھر کے کسی کونے میں گھسی رہنے کی عادی، یا پھر اگر بیٹھتی تو گھر کے لوگوں کے درمیان بیٹھتی تھی۔ اس کی اس فطرت نے اسے نوجوانوں میں مقبول نہیں ہونے دیا تھا۔ البتہ صورت کی پاکیزگی اور معصومیت نے کسی کو اس کا مخالف نہیں بننے دیا تھا۔ جب بھی کسی سے ملتی، نہایت نرم اور خوش گفتار انداز میں ملتی تھی۔ بہرصورت نوجوانوں نے اسے اس کی فطرت پر چھوڑ دیا تھا۔ ان کے لئے روکی اور علی ہی کافی تھے۔

تابش اور دوسرے تمام نوجوان ان دنوں خاصا غور وخوض کر رہے تھے کہ ان دونوں کو کس طرح ان کی فارم میں لایا جائے، تب تابش نے ایک تجویز پیش کی۔

”بھئی......! یہ تفریح کچھ کرکری ہوگئی ہے۔ وہ لطف نہیں آرہا جو چند روز پہلے آتا تھا۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ اگر یہ اسی طرح ٹھنڈی آہیں بھرتے رہے تو موسم خراب ہو جائے گا اور اس موسم میں بھی سردی آجائے گی اور ایسے میں نمونیہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ کوئی ایسی بات ہونی چاہئے جس سے ان بدبختوں کی ٹھنڈی آہیں کچھ کم ہوں اور یہ اپنے ہوش وحواس میں واپس آجائیں۔“

”کیا ترکیب ہونی چاہئے......؟“

شمائل نے پوچھا اور تابش چونک کر شمائل کو دیکھنے لگا۔

”ارے شمائل......! تم تو خاصی اسمارٹ ہو، کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکتی ہو۔“

”کیا مطلب......؟“

”میرا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کا دل مٹھی میں کیوں نہ لے لیا جائے......؟“

”تابش بھائی......! آپ جو کچھ سوچتے ہیں، وہ اونچی ہی چیز ہوتی ہے۔ عموماً دوسروں کو مروانے والی۔ مطلب کیا ہے......؟ صاف صاف بیان کریں۔“

”شمائل ڈیئر......! دیکھو، ان دونوں گدھوں کو کسی میوزیم میں تو رکھا جا ہی سکتا ہے۔ دل میں نہیں، البتہ اگر کوٹھی کی فضاء میں خوش گوار قہقہے گونجتے رہیں تو کیا حرج ہے......؟“

”ہاں......! حرج تو نہیں ہے۔“

شمائل نے کہا۔

”تو پھر تم اس کے لئے کوشش کرو۔“

”میں......؟“

شمائل تعجب سے بولی۔

”ہاں ہاں......! تم......!“

”کیا کوشش کروں......؟“

”بس......! یہی کہ جو کام سارہ نہ کر پائی، تم کرو گی۔“

”ارے ارے......! تابش بھائی......! کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے آپ نے......؟ یا تو وضاحت کریں اپنی بات کی، یا پھر خاموش ہو جائیں۔“

شمائل نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”شمائل......! علی، عالم پناہ اور روکی کی زندگی میں بہاریں لانے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ان سے اظہار عشق کر دیا جائے۔“

”کون کرے گا اظہارِ عشق ان سے......؟“

”تم......! اور کون......؟“

”گویا......گویا ان دونوں سے......؟“

شمائل منہ پھاڑ کر بولی۔

”ہاں ہاں......! ظاہر ہے، دونوں ہی سے مناسب رہے گا، یا اگر تم سنجیدگی سے کسی کا انتخاب کرنا چاہو تو میرے خیال میں گھر میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوگا۔“

”جی نہیں......! میں کوئی مصیبت مول لینے کو تیار نہیں ہوں۔“

”صرف ”میں“ کیوں کہتی ہو شمائل ڈیئر......! ”ہم“ کہو ناں، ہم......!“

”کیا مطلب......؟“

”میرا مطلب ہے کہ ہم سب اس عشق میں تمہارے شریک ہوں گے، میرا مطلب ہے اس تفریح میں۔“

”لیکن صرف میں ہی کیوں......؟“

”اس لئے کہ کوئی اور اس قابل نہیں ہے۔“

”چڑھا رہے ہیں مجھے آپ......؟“

”ہرگز نہیں......! اگر کوئی دوسرا اس قابل ہو تو تم خود اس کی نشان دہی کر دو۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔“

”یہ شیری کیا بری ہے......؟“

”بری تو نہیں ہے، مگر تمہاری طرح اسمارٹ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ نہ کر سکے گی جو تم کر سکتی ہو۔“

”تابش بھائی......؟“

شمائل نے احتجاج کیا۔

"نہ کرو، یہ تو ایک تجویز تھی۔ ضروری تو نہیں ہے کہ جو کچھ میں کہوں، مان لیا جائے۔ تمہاری مرضی ہے......!"

"اچھا......! تو پھر ایسا کریں کہ ان میں سے ایک کو میرے حوالے کر دیں، دوسرا کسی اور کے حوالے۔"

شائل نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ماموں جان سے بات کر لو۔"

تابش نے خلوص سے کہا۔

"تابش بھائی......! اب آپ مجھے بھی گھسنے لگے......؟"

"مجبوری ہے، تم سے ایک بات کہی، تم ماننے کے لئے تیار نہیں ہو، اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں......؟"

"مگر دونوں......؟ میرا مطلب ہے کہ اس میں پریشانی ہوگی۔"

"اسی میں تو لطف آئے گا۔"

"بھلا کیا......؟"

شائل نے پوچھا۔

"بھئی......! جب تک دونوں رقیب روسیاہ نہ ہوں گے، مزہ ہی کیا آئے گا......؟ دونوں کی رقابت ہی ماسٹر پیس ہوتی ہے۔"

"ہوں......! کرنا کیا ہوگا......؟"

"کہا ناں، اس کی فکر مت کرو، ڈائریکشن بائی تابش تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔"

شائل گردن جھکا کر سوچنے لگی، پھر بولی۔

"چلئے ٹھیک ہے......! میں تیار ہوں۔"

اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ اسی وقت دونوں غم نصیب گردن لٹکائے اس طرف آتے نظر آئے اور وہ سب سنبھل گئے۔

روکی کو دوسری جانب لے جایا گیا تھا۔ دونوں حیران حیران سے تھے۔

"آپ کو خوشیاں مبارک ہوں، کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا......؟"

عالم پناہ نے پوچھا۔

"آپ ہی کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی عالم پناہ......!"

"ہمارے بارے میں......؟"

"ہاں......! بس شرط ہوگئی ہے ان لوگوں میں، وہ مقابلہ گلوکاری ہونا تھا آپ کے درمیان، جس میں گائیکی کے فن کمال سے گلاس توڑنے کی بات ہوئی تھی۔"

"اوہ......! وہ......اب کیا رہا......؟ جب دل ہی ٹوٹ گیا۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"اب ہی تو سب کچھ ہے عالم پناہ......! آپ کو فلم بیجو باورا یاد ہے......؟"

"بیجو باورا......؟"

"ہاں......! اس میں پنڈت ہری داس سوامی کہتے ہیں کہ جب تک دل پر چوٹ نہیں پڑتی، آواز میں درد نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کے دل پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ اب آپ گلاس کیا، گھڑے بھی توڑ سکتے ہیں۔ آپ یہ مقابلہ ضرور کریں گے عالم پناہ......!"

"مقابلہ اب سخت ہوگیا ہے۔"

عالم پناہ بولے۔

"کیوں......؟"

"چوٹ تو روکی کے دل پر بھی پڑی ہے۔"

"فرق ہے دونوں چوٹوں میں۔"

"وہ کیا......؟"

"روکی کے دل پر انگریزی میں چوٹ پڑی ہے اور انگریزی موسیقی میں کلاسیکیت کہاں سے آئی......؟ آپ ضرور جیتیں گے، اور پھر اس سے ایک اور فائدہ بھی ہو سکتا ہے عالم پناہ......!"

تابش نے کہا۔

"وہ کیا......؟"

عالم پناہ نے اسی انداز میں پوچھا۔

"اوہو علی بھائی......! آپ نہیں جانتے، آواز کا درد کیا کیا رنگ دکھاتا ہے......؟ محبوب کا دل موم کرنے میں تو اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہوتا۔ آپ کو علم نہیں ہے کہ موسیقی نے کیا کیا کارنامے دکھائے ہیں۔ جنگلوں سے ہرن اور دوسرے جانور کھنچ کر موسیقار کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ سارہ کی کیا حیثیت ہے......؟"

تابش نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"ایں......؟"

عالم پناہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بالکل بالکل......! سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کی آواز کا جادو رنگ لے آیا تو پھر سارہ کسی جنگلی ہرنی کی طرح کھنچ کر آپ کی طرف چلی آئے گی۔"

"مم......مگر وہ شہروز......؟"

"اونہہ......! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟ شہروز بھائی کو گانے کی الف ب کا پتا نہیں ہے۔ وہ کیا

گائیں گے آپ کے سامنے......؟ اور پھر سنگیت کا جادو، توبہ توبہ......!"

تابش نے کہا اور عالم پناہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دوسری جانب روکی کو بھی یہی سبق پڑھایا جا رہا تھا۔ انہیں خاص طور سے الگ لے جایا گیا تھا اور بڑی راز داری سے یہ باتیں سمجھائی جا رہی تھیں۔ روکی کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہوتے جا رہے تھے۔ پھر اس نے کہا تھا۔

"بات تو ٹھیک ہے، تو پھر عالم پناہ کو تیار کرلو۔ اس مقابلے کے لئے میں تو تیار ہوں اور سنگیت میں میرا مقابلہ کون کرسکتا ہے......؟"

روکی نے اپنا نازک سا سینہ پھلا کر کہا۔

"ویری گڈ......! یہ بات ہوئی ناں مسٹر روکی......!"

شاہد نے کہا، اور پھر دونوں موسیقار مقابلے کے لئے تیار ہوگئے۔ تابش نے دونوں کو یکجا کیا اور پھر رواروی میں بات چھیڑ دی۔

"بھئی......! وہ اس مقابلے کی کیا رہی جو آپ لوگوں کے درمیان طے پایا تھا......؟"

"میں تیار ہوں۔"

روکی بولا۔

"میں بھی تیار ہوں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"واہ......! دونوں عظیم موسیقار تیار ہیں تو پھر دیر کس بات کی......؟"

"آج ہی کا کوئی وقت مقرر کرلیا جائے۔"

"آج ممکن نہیں ہے، کیونکہ عالم پناہ کے لئے بھی کسی ساز کا بندوبست کرنا ہے۔ عالم پناہ......! آپ کون سا ساز پسند فرمائیں گے......؟"

"وہی جو حضرت تان سین کا پسندیدہ ساز تھا۔"

"یعنی تان پورہ......؟"

"جی ہاں......!"

"اوہو، اوہو......! لیکن وہ تو بڑا مہنگا آئے گا۔ اس کا بندوبست کہاں سے کیا جائے......؟"

"میں کرلوں گا۔"

تابش بولا۔

"تم کہاں سے کرلو گے......؟"

"بھئی......! پہلے میرے ذہن میں تھا کہ ایک نیا تان پورہ خرید لیا جائے، لیکن پھر میرے ایک دوست نے بتایا کہ وہ جہاں میوزک سیکھنے جاتا ہے، وہاں ساز کرائے پر فراہم کئے جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! تو پھر یہ تمہاری ذمے داری ہے......؟"

شاہد نے پوچھا۔

"ہاں بالکل......!"

تابش نے جواب دیا اور یہ بات طے پاگئی کہ تان پورہ تابش لے آئے گا۔

"تو پھر آج شام پانچ بجے کے بعد کوئی وقت طے کرلیا جائے......؟"

"بالکل مناسب ہے۔"

"مقابلے کی شرائط بھی طے کرلی جائیں تاکہ بعد میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"بس......! شرائط کیا، دونوں موسیقار اپنے اپنے طور پر ایک ہی راگ گائیں گے۔ درمیان میں ایک اسٹول پر گلاس رکھ دیا جائے گا۔ ایک ایک موسیقار کو الگ الگ گانے کا موقع دیا جائے گا، جس کی آواز سے گلاس ٹوٹ جائے، وہی وِنر ہوگا۔"

تابش نے شرائط پیش کردی تھیں۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ نے سردارے کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ سردارے اس سے متفق نہیں تھا۔ اس نے کچھ خدشات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن عالیہ شاہ نے اسے یہ کہہ کر خاموش کردیا تھا۔

"سردارے......! یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں اپنی زندگی کے لئے آخری کوشش بھی کرلینا چاہتی ہوں۔ براہِ کرم......! تم اس میں مداخلت مت کرو۔ ہاں......! اگر تم اس معاملے سے علیحدہ ہونا چاہو تو یقین کرو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

سردارے نے اسے تنہا چھوڑنے سے انکار کردیا تھا۔ شاہان کی رہائش گاہ واقعی آرٹسٹک تھی۔ اس کی شخصیت بھی بڑی عجیب تھی۔ وہ شاعر تھا، لیکن فطرت میں زندگی تھی۔ عالیہ شاہ نے خود کو اس کی تحویل میں دے دیا تھا۔ ذہن کی شدید جلن اسے بے چین کئے ہوئے تھی اور وہ ہر قیمت پر شہروز کی شکست چاہتی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد دونوں کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔

"تم اس کے جال میں کیسے پھنس گئے......؟"

"بس......! بدقسمتی کہہ سکتا ہوں۔"

"تمہارے خلاف کیا چیز ہے اس کے پاس......؟"

"اہم ترین ثبوت ہیں، میں ان سے روگردانی نہیں کرسکتا۔"

"تم نے اس کی برتری کیسے قبول کرلی......؟"

"میں سمجھا نہیں......!"

''مل چکے ہو اس سے......؟''

''کئی بار......!''

''اس کی اصلیت بھی جانتے ہو......؟''

''ہاں......! وہ ایک صنعت کار کا بیٹا ہے۔''

''اس کے باوجود وہ زندہ ہے، جبکہ میں نے سنا ہے کہ تم نے پانچ غیر ملکیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا......؟''

''اوہ......! ڈارلنگ......! میں نے بہت کچھ کیا ہے، لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری اشیاء کہاں ہیں......؟''

''اسے اغواء کرلو، تشدد کر کے اس سے اُگلوالو۔''

''یہ بھی کر چکا ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''ہاں......! میں ایسا بھی کر چکا ہوں، مگر وہ انوکھا کیس ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔''

''وہ اذیت پسند ہے، تشدد اس کی پسندیدہ چیز ہے۔''

''نہیں......!''

عالیہ شاہ حیرت سے بولی۔

''یقین کرو، میں نے اس کے بدن کی کھال اُتار دی تھی۔''

''خدا کی پناہ......!''

''وہ جنونی ہے۔ اگر مر جاتا تو نہ جانے میں کس چنگل میں جا پھنستا......؟ اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

''کمال ہے......!''

''تمہیں یہ بات معلوم نہیں تھی......؟''

''نہیں......! بس اتنا معلوم تھا کہ وہ عجیب ہے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہے......؟ وہ ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے، دولت کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے، مگر وہ خوب جرائم کر رہا ہے، اور بلیک میلر بھی ہے۔''

''اور شاید جعل ساز بھی۔''

''جعل ساز......؟''

''ہاں......! آج کل ایک شہزادی کے چکر میں ہے۔''

☆......☆......☆

''شہزادی......؟''

شاہان نے تعجب سے کہا۔

''شیرانہ نام ہے اس کا، اور آج کل اس کی کافی شہرت ہے۔ شہروز بلاوجہ ہی اس سے قریب نہ ہوا ہوگا۔''

''یہ دلچسپ بات بتائی تم نے۔''

''کیوں......؟ تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے......؟''

''بھئی......! بلیک میل اس لئے ہو رہا ہوں کہ اس کے پاس میرے خلاف ٹھوس ثبوت ہیں، لیکن اس کے بعد اسے کچھ نہیں مانتا، اگر ایسی کوئی بات ہے تو میرے لئے بھی باعث دلچسپی ہے۔''

''اوہ......! ڈیئر شاہان......! میرے خیال میں تم اس چکر میں نہ پڑو۔ پہلے اس منحوس سے نمٹ لو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔''

''کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں......؟''

''صرف ایک......! اور وہ یہ کہ اسے قتل کر دو۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''اس کے بعد......؟''

شاہان نے پوچھا۔

''اس کے بعد جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ اگر ہم دوسرے ہاتھوں میں پہنچے تو جو کوئی بھی ہوگا، سامنے تو آئے گا۔ ممکن ہے، وہ شہروز کی مانند چالاک اور کمینہ صفت نہ ہو۔ ہم اس سے نمٹنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

شاہان نے گہری سانس لینے کے بعد کہا۔

''بات تو ٹھیک ہے، مگر تم...... پھر تم دیکھو ڈارلنگ......! مجھ سے فراڈ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے ضرر انسان ہوں۔ عام حالات میں تمہارے لئے برا ثابت نہیں ہوں گا۔ اگر تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے، یا ممکن ہے، تم میرا عندیہ لے رہی ہو تو خدا کے لئے مجھ سے دُشمنی مت کرنا۔ میں تم سے قطعی مخلص ہوں۔''

شاہان نے کہا۔

''شاہان......! اگر تم یہ کام کر لو تو میں ساری زندگی تمہاری غلامی میں گزار دوں گی۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ میرے دل میں کس قدر دُھواں بھرا ہوا ہے۔ میں نے برائی کی زندگی کا آغاز حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا تھا اور اس وقت یہ سوچا تھا کہ اب ساری زندگی اسی انداز میں گزار دوں گی۔ زندگی میں یہ تبدیلی میں نے صرف اس لئے پیدا کی تھی کہ میں اپنے طور پر زندہ رہنا چاہتی تھی۔ لیکن اگر کسی کی غلامی میں زندگی بسر کرنا پڑے تو اس سے موت بدرجہا بہتر ہے۔ میں تم سے کسی قسم کا کوئی فراڈ نہیں کر رہی۔ میں خلوصِ دل سے تمہارے ساتھ ہوں۔ کوئی ایسی ترکیب، کوئی ایسا پلان سوچو جس سے ہم اس بدبخت سے نجات حاصل کر سکیں۔ میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔''

عالیہ شاہ نے شاہان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں ملتا ہے وہ آج کل......؟"

"عموماً شیرانہ کے ساتھ ایک مشہور نائٹ کلب میں دیکھا جاتا ہے۔"

عالیہ شاہ نے جواب دیا۔

"تو عالیہ شاہ......! ہم کلب چلیں گے۔ میں یوں کرتا ہوں کہ مطلوبہ رقم تمہیں ادا کئے دیتا ہوں، تم اسے لے کر اس کے پاس چلی جاؤ۔ کسی خاص بات کا اظہار نہ کرو اور مجھے کوئی ایسا وقت بتا دو جس وقت میں تمہیں کوٹھی پر مل سکوں۔ اس کے بعد ہم کوئی مناسب پروگرام بنائیں گے اور اس پروگرام میں ہم دونوں برابر کے شریک رہیں گے۔"

"مکمل فیصلہ ہے تمہارا......؟"

"ہاں......! تمہارا ساتھ اگر مل گیا تو پھر میرا فیصلہ مکمل ہی ہے۔"

شاہان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ کے ہونٹوں پر سبک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن اس مسکراہٹ میں خوف کا عنصر بھی تھا، کیونکہ وہ شاکا جیسے آدمی کا حشر بھی دیکھ چکی تھی۔ پتا نہیں شاہان اس کے مقابلے میں کس طرح کا ثابت ہوتا ہے......؟

☆......☆......☆

شہزادی شیرانہ اس نوجوان پر بری طرح فریفتہ ہوگئی تھی۔ اس نے اپنی خادماؤں سے بھی یہی بات کہی تھی۔

"کسی طرح اس نوجوان کو یہاں سے باہر لے جانا ہے۔ یہ بہت انوکھی فطرت کا مالک ہے۔ ایسی عجیب و غریب شخصیت اس سے قبل نہ کبھی دیکھی اور نہ ہی کبھی سنی۔ یہ تو بہت انوکھا ہے۔"

شہزادی شیرانہ نے خوابناک لہجے میں کہا۔

"ہاں خاتون......! مگر یوں نہ ہو کہ آپ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر اپنا مشن ہی فراموش کر بیٹھیں......؟"

اس کی ایک خادمہ نے کہا۔

"بے وقوف ہو تم......! میں اس مشن کی تکمیل کے لئے بہت سے جال پھینک چکی ہوں۔ آج ہی شام چند افراد ہمارے پاس آنے والے ہیں۔"

"کیا معاملات طے ہوگئے......؟"

"طے نہیں ہوئے، لیکن طے ہو جائیں گے۔ شہر کے تین بڑے رئیس آج ہیروں کو دیکھنے آ رہے ہیں۔"

شیرانہ نے کہا۔

"تینوں بیک وقت آئیں گے......؟"

"نہیں......! میں نے انہیں وقفہ وقفہ سے وقت دیا ہے۔"

"خوب......! میری خواہش ہے کہ سودا جلدی کر لیں۔ کافی لوگ ہماری طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔ اگر انتظامی محکموں تک بات پہنچ گئی تو پریشانی ہوگی۔"

خادمہ نے کہا۔

"تم بالکل فکر مت کرو۔"

"آپ اسے کس طرح یہاں سے نکال لے جائیں گی......؟"

"شہروز کی بات کر رہی ہو......؟"

"ہاں......!"

"اسی سلسلے میں سوچتی رہی ہوں۔ بظاہر وہ بھی میرے عشق میں گرفتار ہے، لیکن بس عجیب سا ہے۔ پتا نہیں خود چلنے پر تیار ہوگا یا نہیں......؟ بہر حال اگر نہ ہو سکا تو اسے اغوا کر لیا جائے گا۔ میں اس کا انتظام بھی کر چکی ہوں۔ جاؤ تم تیاریاں کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک پہنچنے والا ہوگا۔"

شیرانہ نے کہا اور خادمہ گردن ہلا کر چلی گئی۔ ٹھیک پانچ بجے سیٹھ انجم شیخ، شیرانہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ بھی شہر کے بہت بڑے جوہری تھے اور زیورات کا بہت بڑا کاروبار کرتے تھے۔ سیٹھ صاحب اپنے ایک ماتحت کے ہمراہ آئے تھے۔ شیرانہ سارے انتظامات کر چکی تھی۔ سیٹھ صاحب نے جھک کر سلام کیا اور بولے۔

"بھئی......! پہلے ہیرے دکھائے جائیں، پسند آئے تو سودا پکا......!"

"آپ جوہری ہیں سیٹھ صاحب......؟"

"ہاں......! ملک میں ہمارا بہت بڑا کاروبار ہے۔ کتنے ہیرے ہیں آپ کے پاس......؟"

"سولہ......! اور میں ایک ساتھ سب کا سودا کرنا چاہتی ہوں۔"

شیرانہ نے کہا۔

"ہم خرید لیں گے، آپ ہیرے تو منگوائیں۔ منور بھائی......! آپ ذرا عدسہ نکالیں۔"

سیٹھ صاحب نے اپنے ماتحت سے کہا اور ہیرے پرکھنے کا خاص عدسہ نکال لیا۔ تب خاتون شیرانہ نے خادمہ کو اشارہ کیا اور خادمہ ایک الماری سے بکس نکال لائی۔ بکس کھولا گیا تو آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوگئی۔ شہزادی شیرانہ نے بڑے اہتمام سے ایک ہیرا نکال کر سیٹھ صاحب کے سامنے رکھ دیا اور سیٹھ صاحب اس پر جھک گئے۔ شیرانہ نے دوسرا ہیرا ان کے ماتحت کے سامنے رکھ دیا اور وہ بھی ہیرا ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ ماتحت عدسہ کے ذریعے ہیرا پرکھنے لگا۔ سیٹھ صاحب نے اس سے عدسہ لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہیرا دیکھا اور گردن ہلانے لگے۔

"واقعی......! یہ تو بہت عمدہ چیز ہے۔"

"سب کا ایک ہی سائز اور ایک ہی وزن ہے، اور یہی ان کی خوبی ہے۔"

شیرانہ نے ایک اور ہیرا سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا دیا اور اس کے بعد بکس بند کر دیا۔ تیسرا ہیرا دیکھنے کے بعد سیٹھ صاحب مطمئن ہوگئے۔

"بی بی......! کیا مانگتی ہیں ان سب کا......؟"

"اسّی لاکھ روپے......!"

شیرانہ نے جواب دیا۔

"کل کتنے ہیرے ہیں......؟"

"سولہ......!"

"قیمت زیادہ ہے ان کی، کچھ گنجائش......!"

"پورے اسّی لاکھ روپے سیٹھ صاحب......! اس سے کم کی بات نہیں ہوسکتی۔"

"آپ کی مرضی ہے بی بی......! اگر اتنے میں سودا منظور ہے، تو ٹھیک ہے۔"

"اگر پروگرام اتنے کا بنا تو میں آپ سے رابطہ قائم کرلوں گی۔"

شیرانہ نے کہا اور سیٹھ صاحب چلے گئے۔ دوسرے گاہک بھی ایک جوہری ہی تھے۔ انہوں نے ساٹھ لاکھ روپے لگائے، لیکن ان سے بھی سودا نہیں بنا۔ تیسری شخصیت بہت دلکش تھی۔ درمیانی عمر کے ایک نواب صاحب جن کے آدھے بال سفید تھے، خوب صورت چھڑی ہاتھ میں لئے اپنے ایک آدمی کے ساتھ اندر آئے تھے۔ شیرانہ نے ہیرے ان کے سامنے پیش کئے۔ حسب معمول انہوں نے بھی تین ہیرے ہی دیکھے تھے۔

"ہمیں پسند ہیں، آپ نے دوسرے لوگوں سے بھی ہیروں کے بارے میں بات کی ہے......؟"

"ہاں......! آپ سے پہلے بھی شہر کے دو مشہور جوہری آئے تھے۔"

شیرانہ نے کہا اور پھر باری باری ان کے نام دُہرا دیئے۔

"ہاں......! میں ان کے نام سن چکا ہوں۔ کیا قیمت طلب کرتی ہیں آپ......؟"

"اسّی لاکھ سے قطعاً کم نہیں۔"

"کم......؟"

نواب صاحب مسکرا کر بولے۔

"جی ہاں......! پہلے جوہری نے ان کی قیمت ساٹھ لاکھ جبکہ دوسرے حضرت نے پچاس لاکھ لگائی تھی، لیکن ہیروں کی قیمتیں یوں نہیں لگتیں۔ ان کا اپنا ایک معیار ہوتا ہے۔ بے شک میں انہیں فروخت کرنے کی خواہش مند ہوں۔ لیکن میری اپنی ضروریات اور اپنے مسائل ہیں جن سے کسی کو آگاہ کرنا میں پسند نہیں کرتی۔ لیکن اگر وہ میری مطلوبہ قیمت پر ہیرے فروخت نہیں ہوئے تو میں انہیں فروخت کرنے کا خیال دل سے نکال دوں گی۔"

"خاتون......! میرے خیال میں اسّی لاکھ روپے ان کی مناسب ترین قیمت ہے۔ ان جیسے نایاب دانوں کو وہ جوہری صرف کاروباری نقطۂ نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن ہم کاروباری نہیں ہیں۔ ہیرے ہمارا شوق ہے۔"

نواب صاحب نے کہا اور شیرانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے مسرت ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ درحقیقت ہیرے صرف شوق ہوتے ہیں۔ کاروبار کا ان

سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور یہ بات ہم سے بہتر کون جان سکتا ہے......؟"

"بے شک، بے شک......!"

نواب صاحب نے کہا اور پھر اپنے ساتھی کی طرف رُخ کر کے بولے۔

"تم اس رقم کی ادائیگی کب تک کردو گے......؟"

"جب حضور والا کا حکم ہو، میں رقم لے کر آیا ہوں۔"

اس شخص نے جواب دیا اور شیرانہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

"ہمیں ایسے ہی قدر دان کی خواہش تھی۔ درحقیقت اب ہمیں ہیرے فروخت کرنے میں اس ذہنی کوفت کا سامنا نہیں ہے جو ہمارے دل میں تھی۔ جوہریوں کے پاس سے یہ ہیرے نہ جانے کہاں جاتے......؟ کس کے گلے کی زینت بنتے......؟ یا کون ان کا مالک بنتا......؟ اگر آپ جیسے قدردان ان کے مالک ہوں گے تو ہمیں کم از کم یہ مسرت رہے گی کہ ہماری یہ نایاب اور انمول شئے کسی ناواقف کے ہاتھ میں نہیں ہے۔"

شیرانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے شہزادی شیرانہ......! ہمیں یہ سودا منظور ہے۔ ادائیگی نقد یا پھر جس صورت میں آپ چاہیں۔"

"نہیں......! بہتر یہ ہوگا کہ ادائیگی نقد شکل میں ہی ہو جائے اور ہم زیادہ جھگڑوں میں نہ پڑیں۔"

شہزادی شیرانہ نے کہا اور نواب صاحب نے دوبارہ اپنے آدمی کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی اور وہ باہر نکل گیا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک بڑا بریف کیس لے کر اندر داخل ہوا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اس نے شیرانہ کی جانب ڈھیر کردیں۔ اسّی لاکھ روپے کی گڈیاں شیرانہ کے سامنے تھیں اور اس کے بدن میں ہلکی سی کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی، لیکن اس نے خود کو سنبھالے رکھا اور نواب صاحب سے مخاطب ہوئی۔

"ہیروں کے پرکھ کے لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو......"

"اوہو......! شہزادی شیرانہ......! ہماری نگاہ ہیروں کو پہچاننے کی عادی ہے۔ یہ جو آپ نے ہمیں ہیرے دکھائے ہیں، یہ ہمارے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں پرکھ کے سلسلے میں مزید کسی بات کا انتظار نہیں کرنا ہے۔"

"بہت بہتر......! تو یہ حاضر ہیں۔"

شہزادی شیرانہ نے ہیروں کا ڈبہ نواب صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا اور نواب صاحب نے احترام سے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی سودے بازی نہیں ہوئی، آپ خوش ہیں ناں......؟"

نواب صاحب نے شہزادی شیرانہ سے پوچھا۔

"خوش......؟"

شیرانہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"نہیں نواب صاحب......! ان ہیروں کی فروخت سے میں خوش نہیں ہوں، کیونکہ یہ میری خاندانی ملکیت تھے، بہرصورت ضرورت انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔"

"ہمارے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتائیے......!"

نواب صاحب بولے۔

"جی نہیں......! بس شکریہ......!"

شیرانہ نے جواب دیا۔ ہیرے نواب صاحب کی تحویل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب شیرانہ سے رُخصت ہو گئے۔ شیرانہ کی آنکھوں سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ اس کے انداز میں حیرانی تھی۔ پھر وہ اپنی ایک خادمہ کی طرف رُخ کر کے بولی۔

"بہت بڑی شخصیت تھی، لیکن اب فوراً تیاریاں کرو۔ ہمیں ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جانا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ آج ہی سب کچھ ہو جائے گا۔"

"ہاں خاتون......! نواب صاحب کو جب پتا چلے گا کہ تین کے علاوہ باقی ہیرے نقلی ہیں تو وہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔"

خادمہ نے کہا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں، جاؤ تیاریاں کرو۔"

"اور شہروز......؟"

"اس سے کسی نہ کسی طور رابطہ قائم کر لیا جائے گا۔"

شیرانہ نے کہا، اور پھر تیاریاں ہونے لگیں۔ تھوڑے سے انتظامات پہلے ہی ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ سب عام عورتوں کی حیثیت سے ایک درمیانے درجے کے محلے میں مقیم ہو گئیں۔ اب شہزادی شیرانہ، شیرانہ نہیں رہی تھی۔ دوسرے دن نوٹوں کی ایک گڈ سے چند نوٹ نکال کر شیرانہ بازار میں کچھ خریداری کرنے گئی۔ جب اس نے اسٹور کے مالک کو ادائیگی کی تو وہ چونک کر نوٹ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حیرت سے شیرانہ کو دیکھا اور شیرانہ خود حیران ہو گئی۔

"کیوں......؟ کیا بات ہے......؟"

"یہ نوٹ......یہ نوٹ نقلی ہیں محترمہ......! آپ خود کہیں بے وقوف بنی ہیں یا ہمیں بنانے آئی ہیں......؟"

اسٹور کے مالک نے کہا اور شیرانہ کے پورے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ وہ پتھر کے بُت کی مانند اسٹور کے مالک کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

تان پورے کے پیچھے عالم پناہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور موٹی موٹی اُنگلیاں تان

پورے کے تاروں پر چل رہی تھیں۔ ابھی انہوں نے تان پورہ چھیڑا تھا، سارے تار ہی بے تکی آواز میں چیخ رہے تھے اور تابش کے چہرے پر خوف کے آثار چھائے ہوئے تھے۔

"خیریت......؟ یہ تمہاری حالت کیوں خراب ہو رہی ہے......؟"

شمائل نے پوچھا۔

"یار......! گڑبڑ ہو گئی۔"

تابش بولا۔

"کیوں......؟"

"اُستاد جی اس تان پورے کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس کی فریاد سن لیں تو خودکشی کر لیں گے اور مجھے یہ خطرے میں نظر آتا ہے۔ عالم پناہ کے بھینسوں جیسے کُھر اس کے تاروں کا کباڑہ کر رہے ہیں۔"

"اللہ مالک ہے، اب تو راگ شروع ہو چکا ہے۔"

شمائل ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"مگر تانپورے کا کیا ہوگا......؟"

"تم اس کے تمام پارٹس اکٹھے کر کے اُستاد کو بھجوا دینا۔"

"نخ......خدا کی قسم......! بہت مہنگا آتا ہے۔ نیا خریدنا پڑ جائے گا۔"

"بھگتو......! اب بھگتو......!"

شمائل نے کہا اور دفعتاً سب چونک پڑے۔ عالم پناہ نے ایک راگ شروع کر دیا تھا۔

"کب آؤ گے تم......!

کب آؤ گے......؟

مورا تم بن جیا اُداس......!"

ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بکریوں کے کسی گلے میں بھیڑیا گھس آیا ہو اور بکریوں نے خوف و ہراس کے عالم میں چیخنا شروع کر دیا ہو۔

"اللہ......! عالم پناہ......! کیا کر رہے ہیں......؟ خدارا......! خاموش ہو جائیں۔"

شمائل بولی۔

"تم آؤ گے......؟"

عالم پناہ بولے۔

"میں تو کیا آؤں گی......؟ اگر آپ نے دو چار بول اور گائے تو پولیس آ جائے گی۔ اللہ......! چپ ہو جائیے......!"

شمائل ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"موراتم بن جیا اُداس رنے......!"

عالم پناہ میائے اور کورس میں سر پیٹا جانے لگا۔ عالم پناہ غصیلے انداز میں رُک گئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے......؟"

وہ غصے سے بولے۔

"راگ کا اثر ہے، جادو سر پر چڑھ گیا ہے۔ گایئے......! گاتے رہئے......! شاباش......! آپ کامیابی کے نزدیک ہیں۔"

تابش نے عالم پناہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا اور عالم پناہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے لمحے ان کی اُنگلیاں پھر تانپورے کے تاروں کی طرف بڑھ گئیں۔

☆......☆......☆

شیرانہ پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ خادمہ اس کی ہمت بندھا رہی تھی، لیکن شیرانہ انتہائی کوشش کے باوجود خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

"ہمیں مزید خطرات پیش آ سکتے ہیں۔ شیرانہ خود کو سنبھالیں۔ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

شیرانہ خالی خالی نگاہوں سے خادمہ کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں اس طرح تو یہاں سے نہیں جاؤں گی علینہ......!"

"کیا مطلب......؟"

"میں نے زندگی میں کبھی اتنی بڑی چوٹ نہیں کھائی۔ میں اُسے تلاش کروں گی۔ وہ نواب کا بچہ مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے شاطروں کو دیکھا ہے۔"

"یہ اجنبی ملک ہے شیرانہ......!"

علینہ بولی۔

"میرے لئے ہر ملک اجنبی ہے، لیکن میں اپنے پنجے گاڑھنا جانتی ہوں۔"

شیرانہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"مشکل ہے، بہت مشکل ہے......! وہ چالاک نواب آسانی سے ہمارے ہاتھ نہ آ سکے گا۔ تم اسے کہاں تلاش کرو گی......؟"

"میں نہیں تلاش کروں گی، اس شہر کے جرائم پیشہ لوگ اسے تلاش کریں گے۔ میں ان لوگوں سے رابطہ قائم کروں گی۔"

شیرانہ نے کہا۔ اس کی ضد پر ملازمہ خاموش ہو گئی۔ درحقیقت شیرانہ تلملا رہی تھی۔ وہ کسی ریاست کی

شہزادی نہیں تھی بلکہ ایک چالاک مجرمہ تھی جو دُنیا کے بیشتر ممالک میں فراڈ کر چکی تھی اور ہمیشہ کامیاب رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے چوٹ ہوئی تھی۔ تین اصلی ہیروں کی مالیت بھی تیس لاکھ کے قریب تھی۔ یہ ہیرے شیرانہ نے ایک جوہری سے خریدے تھے اور مزید دو لاکھ روپے خرچ کر کے ان کی نقل بنوائی تھی اور پھر پلاننگ پر عمل درآمد کے لئے الگ اخراجات ہوئے تھے جو کسی شمار میں نہیں تھے۔ اس طرح شیرانہ کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

اس کی مجرمانہ زندگی کا یہی طریقہ کار تھا۔ وہ پلاننگ کرتی تھی، اس پر اخراجات کرتی تھی اور پھر منافع حاصل کر کے اطمینان سے روپوش ہو جاتی اور خاموش بیٹھ کر دوسری پلاننگ کرنے لگتی تھی۔ لیکن اس بار......اس بار اسے بدترین حالات کا شکار ہونا پڑا تھا، اور وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح تلملا رہی تھی۔ شاہنہ اس کی پرانی ساتھی تھی اور خود بھی بہت چالاک عورت تھی۔ اکثر اس کی ملازمہ کے روپ میں اس کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شیرانہ جوشِ انتقام میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

"کیا سوچ رہی ہو شیرانہ......؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا شاہنہ......!"

"میں بتاؤں......!"

"تمہیں منع کس نے کیا ہے......؟"

"تو پھر سنو......! بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے یہاں سے نکل چلو۔"

"مگر کہاں......؟"

"تمہارا ارادہ مشرقِ وسطیٰ جانے کا تھا ناں......؟"

"ہاں......! تھا تو۔"

"بس......! وہیں چلو......!"

"اور اس نواب کو چھوڑ دوں......؟"

"چھوڑنا پڑے گا شیرانہ......! حالات ہمیں کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمیں حالات کو مدِنگاہ رکھنا ہوگا۔"

"کون سے حالات کی بات کر رہی ہو......؟"

"کیا ہماری مالی حالات ایسی ہے کہ ہم یہاں رُک کر کوئی کارروائی کر سکیں......؟ فوری طور پر ہمیں روپیہ کہاں سے ملے گا......؟"

"کوئی چال چلیں گے۔"

"اس وقت ممکن نہیں ہے۔"

’’کیوں......؟‘‘

’’اس لئے کہ تمہارا ذہن انتشار کا شکار ہے۔ انتقام کی کیفیت سے تم بری طرح مغلوب ہو۔ اس شہر میں رہو گی تو اسے نہ بھول سکو گی، اور کہیں نہ کہیں کوئی لغزش ہو جائے گی۔‘‘

شاہنہ نے کہا اور شیرانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کرسی کی پشت سے گردن ٹکا دی۔

’’تو ٹھیک ہی کہتی ہے شاہنہ......! درحقیقت کبھی کبھی انسان کو ناکامی سے دوچار ہونے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔‘‘

شاہنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

’’یہ تو دستور ہے شیرانہ......! تصویر کے ہمیشہ دو رُخ ہوتے ہیں۔‘‘

’’اس تصویر کے بارے میں کیا کہتی ہو......؟‘‘

شیرانہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

’’کون سی تصویر......؟‘‘

’’اسی کی بات کر رہی ہوں جو میرے ذہن و دل پر قبضہ جما چکی ہے۔‘‘

’’اوہ......! سمجھ گئی، شہروز......؟‘‘

’’ہاں......!‘‘

’’وہ تمہاری ہے، قبضے میں کرو اور یہاں سے لے چلو۔ نئی جگہ تمہارا دل بہلائے گی۔‘‘

’’وہ تیار ہو جائے گا......؟‘‘

’’کوشش کرو......!‘‘

’’مگر اس سے ملاقات کیسے کی جائے......؟‘‘

’’کیوں......؟ اس میں اب کیا مشکل ہے......؟ کسی بھی اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں اسے بلوا لو۔ فون تمہارے پاس ہے، میرا مطلب ہے، اب وہ خطرہ تو ٹل گیا ہے جس نے ہمارے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ وہ اب ہمیں فراڈ ثابت کرنے کے لئے ہمارے سامنے تو نہیں آئے گا۔‘‘

شاہنہ نے کہا اور شیرانہ کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆......☆

تان پورے کی کرب ناک چیخیں فضاء میں بلند ہو رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی عالم پناہ ڈکرا رہے تھے۔ سب کے لئے ہنسی دبانا مشکل ہو رہی تھی۔ تابش نے ہدایت کی تھی کہ اگر سنگیت سے بدلہ لینا ہے تو خاموش بیٹھنا، ورنہ کھیل خراب ہو جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ پریشان بھی تھا کہ تان پورہ اس کھیل کے اختتام تک سلامت رہے تو اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس کی حالت دیکھ کر شائل نے کہا۔

’’کیا ہو گیا تابش بھائی......؟‘‘

’’میری جان تان پورے میں اٹکی ہوئی ہے۔ بس اب ٹوٹا، دیکھو کمبخت کے وزنی ہاتھ کس طرح اسے دُھن رہے ہیں۔ خدایا......! کس عذاب میں گرفتار ہو گیا......؟‘‘

’’مرے کیوں جا رہے ہو آخر......؟ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ ہی جانے دو۔ پروگرام تمہارا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔‘‘

’’جی ہاں......! ٹوٹ جانے دو، میوزیکل کلب کے اُستاد جتنے بامروّت ہیں، اتنے ہی بے مروّت بھی ہیں۔ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔‘‘

’’کوئی بات نہیں......! چندہ کر لیا جائے گا تان پورے کے لئے۔‘‘

برابر بیٹھے ہوئے زاہد نے کہا۔ عالم پناہ آخری سُر لگا کر خاموش ہو گئے۔ درمیان میں اسٹول پر رکھا گلاس جوں کا توں تھا۔ روکی تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔

’’علی بھائی......! گلاس جوں کا توں ہے۔‘‘

اس نے کہا۔

’’اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ مضبوط گلاس ہے، اتنی جلدی تھوڑی ٹوٹے گا۔‘‘

عالم پناہ غصیلے لہجے میں بولے۔

’’ابھی تو روکی کی باری ہے۔‘‘

شائل بولی۔

’’بے شک، بے شک......! لیکن اس میں کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔‘‘

’’کیسی سازش......؟‘‘

تابش نے کہا۔

’’یہ گلاس ان بریک ایبل تو نہیں ہے۔‘‘

’’معائنہ کر لیا جائے۔‘‘

کسی نے کہا، عالم پناہ بھی چونک کر گلاس کو دیکھنے لگے تھے اور پھر گلاس مختلف ہاتھوں میں گھومنے لگا تھا۔

’’سازش پکڑی گئی۔‘‘

تابش بولا۔

’’کیا مطلب......؟‘‘

’’گلاس فرانسیسی کمپنی کا بنا ہوا ہے۔‘‘

’’تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟‘‘

’’بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ اسے توڑنے کے لئے عالم پناہ کو فرنچ زبان میں گانا پڑے گا۔‘‘

’’اوہ......!‘‘

عالم پناہ بھی چونک پڑے۔

"جبھی تو میں کہوں کہ کیا قصہ ہے......؟ اکبر اعظم کے دربار میں جو مقابلہ ہوا تھا، اس میں رکھا جانے والا شیشے کا برتن خالص ہندوستانی تھا جس پر کلاسیکی موسیقی اثر انداز ہوئی تھی۔"

"بالکل درست......!"

"گلاس بدلا جائے، بالکل بدلا جائے۔"

چاروں طرف سے ہنگامہ ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد گلاس بدل دیا گیا۔ اس کے بعد روکی نے پھُدکنا شروع کر دیا۔ دِلربا کی تانیں اُبھرنے لگیں اور روکی بلبلانے لگا۔ وہ ایک کلاسیکی گانے کو انگریزی دُھنوں میں گانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اے بھائی......! روکی......! بھیا ارقم الدین......! تم نے بچوؤں کو اُچھلتے کودتے دیکھا تھا کیا......؟"

تابش نے اُٹھ کر اسے پکڑ لیا۔

"مجھے مت روکو......! مجھے گانے دو۔"

"گاؤ گاؤ......! ضرور گاؤ......! مگر کپڑوں میں شہد کی مکھیاں گھس گئی ہیں کیا......؟ اُچھل کیوں رہے ہو......؟"

"گانے دو، گانے دو......!"

"اواواو......!"

روکی مست ہو گیا تھا۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال ہوا میں اُچھل رہے تھے۔ پتلی پتلی ٹانگیں تھرک رہی تھیں۔

"پکڑو......! ارے......! اسے پکڑو......!"

تابش نے اپیل کی اور بہت سے لڑکوں نے مل کر روکی کو دبوچ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے......؟ سنگیت کو آزادی دی جائے۔"

"ایک شرط پر......!"

تابش نے کہا۔

"آہ......! موسیقی پر پابندی نہ لگاؤ۔"

روکی کرب سے بولا۔

"نہیں لگائی جائے گی۔ وعدہ......! مگر ایک وارننگ سن لو۔ اگر تم کسی کے اوپر گر پڑے تو تمہیں ناکام قرار دیا جائے گا۔"

تابش نے کہا اور روکی دھیما پڑ گیا۔

"بھئی......! یہ تو زیادتی ہے۔"

روکی بولا۔

"اور اگر کسی کے چوٹ لگی تو وہ زیادتی نہ ہوگی......؟"

"بھئی......! یوں فیصلہ ہونا مشکل ہے۔ اس مقابلے کے لئے کوئی لائحہ عمل بنایا جائے۔"

"وہ کیا......؟"

بہت سی آوازوں نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ ایک ہی گانا پہلے علی صاحب گائیں، اس کے بعد روکی گائے۔ البتہ روکی کو اُچھل کود کی اجازت بالکل نہ دی جائے۔ سنگیت تو ایک بہتا ہوا دریا ہے جو خاموشی سے آہستہ آہستہ رواں رہتا ہے۔ اگر اس میں طغیانی آ جائے تو خود سوچو، کیا ہوگا......؟"

"ہوگا کیا......؟ سب یہاں سے اُٹھ کر بھاگ جائیں گے۔"

زاہد نے کہا۔ بہرصورت روکی اور عالم پناہ نے مقابلے کے لئے یہ شرط بھی قبول کر لی تھی اور اس کے بعد ایک کلاسیکل گانا ان دونوں کو دے دیا گیا۔ عالم پناہ نے مسکرا کر گردن ہلائی، لیکن روکی کی سمجھ میں یہ گانا نہیں آ سکا تھا۔ تابش، روکی کو گانے کے بول سمجھانے لگا جو کافی دیر کے بعد روکی کی سمجھ میں آ سکے تھے۔ بہرصورت اس کے چہرے پر مسکراہٹ پیدا ہو چکی تھی جو اس بات کی غماز تھی کہ گانا روکی کی سمجھ میں آ گیا ہے۔ اس نے تفاخرانہ انداز میں عالم پناہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! چلو شروع ہو جاؤ۔"

اس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا اور عالم پناہ گلا کھنکھار کر صاف کرنے لگے۔ تابش زاہد کے قریب سرک آیا اور اس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ زاہد نے مسکرا کر تابش کو دیکھا تو تابش نے التجا کرنے والے انداز میں اسے دیکھا اور زاہد اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ دوسری طرف عالم پناہ بے سُری آواز میں شروع ہو گئے تھے۔ انہوں نے گانے کے دو بول کلاسیکل انداز میں گائے، پھر انہیں ہاتھ اُٹھا کر روکا گیا اور روکی کو گانے کی دعوت دی گئی۔ روکی نے اس گانے کی انگلش دُھن بنا ڈالی۔ کلاسیکل گانا انگریزی دُھن سے گایا جا رہا تھا۔ روکی آہستہ آہستہ تھرک رہا تھا۔ اسٹول پر گلاس رکھا ہوا تھا اور سننے والے سر دھن رہے تھے۔ لیکن اپنا اپنا نہیں، ایک دوسرے کا۔ اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ فاروق صاحب اور احتشام حسن کسی کام سے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے اور بڑا آزاد ماحول تھا۔ پھر دفعتہً روکی کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ بلبلا کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دِلربا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی اور تمام لڑکے اور لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، تب تابش کے منہ سے نکلا۔

"ارے ارے......! یہ کیا ہوا......؟ یوں لگتا ہے جیسے بھائی ارقم الدین، روکی پر موسیقی حملہ آور ہو گئی۔"

"ظاہر ہے، کلاسیکل موسیقی کے ساتھ یہ سلوک ہوگا تو اور کیا ہوگا......؟"

کسی نے کہا۔ لیکن روکی کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ دِلربا بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس طرح نیچے نہیں گر سکتی تھی، کیونکہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ زمین پر چاروں شانے چت گر کر بے ہوش

ہوگیا۔ تب ذرا بات باعث تشویش ہوگئی۔ لوگ روکی کے نزدیک آئے اور اسے ٹٹولنے لگے، لیکن کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے اس کے زخمی ہونے کا اندازہ ہوتا۔ سبھی حیران تھے۔ البتہ شائل نے پتھر کا ایک غلہ قریب سے اُٹھالیا اور تابش سے بولی۔

"یہ......یہ......پتھر...... مجھے ایک سنسناہٹ سی سنائی دی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"یہ پتھر کہیں سے آیا تھا۔"

"ناممکن، ناممکن......!"

تابش نے کہا اور پتھر اپنی مٹھی میں دبا کر جیب میں رکھ لیا۔ ارقم الدین کی بے ہوشی واقعی حیرت ناک تھی۔ عالم پناہ بھی حیران ہوگئے اور ارقم الدین کو ٹٹولنے لگے جس کی کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ایک دوسرا سر نمودار ہورہا تھا۔ یقینی طور پر یہ غلہ اس کے سر پر لگا تھا۔ لوگ تشویش کا شکار ہوگئے۔ گلاس اپنی جگہ سے اُٹھالیا گیا اور مقابلہ پھر کسی وقت کے لئے ملتوی کردیا گیا۔ تان پورہ [illegible]۔

"مگر یہ ہوا کیا......؟"

تابش نے عجیب سے انداز میں کہا۔ روکی کو اس کے کمرے میں پہنچادیا گیا اور اس کی تیمارداری کی جانے لگی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے سر میں چوٹ لگی ہے۔ چنانچہ اس کے سر پر کس کر پٹی باندھ دی گئی، ویسے خون وغیرہ نہیں نکلا تھا۔ البتہ روکی جیسا مخنی آدمی اس غلے کی ضرب سے بے ہوش ہوگیا تھا۔ دفعتہً تابش کو ایک خیال آیا اور اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"تم لوگ روکی کی دیکھ بھال کرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

اس نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے زاہد مل گیا تھا۔ تابش اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"زاہد......! تم نے یہ کیا کیا......؟"

"یار......! بس غلطی ہوگئی۔ نشانہ ہی چوک گیا۔ تمہارے کہنے پر نشانہ تو گلاس پر ہی لگایا تھا میں نے، لیکن اب اسے کیا کہوں کہ روکی کی بدقسمتی آڑے آگئی......؟"

اس نے کہا۔

"میرا مقصد یہی تھا کہ گلاس کسی طرح ٹوٹ جائے اور تان پورے کی جان بخشی ہوجائے اور فیصلہ گانے والے کے حق میں ہوجائے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ روکی جیتے یا علی......؟ لیکن یار......! تیرا نشانہ کچا ہے۔"

تابش بولا۔

"بس یار......! میں نے گلاس کو نشانہ بنایا تھا، لیکن مجھے غلیل چلانے والے کی زیادہ مشق نہیں ہے۔ چنانچہ

غلہ روکی کے سر میں جالگا۔"

"مجبوری تھی، تان پورے کی بقاء کے لئے یہ سب ضروری تھا۔"

"میرے اچھے بھائی......! ایک کام اور کردے میرا۔ تان پورہ فوراً سے پیشتر واپس دے آؤ۔ میں روکی کی تیمارداری کرتا ہوں۔"

"تابش بھائی......! یہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔"

"ارے نہیں معلوم ہوگی۔ بس اب جاؤ۔"

تابش نے منہ بنا کر کہا اور زاہد جلدی سے واپس چلا گیا۔ تان پورہ بچ گیا تھا اور تابش کو اس بات کی بہت خوشی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ تان پورے کے تار ڈھیلے ہوگئے تھے۔ لیکن میوزیکل کلب کے مالک نے اس بات کا برا نہیں منایا اور تان پورہ جوں کا توں قبول کرلیا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ، شاہان سے رُخصت ہوکر گھر پہنچ گئی تھی اور اس سے وصول شدہ رقم شہروز کے حوالے کردی گئی تھی۔ شہروز نے معنی خیز انداز میں عالیہ شاہ کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

"کیسا آدمی تھا یہ شاہان......؟"

عالیہ شاہ نے بمشکل تمام خود پر قابو پالیا اور پھر بولی۔

"ٹھیک تھا جناب......! میں نے غور ہی نہیں کیا اس پر۔"

"یہ بڑا اچھا کیا عالیہ شاہ......! ویسے سنا ہے کہ خاصا خطرناک آدمی ہے۔"

"ہاں......! میں نے بھی یہ سنا تھا، اس سے ملاقات کرتے ہوئے خاصی دِقت پیش آئی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"کسی مشاعرے میں جارہا تھا۔"

"اوہو......! ہاں......! میں نے بھی کسی سے سنا تھا کہ وہ شاعر ہے، ویسے اس نے تمہیں اپنے شعر ضرور سنائے ہوں گے، بلکہ شاید مشاعرے ہی میں روک لیا ہوگا رات کو......؟"

"نن......نہیں......! یہ بات نہیں ہے۔ بس رات ہوگئی تھی، اس سے ملاقات ہونے میں کافی دیر ہوگئی، اس لئے میں رات کو وہیں رُک گئی تھی۔"

"گفتگو بھی ہوئی ہوگی......؟"

"بس......! کاروبار کی حد تک۔"

عالیہ شاہ نے نگاہیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر......! ٹھیک ہے......! ویسے عالیہ شاہ......! میں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی تک تمہارا دل میری جانب

سے صاف نہیں ہوا۔"

"نہیں شہروز......! ایسی کوئی بات نہیں، لیکن......"

"ہاں ہاں......! لیکن کیا......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"مجھے تمہاری نگاہوں میں اپنی یہ حیثیت پسند نہیں......!"

"کیا مطلب ڈیئر......؟"

شہروز نے سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے، سمجھنے کی کوشش کرو شہروز......! میں جس انداز میں تم سے ملی تھی، وہ ذرا مختلف تھا۔"

"ہاں......! تھا تو مختلف۔"

"اور اب مجھے تمہارے غلام کی حیثیت سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میرے غلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ گل زادی کے غلام کی حیثیت سے۔"

"گل زادی......؟"

عالیہ شاہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"ہاں......! کیوں......؟ تمہیں اس سے کیا اختلاف ہے......؟"

"بہت سے اختلافات ہیں مجھے تم سے شہروز......! مگر کیا کہہ سکتی ہوں......؟"

عالیہ شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ذرا تفصیل ہو جائے حضور والا......!"

شہروز اس وقت اچھے موڈ میں تھا۔

"ہمت نہیں پڑتی۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"کیوں......؟"

"بس......! تم نے قریب آنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"چلو، تھوڑی سے آگے کھسک آؤ۔"

شہروز مسکرا کر بولا۔

"مذاق اُڑا رہے ہو......؟"

"کمال ہے......! تمہاری شکایت دُور کر رہا ہوں۔ بہر حال بتاؤ کیا اختلاف ہے تمہیں مجھ سے......؟"

"اگر تم اس زندگی سے تعلق رکھتے تھے تو مجھے کوئی اچھی حیثیت دی ہوتی۔ اپنا دوست بنا کر مجھے اپنے ساتھ شریک کیا ہوتا تم نے۔"

"یہ گل زادی کے اُصول کے خلاف ہے۔"

شہروز بولا۔

"آخر کیوں......؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے عالیہ شاہ......!"

شہروز کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے معلوم ہو سکے گی......؟"

"پہلی اور آخری بار......!"

شہروز نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

"گل زادی مرد نہیں ہے، اس لئے کوئی مرد اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ طاقت میں، جواں مردی میں، عقل و دانش میں، ذہانت میں اور ان تمام صفات میں جو مردوں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ سمجھیں تم......؟ اس لئے کہ اسے کلی طور پر مرد نہیں کہا جا سکتا۔ گل زادی عورت نہیں ہے، اس لئے کوئی عورت اس کی ہم عصر نہیں ہو سکتی۔ حسن و جمال میں، شاطرانہ چالوں میں اور نسوانی اداؤں میں، ہر طرح عورت گل زادی کے سامنے ہیچ ہے۔ اس لئے کوئی عورت اس کی ساتھی نہیں ہو سکتی۔ وہ گل زادی کی غلام ضرور ہو سکتی ہے، اس کے اشاروں پر ضرور ناچ سکتی ہے۔"

"تو کیا وہ صرف ایک مذاق نہیں تھا......؟"

"کیا......؟"

شہروز نے پوچھا۔ اس وقت وہ بالکل مختلف نظر آ رہا تھا۔

"تم خود کو پوز نہیں کرتے......؟"

"فضول بکواس کی اجازت نہیں......!"

"آہ......! مگر شہروز......! تم خود کو کسی ایک حیثیت میں کیوں نہیں لاتے......؟"

"ممکن نہیں ہے۔"

"طب جدید......"

"مسخرہ پن ہے۔ ہم ازل سے ہیں، ابد تک رہیں گے۔ ہماری بھی ایک نسل ہے۔ اللہ ماریو......! تم کیا سمجھتی ہو خود کو......؟ ہم پاک ہیں، جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو۔ اے ہاں......! نہ چھیڑو ہمیں، آگ لگ جائے گی آشیانے کو، نہ چھیڑو۔"

شہروز لچکنے لگا اور پھر وہ اسی طرح لچکتا ہوا باہر نکل گیا۔ عالیہ شاہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پتھر کے بُت کی مانند منہ پھاڑے بیٹھی تھی۔ اس کی عقل اس حقیقت کو کسی طور تسلیم نہیں کرتی تھی۔ وہ شہروز کو ایک شاطر سمجھتی تھی، ایک خطرناک انسان جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا۔ بہر حال اتنی بات اس نے دورانِ گفتگو کہہ دی تھی اور اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے کب تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور پھر سردارے آ گیا۔

"ہیلو عالیہ شاہ......!"

"ہیلو......!"

"شہروز صاحب سے ملاقات ہوئی......؟"

"ہاں......!"

"سب ٹھیک ہے ناں......؟"

"ہاں......! کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ایک مسئلہ ہے عالیہ شاہ......!"

سردارے پُر خیال انداز میں بولا اور عالیہ شاہ اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"گولیور کا نام سنا ہے کبھی......؟"

"ہاں......! کوئی سیاح تھا۔"

"زمانۂ قدیم کا سیاح نہیں، زمانۂ جدید کا سیاح۔"

"نہیں......! کون ہے......؟"

"یورپ کا زلزلہ......!"

"کیا مطلب......؟"

"یورپ کا ایک جرائم پیشہ شخص ہے، بے حد ذہین اور چالاک۔ غالباً دس گیارہ سال قبل کی بات ہے۔ اس کا نام اس ملک میں سنا گیا تھا۔ پولیس نے کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال دیا، لیکن وہ صرف چند گھنٹے پولیس کا مہمان رہ کر وہاں سے صاف نکل گیا۔"

"اوہ......! میں نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔ کیوں......؟"

"پھر آرہا ہے۔"

"یہاں......؟"

"ہاں......!"

سردارے نے رازداری سے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم......؟"

"زیرِ زمین دُنیا کے بہت سے لوگوں سے میری جان پہچان ہے۔ شاہد خاں نے پہلے بھی اس کے لئے کام کیا تھا اور اس بار بھی شاہد خاں بھرتی کر رہا ہے۔"

"بھرتی......؟"

"ہاں......! بھرتی۔ گولیور جس ملک میں جاتا ہے، وہاں کے لوگوں کو اپنے لئے انگیج کر لیتا ہے اور پھر مجرمانہ کارروائی کرتا ہے۔ کام کے لوگوں کو وہ ہر قیمت پر خرید لیتا ہے۔ اس بار بھی پیشکش ہے۔"

"تمہیں......؟"

"نہ صرف مجھے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی۔"

"وہ کرتا کیا ہے......؟"

"دولت جمع کرتا ہے، جس طرح بھی ممکن ہو۔ بینکوں میں ڈاکے پڑتے ہیں، بلیک میلنگ ہوتی ہے، بڑی بڑی چالیں چلی جاتی ہیں، جس طرح بھی دولت حاصل ہو۔"

"قتل و غارت گری بھی ہوتی ہے......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"ضرورت پڑنے پر۔"

سردارے نے کہا اور عالیہ شاہ نے ایک گہری سانس لی تھی۔

☆......☆......☆

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد عالیہ شاہ نے کہا۔

"کوئی خیال ہے تمہارے ذہن میں......؟"

"تم سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔"

"خیال کیا ہے......؟"

"اگر کچھ کر دکھائیں تو ممکن ہے اس بلا سے ہی نجات مل جائے۔"

"بلا سے......؟ تمہاری مراد گل زادی ہے......؟"

"ہاں......!"

سردارے نے جواب دیا۔

"سوچ لو سردارے......! اچھی طرح سوچ لو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گولیور، گل زادی کو بھی قابو کرنے کی کوشش کرے۔"

"مشکل ہے عالیہ شاہ......؟"

"کیوں مشکل ہے......؟"

"گل زادی بے حد خطرناک ہے، یہ بات تو طے ہے کہ وہ دولت کے لئے سب کچھ نہیں کرتا۔ بس اسے اپنی برتری عزیز ہے۔ ان حالات میں یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی اور کی برتری قبول کرے۔"

"اگر یہ بات ہے سردارے......! تو پھر میری ایک نصیحت بھی سن لو۔"

"ہاں ہاں......! ضرور......! تمہارے مشورے کے بغیر میں کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

سردارے نے کہا۔

''گل زادی کے ساتھ شامل ہو،اس کے ساتھ شامل رہو،اگر گولیور اور گل زادی کا ٹکراؤ نہ ہو تو کرانے کی کوشش کرو۔اس سے اچھا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔''

''یہی ایک ذریعہ ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا۔''

''عمدہ بات ہے۔میں مطمئن ہوگیا۔''

سردارے نے کہا اور عالیہ شاہ خاموش ہوگئی۔اس نے سردارے کو اپنے اور شاہان کے درمیان ہونے والی گفتگو کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔وہ بہت محتاط رہنا چاہتی تھی۔سردارے چلا گیا اور عالیہ شاہ،شاہان کا انتظار کرنے لگی۔

تیسرے دن اسے شاہان کا فون آیا تھا۔اس نے پہلے ایک شعر پڑھا اور پھر بولا۔

''سمجھ گئیں کون ہوسکتا ہے......؟''

''انتظار کر رہی تھی۔''

''آہ......!اس قدر خوش فہمیوں کا شکار نہ کرو۔کیا ہم اس قابل ہیں......؟''

شاہان نے مخصوص انداز میں پوچھا۔

''کب آرہے ہو......؟''

''آج شام......!اسی لئے تو پوچھ لیا کہ کہیں مصروف تو نہیں ہو......؟''

''نہیں......!کس وقت پہنچو گے......؟''

''دس بجے......!''

''مناسب وقت [illegible] تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان نے وعدہ کرلیا۔فون بند کرنے کے بعد عالیہ شاہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

شہروز شیطان تھا۔شاکا کے مسئلے میں عالیہ شاہ جن حالات کا شکار ہوئی تھی،انہیں کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔اسی لئے یہ سازش کرتے ہوئے بھی وہ سوچ رہی تھی۔

''اگر اس میں بھی ناکامی ہوئی تو......؟''

اور اس کے بعد اس کے تصور سے اس کے بدن میں خوف کی پھریریاں دوڑنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

ہوٹل لاروش کے کمرہ نمبر ایک سو نو (109) میں شیرانہ نے شہروز کا استقبال کیا۔یہ کمرہ اس نے عارضی طور پر اس ملاقات کے لئے حاصل کیا تھا۔شاہنہ بھی موجود تھی۔شہروز ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس بے حد حسین نظر آرہا تھا۔شیرانہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''ہیلو شہروز......!''

وہ پیار بھرے لہجے میں بولی اور شہروز شرما کر مسکرانے لگا۔

''مجھے ''ہیلو'' نہیں کہو گے......؟''

''شرم آتی ہے ہمیں۔''

''کیوں......؟''

''بس......!آتی ہے،اب کیا بتائیں......؟''

''بتادو......!''

''نہیں......!اللہ......!ہمیں مجبور نہ کریں۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا اور شیرانہ شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اور اگر مجبور کرنے کو دل چاہے تو......؟''

''تو......تو انہیں بھگادیں کمرے سے۔''

شہروز نے شاہنہ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''میں چلی جاتی ہوں۔''

شاہنہ خود ہی بولی اور ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''وہ چلی گئی،اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

''غیر عورتوں کے سامنے ہمیں بہت شرم آتی ہے۔''

''میں تو غیر نہیں ہوں۔''

شیرانہ بولی۔اس کے جذبات میں ہیجان پیدا ہورہا تھا۔یہ انوکھی چیز اس کے لئے بڑی پرکشش تھی اور اس کا ذہن بہت دور تک جارہا تھا۔ان جان لیوا لمحات تک جب یہ شرمیلا نوجوان اس کے قریب ہو۔

''تم ملک سے باہر نہیں گئے کبھی شہروز......؟''

''کبھی نہیں......!''

''دل بھی نہیں چاہتا۔''

''چاہتا ہے،مگر ابو اجازت نہیں دیتے۔''

''کیوں......؟''

''کہتے ہیں،تم ابھی چھوٹے ہو۔''

''اتنے چھوٹے بھی نہیں۔''

''کیا کریں......؟وہ یہی کہتے ہیں۔''

''تو چھپ کر چلے جاؤ۔''

شیرانہ نے کہا۔

"کس چیز میں چھپیں گے......؟"

اس نے معصومیت سے کہا۔

"کسی کے دل میں چھپ کر، میرے دل میں چھپ کر۔"

شیرانہ اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔

"ہائے اللہ......! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ......؟ ہمیں شرم بھی آتی ہے اور ہنسی بھی۔"

"نہیں شہروز......! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں پوری دُنیا کی سیر کراؤں، جہاں بھی جاؤں، تمہیں ساتھ لے چلوں، دل میں چھپا کر رکھوں اپنے۔ بولو، چلو گے......؟"

"ہمیں ڈر لگتا ہے۔"

شہروز نے بھولا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں شہروز......! تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو، خوب گھومیں گے، سیر کریں گے، بہت مزہ آئے گا، اور شہروز......! اس سلسلے میں تمہیں میری ایک مدد بھی کرنا ہوگی۔"

"وہ کیا......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"میں تمہارے بارے میں جس قدر معلوم کر سکی ہوں، وہ یہ ہے کہ تم ایک اچھے خاصے دولت مند باپ کے بیٹے ہو۔ حالات اچانک ایسے ہو گئے ہیں شہروز......! کہ میں اچھی خاص مالی پریشانی کا شکار ہو گئی ہوں۔ میں تمہیں اپنی ریاست لے جاؤں گی اور جو کچھ بھی تم سے لوں گی، اس سے دس گنا زیادہ کر کے تمہیں واپس کر دوں گی۔ بس یوں سمجھو کہ میرے کچھ ساتھیوں نے مجھے دھوکہ دے دیا ہے۔"

شیرانہ بولی۔

"اور آپ ہمیں دھوکہ دے رہی ہیں۔"

شہروز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟"

"ظاہر ہے، آپ شہزادی ہیں، شہزادیوں کے پاس تو بے پناہ دولت ہوتی ہے۔ بھلا ہم جیسے غریب لوگوں سے انہیں کیا مل سکتا ہے......؟"

"وہ تو ٹھیک ہے شہروز......! مگر میں نے کہا ناں، میں کچھ عجیب سے حالات کا شکار ہو گئی ہوں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہمارے پاس آپ کی ایک امانت ہے، ہم وہ امانت آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ آپ اگر چاہیں تو اس کے ذریعے پھر اپنی حیثیت بنا سکتی ہیں۔"

شہروز نے کہا۔

"میری امانت......؟"

شیرانہ چونک کر بولی۔

"جی ہاں......! ہمارے سینے میں محفوظ ہے۔"

"کیا ہے......؟ میں سمجھی نہیں شہروز......!"

شیرانہ بولی اور شہروز نے جیب سے ایک خوب صورت پیکٹ نکال لیا۔

"یہ آپ کی امانت ہے، ہم اسے آپ کے لئے لائے ہیں۔ قبول فرمایئے......!"

"کیا ہے یہ......؟"

شیرانہ نے تعجب سے پوچھا۔

"کھول کر دیکھ لیجئے......!"

شہروز نے مسکرا کر کہا اور شیرانہ دلچسپی سے پیکٹ کھولنے لگی۔ شہروز مطمئن انداز میں بیٹھا ہوا تھا، جبکہ شیرانہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ لیکن جب پیکٹ کھلا تو شیرانہ کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اس پیکٹ میں رکھے ہوئے ہیرے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی ہیرے تھے جو نواب نے اس سے خریدے تھے۔ اس نے بے چین نگاہوں سے ہیروں میں ان اصلی ہیروں کو تلاش کیا جن کی تعداد صرف تین تھی اور جو درحقیقت قیمتی تھے، ورنہ نقلی ہیرے تو بے حقیقت تھے۔ ان کی کوئی مالیت نہیں تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی کہ وہ تین ہیرے اس میں سے غائب تھے۔ سارے کے سارے نقلی ہیرے اس پیکٹ میں لگے ہوئے تھے۔

"لیکن شہروز کے پاس یہ پیکٹ کہاں سے آیا......؟"

وہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ شہروز اسی طرح سے معصومیت سے مسکرا رہا تھا۔

"یہ......یہ کہاں سے لائے ہو تم شہروز......؟"

اس نے حیرت و تعجب سے پوچھا۔

"آپ ہی سے لئے تھے ہم نے، سو آپ ہی کو واپس کر رہے ہیں۔"

"مم......مجھ سے......؟"

"ہاں......! آپ ہی سے، اور آپ کو اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔"

"کیا......؟"

شیرانہ کے ہوش و حواس اب اس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔

"جی ہاں......! دیکھئے ناں......!"

شہروز نے جیب سے کچھ اور چیزیں نکالیں۔ یہ نقلی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں، جنہیں اس نے اپنے چہرے پر چپکا لیا اور شیرانہ دہشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سامنے وہی نواب کھڑا ہوا تھا جس نے اس سے ہیرے خریدے تھے۔ شیرانہ نے گرنے سے بچنے کے لئے ایک کرسی کا سہارا لیا تھا۔

"کیسے لگ رہے ہیں ہم......؟"

شہروز نے پوچھا۔ شیرانہ نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ شہروز نے پھر کہا۔

"آپ خاموش ہوگئیں۔ کچھ بولئے تو سہی۔ اچھا لیجئے، ہم یہ ڈاڑھی مونچھیں اُتار لیتے ہیں۔"

"تو تم نے...... تم نے یہ فراڈ کیا تھا مجھ سے......؟"

"اللہ......! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ ہم نے کون سا فراڈ کیا ہے آپ سے......؟ ہمیں تو فراڈ کرنا ہی نہیں آتا۔"

"تم نواب بن کر آئے تھے میرے پاس......؟"

"ہم دراصل نواب ہی ہیں، بس ڈاڑھی مونچھیں نقلی تھیں۔"

"میں تمہیں قتل کر دوں گی۔ تم کیا سمجھتے ہو......؟"

"یہی کہ آپ ہمیں ضرور قتل کر دیں گی۔"

"تین ہیرے کہاں گئے اس میں سے......؟"

"وہ ہم نے خرید لئے ہیں۔"

شہروز شرما کر بولا۔

"کیا بکواس ہے......؟"

"سچ جانیں، ہم جھوٹ بہت کم بولتے ہیں۔ جو ہیرے نقلی تھے، ہم نے ان کے عوض نقلی نوٹ دیئے، اور جو اصلی تھے، ان کے بدلے اصلی نوٹ دیئے۔ ان نوٹوں میں تین گڈیاں اصلی ہیں۔ اُمید ہے کہ اب آپ کو مالی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"اوہ......! تم...... کمینے انسان......!"

"اب دیکھئے ناں......! اب ہم اتنے دولت مند تو نہیں ہیں کہ آپ کو ان کی بھاری قیمت ادا کر سکتے۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا، ہم نے ادا کر دیا۔ قبول فرمائیے، ہمیں خوشی ہوگی۔"

"شہروز......! وہ ہیرے مجھے واپس کر دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"کچھ برا بھی نہ ہوگا۔ اب دیکھئے ناں......! آپ کہاں کی شہزادی ہیں......؟ نہ ہیرے اصلی تھے، نہ شہزادی اصلی تھی۔ اس لئے نوٹ بھی اصلی نہیں تھے۔ اب اگر پولیس آپ سے آپ کی اسٹیٹ کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو کتنی شرمندگی ہوگی آپ کو......؟"

"مگر شہروز......! تم ہو کون......؟ اور...... اور...... خدا کی پناہ......! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

شیرانہ نے کہا۔

"ہم شہروز ہیں اور بڑے معصوم ہیں۔ آپ یقین کریں، ہم نے ابھی اس دُنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔"

"شہروز......! مجھے تعجب ہے، تم دُنیا کے شاطر ترین انسان ہو۔ ایسی معصوم صورت اور...... اور...... میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے۔ سنو شہروز......! تم میرے ساتھ اشتراک کر لو۔ میں اور تم مل کر...... میری یہ پیشکش قبول کر لو۔"

"آپ یہاں سے کہاں جائیں گی......؟"

"کہیں بھی نکل چلیں گے۔ بحرین، کویت، مسقط وغیرہ، اس کے بعد یورپ چلیں گے۔"

"تو جلدی سے چلی جایئے، ورنہ پولیس آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ ہم آپ کو اپنا سمجھ کر یہ اطلاع دے رہے ہیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"جی ہاں......! آپ کے پاس نقلی ہیرے ہیں، جعلی نوٹ ہیں اور آپ مقامی ہوٹل میں شہزادی شیرانہ کے نام سے ٹھہری ہوئی تھیں، وہاں کے منتظمین اس بات کی تصدیق کر دیں گے۔ کتنی پریشانی ہوگی آپ کو......؟"

"اوہ......! لیکن پولیس...... پولیس کو میرے بارے میں کیا معلوم......؟"

"اب معلوم ہو چکا ہے۔"

"کیسے......؟"

"ہم نے بتایا تھا۔"

شہروز نے شرمائے ہوئے انداز میں مسکرا کر کہا۔

"تم نے......؟"

"جی ہاں......! ہم نے سوچا، کہیں آپ ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔ اس لئے ہم پولیس کو بتا کر یہاں آئے تھے۔ بس وہ تھوڑی دیر میں یہاں آنے والی ہوگی۔ اللہ......! ہمیں پولیس سے بہت ڈر لگتا ہے، ہم چلتے ہیں۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ شیرانہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ شہروز نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ تب شیرانہ چونکی۔ جو کچھ اس نے کہا تھا، اس پر غور کیا اور بدحواس ہوگئی۔ دوسرے لمحے اس نے بھی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔

"شاہنہ......! شاہنہ......!"

دروازے سے باہر پہنچتے ہی اس نے زور زور سے آوازیں لگائیں۔ راہ داری میں چلتے ہوئے لوگ رُک گئے، تب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا حرکت کر رہی ہے......؟ چنانچہ وہ رُک گئی اور اِدھر اُدھر شاہنہ کو تلاش کرنے لگی۔ شاہنہ راہ داری کے آخری سرے پر اس بالکونی کے پاس کھڑی ہوئی تھی جہاں سے باہر کے مناظر صاف نظر آ رہے تھے۔ شیرانہ کی آواز اس کے کانوں میں آگئی تھی۔ چنانچہ اس نے پلٹ کر شیرانہ کو دیکھا اور پھر کسی خاص بات کا احساس ہوگیا۔ چنانچہ وہ تیز تیز قدموں چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔ شیرانہ اسے آتا دیکھ کر کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔

"کیابات ہے شیرانہ......؟ ارے......! شہروز کہاں چلا گیا......؟"

اس نے سوال کیا۔

"جلدی کرو شاہنہ......! جلدی کرو۔ پلیز جلدی کرو، ورنہ ہم مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے۔"

شیرانہ تیز لہجے میں بولی اور شاہنہ پریشان نظر آنے لگی۔

"کیا کروں......؟ کیا ہو گیا......؟ کچھ بتاؤ تو سہی......!"

شاہنہ نے پوچھا۔

"ارے......! میں کہتی ہوں، جلدی کرو، نکل چلو یہاں سے، ورنہ پولیس پہنچنے ہی والی ہو گی۔"

"پولیس......؟"

شاہنہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں کہتی ہوں، یہ وقت سوالات کرنے کا نہیں ہے۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے نکل جانا ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو، ہمیں یہاں سے کہیں اور نکل جانا ہے اور اس کے بعد ہمیں یہ ملک چھوڑ دینا ہے۔"

شیرانہ نے کہا اور شاہنہ گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

بزرگوں کو اس سارے ہنگامے کی ہوا نہیں لگنے دی گئی تھی۔ روکی تقریباً آدھا گھنٹہ بے ہوش رہا تھا اور پروگرام کے مطابق تابش نے شمائل کو اس کی تیمارداری میں مصروف کر دیا تھا۔ اس وقت روکی بے ہوش تھا اور تمام لوگ اس کے پاس موجود تھے اور اس سلسلے میں استفسار کر رہے تھے۔ عالم پناہ نے پوچھا۔

"یہ......یہ ہوا کیا......؟"

"کیا ہونا تھا......؟ آپ کے سُروں کا اعتراف کر لیا اس نے۔"

تابش نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"مم......میرے سُروں کا......؟"

"تو اور کیا......؟ سر کی مار پڑی تھی اس پر۔"

تابش نے پھر اسی انداز میں کہا۔ دوسرے لوگ بمشکل ہنسی ضبط کئے ہوئے تھے۔

"ارے نہیں......!"

عالم پناہ حیرت سے چونک پڑے۔

"کمال ہے، عالم پناہ......! یعنی آپ کو اپنے گلے کے درد کا احساس بھی نہیں ہے......؟"

"مگر......مگر میرے گلے میں تو درد نہیں ہو رہا۔"

عالم پناہ بوکھلا کر بولے۔

"میں گلے میں درد کی بات نہیں کر رہا، بلکہ میں اس سوز کی بات کر رہا ہوں جو آپ کی آواز میں تھا۔ جو جادو آپ کی موسیقی میں تھا۔ عالم پناہ......! آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیا حشر کیا ہے اس جادو نے، مگر روکی بیچارہ تو مارا گیا۔"

"مگر اب ہو گا کیا......؟"

"کچھ نہیں......! ہوش میں آ جائے گا اور آپ کو اپنا اُستاد مان لے گا۔"

تابش بدستور سنجیدہ تھا۔ دوسرے لوگ بھی بمشکل ہنسی ضبط کئے ہوئے تھے۔

"ہوں......!"

عالم پناہ کا سینہ تن گیا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھ سے مقابلہ مت کرو، مت کرو۔ میں نے ہر موضوع پر پڑھا ہے اور سیکھا ہے۔ خواہ مخواہ میرے آڑے آتا تھا۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"اچھا......! اب باہر چلئے۔ آپ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ باہر چلیں۔ روکی کو سکون کی ضرورت ہے۔"

تابش نے کہا۔ تابش کی درخواست پر سب لوگ باہر نکل آئے۔ ایک نوجوان عالم پناہ کو لے کر چلا گیا تھا۔ تب تمام لوگ تابش کے گرد جمع ہو گئے۔

"مگر یہ ہوا کیا بھائی......؟ پتھر کس نے مارا تھا......؟"

"سُر سوتی دیوی نے......؟"

تابش نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟"

"وہ سُروں کی رکھوالی ہے، بس......! وہ سُروں کے ساتھ یہ سلوک برداشت نہ کر سکی۔"

"یہ ہم سے بھی اڑ رہے ہیں آپ تابش بھائی......؟"

"ہوں......! تو تمہارا کیا خیال ہے، پتھر میں نے مارا تھا......؟"

"سازش تو آپ ہی کی معلوم ہوتی ہے۔"

"پولیس میں رپورٹ کر دو۔ بس......! اب بھاگ جاؤ ورنہ میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ اے شمائل......! تم کہاں چلیں......؟"

"خیریت......؟ مجھ سے کوئی کام ہے آپ کو......؟"

"جی ہاں......! آپ تشریف لائیے میرے ساتھ۔"

تابش نے کہا اور شمائل کے علاوہ باقی لوگ چلے گئے۔ تب تابش نے کہا۔

"اب آپ اپنا ڈرامہ شروع کردیں۔"

"اوہ......؟ مگر ان حالات میں......؟"

"جی ہاں......! اس سے بہتر حالات دوبارہ پیدا نہ ہوں گے۔ جایئے، اور سارے گُر آزما ڈالئے۔ جاؤ بی بی......! نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

تابش نے کہا۔

"اللہ......! تابش بھائی......! شیطان بھی آپ سے پناہ مانگتا ہوگا۔"

"تمہیں شیطان سے کوئی خاص ہمدردی ہے۔ رشتے داری ہے تمہاری اس سے......؟ جاؤ اپنا کام شروع کرو۔"

تابش نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور شائل اندر داخل ہوگئی۔ اندر روکی بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ شائل اس کے سرہانے بیٹھ گئی اور اس کی شکل دیکھتی رہی۔ مردوں کی انوکھی قسم تھی، کوئی کل ہی سیدھی نہیں تھی۔ نہ جانے کیا چیز تھا......؟ اسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔ روکی آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا غالباً وہ ہوش میں آرہا تھا۔ شائل نے خود کو تیار کیا اور اس کے سرہانے جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر کے بعد روکی نے آنکھیں کھول دیں اور شائل نے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔ روکی پہلے تو اس کی صورت دیکھتا رہا جیسے کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے حواس بحال ہوتے چلے گئے اور پھر وہ اُچھل پڑا۔

"ارے ارے......!"

وہ بستر پر ہی پھدکنے لگا۔ اس نے اس "ارے ارے" میں بھی موسیقیت برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ پھر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو شائل نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا اور روکی اس کے ہاتھ کے دباؤ سے پھر گر پڑا۔

"اللہ......! کتنے نازک ہیں آپ......؟"

شائل نے کہا۔

"ہائے......! یہ...... یہ کھوپڑی ڈبل کیسے ہوگی......؟"

روکی نے سر میں پڑنے والے گومڑے کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"ڈبل ہوگئی......؟"

"ہاں......! یہ دیکھو، یہ ننھی سی کھوپڑی کہاں سے آگئی......؟"

"نہ جانے کیا ہوا تھا آپ کو......؟ آپ بے ہوش ہوگئے تھے۔"

"واہ......! اس بے ہوشی میں بھی ایک رمز چھپا ہی تھا۔"

"تو آپ جان بوجھ کر بے ہوش ہوگئے تھے......؟"

"تو اور کیا......؟ اگر بے ہوش نہ ہوتا تو ایسے خوش گوار ماحول میں آنکھ کیسے کھلتی......؟"

"میں سمجھی نہیں روکی صاحب......!"

"آپ شائل ہیں ناں......؟"

"کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے......؟"

"صدیوں سے پہچانتا ہوں۔ اس عالم میں شائل کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے......؟ میں نے خوابوں میں کسے دیکھا تھا، میں نے اتنا طویل سفر کیوں کیا تھا......؟ آہ......! زندگی کا ایک ہی مقصد تو ہوتا ہے۔"

"آپ کی زندگی کا کیا مقصد تھا......؟"

"شائل......! صرف شائل......!"

روکی نے آنکھیں بند کرلیں، اور یہ اچھا ہی ہوا۔ شائل کو بڑی زور سے ہنسی آئی تھی جسے اس نے بڑی مشکل سے روکا تھا، تب روکی کی آواز اُبھری۔

"سب لوگ کہاں چلے گئے......؟"

"وہ سب مطلبی اور مفاد پرست تھے، اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔"

شائل نے جواب دیا۔

"اور تم......؟"

"میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہ جاسکی۔"

"کیوں......؟"

"بس......! میں آپ کی قدر دان ہوں۔ میں نے آپ کے اندر چھپے ہوئے فنکار کو پہچان لیا ہے روکی......!"

"آہ......! کیا واقعی......؟ آہ......! کیا یہ حقیقت ہے......؟"

روکی پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں روکی......! تم اس دور کے سب سے عظیم فنکار ہو۔ کوئی تمہارے سینے میں جھانک کر نہیں دیکھتا۔"

"میں تمہارے قدموں میں جان دینا چاہتا ہوں شائل......! مجھے ازل سے تمہارا انتظار تھا۔ آہ......! تم ہی تو ہو۔ شائل......! میری شائل......!"

☆......☆......☆

"تمہارے سر کی حالت کیسی ہے روکی......؟"

"قسم کھاؤ شائل......! وعدہ کرو، مجھے تنہا تو نہیں چھوڑو گی، زندگی کے ہر قدم پر میرا ساتھ دو گی۔"

"اور دوسرے کام...... میرا مطلب ہے، مجھے کچھ اور کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔"

"سب کچھ چھوڑ دو میرے لئے، سب کچھ بھول جاؤ۔ سنو شائل......! آج رات کو بارہ بجے باغ میں ضرور آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ بولو......! آؤ گی ناں......؟"

''کیوں......؟ کیابات ہے......؟''

''دل کی باتیں کروں گا تم سے، محبت کے نغمے سناؤں گا، پیار کے گیت گاؤں گا۔ ایسے گیت کہ تم جھوم جھوم اُٹھو گی۔''

''اب میں چلتی ہوں۔''

''رات کو بارہ بجے آؤ گی......؟''

''ہاں......! آؤں گی......!''

شائل نے کہا اور جلدی سے باہر نکل آئی۔ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ تابش وغیرہ تاک میں تھے، فوراً ہی اس پر حملہ آور ہو گئے اور چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔

''کیا رہا شائل......؟ کیا وہ ہوش میں آ گیا......؟''

تابش نے پوچھا۔

''جی ہاں......! ہوش میں آ گئے، لیکن تابش بھائی......! مجھ سے یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ پلیز......! میں یہ نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے کسی مصیبت میں پھنسا دیں گے۔''

شائل نے کہا۔

''ارے ارے......! آخر ایسی کیا بات ہو گئی......؟''

''بس......! کچھ نہیں......! آپ کو پتا ہے، وہ بے وقوف آدمی ہے اور نادان کی دوستی جی کا جنجال ہوتی ہے۔ آپ نہیں جانتے، وہ مجھے کس کس جگہ بدنام کر دے گا۔ خواہ مخواہ میں آپ کی باتوں میں آ گئی۔''

شائل نے کہا۔

''یار شائل......! اب تم اتنی کچی بھی نہیں ہو۔ یونیورسٹی میں نہ جانے کیا کیا ہنگامے کرتی رہی ہو......؟ کیا تمہیں یہ تھوڑا سا تفریحی پروگرام پسند نہیں ہے......؟''

''تفریح کی بات نہیں ہے تابش بھائی......! آپ اس کی شخصیت بھی تو دیکھیں۔ احمق آدمی، جہاں جو منہ میں آئے گا اور جی میں آئے گا، کر بیٹھے گا اور کہہ بیٹھے گا، آپ سمجھتے ہیں، اس سے میری پوزیشن خراب نہیں ہو گی......؟''

''نہیں ہو گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''واہ......! آپ کا وعدہ......؟ یہ سب بیکار باتیں ہیں، میں نہیں کروں گی یہ سب کچھ۔''

''شائل......! شائل......! یہ سب باتیں بیکار نہیں ہیں۔ اتنی مشکل سے تو ہم نے ایک نیا سیٹ اَپ بنایا ہے اور تم اسے بگاڑے دے رہی ہو......؟ اچھا یہ بتاؤ، باتیں کیا ہوئیں......؟''

''بس......! باتیں کیا ہوئیں......؟ بھول گیا سب کچھ۔ کہنے لگا، افریقہ سے میرے لئے ہی تو آیا ہے اور رات بارہ بجے باغ میں بھی پہنچوں۔ ناں بابا......! ناں، میں یہ سارے کھیل نہیں کھیل سکتی۔''

''شائل......! تجھے خدا کا واسطہ ہے، ایسا اچھا پروگرام مس کرے گی تو......؟ مزہ آ گیا، رات کو بارہ بجے،

کیوں زاہد......؟ چاند کی کون سی تاریخ ہے آج......؟''

تابش نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ چاند سے میری کوئی خاص دوستی نہیں ہے۔''

زاہد نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے، تاریک راتیں ہیں۔''

''چلو، تاریک ہی سہی......! تاریک رات میں بارہ بجے باغ کے اندر......بھئی واہ......! آج ذرا اہل خاندان کے لئے بھی باغ میں ایک تفریحی پروگرام ہو جائے۔''

تابش نے کہا۔

''آپ کو ہمیشہ ایسی ہی سوجھتی ہیں تابش بھائی......! بس میں نہیں جاؤں گی۔''

شائل نے کہا۔

''شائل......! ہمارا دل نہ توڑو، بڑی آس لگائی ہے تم سے۔ کیا کریں......؟ اس ماحول میں بوریت کے سوا یہاں رکھا ہی کیا ہے......؟ بس یوں تھوڑی سی تفریح ہو جاتی ہے۔ اب تم اپنا دوسرا پروگرام شروع کر دو۔''

''وہ کیا......؟''

شائل نے پوچھا اور تابش آہستہ آہستہ اسے کچھ بتانے لگا۔ شائل ہنس پڑی تھی۔

''تابش بھائی......! اس قدر ستم ظریف بھی نہ بنئے۔ کہیں کوئی مشکل در پیش نہ آ جائے۔''

''بھئی......! میں تمہیں ایک بات بتائے دے رہا ہوں، بلکہ تم چاہو تو مجھ سے ایک تحریر لے لو۔ اگر کہیں کوئی مشکل پیش آ گئی تو میں سب کچھ اپنے اوپر لے لوں گا۔ تم لوگوں پر کوئی بات نہ آنے پائے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا ناں کہ اس کوٹھی سے نکال دیا جاؤں گا......؟''

تابش نے کہا۔

''یہی تو ہم نہیں چاہتے۔''

''اچھا جی......! آپ جو کچھ چاہتی ہیں، وہی بتا دیں۔''

تابش نے کہا۔

''تو بس......! اس فضول پروگرام کو ختم کیا جائے۔''

''ناں ناں......! ایسا نہیں ہو گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے اس کوٹھی سے چلا جاؤں۔ مجھ سے اس طرح خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔''

تابش نے کہا اور شائل ہنسنے لگی۔

''آپ بھی بس کمال کے آدمی ہیں تابش بھائی......! اچھا بابا......! جاتی ہوں، جاتی ہوں۔''

اس نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ اب اسے عالم پناہ کی تلاش تھی۔ عالم پناہ اپنے کمرے میں مل

گئے۔ وہ اُلو کی طرح اُداس بیٹھے ہوئے تھے۔ شمائل کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ چند ساعت وہ اسے اسی طرح دیکھتے رہے، پھر بولے۔

''ارے ارے......! آپ......؟ آیئے آیئے......! چشم ماروشن، دل ماشاد......!''

''جی......؟''

شمائل منہ پھاڑ کر بولی۔

''میرا مطلب ہے، میں......میں شعر پڑھ رہا تھا۔''

عالم پناہ بوکھلا کر بولے۔

''اوہ......! اچھا اچھا......! یہ شعر تھا۔''

شمائل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں......میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی......؟''

''میرا آنا ناگوار گزرا ہے آپ کو......؟''

شمائل نے پوچھا۔

''جی......نن......نہیں تو......خ......خدا کی قسم......! ایسی کوئی بات نہیں ہے......م......مگر......مگر میرا مطلب ہے......آپ......''

''بس......! ایسے ہی چلی آئی تھی علی صاحب......! یہاں اس ماحول میں دل نہیں لگتا۔ جب سے آپ آئے ہیں، تھوڑی سی رونق ہو گئی ہے۔ مجھے آپ جیسے کلاسیکل لوگ بے حد پسند ہیں۔ ہر موضوع پر اتنی گہری نگاہ میں نے بہت کم لوگوں کی دیکھی ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ آپ جیسے عظیم فنکاروں کی قدر نہیں کرتے۔''

شمائل نے مسکرا کر کہا۔

''جی......؟''

عالم پناہ کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا۔

''بس......! میں آپ سے کیا کہوں صاحب......؟ جو کچھ دل میں ہے، وہ کہہ بھی تو نہیں سکتی۔''

''للہ......! کہہ دیجئے ناں......! آپ کو اللہ کی قسم......!''

عالم پناہ نے بھکاریوں کے سے انداز میں کہا اور شمائل آنکھیں بند کر کے مسکرانے لگی۔

''نہیں کہا جاتا، شرم آتی ہے مجھے۔''

''اللہ......! آپ کو ہماری جان کی قسم......! جو آپ کے دل میں ہے، کہہ دیں۔ ہم تو نہ جانے کب سے کچھ سننے کے لئے بے چین ہیں۔ نہ جانے کب سے......؟ نہ جانے کب سے......؟''

''علی صاحب......! آپ نہ جانے کیسے انسان ہیں......؟ میری سمجھ میں اب تک نہیں آئے۔''

''سمجھئے ہمیں، سمجھئے......! اے کاش......! ہمیں کوئی ایک بار سمجھ سکتا ہو۔''

عالم پناہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

''کیا ہیں آپ......؟ یہ بتایئے تو سہی......!''

''ہم ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں، قسمت کے مارے ہیں......اور......اور......''

عالم پناہ گھمبیر آواز میں بولے۔

''میں جانتی ہوں، آپ سارہ کو چاہتے ہیں، مگر میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں......؟ میرا دل آپ کے لئے روتا ہے عالم پناہ......! مگر......مگر میں بے حد بدنصیب ہوں۔''

شمائل نے گردن جھکا لی۔

''ارے......! نہیں نہیں......! لعنت ہے ہم پر جو اتنے دن خواہ مخواہ غلط فہمیوں کا شکار رہے۔ نہ جانے کہاں کہاں ویرانیوں میں بھٹکتے رہے......؟ سارہ بہت اچھی ہے، مگر اتنی بھی نہیں کہ ہم اس کے لئے اپنی زندگی خراب کر دیں اور آپ کی زندگی سے کھیلیں۔''

''تو آپ......تو آپ میری وجہ سے سارہ کو چھوڑ دیں گے......؟''

''آپ کی وجہ سے ہم دُنیا کو چھوڑ دیں گے۔ آپ کہہ کر تو دیکھیں۔''

عالم پناہ بالکل ہی بوکھلا گئے تھے۔

''چلئے......! اب ایسا بھی کیا......؟ بلاوجہ میں آپ سے دُنیا کیوں چھینوں......؟ اتنی اچھی صحت، اتنی اچھی آواز پائی ہے آپ نے۔ میں تو آپ کے فن کی دل سے قدردان ہو گئی ہوں۔ یہ بیوقوف لوگ کلاسیکل موسیقی کو کیا سمجھیں......؟ حالانکہ آپ کی آواز میں اتنا سوز، اتنا درد ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔''

''اور شمائل......! شمائل......! تم نے مجھے نہ جانے کیا کیا بنا دیا......؟ میں تو خود کو ویرانے میں کھڑا تنہا درخت سمجھتا تھا، لیکن اب......اب اس درخت پر ایک بلبل آ بیٹھی ہے۔ وہ مجھے اپنی حسین آواز میں نغمے سنا رہی ہے اور دشت جھوم رہا ہے، جھوم جھوم کر گا رہا ہے

درخت......!

تنہا درخت......!

بے آب و گیاہ درخت......!

ویران درخت......!

اب سرسبز و شاداب ہے......!

وہ جھوم رہا ہے

خوشی سے جھوم رہا ہے۔''

عالم پناہ کی آنکھیں بند ہو گئیں اور شمائل کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ اس نے منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ عالم پناہ بے خوابی کے عالم میں نہ جانے کیا کیا کہتے رہے......؟ پھر جب آنکھ کھلی تو شمائل کا رُخ دوسری طرف تھا۔ وہ اس

کے سامنے آ گئے اور بولے۔

"شائل......! تم نے میری طرف سے رُخ کیوں پلٹ لیا......؟"

"اس وقت کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی آپ سے، رات کو بارہ بجے باغ میں آ جایئے۔"

شائل نے کہا۔

"باغ میں......!"

"ہاں......!"

"کس جگہ......؟"

"بس......! جس جگہ آپ میری آہٹ پائیں، اسی جگہ آ جائیں، میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"میں آؤں گا۔"

عالم پناہ نے بے خودی میں کہا اور شائل ان سے اجازت لے کر باہر نکل آئی۔ باہر آ کر وہ ایک کونے میں کھڑی ہو کر حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنسنے لگی۔ تابش اور دوسرے افراد چند ہی ساعت کے بعد اس کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

"کام بن گیا۔"

"جی ہاں......! بن گیا، آپ لوگ میرا ستیاناس کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔"

شائل نے کہا۔

"یار شائل......! کمال ہے۔ اب اتنا سا کام تمہارے سپرد کیا ہے تو اس قدر نخرے بھی نہ کرو۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو تماشہ دیکھتیں۔"

"خدا کی قسم......! لطف آ جاتا۔"

شائل ہنس پڑی۔

"لطف تو خیر......! اب بھی آ جائے گا۔ بشرطیکہ تم اتنی سنجیدگی سے نہ لو۔ یوں سمجھ لو کہ کالج کی زندگی واپس آ گئی اور تم کسی ڈرامے میں حصہ لے رہی ہو۔ تو دوستو......! رات کو بارہ بجے۔"

"رات کو بارہ بجے......!"

سب نے نعرے لگائے اور یہ مجمع منتشر ہو گیا۔

☆......☆......☆

شاہان ٹھیک دس بجے عالیہ شاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور عالیہ شاہ چونک پڑی۔ اس نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ دس بجے ایک مہمان آئے گا، اسے احترام کے ساتھ اندر لایا جائے۔ لیکن کسی ملازم نے شاہان کے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"ہیلو......!"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو شاہان......! مگر تم اس طرح اچانک......؟"

"یہ میرا مخصوص انداز ہے۔"

شاہان ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ملازموں کو تمہارے آنے کی اطلاع ہے......؟"

"نہیں......! میں عقبی دیوار سے آیا ہوں۔"

شاہان نے کہا اور عالیہ شاہ مسکرانے لگی۔

"تم بے حد چالاک انسان ہو شاہان......!"

"شکریہ......! ورنہ بندہ کس قابل ہے......؟"

شاہان مسکرانے لگا اور عالیہ شاہ بھی آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی تھی۔

"کیا پلاؤں تمہیں......؟ کھانا کھا چکے ہو یا......؟"

"ہاں......! کھا چکا ہوں، وہ پلاؤ جو دل میں اُترتی ہے۔"

"میں لاتی ہوں۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں اس نے پہلے سے انتظامات کر رکھے تھے۔ شراب کا سامان لے کر وہ پھر خواب گاہ میں آ گئی اور اس نے دو گلاس تیار کر لئے۔ پھر چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتے ہوئے وہ گفتگو کرنے لگے۔ عالیہ شاہ نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو شاہان......! یہ سب کچھ کر سکو گے......؟"

"تمہارا ساتھ رہے تو پھر کیا غم ہے......؟ جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔"

"کیا پروگرام ہے......؟"

"اسے تلاش کر کے گولی مار دوں گا۔ بس ایک بار اس سے سامنا ہو جائے، یہی بہتر رہے گا۔"

"لیکن اس کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"وہ کیسے......؟"

"میں خود ہی فون کر کے اسے بلا لوں گی۔ کہہ دوں گی کہ ایک اہم مسئلے پر گفتگو کرنی ہے۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے......! مگر کہاں بلاؤ گی......؟"

"یہیں، کوٹھی میں۔ وہ بہت چالاک ہے۔ اگر میں نے کہیں دوسری جگہ بلایا تو وہ ہوشیار ہو جائے گا۔"

"لیکن لاش کا کیا ہو گا......؟"

"تم کہیں لے جا کر ٹھکانے لگا دینا۔"

"چلو، یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن ملازم......"

"ان کا بھی بندوبست کرلوں گی۔"

"وہ کیا......؟"

"کل کرو گے یہ کام......؟"

"ہاں......! اب تو کل ہی ہوسکتا ہے، اور یوں بھی آج کی رات چاند ستاروں میں بسر ہوگی۔"

شاہان نے پھر بے تکی شاعری شروع کردی تھی۔

"تو کل میں ملازموں کو چھٹی دے دوں گی۔"

"اوکے......!"

شاہان نے کہا اور اسی وقت ان کے کانوں میں ایک قہقہے کی آواز گونجی۔ عجیب سا قہقہہ تھا، دونوں چونک پڑے۔ آواز دروازے کے باہر سے سنائی دی تھی۔

"کون تھا یہ......؟"

شاہان نے پوچھا۔

"پتا نہیں......!"

عالیہ شاہ کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کسی کے اندر آنے کی منتظر ہو۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

"کون ہوسکتا ہے یہ......؟"

اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"ممکن ہے کوئی ملازم ہو۔"

شاہان بولا۔

"کسی ملازم کی اتنی جرأت نہیں ہوسکتی۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔ شاہان نے اس خوف کو محسوس کیا اور ہنستے ہوئے بولا۔

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے......؟ ہوگا کوئی۔"

"میں دیکھتی ہوں۔"

"اوہ ڈارلنگ......! میں یہاں موجود ہوں تو تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں شاہان......! اس قہقہے میں ایک عجیب سی بات تھی۔"

"وہ کیا......؟"

"یوں لگتا تھا جیسے کوئی ہماری بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنسا ہو۔"

"وہم ہے تمہارا......!"

"کوئی حرج نہیں ہے، آؤ اسے دُور کرلیں۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان ہنستا ہوا اُٹھ گیا۔

"عورت ہر حالت میں عورت ہے۔ معصوم معصوم، ہنستا ہوا سا پھول۔ تمہارے لئے اتنی بڑی کوٹھی میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہوگا۔ اتنی سی بات پر اس قدر خوفزدہ ہوجاتی ہو......؟"

"میں ایک بھوت کے جال میں پھنس گئی ہوں شاہان......! یقین کرو، میں اس سے قبل خوف کے نام سے واقف نہیں تھی۔ کبھی مجھے ڈر نہیں لگا۔ لیکن شاہان......! ان دنوں......ان دنوں مجھے ہر وقت ایک مضبوط سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ میں خود کو تنہا اور غیر محفوظ سمجھتی ہوں۔"

"کل جب تم اپنی آنکھوں سے اس بھوت کی لاش دیکھ لوگی تو مطمئن ہوجاؤ گی۔ اس وقت تک خود کو سنبھالے رکھو۔"

شاہان نے کہا۔ پھر وہ دونوں باہر نکل گئے۔ دُور دُور تک خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن وہ اس قہقہے کو نظر انداز بھی نہیں کرسکتے تھے۔ دیواریں تو نہ ہنسی ہوں گی۔ عالیہ شاہ کو قرار نہ آیا۔ ہال میں کوئی ملازم بھی نہیں تھا، کیونکہ عالیہ شاہ اس وقت ملازموں کو چھٹی دے دیتی تھی۔ البتہ گیٹ پر چوکیدار ضرور موجود تھا، وہ دونوں چوکیدار کے پاس پہنچ گئے۔ چوکیدار مستعد ہوگیا تھا۔

"کون آیا تھا خان بابا......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"جی بی بی صاب......؟"

چوکیدار حیرانی سے بولا۔ اس نے شاہان کو دیکھا اور مزید حیران رہ گیا۔

"کوئی آیا تھا......؟"

عالیہ شاہ پھر بولی۔

"جی بی بی صاب......! آپ کا مہمان آیا تھا، مگر وہ یہ صاب نہیں تھا۔"

"کیا مطلب......؟"

"وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا بی بی صاب......!"

چوکیدار نے کہا اور عالیہ شاہ بری طرح خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"کک......کہاں گیا وہ......؟"

اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"آپ کے حکم سے اندر بھیجا تھا اس کو۔"

"پھر کیا وہ چلا گیا......؟"

”نہیں......! ابھی وہ اندر ہی ہے۔“

”آؤ......!“

عالیہ شاہ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ اب شاہان کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

”سنو......!“

اس نے چوکیدار سے کہا۔

”اگر وہ باہر نکلنے کی کوشش کرے تو اسے جانے مت دینا، اور اگر بھاگنے کی کوشش کرے تو تم اسے زخمی کر سکتے ہو۔“

شاہان نے چوکیدار کو ہدایت کی اور پھر تیزی سے اندر چل پڑا۔ راستے میں اس نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ عالیہ شاہ بھی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن کسی اجنبی کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بیڈ روم میں آ گئے۔ عالیہ شاہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا، اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف کے اثرات صاف نمایاں تھے۔

”سنو......!“

شاہان نے بڑے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”ہوں......!“

اس نے کہا۔

”تم اس قدر پریشان کیوں ہو......؟“

”تم خود اس کا اندازہ کر سکتے ہو شاہان......!“

”یعنی......؟“

شاہان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وہ......وہ آخر تھا کون......؟“

”بھئی......! کوئی بھی ہوگا، اس میں آخر اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے......؟“

”شاہان......! میری زندگی...... میری زندگی ایک عجیب وغریب موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے۔“

عالیہ شاہ کی آنکھوں میں نمی نظر آنے لگی۔

”اب میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔“

”شاہان......! وہ...... وہ درندہ ہے۔“

”مجھ سے بڑا درندہ نہیں ہوگا۔ سمجھیں تم......؟“

شاہان نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور عالیہ شاہ سسکیاں لینے لگی۔

”اس نے...... اس نے میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ میں بڑے سکون سے بسر کر رہی تھی۔ جو کچھ

بھی کرتی تھی، اپنے لئے کرتی تھی۔ اس دُنیا نے، شاہان......! اس دُنیا نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا، ورنہ میں بھی کبھی شریف تھی، اچھے انداز میں زندگی گزارنے کی خواہشمند تھی۔ لیکن اس دُنیا نے مجھ سے میری اچھائیاں چھین لیں تو پھر میں برائیوں کے راستے پر آ نکلی۔ میں نے ایک عمر خود مختار رہ کر گزاری ہے۔ لیکن اب میں مصیبتوں میں پھنس گئی ہوں۔ میں اس کے چنگل سے نکل جانا چاہتی ہوں شاہان......! ہر قیمت پر...... ہر قیمت پر۔“

عالیہ شاہ کی سسکیاں بھرتی ہوئی بولی۔

”میں تمہاری مدد کروں گا ڈارلنگ......!“

شاہان اس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا بولا۔

”وہ یقیناً وہی ہوگا۔“

”کیا مطلب......؟“

”ہاں......! وہ بہت چالاک ہے، بہت ہی خونخوار اور درندہ صفت۔“

”دیکھو عالیہ شاہ......! اب تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔“

”نہیں شاہان......! پلیز، تم ناراض نہ ہو۔ میری مجبوری سمجھو۔ پلیز......!“

عالیہ شاہ نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

”تو کیا چاہتی ہو تم......؟ میں چلا جاؤں یہاں سے......؟“

شاہان نے پوچھا۔

”نہیں نہیں......! میں تنہا رہوں گی تو مر جاؤں گی۔“

عالیہ شاہ نے کہا۔

”آخر تمہیں ڈر کس بات کا ہے......؟“

شاہان نے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”اس نے...... اس نے کہیں ہماری گفتگو نہ سن لی ہو......؟“

”سن لی ہے تو ٹھیک ہے......! کیا بگاڑے گا وہ ہمارا......؟“

”نہیں شاہان......! شاہان......! وہ مجھے سزا دے گا۔ وہ شاید تمہیں بھی سزا دے، کیونکہ تم بھی تو اس کے شکاروں میں سے ہو۔“

”دیکھو ڈارلنگ......! میں ذرا دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ چھوٹے موٹے مسئلے میں پڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ وہ بلیک میلر ہے۔ اس کے ہاتھ میں میری کچھ کمزوریاں آ گئی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اسے تلاش کروں اور ختم کر دوں۔ پھر میں نے اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر لیں۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر اس کی روزی بھی چلتی رہی تو کیا حرج ہے......؟ تھوڑی سی رقم ہی دینا پڑتی تھی جو قابل توجہ نہیں تھی، لیکن ایک کتے کے لئے وہ ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں نے سوچا کہ کتوں کا پیٹ بھی بھرتے رہنا چاہئے۔ لیکن اب جب میں اس کی جانب متوجہ ہو گیا

ہوں تو کوئی بھی اسے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتا۔ تم کیا سمجھتی ہو اپنے شاہان کو......؟ گل زادی کی زندگی بہت ہی مختصر رہ گئی ہے، بہت ہی مختصر......!"

شاہان اسے تسلیاں دینے لگا اور عالیہ شاہ کی کیفیت کسی قدر بحال ہو گئی۔

"مجھے شراب دو شاہان......!"

اس نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوں ہوں......! ایسے نہیں......! ہم ایک خوش گوار ماحول میں وقت گزاریں گے۔ اس طرح تو مجھے بالکل بھی لطف نہیں آئے گا۔"

شاہان نے عجیب سے انداز میں کہا اور عالیہ شاہ مسکرانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

پھر عالیہ شاہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"شراب مجھے سنبھال لے گی۔ پلیز شاہان......!"

شاہان اس کی درخواست پر دو گلاس تیار کرنے لگا۔ اس نے عالیہ شاہ کو جام پیش کیا اور خود بھی اپنا گلاس لے کر آرام کرسی سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔ دونوں چسکیاں لینے لگے۔ دفعتہ عالیہ شاہ نے لرزتے ہاتھوں سے گلاس رکھ دیا۔

"شاہان......!"

اس نے لڑکھڑاتی آواز میں شاہان کو پکارا۔

"ہوں......!"

"شاہان......! یہ کیا ہو رہا ہے مجھے......؟"

"کک......کیا ہو رہا ہے ڈارلنگ......؟"

شاہان کی آواز بھی لڑکھڑائی ہوئی تھی۔

"تم......تم کچھ محسوس کر رہے ہو......؟"

عالیہ شاہ ڈھیلے ڈھیلے لہجے میں بولی۔

"ہاں......! شراب......شراب......کبھی اس سے پہلے ایسا تو نہیں ہوا۔"

شاہان کی آواز بھی ڈھلکتی جا رہی تھی۔ پھر شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ سے گر گیا اور چور چور ہو گیا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑا کر ایک جانب گر پڑا۔ عالیہ شاہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ خود بھی صوفے پر گر گئی، اور تھوڑی دیر دونوں ہی بے ہوش ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

نہ جانے کتنی دیر گزری تھی......؟ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا......؟ کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت سورج کی کرنیں درزوں سے اندر داخل ہو رہی تھیں اور شاید یہ انہی کرنوں کی شرارت تھی کہ عالیہ شاہ کی آنکھ کھل گئی۔ سورج کی تیزی خوابیدہ آنکھوں پر اثر انداز ہوئی اور اس نے جلدی سے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ پھر وہ تیزی سے ان کرنوں کی زد سے نکل گئی۔ اس نے آنکھوں کو آہستہ آہستہ ملا اور انہیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے حواس آہستہ آہستہ بحال ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے گہری سانس لی اور مسہری پر کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔

"لیکن یہ مسہری......؟"

تب اسے احساس ہوا کہ بدن پر کوئی چیز چبھ رہی ہے۔ اس نے ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھا تو اسے کھردری زمین محسوس ہوئی اور وہ حیرت زدہ سی ہو کر رہ گئی۔

"یہ......یہ کیا ہوا......؟"

اور پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں شاہان کا خیال آیا۔ شاہان کا خیال آتے ہی وہ پھر چونک پڑی۔

"شاہان......! شاہان......!"

اس نے شاہان کو زور زور سے پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ تب وہ زمین پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی اور اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ اس کا سر اب بھی ہلکا ہلکا چکرا رہا تھا۔ لیکن بہرصورت وہ اس قابل ضرور تھی کہ اُٹھ کر بیٹھ جاتی۔

اس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور اس ماحول کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔ اس نے اپنی کلائی کو دانتوں سے کاٹا اور "سی" کر کے رہ گئی۔ لیکن یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ وہ عالم ہوش میں تھی۔ مگر یہ جگہ ہوش و حواس چھین لینے والی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جو عجیب و غریب انداز میں بنی ہوئی تھی، گندی میلی اور غلیظ، جگہ جگہ ہلکا پھلکا سا کوڑا نظر آ رہا تھا اور اس کے درمیان لیٹی ہوئی تھی، لباس بھی خراب ہو گیا ہوگا۔ اس نے اپنے لباس کی طرف دیکھا اور ایک شدید جھٹکا اس کے ذہن کو لگا۔ ایسے لباس کا تصور تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ گہرے مٹیالے رنگ کا عجیب سا لہنگا اور چولی پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں اور بازوؤں پر چاندی کا زیور تھا۔ پاؤں ننگے تھے، وہ بدحواسی میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے ارے......!"

اس کے منہ سے ہر چیز کو دیکھ کر یہی نکل رہا تھا۔

"کوئی ہے......؟"

وہ زور سے چیخی لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ چھوٹی سی جھونپڑی میں کھڑے ہو کر وہ ہر چیز کو دیکھنے لگی۔ عجیب گندا سا ماحول تھا۔ اس جگہ کا اور یہ سب کچھ اس کی توقع کے خلاف تھا۔

"یہ کیسے ہوا......؟ میں یہاں کیسے آ گئی......؟"

وہ سوچ رہی تھی اور باہر سے ہلکی ہلکی آوازیں اس کے کانوں میں آ رہی تھیں۔ اس نے متوحش نگاہوں سے جھونپڑی کے دروازے کی طرف دیکھا جو ایک رسّی سے بندھا ہوا تھا۔ بے اختیار وہ آگے بڑھی اور اس نے دروازے کی رسّی کھول لی۔ دروازے کے تھوڑا سا ہٹایا اور منہ نکال کر باہر جھانکنے لگی۔ ایک بار پھر اس کا سر زور سے چکرایا اور وہ سر پکڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔ باہر جھونپڑیوں کی پوری بستی پھیلی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں عجیب سی ساخت کی، جن کے سر کوہان کی مانند اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان ننگ دھڑنگ بچے اور مرد عورتیں موجود تھیں۔ عورتیں گھروں کے باہر بیٹھی بچوں کے سر کاڑھ رہی تھیں اور ان کی جوئیں مار رہی تھیں۔ ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے اور ان کی کمر میں کالے ڈورے بندھے ہوئے تھے۔ بس یہی ان کا لباس تھا اور باقی بدن برہنہ تھا۔ ایک طرف کچھ عورتیں چٹائیاں بن رہی تھیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں اس طرح سے منہمک تھے جیسے اور کسی سے واسطہ ہی نہ ہو۔ لیکن وہ ان کے درمیان کہاں سے آ گئی......؟

دفعتہً اس نے جھونپڑے کے بائیں سمت قدموں کی آواز سنی اور ایک بڑی بڑی مونچھوں والا سیاہ رو شخص اس کے سامنے آ گیا۔

''ہوں......! جگ گئی نواب جادی......؟''

اس نے کہا اور عالیہ شاہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''اری......! کیا ٹکر ٹکر دیکھے جاوے ہے......؟ ناستہ نہیں بناوے گی کیا......؟ کئی دفعہ کہا ہے، صبح جلدی اُٹھ جایا کر، پر جوانی جو ٹوٹے ہے تیری۔ چل جلدی جا، ناستہ بنا کر لا، مجھے جانا ہے۔''

''تم کون ہو......؟''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''اری......! بتاؤں تیرے کو کون ہوں میں......؟ دو تھپڑ دوں گا، ایک اِدھر، ایک اُدھر، منہ گھوم کر رہ جاوے گا۔ بتاؤں کون ہوں......؟ روجانہ صبح کو اُٹھ کر یہی پوچھے ہے، میں کون ہوں......؟ اری نواب جادی......! اپنے ماں باپ سے کہا ہوتا سادی نہ کرتے تیری۔ جب سے ہمارے گھر آئی ہے، جان کو چڑھ گئی ہے، چل جا، ناستہ بنا......!''

''سنو......! سنو......! تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے، ہم...... میں...... میں......''

''ارے......! تو ایسے نہیں مانے گی۔''

سیاہ رو شخص بگڑ گیا۔

''سسری......! ابھی ٹھیک کرتا ہوں تجھے۔ صبح ہی صبح پہلے تیرا ناستہ جروری ہوتا ہے۔''

وہ جھکا اور اس نے اپنے پیر میں پہنی ہوئی مضبوط پشاوری چپل اُتار لی۔ عالیہ شاہ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کے ہوش و حواس رُخصت ہوئے جا رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیختی ہوئی بھاگ جائے، لیکن دروازے کے سامنے وہ قوی ہیکل بدن کھڑا ہوا تھا۔

''اری......! جواب نہیں دے گی، ٹھیک ہوئی یا ٹھیک کر دوں......؟ موسی......! او موسی......! دیکھ لے

سسری پھر اُتر گئی ہے پٹری سے۔''

اس شخص نے کسی کو آواز دی اور دُور سے ایک بڑھیا اس کی جانب بڑھی۔

''ارے......! جوتا سنبھال جوتا۔ تو، تو ہے ہی جورو کا گلام۔ کہتی ہوں روج پانچ جوتے اسے صبح لگا دیا کر، دن بھر ٹھیک رہوے گی۔ پر سنے کون......؟ تو تو اس کی جوانی میں کھویا روے ہے۔''

بڑھیا تیزی سے عالیہ شاہ کی طرف بڑھی اور عالیہ شاہ دھڑام سے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس کی وحشت زدہ آنکھیں اس پورے ماحول کو دیکھ رہی تھیں۔ سیاہ رو شخص جوتا ہاتھ میں سنبھالے کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''دیکھ موسی......! تو مجھے جورو کا گلام نہ کہا کر۔ کون سی ناج برداری کروں ہوں میں اس کی......؟''

''نہ کرے ہے تو یہ روج روج کیوں بہک جاوے ہے......؟ نواب جادی دن چڑھے سو کر اُٹھے ہے اور پھر اپنی اوقات بھول جاوے ہے۔ اری......! بول، تو کون ہے......؟''

بوڑھی عورت نے عالیہ شاہ کے بال پکڑنے کی کوشش کی اور عالیہ شاہ اُچھل کر جھونپڑی کی دیوار سے جا لگی۔ اس کا کلیجہ دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔ دماغ چکرایا جا رہا تھا۔ اگر پستول ہوتا تو نتائج کی پرواہ کئے بغیر ان لوگوں سے جان بچانے کے لئے ان پر فائرنگ شروع کر دیتی۔

''ہائے ہائے......! بڑی بجلیاں بھر گئی ہیں تیرے بدن میں۔ جوانی پھٹی......! دن رات کھواب دیکھتی رہتی ہے۔''

''بس کر موسی......! ٹھیک ہو گئی ہے۔ چل ری سسری......! جلدی ناستہ بنا کر دے مجھے۔ کہہ رہا ہوں ناں کہ میں نے جانا ہے۔''

''بس......! آ گئی محبت......؟ ارے......! ہمارا کیا ہے......؟ جیسا بوئے گا، ویسا ہی کاٹے گا۔ اے......! ہمیں کیا پڑی ہے جو تیری بات میں دکھل دیویں......؟ جورو کا گلام......!''

عورت باہر نکل گئی تھی۔

''یاد آ گیا تجھے کہ تو کون ہے......؟''

سیاہ رو نے پوچھا۔

''ہاں......! یاد آ گیا۔''

عالیہ شاہ نے با دل نخواستہ کہا۔ جو کچھ ہونے جا رہا تھا، اس سے فوری بچاؤ کے لئے یہ ضروری تھا کہ حالات کو سمجھا جائے اور پھر کچھ فیصلہ کیا جائے۔

''چل پھر ناستہ بنا......!''

''کہاں سے بناؤں......؟ میں تو سب کچھ بھول چکی ہوں۔''

عالیہ شاہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"کوئی بیماری لگے ہے تجھے......؟ کسی سیانے کو دکھانا پڑے گا۔ رندھی بابا کے پاس لے چلوں گا آج شام کو۔ وہ کونے میں سامان رکھا ہوا ہے، بس جو کچھ ہے، جلدی لے آ......!"

مرد نے اشارہ کیا اور عالیہ شاہ بادل نخواستہ اس کونے کی طرف بڑھ گئی جہاں گندے برتن رکھے ہوئے تھے۔ دودھ گرم تھا، کچھ اور چیزیں بھی موجود تھیں۔ عالیہ شاہ کے فرشتوں نے بھی کبھی کچن کا رخ نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ ملازم کھانا پکاتے رہے تھے۔ کچن کا نام بھی اس کے لئے قابل نفرت تھا۔ لیکن بڑے بول بولنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ ان حالات سے اس قدر حواس باختہ ہوگئی تھی کہ کچھ سوچ بھی نہیں پارہی تھی۔ پیالہ بھر دودھ اور جو کچھ سامنے آیا، ایک گندی سی ٹوٹی ہوئی ٹرے میں رکھ کر وہ باہر آگئی۔ جھونپڑی کے دروازے کے باہر ایک احاطہ تھا اور سیاہ رو اس میں بیٹھا ناشتے کا انتظار کررہا تھا۔ عالیہ شاہ نے ناشتہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اری موسی......! او موسی......!"

"اب کیا ہے رے......؟"

"دیکھ لے، ٹھیک ہوگئی۔ کیسی ٹھیک ہوئی ہے......؟"

"کل پھر کھراب ہوجائے گی، تو پھکر مت کر۔"

موسی کی آواز اُبھری اور عالیہ شاہ اسے گھورنے لگی۔ یہ میلی کچیلی عورت اس کی دُشمن معلوم ہوتی تھی۔

"کچھ سوچنے کا موقع تو ملے، سب کو دیکھ لوں گی۔"

اس نے سوچا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ سیاہ رو شخص نے دودھ پیا اور اور جو کچھ سامنے تھا، وہ چٹ کر گیا اور پھر مونچھیں صاف کرتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

"اچھا موسی......! چلتا ہوں۔ جارہا ہوں ری......!"

اس نے لگاوٹ کے انداز میں عالیہ شاہ سے کہا اور پھر ایک کپڑا کندھے پر ڈال کر چل پڑا۔ عالیہ شاہ واپس جھونپڑی میں آگئی۔ اس کے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے، ہاتھ پاؤں بے جان ہوتے جارہے تھے۔

"یہ سب کیا ہوا......؟ کیسے ہوا......؟ اس کا اپنا لباس کہاں گیا......؟ وہ یہاں کیسے پہنچ گئی......؟ یہ کون سی جگہ ہے......؟ ہوا کیا ہے......؟"

کوئی بات تو سمجھ میں آئے۔ کپڑے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس کا اپنا لباس نہ جانے کہاں چلا گیا......؟

دفعتاً اسے لباس کا خیال آیا اور وہ متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ جھونپڑا زیادہ طویل تو نہیں تھا۔ تھوڑا سا سامان تھا اور اس جھونپڑے میں کوئی چیز تلاش کرنا مشکل نہیں تھا۔ لیکن اس جھونپڑے میں اس کے لباس کا نام ونشان نہیں تھا۔ نہ جانے کیا ہوگیا تھا......؟

جھونپڑے کی زمین پر چت لیٹ کر وہ چھت کو گھورنے لگی۔ ہاتھ پاؤں بری طرح سنسنا رہے تھے۔ دل و دماغ بے قابو تھے۔ جان بچانے کے لئے اس نے یہ دودھ کا پیالہ اور ناشتہ اس کے کمبخت کے سپرد کیا تھا ورنہ وہ تو اسے جوتے لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔

"لیکن...... لیکن یہ سب...... یہ سب کیوں ہوا......؟ کیسے ہوا......؟"

وہ سوچنے لگی۔ گزرے ہوئے واقعات پر نظر دوڑانے لگی تاکہ گزرے ہوئے واقعات کا اندازہ ہوسکے۔

پھر اسے پچھلا دن یاد آیا۔

"شاہان......؟"

ہاں......! شاہان اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے چوکیدار سے کہہ دیا تھا کہ کوئی مہمان آنے والا ہے جبکہ شاہان دیوار کود کر اندر آیا تھا۔ لیکن کوئی مہمان بھی آیا تھا۔ اس نے اس وقت ایک قہقہہ سنا تھا، جب وہ شاہان سے باتیں کر رہی تھی۔ اس قہقہے کا خیال آتے ہی اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ دوسرا مہمان کوٹھی میں نہیں ملا تھا۔

"تو کیا...... تو کیا شہروز......؟"

پھر جیسے اسے یقین ہوگیا۔

"آہ......! یقیناً وہ شہروز ہی تھا......؟"

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔ دل تھا کہ سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر نکلنا چاہتا تھا۔

"تو کیا شہروز ان کی سازش سے واقف ہوگیا......؟"

اس نے سوچا اور سر تھام لیا۔

"اوہ......! تو کیا ایک بار پھر شہروز میرا دُشمن بن جائے گا......؟"

اسے وہ وقت یاد آگیا جب ساری رات اسے بھونڈی آوازوں میں گانے سننے پڑے تھے اور وہ وحشت کے عالم میں بیٹھی ان کا ناچ رنگ دیکھتی رہی تھی۔ اسے سونے سے روکا گیا تھا اور اس کا برا حال ہوگیا تھا۔

"تو کیا...... تو کیا یہ شہروز کی دوسری سزا ہے......؟ مگر...... مگر یہ کیسی انوکھی سزا ہے......؟ لیکن اب...... اب تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔"

اس نے خوف کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھا۔

"اب میں کیا کروں......؟ اب شاید شہروز مجھے کبھی معاف نہ کرے۔"

یہ سوچتے ہوئے اسے ایک بار پھر شاہان کا خیال آیا۔

"مگر شاہان کا کیا ہوا......؟ وہ کہاں ہے......؟ اسے کہاں رکھا گیا......؟"

لیکن پھر عالیہ شاہ اپنا سر جھٹکنے لگی۔

"وہ جہاں بھی ہوگا، مجھے اس بارے میں کیسے علم ہوسکتا ہے......؟ لیکن یہ کمبخت کتنا عجیب انسان ہے۔ کہاں پھینکا ہے اس نے اور ان سب لوگوں کو غلط فہمی کا شکار کس طرح کردیا ہے......؟ کیا چکر ہے یہ......؟ خدا جانے کیا چکر ہے......؟"

وہ سوچتی رہی۔ بدن تھا کہ اس طرح بے جان ہوا جارہا تھا جیسے سارے بدن میں خون کی روانی بالکل ہی رُک گئی ہو۔ اس نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس میں بھی اسے خاصی مشکلات کا شکار ہونا پڑا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری

تھی کہ وہ ہی کمبخت موسی کمرے میں داخل ہوگئی۔ عجیب نامعقول عورت تھی۔ صورت ہی سے کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ عالیہ شاہ کو دیکھ کر اس نے برا سامنہ بنایا اور بولی۔

”اری......! واہ واہ......! ابھی تک آرام ہو رہا ہے نواب جادی......؟“

اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور عالیہ شاہ اسے بے بسی کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”اُٹھتی ہے کہ اُتاروں جوتی......؟ اب تیرا خصم نہیں ہے گھر پر، جو تیری جا بے جا حمایت لینے کے لئے کھڑا ہو جاوے گا۔ میرا نام رجو ہے، ہاں......! کیا سمجھتی ہے تو......؟ چل اُٹھ، برتن کیا تیرا باپ دھووے گا۔“

بڑھیا نے کہا۔

”کیا......؟“

عالیہ شاہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”ارے ہاں......! اُٹھ برتن دھو، مکھیاں بھنک رہی ہیں باہر۔ سارے برتن جمع ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ برتن جمع کر دے۔ بھلا تجھ نواب جادی سے یہ سارا کام کیسے ہو سکے ہے......؟ اُٹھتی ہے کہ نہیں......؟ یا بال پکڑ کر دو جوتے لگا دوں......؟“

بڑھیا آگے بڑھی اور عالیہ شاہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ لیکن پھر اسے اپنی بے بسی پر غصہ آ گیا اور اس نے قہر آلود نگاہوں سے بڑھیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”نکل جا تو باہر یہاں سے، میں کہتی ہوں باہر نکل جا۔“

”ایں......؟ مجھ سے جبان چلاتی ہے......؟“

بوڑھی عورت آگے بڑھی۔

”میں کہتی ہوں دفعہ ہو جا یہاں سے، باہر نکل جا، ارے چل، نکلتی ہے یا نہیں......؟“

”ہاں ہاں......! بول، آگے بول جرا میں بھی تو سنوں، کیا کہے گی......؟ بول، آگے بول......!“

بوڑھی عورت نے عالیہ شاہ کے بال پکڑنے کی کوشش کی، لیکن عالیہ شاہ کا اُلٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور بوڑھی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”ہائے ہائے......! ہائے ہائے......! ہاتھ اُٹھا دیا مجھ پر......؟ اری کمبخت......! ہاتھ اُٹھایا مجھ پر تو نے......؟ ہائے ہائے......! اے بیٹا......! اے کہاں مر گئے سب کے سب......؟ آؤ جرا دیکھو یہ حرام جادی مجھے مارے ہے۔ ہائے ہائے......! دیکھو یہ مجھے مار رہی ہے۔“

بڑھیا روتی پیٹتی بھاگتی باہر آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے باہر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ عالیہ شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے......؟ یہ غصہ بھی بس آ ہی گیا تھا، جو نہیں آنا چاہئے تھا۔ حالات کو پوری طرح سے جانے بغیر کوئی ایسا قدم اُٹھانا بے مقصد تھا جس سے اس کے لئے مشکلات پیدا ہوں۔ ان جنگلیوں کا کیا ہے......؟ مار پیٹ شروع کر دیں گے اور حلیہ بگاڑ دیں گے۔ ذرا سے غصے سے خواہ مخواہ کام بگڑ گیا۔ تھوڑی

دیر کے بعد بہت سے افراد جھونپڑی کے اندر گھس آئے۔ ایک لمبے چوڑے آدمی نے سے بازو سے پکڑ کر اُٹھایا اور گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔

”تو نے میری ماں پر ہاتھ اُٹھایا......؟“

اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ عالیہ شاہ نے گردن جھکا لی۔

”نہیں بھیا......! میں نے موسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی موسی کو ماروں......؟“

”ہائے ہائے......! ارے......! ہاتھ نہیں اُٹھایا......؟ اری او......! منہ کے منہ پر جھوٹ بول رہی ہے......؟ اری او......! ابھی تو، تو نے میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔“

”کیوں ماں......! تو جھوٹ کیوں بول رہی ہے......؟ یا اس سے دُشمنی کر رہی ہے......؟“

وہ آدمی اچانک نرم پڑ گیا۔

”ارے ارے......! میں اس سے کیا کروں گی دُشمنی......؟ میں جھوٹ بولوں گی......؟ میں بڑھیا جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں، تم سب سے جھوٹ بولوں گی کیا......؟ ارے......! اس نے تھپڑ مارا ہے میرے منہ پر۔“

”نہیں بھیا......! موسی میری بزرگ ہے۔ میں سوچ بھی کیسے سکتی ہوں کہ میں ان پر ہاتھ اُٹھاؤں......؟“

عالیہ شاہ پھر عاجزی سے بولی اور وہ آدمی بالکل ہی نرم پڑ گیا۔

”ماں......! ہمار بھابی پر ایسے اُلٹے سیدھے الجام مت لگایا کر۔ وہ اتنی بری بھی نہیں ہے جتنا برا بھلا تو اسے کہتی ہے۔ چل بھابی......! تو اپنا کام کر۔ بھابی......! چھوڑ اسے، یہ تو ایسے ہی سب کی دُشمن بنی رہتی ہے۔“

اس آدمی نے کہا اور بڑھیا نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ بری طرح اپنا سینہ پیٹ رہی تھی اور خونی نگاہوں سے عالیہ شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جھولی پھیلا پھیلا کر اسے کوس رہی تھی اور عالیہ شاہ چکرائے ہوئے ذہن سے سوچ رہی تھی کہ اس وقت ذرا سی نرمی نے کام بنا دیا ورنہ ہوش و حواس درست ہو گئے ہوتے۔ پھر ایک لڑکی پیچھے سے آئی اور بولی۔

”چل بھابی......! برتن دھو لے، میں نے جمع کر دیئے ہیں۔“

”کون سے برتن......؟“

عالیہ شاہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

”ارے......! وہ رکھے ہیں ناں، بالٹی میں پانی بھر رکھا ہے۔ دھو لے جلدی سے۔ میں دوسرا کام کر رہی ہوں۔“

لڑکی نے کہا اور دوسری طرف چلی گئی۔ عالیہ شاہ نے لڑکی کے اشارے پر اس طرف دیکھا اور ایک بار پھر اس کے ہوش و حواس جواب دینے لگے۔ برتن تھے یا برتنوں کی پوری دُکان......؟ ڈھیر لگا ہوا تھا۔ بالٹی پاس ہی رکھی ہوئی تھی۔ انتہائی گندی جگہ تھی جہاں بیٹھنا تو درکنار، کھڑا بھی نہ ہوا جا سکتا تھا۔ رُخ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس طرف کا۔ برتنوں پر مکھیاں بھنک رہی تھیں۔ نہ جانے کیسی کیسی غلاظت میں لتھڑے ہوئے برتن تھے۔

عالیہ شاہ کی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ جو ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا، اس کے بارے میں

وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جمع ہونے لگے۔ اچانک وہ لڑکی جو اسے بھابی کہہ رہی تھی پھر جھونپڑی کے احاطے میں داخل ہوئی اور عالیہ شاہ کو اس انداز میں بیٹھا دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''اری او بھابی......! اُٹھتی ہے یا ٹھیک کروں تجھے......؟ کیا جوتے کھائے گی......؟ حرام جادی حرامی پن سے باج نہیں آوے گی، اور پھر دوسروں کے سامنے معصوم بن جاوے گی۔ چل جلدی برتن دھو......!''

لڑکی نے اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ اسے گھورنے لگی۔

''اری......! ہاں، تو سن کیوں نہیں رہی......؟''

دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز اُبھری اور عالیہ شاہ نے پلٹ کر دیکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو دُشمنوں میں آ پھنسی تھی۔ ظاہر ہے، شہروز نے اسے دوستوں کی بستی میں تو نہ بھیجا تھا۔ سزا دینی ہی تھی تو پھر ایسی ہی سزا مناسب ہوسکتی تھی عالیہ شاہ کے لئے۔

کمبخت ماہر نفسیات تھا۔ ایسے ایسے گر استعمال کرتا تھا سزا دینے کے لئے کہ انسان زندگی سے عاجز ہو جائے۔ وہ اپنے خوب صورت ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ ان ہاتھوں سے اس نے کبھی کوئی سخت چیز بھی نہیں پکڑی تھی کہ کہیں جلد پر خراش نہ آجائے۔

''لیکن یہ برتن......؟ خدا کی پناہ......! یہ برتن کیسے دھوئے جائیں......؟''

وہ سوچنے لگی۔ چاروں طرف سے لعن طعن ہو رہی تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اُلٹے سیدھے جیسے بھی برتن دھوئے جائیں، وہ دھولے۔ چنانچہ وہ ان کی طرف بڑھ گئی اور غلاظت سے لتھڑے برتن دھونے لگی۔ یہ انتہاء تھی۔ اس سے آگے اور کوئی سزا نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر وہ زخمی کر دیتا تو وہ ہسپتال پہنچ جاتی، پھر علاج ہوتا، ٹھیک ہو جاتی یا مر جاتی......؟ لیکن اس نے اس طرح زخمی کیا تھا کہ اب علاج بھی ممکن نہیں تھا۔

''نہ جانے ان لوگوں کے چنگل میں مجھے کب تک پھنسے رہنا پڑے گا......؟''

ایک ایک برتن کو وہ اس طرح اُٹھا رہی تھی جیسے غلاظت کی پوٹ ہو، اور پھر اسے صاف کرنے کا گر بھی اسے نہیں آتا تھا۔ مٹی سے برتن مانجھنے پڑے تھے۔

''کیا اب انہی برتنوں میں کھانا پینا بھی پڑے گا......؟''

دفعتہً اسے کھانے پینے کا خیال سے اپنے اندر کا احساس ہوا۔ وہ بھوکی تھی لیکن یہاں کی کوئی چیز وہ کیسے کھا سکتی تھی......؟

''اللہ رحم کرے......!''

اس نے سوچا اور برتن دھوتی رہی۔

☆......☆......☆

پائیں باغ کے گوشے سنسان ہوتے جا رہے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ سب پُراسرار سایوں کی طرح اپنی جگہ بناتے جا رہے تھے۔ بارہ بجنے میں ابھی دیر تھی اور اس سے قبل ہی وہ سب اپنے اپنے ٹھکانے منتخب کر لینے کے خواہش مند تھے۔ پھر جب سب اپنی جگہوں پر مطمئن ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو سیٹیاں بجا بجا کر ہوشیار ہونے کا اشارہ دیا۔ پونے بارہ بجے تھے۔ تابش شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ جس طرف یہ ڈرامہ ہو، وہاں سے کھسک کر دوسری جگہ پر جایا جائے۔

ٹھیک بارہ بجے عالم پناہ کا قوی ہیکل سایہ نظر آیا۔ وہ اسی گوشے کی جانب بڑھ رہے تھے جس کے بارے میں شمائل نے ان سے کہا تھا۔ عالم پناہ اس گوشے کے پاس پہنچ گئے اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ عالم پناہ کے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ عجیب چھب تھی ان کی۔ ہونٹوں پر پان کی لالی، آنکھوں میں سرمہ اور چہرے پر شاید تیل بھی چپڑا ہوا تھا، جس کی وجہ سے چہرہ چمک رہا تھا۔ تمام لوگ ان خوشبوؤں کو سونگھ رہے تھے اور عالم پناہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

دفعتہً انہیں اپنے عقب میں ایک آہٹ سنادی، اور وہ مسرور ہو گئے۔ جتنے رومانی اور کلاسیکل الفاظ انہیں یاد آئے، انہیں وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبدانے لگے اور آنے والے قدموں کی چاپ کا انتظار کرنے لگے۔ چند لمحات کے بعد آنے والی ان کے پاس پہنچ گئی۔ عالم پناہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور فخر و انبساط سے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ قدموں کی چاپ ان کے نزدیک آ کر رُک گئی اور عالم پناہ نے آنکھیں بند کئے کئے گردن بھی جھکا لی تھی۔

☆......☆......☆

پھر عالم پناہ اسی طرح آنکھیں بند کئے کئے بولے۔

''چاند ابھی نہیں نکلا، لیکن میری بند آنکھوں میں چاندنی رینگ آئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آنکھیں کیسے کھولوں......؟ اس چاند سے چہرے پر نگاہیں جمانا میرے بس کی بات نہیں ہوگی۔ میں...... میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت کے ان سچے جذبات کو آج تک وہ الفاظ نہیں مل سکے جن کے وہ حقدار ہوتے ہیں۔ زمانہ عجیب ہے۔ زمانۂ قدیم سے محبت انسان کے ذہن میں جاگزیں رہی ہے۔ لیکن وہ اس کے اظہار کا صحیح طریقہ دریافت نہیں کر سکا۔ کیا کہوں......؟ تمہیں کیا کہہ کر پکاروں......؟ چاند کہوں......؟ اپنے دل کی آواز کہوں......؟ یا...... یا...... تم ہی بتاؤ، میں تمہیں کیا کہوں......؟''

''ارقم الدین، روکی......!''

آواز آئی اور عالم پناہ نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ سامنے نہ چاند تھا نہ چاندنی، نہ دل کی آواز، نہ محبت، بلکہ وہی جھاڑ جھنکاڑ بھرا چہرہ کھڑا ہوا تھا، ایک لمحے کے لئے عالم پناہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیکن پھر وہ غصے سے سرخ ہو گئے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور متنفر آمیز لہجے میں بولے۔

''تم......؟ تو کیا یہ تمہارے قدموں کی چاپ تھی......؟''

"تو کیا تمہارے خیال میں قلوپطرہ مصر سے آئی تھی......؟"
روکی نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"تم یہاں کیوں مر رہے ہو......؟" عالم پناہ غرائی ہوئی آواز میں بولے۔
"یہی سوال میں تجھ سے بھی کر سکتا ہوں علی......!"
"کیا......کیا......؟"
عالم پناہ پھر غرائے۔
"علی......! یہی ہے ناں تمہارا نام......؟ علی......!"
ارقم الدین، روکی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"کیا ہو گیا ہے تجھے......؟"
"ہاں......! اس وقت میں تمہیں عالم پناہ نہیں کہوں گا، کیونکہ تم نے میری مخالفت اور دشمنی کی انتہاء کر دی ہے۔ کیوں آئے تھے یہاں......؟"
روکی نے حلق پھاڑ کر پوچھا۔
"ابے ابے......! میں کہتا ہوں، اپنا لہجہ سنبھال۔ ایک ہاتھ ماروں گا تو بتیسی دوسری طرف جا پڑے گی۔ تو یہاں کیوں آیا تھا......؟"
"دیکھو دیکھو علی......! اخلاق و شرافت سے گفتگو کرو۔ تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ تم ایک شریف آدمی ہو۔"
روکی نے اپنی جگہ پر اُچھلتے ہوئے کہا۔
"اور تم انتہائی ذلیل ہو۔"
عالم پناہ بولے۔
"میں پھر تم سے کہتا ہوں علی......! کہ تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ تم نے اُردو ادب کی بے حد اِنسلٹ کی ہے۔"
"ہاں ہاں......! کی ہے، اور یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ تم جیسے آدمی کو کبھی دوست نہیں بنانا چاہئے۔"
"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال ہے کہ تم انتہائی کمینے انسان ہو۔"
روکی بولا اور عالم پناہ اس پر چڑھ دوڑے۔ لیکن روکی جھکائی دے کر ایک طرف جا کھڑا ہوا۔
"آج فیصلہ ہو ہی جائے علی عرف عالم پناہ......! آج فیصلہ ہو ہی جانا چاہئے۔ تم طاقتور ہو، مجھے قتل کر سکتے ہو، لیکن میں تم سے ہار نہیں مانوں گا۔"
روکی تن کر کھڑا ہو گیا۔ عالم پناہ نے پھر اس پر چھلانگ لگائی تھی، لیکن اس بار ایک عجیب و غریب منظر ان

کے سامنے تھا۔ روکی ان کے سامنے نہیں ہٹا تھا۔ عالم پناہ اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے ہاتھ بڑھا کر روکی کا گریبان پکڑ لیا۔
"میں تجھے تباہ کر دوں گا۔"
"بزدلی کی باتیں مت کرو۔ تم مجھے قتل ہی کر دو تو بہتر ہے۔"
روکی نے کہا۔
"کیا بکواس کئے جا رہا ہے......؟"
"صحیح کہہ رہا ہوں، میں آج مر جانا چاہتا ہوں۔"
روکی بولا اور عالم پناہ نے متحیرانہ انداز میں اس کا گریبان چھوڑ دیا۔
"ابے ابے......! تجھے ہوا کیا ہے......؟"
"تم یہ بتاؤ تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو......؟"
"پہلے میں نے سوال کیا ہے۔"
"لیکن تم مجھے جواب دو......!"
روکی نے دوبدو کہا۔
"پہلے میرے سوال کا جواب دو......!"
"نہیں......! تم دو......!"
دونوں میں تکرار ہونے لگی اور پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ عالم پناہ پریشانی کا شکار ہو گئے۔ بار بار ان کی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگی تھیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ ایک مہذب انسان ہیں اور مہذب انسانوں کو لڑائی جھگڑا زیب نہیں دیتا۔
"اگر وہ آ گئی تو ہمیں دیکھ کر کیا سوچے گی......؟"
وہ چند لمحات خاموش رہے، پھر نرم لہجے میں بولے۔
"دیکھو روکی......! تو چلا جا یہاں سے، میں پھر تم سے گفتگو کروں گا۔"
"نہیں جا سکتا، تم یہاں سے چلے جاؤ۔"
"آخر کیوں......؟"
"اس سوال کا جواب تم دو۔"
روکی نے کہا۔
"نہیں......! تو دے۔"
عالم پناہ ترکی بہ ترکی بولے۔
"نہیں......! تم دو۔"

روکی نے پھر کہا۔ دونوں کو ایک دم پھر خیال آ گیا اور دونوں خاموش ہو گئے۔ عالم پناہ اب بہت زیادہ بے بسی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ دفعتہً انہیں اپنے عقب سے نواب احتشام حسن خان کی آواز سنائی دی اور وہ خوف سے اُچھل پڑے۔

"کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں......؟"

"جی......! وہ......پھو......پھو......پھوپھا......پھوپھا جان......!"

دونوں ہکلانے لگے تھے۔

"میں تم دونوں کی واپسی کا بندوبست کر چکا ہوں۔ کل تمہارے ٹکٹ آ جائیں گے۔ تم دونوں واپس افریقہ چلے جاؤ۔"

احتشام حسن نے سرد لہجے میں کہا اور عالم پناہ خوف سے کپکپانے لگے۔

"پھو......پھوپھا جان......وہ......وہ......"

"پھوپھا جان کے بچو......! تم دونوں نے میری عزت خاک میں ملا کر رکھ دی ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے یہاں کے لوگ کہ دو جگر میں نے افریقہ میں پرورش کئے ہیں......؟"

"پھوپھا جان......! وہ......ہم تو چاندنی رات کا لطف اُٹھانے کے لئے یہاں آ گئے تھے۔"

"ہوں......! چاند کہاں ہے......؟"

نواب احتشام حسن نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نن......نکلے گا، ضرور نکلے گا۔"

"تمہیں پتا ہے چاند کی کیا تاریخ ہے......؟"

"نن......نہیں چچا جان......! ہمیں تاریخیں یاد نہیں رہتی ہیں۔"

اس بار روکی نے کہا۔

"چاند ڈوب چکا ہے کم بختو......! چلو، اپنے اپنے کمرے میں چل کر آرام کرو اور دیوانگی کی یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں افریقہ واپس بھجوا دوں۔ بس اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں کر سکتا۔"

"مم......معاف کر دیجئے پھوپھا جان......! معاف کر دیجئے......! ہم......ہم......ن......"

"بس بس......! تم چلو اپنے کمروں میں، معاف کر دوں گا بعد میں۔"

احتشام حسن نے کہا اور دونوں کے کان پکڑ کر وہاں سے چل پڑے۔ جب وہ کوٹھی کے اندرونی حصے میں چلے گئے تو باغ میں قہقہوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔ تابش اور اس کے تمام ساتھی باہر نکل آئے۔

"یہ چچا جان کہاں سے آ گئے ہیں اس وقت......؟"

اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں چچا جان نے ان لوگوں کو کہاں سے دیکھ لیا......؟"

"یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ مزہ نہیں آیا کچھ۔"

"ہاں واقعی......! مزہ نہیں آیا۔"

"تو پھر کیا کیا جائے......؟"

"چلو دیکھیں گے، کوئی دوسرا پروگرام بنائیں گے۔ مگر یہ چچا جان کہیں واقعی ان لوگوں کو روانہ نہ کر دیں۔ سارا لطف کرکرا ہو کر رہ جائے گا۔"

تابش نے کہا اور سب کے سب اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑے۔ ان لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ آپس میں بیٹھ کر میٹنگ کریں گے۔ کہیں سچ مچ چچا جان اس سلسلے میں کوئی قدم ہی نہ اُٹھا بیٹھیں۔

☆......☆......☆

دونوں پہرے داروں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور گہری سانس لے کر قریب آ گئے۔ دونوں کے انداز سے تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی وزنی رائفلیں دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی تھیں اور اس میں سے ایک وردی کا اوپری بٹن کھول کر سینے پر پھونکیں مارنے لگا۔

"عجیب موسم ہے، صبح کو موسم اس قدر خنک ہو جاتا ہے اور دن کو اس قدر گرم۔"

ان میں سے ایک نے کہا۔

"اس وقت تو یار......! خاصی گرمی ہے۔ فضاء میں حبس بھی ہے۔ شاید بارش بھی ہو جائے۔"

"شاید......؟"

دوسرے نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو، وہ بجلی بھی چمک رہی ہے۔"

"اچھا ہے، بارش ہو جائے۔ اس موسم نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ سگریٹ نکالو......!"

دوسرے نے بدستور اُکتائے ہوئے انداز میں کہا اور پہلے آدمی نے وردی کی جیب میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس وقت رات کے تقریباً دو بجے تھے اور چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ سڑکوں پر لگے ہوئے الیکٹرک پول بھی ماحول کی گھٹن کا شکار تھے۔ ان پر لگے ہوئے بلب پوری روشنی نہیں دے پا رہے تھے۔ دن میں موسم اچھا خاصا تھا، لیکن رات کو اچانک بادلوں کے غول آسمان پر جمع ہونے لگے اور فضاء میں گھٹن پیدا ہو گئی تھی۔

کافی وقت گزر چکا تھا اس گھٹن کو، لیکن نہ تو بارش ہوئی اور نہ ہی بادلوں کے غول صاف ہوئے۔ البتہ بجلی کبھی کبھی چمکنے لگتی تھی۔ اس خوب صورت عمارت کے آہنی گیٹ پر پہرہ دینے والے دونوں محافظ اس گھٹن سے اُکتائے ہوئے تھے۔ سگریٹ کے پیکٹ سے ایک ایک سگریٹ نکال کر دونوں نے ہونٹوں سے لگا لیا اور ماچس سے جلا کر اس کے کش لینے لگے۔

"کیا سوچ رہے ہو......؟"

ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، بس یوں ہی اپنے گھر کا خیال آ گیا تھا۔"

"گھر......؟"

پہلے نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہم جیسے لوگ گھروں سے دُور رہ کر ہی زندگی گزارنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔"

"ہاں......! ایسا ہی لگتا ہے۔ نوکری بہرصورت نوکری ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو میں سوچتا ہوں کہ گھر والے ہمیں کچھ عرصے بعد بھول جائیں گے۔ ہمارا ان میں کوئی مقام نہیں رہے گا۔ صرف ایک یاد رہ جائے گی ان کے دل میں کہ ہم بھی کوئی حیثیت رکھتے تھے۔"

"یہ حقیقت ہے۔"

دوسرے نے گہری سانس لے کر کہا اور اس کی نگاہیں پھر آسمان کی جانب اُٹھ گئیں۔ بجلی اب بھی چمک رہی تھی۔ اس کا دائرہ عمل بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ فضاء کچھ اور بھی بھیانک ہوگئی۔ دونوں محافظ دُور دُور تک نگاہیں دوڑانے لگے۔ پوری عمارت خاموش کھڑی تھی۔ عمارت کے چاروں طرف لگے ہوئے درخت ایسے خاموش تھے جیسے کسی خاص واقعے کے منتظر ہوں۔

وہ آواز بہت ہلکی تھی جسے سگریٹ پینے والے نے بخوبی سن رہا تھا۔ کیونکہ وہ زیادہ دُور سے نہیں آئی تھی۔

دوسرے لمحے اس نے سگریٹ کو اپنے جوتے سے مسل دیا اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ دفعتہً بجلی چمکی اور اس کے ساتھ بادل بھی گرجے اور پہرے دار کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ دوسرا پہرے دار یہ آواز سن کر چونک پڑا تھا۔

"کیا بات ہے......؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ لیکن پہلے پہرے دار نے جواب دینے کی بجائے جلدی سے لپک کر اپنی رائفل اُٹھالی تھی۔

"کیا ہو گیا......؟ بتاؤ گے نہیں......؟"

"میں نے...... میں نے دو سایے دیکھے ہیں، بالکل صاف۔"

پہلے نے جواب دیا۔

"نہیں......!"

"حقیقت ہے، ہوشیار ہو جاؤ۔ ممکن ہے کوئی خطرہ پیش آ جائے۔"

پہلے پہرے دار نے کہا اور دونوں اپنی رائفلیں اُٹھائے آگے بڑھنے لگے۔ ابھی وہ چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ آہنی گیٹ کے اوپر سے دو سایے ان پر کودے اور دونوں پہرے داروں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ان پر جا پڑے۔ اس سے قبل کہ پہرے دار کچھ کرتے، دفعتہً زور سے بادل گرجے اور اس کے ساتھ ہی پہرے داروں کی چیخیں

بھی گونجی تھیں۔ ان کی گردنوں پر چھریاں چل گئی تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے حلق سے خرخراہٹیں بلند ہونے لگی تھیں۔ نرخرہ کٹ گیا تھا، اس لئے آوازیں تو سنائی نہیں دے رہی تھیں لیکن خرخر کی آواز کے ساتھ خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ چھریوں والے سایے ان پر سے ہٹ گئے اور پھر انہی کے لباس سے چھریاں صاف کر کے انہوں نے اپنے لباس میں رکھ لیں۔ اس کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔ پہرے داروں کی موت کے بعد کچھ اور افراد بھی دیواروں سے اندر کود آئے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ عمارت کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگے۔ اندرونی حصے میں پہنچ کر دفعتہً انہوں نے دروازے پر گولیوں کی بارش کر دی اور تالا ٹوٹ گیا۔ لیکن گولیوں کی ان آوازوں سے اندر موجود لوگ جاگ گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں اندر چیخیں سنائی دینے لگی تھیں، لیکن اس کے ساتھ ہی فائرنگ کی آوازیں بھی بلند ہوئی تھیں۔

اسی وقت بارش شروع ہوگئی تھی، لیکن خون آشام لوگوں نے بارش کی پرواہ نہیں کی اور یہ خونی ڈرامہ دیر تک جاری رہا۔ عمارت کے اندر موجود ایک ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر وہ منتشر ہونے لگے۔ بارش اب بھی تیز رفتاری سے ہو رہی تھی، لیکن یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ کدھر گئے......؟ وہ سب تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔ البتہ رات کی اس کارروائی کا اثر بہت دُور تک گیا تھا۔ اس عمارت میں ایک غیر ملکی سفارت خانے کے افراد رہائش پذیر تھے۔ سفارت خانے کے تمام افراد کو قتل کر دیا گیا تھا اور صبح کو اس کا پتا چل سکا تھا۔ عمارت کے اطراف میں پولیس کی بھاری نفری پہنچ گئی۔ ملک کے بڑے بڑے افسران وہاں جمع ہو گئے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ جس ملک کا یہ سفارت خانہ تھا، اس ملک سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ حکومت کے لئے جواب دہی مشکل ہوگئی تھی۔ انتہائی پریشان کن حالات میں وقت گزر رہا تھا اور پولیس افسران سفارت خانے کی عمارت کے اندر وہ نشانات تلاش کرتے پھر رہے تھے جن سے قاتلوں کا کوئی نشان مل سکے۔

پھر ایک افسر اعلیٰ کو عمارت کے ایک اندرونی حصے میں ایک سفید سکہ نظر آیا جو ایک ایسی جگہ رکھا گیا تھا جیسے اس کی موجودگی کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی گئی ہو۔ عجیب و غریب سکہ جس کا ڈیزائن بے حد عجیب تھا۔ اس سکے پر ایک نام لکھا تھا جسے پڑھ کر افسر اعلیٰ چونک پڑا۔ یہ نام تھا "گولیور" خفیہ پولیس کے محکمے کو یہ سکہ بھیج دیا گیا اور گولیور کا فائل تلاش کر لیا گیا۔

گولیور اب سے کچھ عرصے پہلے بھی اس ملک میں آیا تھا۔ یہ ایک خطرناک مجرم تھا، ایک بار ایک مہم کے دوران اس کی موت کی اطلاع سنی گئی، لیکن اس کے بعد یورپ کے چند ممالک کے لئے اس نے خطرناک ترین کام انجام دیئے۔ یہ مختلف ممالک کے لئے کام کرتا تھا اور اعلیٰ ترین معاوضے پر خطرناک سے خطرناک کام انجام دینے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔ اس بار وہ نہ جانے کس مقصد کے تحت یہاں آیا تھا......؟ حالانکہ اب سے کچھ عرصے قبل وہ اس ملک میں گرفتار بھی ہوا تھا، لیکن چند گھنٹے قید رہنے کے بعد وہ فرار ہو گیا تھا۔ طویل عرصے کے بعد یہ نام پولیس ڈیپارٹمنٹ میں دوبارہ آیا تھا اور ڈیپارٹمنٹ میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

گولیور کے بارے میں زیادہ معلومات کسی کو بھی نہیں تھیں۔ لہٰذا پولیس افسران ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے لگے اور اچھی خاصی ہنگامہ خیز کیفیت پیدا ہوگئی۔ یہ گولیور کا مخصوص طریقہ کار تھا، وہ جہاں بھی

جاتا، خونریزی کرتا اور اس طرح اپنی آمد کا اعلان کرتا۔ اس بار بھی اس نے اسی طرح ابتداء کی تھی اور پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لئے خاصا دردِ سر پیدا ہو گیا تھا۔ پولیس افسران کی ایک خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں گولیور کی گرفتاری اور اس کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے مناسب انتظامات کے فیصلے کئے گئے تھے۔ ان تمام اہم مقامات پر پولیس کو متعین کر دیا گیا تھا جہاں گولیور کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے۔ لیکن گولیور جیسے خطرناک مجرم کا پتا چلانا آسان کام نہیں تھا۔ اس کا طریقہ کار ذرا مختلف تھا۔ وہ زیادہ لوگ ساتھ لے کر نہیں چلتا تھا۔ وہ جس ملک میں جاتا، وہیں کے لوگوں کو انگیج کرتا اور انہی سے کام لیتا تھا۔ چنانچہ اس کی کارروائیاں جاری رہیں۔ اس وقت بھی سفارت خانے کی عمارت پر جن افراد نے حملہ کیا تھا، وہ مقامی ہی تھے اور گولیور جیسے خطرناک مجرم کو یہ اطمینان تھا کہ اگر ان میں سے کوئی گرفتار ہو بھی گیا تو وہ زیادہ سے زیادہ گولیور کا نام لے دے گا۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔

دُبلے پتلے بدن کا یہ شخص اس وقت ایک گندے سے محلے کے گندے سے مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں جس میں وہ موجود تھا، موم شمعیں روشن تھیں۔ اس علاقے میں بجلی بہت کم وقت کے لئے آتی تھی اور علاقے کے مکین زیادہ تر موم بتیوں یا گیس لیمپ سے کام چلاتے تھے۔ جس کمرے میں گولیور موجود تھا، وہاں انتہائی اعلیٰ قسم کی مشینیں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ مختلف لوگوں سے رابطے قائم کر رہا تھا۔ یہ بھی اس کا طریقہ کار تھا۔ وہ ہوٹل بازی یا اعلیٰ قسم کے مقامات پر ٹھہرنا پسند نہیں کرتا تھا بلکہ معمولی لوگوں کی حیثیت سے نچلے درجے کے علاقوں میں قیام کرتا تھا تاکہ لوگ اس کی جانب متوجہ نہ ہو سکیں۔ اس کے تینوں ساتھی جو شکل ہی سے غیر ملکی نظر آ رہے تھے، اس کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے اور گولیور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم نے جن لوگوں کو اپنے ساتھ مصروف کیا ہے، وہ واقعی کام کے ہیں۔ انہوں نے اپنا کام نہایت خوش اُسلوبی سے انجام دیا ہے۔ پولیس کو ہمارے بارے میں اطلاع مل گئی، یہ بہت بہتر ہوا۔ اب کام کرنے کا لطف آئے گا۔"

گولیور نے کہا۔

"ہاں جناب......! اس میں شک نہیں ہے۔ لیکن ہمارا دوسرا نشانہ کون سا ہو گا......؟"

"اس کا فیصلہ میں ابھی دو چار دن کے بعد کروں گا۔ ذرا پولیس کی کارروائی دیکھ لوں کہ وہ کن راستوں پر کام کرتی ہے......؟ فوری طور پر یہ ایکشن لینا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ چار دن کے وقفے کے بعد ہی فیصلہ کروں گا کہ دوسرا نشانہ کون سا ہو گا......؟ اور پھر اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن ابھی میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے گروہ میں افراد کی کمی ہے۔ کچھ اور لوگوں کو ہم میں شامل ہونا چاہئے۔"

"اس کا انتظام مشکل تو نہ ہو گا جناب......!"

"ہاں......! مشکل تو نہیں ہو گا۔ تم اینڈرسن کو ہوٹل زوار میں طلب کر لو۔ میں وہاں اس سے ملاقات کر لوں گا۔"

"بہت بہتر جناب......! میں ابھی رابطہ قائم کر لیتا ہوں۔"

دوسرے شخص نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ اس کچے مکان سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

شاہان جو کچھ بھی تھا، لیکن بلاشبہ شاعرانہ ذہن رکھتا تھا۔ جرائم کی زندگی ایک الگ چیز تھی اور شعر و شاعری و حسِ لطیف ایک الگ چیز، یہ دونوں چیزیں اس کے اندر مشترک تھیں۔ حسن پرست تھا اور کسی بھی حسین صورت کو دیکھ کر فریفتہ ہو جایا کرتا تھا۔ عالیہ شاہ کوئی زیادہ خوب صورت عورت تو نہیں تھی، لیکن بس شاہان کے ذہن میں اُتر گئی تھی اور وہ شدت سے اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا۔

"کیا حرج ہے کہ کچھ عرصہ اس عورت سے دوستی رہے، لطف رہے گا......؟"

پھر وہ دوسرے معاملات سامنے آئے۔ وہ گل زادی کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک ایسی رقم اسے ادا کرنی پڑتی تھی جو اس پر بار نہیں گزرتی تھی۔ چنانچہ اس نے گل زادی کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ ویسے یہ شخص تھا بھی بہت چالاک، اس نے جس انداز میں شاہان کو پھانسا تھا، وہ واقعی قابل تعریف تھا۔ چنانچہ شاہان نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ لاابالی آدمی تھا، جب تک کسی مسئلہ پر پوری طرح متوجہ نہیں ہوتا، اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ خواہ کتنا ہی نقصان اُٹھانا پڑے۔

پھر عالیہ شاہ نے اسے گل زادی کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اب اس جھنجٹ سے چھٹکارا حاصل کر ہی لینا چاہئے۔ اس خیال کے تحت وہ عالیہ شاہ کے پاس ہی آ گیا تھا۔ اس وقت بھی جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے ہونٹوں پر ایک شعر پھسل پڑا۔ عموماً وہ اسی طرح جاگتا تھا۔ لیکن دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ اس کے سینے پر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا ہے، ٹانگوں پر بھی ایسا ہی بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں پھاڑ دیں۔

"یہ پتھر کہاں سے سینے پر آ گیا......؟"

آنکھیں کھولیں تو نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں سوراخوں سے ہلکی ہلکی روشنی جھانک رہی تھی۔ سینے پر رکھے ہوئے پتھر کو ٹٹولا تو گوشت کا ایک بہت بڑا لوتھڑا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ شاہان کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکل گئی۔ اس نے اس لوتھڑے کو خود پر سے دھکیل دیا اور اُٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے بڑا لوتھڑا ٹانگوں پر رکھا ہوا تھا۔ اسے ہٹانے میں اسے کافی مشکل پیش آئی۔ شاہان نے اپنے قرب و جوار میں ٹٹول کر دیکھا تو پتا چلا کہ گوشت کی ایک چٹان اس کے برابر میں موجود ہے۔

"ارے باپ رے......!"

اس نے بوکھلا کر کہا اور دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے گریبان پکڑ کر پیچھے گرا دیا۔

"کہاں بھاگ رہا ہے صبح ہی صبح......؟ سو جا، ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا۔"

ایک موٹی اور بھاری آواز سنائی دی جسے نسوانی کہا جا سکتا تھا، کیونکہ اس کے اندر مردانہ کرختگی نہیں تھی۔

لیکن شاہان کی کھوپڑی پر درے پڑ رہے تھے۔

''یہ آواز، یہ ہاتھ، یہ پاؤں اور پھر یہ بھاری اور موٹی آواز عالیہ شاہ کی تو نہیں ہو سکتی۔''

اس نے وحشت بھرے انداز میں سوچا اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس گوشت بھرے بورے کو دیکھنے لگا جو اس کے برابر ہی دراز تھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑی، کیونکہ روشنی کی ایک شعاع براہِ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور شاہان کے حلق سے ایک گھگھیائی ہوئی چیخ نکل گئی۔

''بب...... بچاؤ...... ! بچاؤ...... ! چڑیل...... چڑیل......''

''ابے او چڑیل کے بچے...... ! سوتا ہے یا نہیں...... ؟ تیرے خوابوں نے تو مجھے مصیبت میں ڈال دیا ہے۔''

نسوانی آواز نے پھر اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ بہت ہی طاقتور چیز تھی، کیونکہ شاہان جیسی شخصیت بھی اس کے ایک ہی جھٹکے سے نیچے جا پڑتی تھی۔ شاہان نے اس بار کمر موڑ کر اس کی گرفت سے نکل جانے کا گُر استعمال کیا اور پھرتی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ موٹی عورت مسکرا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

پھر وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

''کمینے پن سے باز مت آنا بھنگی کی شکل والے...... ! میں کہتی ہوں، ابھی لیٹ جا، صبح ہی صبح تجھے نہ جانے کیا سوجھی ہے کہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے......؟''

''اللہ کی نیک بندی...... ! اے عظیم خاتون...... ! کون ہیں آپ......؟ کہاں سے نازل ہوئی ہیں......؟ آسمان سے ٹپکی ہیں کیا براہِ راست میرے اوپر......؟ اللہ اللہ...... ! ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے اوپر نہیں ٹپکی ہوں گی، کیونکہ اگر آپ میرے اوپر ٹپکی ہوتیں تو اب تک میری ہڈیوں کا سرمہ بن چکا ہوتا۔''

''کیا بکے جا رہا ہے......؟ بڑا سریف جادہ بن گیا ہے......؟ کیسی باتیں کر رہا ہے......؟ لیٹے گا یا نہیں......؟''

''جی نہیں...... ! اے خاتون...... ! مجھے اپنی زندگی بڑی عزیز ہے۔ ارے...... ! یہ کون سی جگہ ہے......؟''

اب شاہان کو ان رخنوں کا خیال آیا تھا جن سے روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ تو جھونپڑا تھا، اُونٹ کے کوہان کی مانند۔ واقعی یہ جھونپڑا ہی تھا۔ شاہان اپنی کھوپڑی کھجانے لگا۔

''کیا دماغ میں خشکی بھر گئی ہے......؟ یا پھر میں کوئی بہت ہی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں......؟''

وہ اپنے بدن پر تھپڑ مار مار کر یہ اندازہ لگانے لگا کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے......؟ لیکن وہ جاگ رہا تھا اور درحقیقت جھونپڑے میں ہی تھا۔

''لیکن...... لیکن عالیہ شاہ کہاں گئی......؟''

اس نے سوچا اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔ شراب پی گئی تھی اور وہ عالیہ شاہ کی کوٹھی میں ہی تھا اور شراب پیتے پیتے لڑھک گیا تھا۔

''یقیناً اس شراب میں کوئی نشہ آور چیز شامل تھی یا کوئی بے ہوش کر دینے والی چیز۔ لیکن اس کے بعد......؟''

اس کے بعد کے واقعات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

''باپ رے باپ...... ! یہ...... یہ سب کیا ہے...... ؟ یہ کھیل کس نے کیا ہے...... ؟ یہ ڈرامہ کس کا ہے......؟''

لیکن اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر شراب پینے کے بعد بے ہوش ہونے کا واقعہ ضرور یاد تھا۔

''لیکن اس کے بعد کیا ہوا......؟ اور یہ محترمہ جو نہایت بے تکلفی سے میرے پاس لیٹی تھیں، ان کا شجرۂ نسب کیا ہے......؟ اور یہ کہاں سے ٹپکی ہیں......؟ خدا کی پناہ...... ! ایسی بھیانک شکل اس سے قبل نہ کبھی دیکھی اور کبھی نہ سنی۔ خدا کی مار اس پر، یہ عورت ہے یا گوشت کا پہاڑ......؟''

شاہان سوچ رہا تھا اور اس کی نگاہیں اس عظیم انسانی وجود پر گردش کر رہی تھیں جسے مینار نما گنبد کہا جا سکتا تھا یا گنبد نما مینار۔ اس کے علاوہ کوئی اور موزوں لفظ اس کے لئے ملنا مشکل تھا۔ پھر اس نے ایک خوفناک انگڑائی لی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تو مجھے چین نہیں لینے دے گا پپو...... ! صبح ہی صبح اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔''

اس حسین دلربا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پپو......؟''

شاہان اُچھل پڑا اور محترمہ ہنسنے لگیں۔

''اے خدا کی نیک بندی...... ! بلکہ بندگان...... ! کیا اس سے حسین نام تجھے میرے لئے اور کوئی نہ مل سکا......؟''

''کیا بکے جا رہا ہے......؟ ابھی تک خواب ہی دیکھ رہا ہے کیا......؟''

''کاش...... ! یہ خواب ہی ہو۔ عالمِ ہوش میں آپ جیسی کسی نازک اندام گل بدن کو دیکھ کر انسان ہوش و حواس کہاں قائم رکھ سکتا ہے......؟ مگر شانِ نزول کیا ہے......؟''

''ارے ارے...... ! کیے ہی جا رہا ہے فارسی میں، پر کہہ کیا رہا ہے تو......؟''

''حضور والا...... ! بلکہ جانِ من...... ! میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ کا نزول کہاں سے ہوا......؟''

''کیا ہوا......؟''

اس نے تعجب سے پوچھا۔

''نزول......نزول......یعنی آمد......!''

شاہان نے دانت نکال کر کہا۔

''تیری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ آپ بھی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی ہیں۔ ویسے ایک بات بتائیں گی آپ......؟''

''ہاں ہاں......! پوچھ، کیا پوچھ رہا ہے......؟''

''میں آپ کا کون ہوں......؟''

''چل ہٹ......! یعنی......یعنی ہم آپ کے ہیں کون......؟''

''جی......! یہ کہ میرا اور آپ کا کیا رشتہ ہے......؟''

''لے......! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے......؟ میاں ہے تو ہمارا اور کون ہے......؟''

''میاں......؟ اللہ میاں......!''

شاہان نے ٹھنڈی سانس لے کر جھونپڑی کی چھت پر دیکھا اور بیگم صاحبہ ہنس پڑیں۔

''بڑا ہی مسخرہ ہے تو......!''

''میری تقدیر ہی مسخری ہے۔ میں کیا کروں......؟''

''اچھا......! اب اُٹھ ہی گیا ہے تو باہر بیٹھ کر باتیں کر، یا پھر ہم دونوں باہر چلتے ہیں، باہر کی سیر کریں گے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوگی باہر، چل اُٹھ، آ ذرا دیکھیں کیا ہو رہا ہے......؟''

''چلیے......!''

شاہان گہری سانس لے کر بولا۔ کم از کم اس جھونپڑی سے باہر نکل کر ارد گرد کا ماحول دیکھنے کا تو موقع ملے گا۔ کسی پُرفضاء مقام پر بیٹھ کر اس معصوم بلا سے گفتگو تو کی جائے کہ آخر یہ کہاں سے مجھ پر مسلط ہوگئی ہے......؟ چنانچہ وہ ان محترمہ کے ساتھ جھونپڑے سے باہر نکل آیا، لیکن ارد گرد کا ماحول دیکھ کر اس کے ہوش و حواس رُخصت ہو گئے تھے۔

تاحدِ نگاہ جھونپڑے ہی جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ پوری آبادی تھی جن کے بیچ میں سے گزر کر کسی پُرفضاء مقام کی تلاش بڑا ہی مشکل کام تھا۔ بہرصورت وہ ان خاتون کے ساتھ چلتا رہا۔ کچھ ننگ دھڑنگ بچے باہر نکل آئے تھے۔ مرد اور عورتیں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ گویا اتنی صبح یہاں صبح ہو جاتی تھی۔ سورج نکلا تو نہیں تھا، لیکن پہاڑیوں سے جھانک رہا تھا۔

حسین و نازک اندام محترمہ اسے لئے ہوئے بالآخر جھونپڑے سے پرے ایک جگہ پہنچ گئیں۔ وہ انتہائی بھدے خدوخال کی نوجوان لڑکی تھی جسے تن و توش کی بناء پر لڑکی کہنا انتہائی مشکل کام تھا۔ بہرصورت وہ لڑکی تھی اور یہ بھی کہتی تھی کہ پپو اس کا میاں ہے۔

''لاحول ولاقوۃ......!''

شاہان نے دل ہی دل میں ''لاحول'' پڑھی۔

''نام بھی کیا خوب رکھا ہے......؟ پپو......! توبہ توبہ......!''

''جی تشریف رکھئے......!''

اس نے لہجے میں عاجزی پیدا کر کے کہا اور گنبد پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''بیٹھ جا تو بھی یہاں۔''

اس نے شاہان کا دامن کھینچ کر کہا اور شاہان دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

''تم انسان ہو یا ہاتھی......؟''

''کیا مطلب ہے تیرا......؟''

ناز سے پوچھا گیا۔

''خدا کے واسطے......! مجھے اپنے بارے میں بتا دے۔ میں کہاں ہوں......؟ یہ کون سی جگہ ہے......؟ اور اچانک میں پپو کیسے بن گیا......؟''

''دیکھ پپو......! تو دارو پی لیتا ہے تو پھر اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ ہم تو تجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں اور تو، تو ایسے لگتا ہے جیسے غیر ہو۔ آخر میاں ہے ہمارا، شادی ہوئی ہے ہماری تجھ سے، کب تک ہم سے اجنبی اجنبی رہے گا......؟''

''ششش......شادی......؟ شادی بھی ہوگئی ہے......؟ اللہ......! یا اللہ......! مجھے میرے گناہوں سے محفوظ رکھ۔ بی بی......! یہ میری اور آپ کی شادی کب ہوگئی......؟''

''چھ مہینے ہوگئے ہیں اور تو آج تک مجھ سے یہی سوال کرتا ہے۔''

''میں اس مذاق کا متحمل نہیں ہو سکتا خاتون......! خدا کے لئے، اب اس مذاق کو ختم کر دیں۔ مجھے میری حیثیت سے آگاہ کر دو تاکہ میں یہاں سے جاؤں۔''

''کہاں جاؤں......؟ کیا پھر کہیں جائے گا......؟''

''جی ہاں......! تو پھر کیا آپ کے خیال میں آپ کی گود میں ہی پرورش پاتا رہوں گا......؟''

شاہان نے کہا اور عورت عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے نتھنے پھولنے، پچکنے لگے۔ اس نے دوپٹہ منہ پر ڈھکا اور اس کے بعد ایک عجیب و غریب آواز اُبھرنے لگی۔ ''بھیں بھیں'' کی آواز، جیسے کوئی بھیڑ مسلسل ڈکرا رہی ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ بین کرتی جا رہی تھی۔

''ہائے اللہ......! اب تو، تو ہمیں اس جہان سے اُٹھا ہی لے۔ اب تو اس دُنیا میں جی نہیں لگتا۔ ہائے میرے مولا......! ہائے میرے مولا......! ہمارا میاں ہم سے نفرت کرتا ہے۔ یہاں سے جانے کی سوچتا ہے۔ ارے سدو......! او شاہو......! ادھر آؤ، دیکھو یہ پھر جانے کی بات کرتا ہے......؟''

وہ زور زور سے دھاڑی اور شاہان کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتا، چار لمبے مسٹنڈے پہلوان ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے لڑکی کے پاس پہنچ گئے اور خونی نگاہوں سے شاہان کو دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا باجی......؟"

ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"ارے دیکھو بھائیو......! یہ رات کو پھر دارو چڑھا گیا تھا۔ ہوش میں آیا ہے تو پھر ویسی ہی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے بتادو کہ میں کون ہوں......؟ تا کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں۔"

"ہوں......!"

وہ چاروں شاہان کو گھورنے لگے۔

"ہوں......! تو تجھے بتادیں کہ تو کون ہے......؟ سسرے......! جب دارو برداشت نہیں ہوتی، تو پیتا ہی کیوں ہے......؟ بول، اب پیے گا......؟"

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے شاہان کا گریبان پکڑ لیا۔

"نہیں نہیں......! سالے صاحب......! ہرگز نہیں......! لعنت ہے اس دارو پر، کمبخت ہمیشہ دماغ خراب کر کے رکھ دیتی ہے۔ اب ہاتھ لگاؤں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔"

شاہان نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ لمبے آدمی نے اسے دوسرے پر دھکیل دیا۔ دوسرے نے تیسرے پر اور تیسرے نے چوتھے پر۔ جب چاروں اپنا فرض پورا کر چکے تو انہوں نے اسے اس لڑکی کی جانب دھکیل دیا، جسے اب لڑکی ہی کہنا مناسب تھا، عورت یا کچھ اور کہا تو یہ چاروں اس کی چٹنی بنا دیں گے۔"

شاہان نے سوچا اور وہ اس عورت کے ستون نما پاؤں پر اپنا بدن ٹکا کر بیٹھ گیا۔

"آپ بھی......آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں......؟"

شاہان نے اس کی ٹانگ پر اپنا منہ رگڑتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں ناراض ہوں گی......؟ تو ہی ایسی باتیں کرتا ہے۔ چل اب گھر چلیں، ناشتہ کرنا ہوگا تجھے بھی۔"

"جی ہاں......! چلیے چلیے......!"

شاہان نے کہا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ ستون بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ عجیب سی جوڑی تھی۔

شاہان دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا۔

"نہ جانے یہ کیا ہو گیا......؟"

بہر حال ناشتہ ملتا گندے سے برتن میں گندا سا ناشتہ جو اس کی شاعرانہ فطرت کے منہ پر جوتے کی مانند تھا۔ لیکن وہ خوفناک شخصیت سامنے بیٹھی ہوئی تھی جس کی ذرا سی "بھیں بھیں" کی آواز پر چار پہلوان جنوں کی طرح آ کر چار کونوں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ ناشتہ تو کرنا ہی تھا اور بڑی رغبت سے کرنا تھا۔ چنانچہ شاہان بڑی رغبت سے یہ ناشتہ کرتا رہا۔ اس دوران اسے ایک بار بھی اپنے لباس کا خیال نہیں آیا تھا۔ لیکن ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے اپنے پیٹ کر ہاتھ پھیرا تو دفعتہً اسے اس موٹے سے کرتے اور دھوتی کا احساس ہوا جو اس کے بدن پر تھے اور ایک بار پھر وہ ناچ کر رہ گیا۔

یہ سارا ڈرامہ معمولی نہیں تھا۔ بدلا ہوا لباس، شراب میں بے ہوشی کی دوا اور پھر یہ جگہ۔ یقیناً اس کے پس پشت کچھ اور ہے۔ اس نے سوچا۔ یہ سوال اس کے ذہن میں برابر کھٹک رہے تھے، لیکن ان وحشیوں کے درمیان یہ معلوم کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ محترمہ اپنے میاں کو ناشتے سے فارغ کرا چکی تھیں۔ چنانچہ اس کے بعد اور کوئی کام تو تھا ہی نہیں سوائے محبت بھری باتوں کے۔ کیونکہ شادی کو ابھی صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ لیکن شاہان چالاک آدمی تھا۔ جانتا تھا کہ کوئی بھی اُلٹی سیدھی بات اس کے لئے مصیبت بن جائے گی۔ چنانچہ دل پر جبر کر کے اس ہاتھی کی بچی کو بہلانے لگا۔

☆......☆......☆

نواب فاوق حسن خان نیک نفس آدمی تھے، بچوں کا دل رکھنے میں حاتم۔ چنانچہ تابش وغیرہ نے ان سے سفارش کی تھی کہ نواب احتشام حسن کو اس بات سے روکا جائے کہ وہ علی اور روکی کو افریقہ واپس بھجوادیں۔

"مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ احتشام ان لوگوں کو واپس بھیج رہے ہیں......؟"

فاروق حسن نے تابش سے پوچھا۔

"بس ماموں میاں......! دراصل یہ لوگ بے حد معصوم ہیں اور اکثر و بیشتر معصومانہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں اور چھوٹے ماموں میاں کا خیال ہے کہ ان کی وجہ سے ان کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نہ جانے ان کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ چنانچہ بس وہ ان سے ناراض رہتے ہیں۔ رات کو وہ دونوں پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے تو چھوٹے ماموں میاں وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے انہیں دھمکی دی کہ وہ انہیں واپس افریقہ بھیج دیں گے۔ دونوں بیچارے بے حد افسردہ اور ملول ہیں۔"

"ارے نہیں بھئی......! یہ کیسے ممکن ہے......؟ جتنے وہ احتشام کے عزیز ہیں، اتنے ہی وہ میرے بھی ہیں۔ بھلا ان کی حرکتوں سے میں کیوں ناراض ہوں گا......؟ یہاں احتشام کی کون سی بے عزتی ہوتی ہے۔ انہوں نے کون سا انہیں پیدا کیا ہے......؟ میں بات کرلوں گا ان سے، تم لوگ فکر ہی نہ کرو۔"

اور یہی ہوا۔ دوپہر کو احتشام حسن نے فاروق حسن سے بات کی۔

"بھائی صاحب......! میں چاہتا ہوں کہ ارقم الدین اور علی کو واپس افریقہ بھجوادوں۔"

"میاں......! کیوں چاہتے ہیں آپ یہ بات......؟"

نواب فاروق حسن نے پوچھا۔

"بس......! ایسے ہی بھائی صاحب......! میں سوچ رہا ہوں، اب یہاں ان کی موجودگی بے مقصد ہے۔"

"بھئی......! بچوں کی موجودگی تو بے مقصد نہیں ہوتی۔ وہاں انہیں کوئی کام بھی نہیں ہوگا، یہاں رہیں تو کیا حرج ہے......؟"

"حرج ہے بھائی صاحب......!"

"مثلاً کیا......؟ میں بھی تو سنوں......!"

نواب فاروق حسن نے پوچھا۔

"یہ دونوں انتہائی بیوقوف ہیں۔ ایسی اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں کہ بعض اوقات مجھے غصہ آ جاتا ہے۔"

احتشام حسن نے عجیب انداز میں کہا۔

"احتشام......! وہ سیدھے سادے بچے ہیں، فریب نہیں ہے ان کے اندر، جو دل میں آتا ہے، کرتے رہتے ہیں، ہمارا کیا بگڑ رہا ہے......؟"

"بھائی صاحب......! میں وہ......"

"چھوڑو یار......! کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئے......؟ بچے ہیں، ہنسنے بولنے دو، اور پھر تم خود بھی ان بچوں کے معاملات میں دخل ہی مت دیا کرو۔ اگر اپنی معصومیت میں بچوں کی سی حرکتیں کرتے رہتے ہیں تو کرنے دو۔ تم پر کیا اثر پڑتا ہے......؟"

"بھائی صاحب......! میں......"

"میں نے کہاناں......! بس ختم کرو ان باتوں کو، بچے ابھی نہیں جائیں گے۔ ابھی انہیں آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں......؟"

نواب فاروق حسن نے آخری فیصلے کے طور پر کہا اور نواب احتشام بڑے بھائی کے سامنے خاموش ہو گئے۔ لیکن سب کے چہرے کھل اُٹھے تھے۔ کسی نے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ کھانے کی میز پر بھی حرکتیں جاری رہی تھیں۔ شمائل کو نئے سرے سے مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس ڈرامے کو جاری رکھے۔ چنانچہ وہ اس وقت بھی اپنی حرکت میں مصروف تھی۔ ایک بار وہ مسکرا کر عالم پناہ کی طرف دیکھتی تو دوسری بار ارقم الدین روکی کی طرف، اور صورتِ حال یہ تھی کہ دونوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا تھا۔

بہرصورت دوپہر کے بعد جب تمام لوگ قیلولے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں پہنچ گئے تو شمائل، عالم پناہ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عالم پناہ ایک صوفے پر دراز آنکھیں بند کئے بیٹھے ہوئے تھے۔ دروازے سے روشنی اندر آئی تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور پھر ان کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

"آپ...... آپ...... آیئے، آیئے......! چشم ما روشن، دل ما شاد......!"

شمائل نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور عالم پناہ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ...... یہ...... ددد...... در...... دروازہ...... دروازہ...... میرا...... میرا مطلب ہے...... آپ نے یہ دروازہ کیوں بند کر دیا......؟"

"کیوں......؟ ڈر رہے ہیں کیا آپ......؟"

"ارے نہیں......! ڈرنے کی کیا بات ہے......؟ آپ کوئی ہمیں کھا تھوڑی جائیں گی۔ ہم تو صرف یہ سوچ رہے تھے......"

"کیا سوچ رہے تھے......؟"

"یہی کہ بند کمرے میں کسی نے آپ کو ہمارے پاس دیکھ لیا تو کیا سوچے گا......؟"

"کیا سوچے گا......؟"

شمائل نے سوال کیا۔

"بدنامی، رُسوائی ہو گی اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف ہو۔"

"ڈرتے ہیں، آپ ان دونوں چیزوں سے......؟"

"نہیں نہیں......! ہم تو جان ہتھیلی پر لئے تیار رہتے ہیں۔"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"ہر وقت......!"

شمائل نے سوال کیا۔

"جی ہاں......! ہر وقت۔"

"تو پھر رات کو آپ کو کیا ہو گیا تھا......؟"

شمائل نے سوال کیا۔

"کک...... کیا مطلب......؟"

"آپ تنہا کیوں نہیں آئے تھے وہاں......؟"

"وہ بس پہنچے تو تنہا ہی تھے، لیکن وہ بدنصیب ارقم الدین روکی، نہ جانے اس کمبخت کو کہاں سے اطلاع مل گئی......؟ ہمیشہ ہی ہماری راہ میں روڑے اُٹکاتا آیا ہے، ہمیشہ ہی سے میرے لئے مصیبت بنا ہوا ہے۔ کہیں یہ نہ ہو کہ کسی دن ہم اس کی گردن مروڑ کر پھینک دیں۔"

"نہیں نہیں......! آپ کو ایسی بدتہذیبی کی بات نہیں کرنی چاہئے۔"

شمائل نے پُرمحبت لہجے میں کہا۔

"بدتہذیبی کی بات نہیں ہے۔ اب تم دیکھوناں کہ وہاں بھی ہماری محبت میں رخنے اُٹکانے پہنچ گیا۔ آخر کیا ضرورت تھی اسے ہمارا تعاقب کرنے کی......؟ تم نہیں آئی تھیں وہاں پر......؟"

"پہنچی تھی، لیکن وہاں کا ہنگامہ دیکھ کر خاموشی سے واپس چلی آئی۔ آپ خود سوچئے، کیا بدنامی کا اس سے اچھا موقع اور کوئی ہو سکتا تھا......؟"

"نہیں......! ہرگز نہیں......! ہم کیا بتائیں......؟ کیا کریں......؟ اس آدمی سے ہماری جان چھوٹنا بڑا ہی مشکل ہے۔ کوئی ایسی ترکیب کرو شمائل......! کہ ہم اس سے بچ جائیں۔"

"اس میں ترکیب کی کیا بات ہے......؟ بس آپ انہیں گھاس ہی نہ ڈالا کریں۔"

"کہاں ڈالتے ہیں ہم گھاس......؟ بس وہ خود ہی سایے کی طرح ہمارے پیچھے لگا رہتا ہے۔"

"خیر......! چھوڑیں ان باتوں کو۔ سنائیے......! کیسے مزاج ہیں آپ کے......؟"

"بس......! دُعائیں ہیں آپ کی۔"

"کیا ہو رہا تھا......؟"

"بس......! آنکھیں بند کئے آپ کا تصور کئے بیٹھے تھے۔"

"اچھا اچھا......! کیا خیال تھا آپ کے ذہن میں......؟"

"بس......! یہ کہ آپ نہ جانے کیا کر رہی ہوں گی......؟ یوں کہئے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ہم نے آپ کو یاد کیا اور آپ یہاں آ گئیں۔"

"بہر صورت، اب آپ نے دامن پکڑا ہے تو چھڑا نہ لیجئے گا۔"

شائل نے کہا اور عالم پناہ شدتِ جذبات سے بے قابو ہو گئے۔

"بھلا ہم چھوڑ دیں......؟ ہماری یہ مجال......؟ ہم نے زندگی میں کسی کا دامن چھوڑا ہے آج تک......؟ مم......میرا مطلب ہے کہ آپ یہ تردد تو بالکل نہ فرمائیں۔"

"اچھی بات ہے......! تو پھر آج شام کا کیا پروگرام ہے......؟"

"آپ ہی طے کر لیں۔"

"کہیں سیر کو چلیں۔"

"چلئے......! لیکن تنہا کیسے جائیں گے......؟"

"اچھا تو پھر میں کچھ اور کوشش کروں گی۔ میں اس لئے آپ کے پاس آئی تھی کہ رات کو تو باتیں نہ ہو سکی تھیں۔ ابھی چند منٹ کے لئے ہو آؤں۔ اب چلتی ہوں۔"

"ارے نہیں......! ابھی بیٹھئے......!"

"نہیں......! پھر آؤں گی۔ کہیں کوئی آ نہ جائے۔"

"بہت بہتر، بہت بہتر......! ہم آپ کو نہ روکیں گے۔ اس لئے کہ ہم آپ کی رُسوائی اور بدنامی نہیں چاہتے۔"

علی نے کہا اور شائل باہر نکل آئی۔ دروازے کے باہر البتہ اس نے جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ کہیں کوئی اور تو نہیں ہے......؟ باہر نکل کر اس نے دروازہ اطمینان سے باہر سے بند کر دیا اور اب اس کا رُخ روکی کے کمرے کی جانب تھا۔ روکی کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دلربا کے تاروں کی ٹن ٹن سنائی دے رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہو گئی اور روکی اسے دیکھ کر اُچھل پڑا۔

"دلربا......!

او میری دلربا......!

ذرا سنتی جا......!

او میری دلربا......!

میں بن جاؤں تیرے گلے کا ہار......!

تو ہے میری بہار......!

او میری دلربا......!"

روکی کے بے سُرے انداز پر شائل نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ پر قابو پایا تھا۔ پھر اس نے روکی سے کہا۔

"دماغ خراب ہوا ہے کیا......؟ یہ چیخم دھاڑ مچا کر کیا سب لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہتے ہو......؟"

"سوری سوری......!"

روکی نے جلدی سے گٹار ایک طرف رکھ دیا۔

"بس......! کیا بتاؤں......؟ دل بے قابو ہو جاتا ہے۔"

"ہاں ہاں......! یقیناً بے قابو ہو جاتا ہوگا۔ میں رات کے واقعے کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"آہ......! رات کا واقعہ......؟ یہ عالم پناہ......! ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ در بدر کا کر کے چھوڑیں گے یہ عالم پناہ......!"

روکی سرد آہیں بھرنے لگا اور شائل نے ہنسی چھپانے کے لئے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولی۔

"ایسا ہی لگتا ہے مجھے بھی۔"

"مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

ارقم الدین عرف روکی دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"پھر شور مچانا شروع کر دیا آپ نے......؟"

شائل غرائی اور روکی ایک بار پھر بیٹھ گیا۔

"میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔ اب دیکھئے ناں، کمبخت رات کو میری بو سونگھتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔"

"روکی صاحب......!"

شائل نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور روکی بل کھانے لگا۔

"جی جی......!"

اس نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"آپ کو کبھی ان جھاڑیوں کا احساس ہوا ہے جو آپ کے چہرے پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں......؟"

"جھاڑیاں......؟"

ارقم الدین، روکی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں......! سلیقہ تو آپ میں نام کو نہیں ہے۔ آپ کا کیا پتا کہ آپ کو اس حال میں دیکھ کر مجھ پر کیا بیتتی ہے......؟"

"کیا بیتتی ہے......؟"

روکی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"بس......! میرا دل خون ہو کر رہ جاتا ہے۔ آہ......! خون خون......! خون ہی خون......!"

"آپ...... آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میرا دل بھی خون ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن آپ میری ڈاڑھی سے اتنی الرجک کیوں ہیں......؟"

☆......☆......☆

"اس لئے کہ آپ اس میں اچھے نہیں لگتے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خبط الحواس ہیں۔ کسی صحیح الدماغ آدمی کو اس طرح بال بکھرائے نہیں پھرنا چاہئے۔"

"ہاں......! یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مگر ہم کیا کرتے......؟ اب تک اس دُنیا میں بے سہارا تھے، تنہا تھے۔"

روکی کا ہاتھ پھر گٹار کی جانب رینگ گیا اور شائل اسے گھورنے لگی۔

"آپ نے پھر گٹار کی طرف رُخ کیا......؟"

"تت...... تو آپ گھور کیوں رہی ہیں......؟ دراصل اس کے بغیر ہم سے گفتگو نہیں ہوتی۔"

روکی نے معصومانہ انداز میں کہا اور شائل نے ان کے گٹار پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پہلے گفتگو کریں، اس کے بعد یہ رقص و موسیقی کا چکر چلائیں۔"

"جی جی......!"

"تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا......؟"

"کس سلسلے میں......؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ اپنا چہرہ درست کرائیں۔"

"ہوں...... لیکن بڑا عجیب لگے گا مس شائل......!"

روکی اپنے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"بہرصورت، میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ آج شام تک آپ کا چہرہ بالکل درست ہونا چاہئے۔ ڈاڑھی منڈوا دیں، بال بالکل کٹ جانے چاہئیں، اور آپ ترتیب سے نظر آئیں۔"

"شام تک......؟ اچھا......!"

روکی نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"تو پھر میں چلتی ہوں۔"

"سنئے......! سنئے تو سہی......! دوبارہ کہاں ملاقات ہوگی......؟"

"اس کا وقت بعد میں طے ہو جائے گا۔ بہرحال رات کے کھانے پر تو ملاقات ہوگی ہی۔"

"بہت بہتر......!"

روکی نے کہا اور شائل اس کے کمرے سے نکل آئی۔ ارقم الدین روکی آئینے کی جانب جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ حسرت سے اپنی اس خوب صورت ڈاڑھی کو دیکھ رہا تھا، جسے اس کی محبوبہ جھاڑ جھنکاڑ کہہ رہی تھی۔ بکھرے ہوئے بال افریقہ میں بہت مقبول تھے، لیکن شائل کو پسند نہ تھے۔ جبکہ افریقہ میں لڑکیاں ایسے بالوں والے مردوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتی تھیں۔

"لیکن طریقہ کار ہے اپنا اپنا۔ یہاں کی لڑکیاں ان بالوں کو پسند نہیں کرتیں۔"

شائل کا خیال آتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پہلی شخصیت تھی جس نے اس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔

"ارے......! اس پر تو یہ سارے بال قربان......!"

ارقم الدین نے سوچا اور باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ رات کو ڈنر ٹیبل پر ہی ارقم الدین، روکی کو دیکھا گیا تھا۔ تمام لوگ پہنچ چکے تھے، بس روکی نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ عالم پناہ بھی پہنچ گئے تھے۔ تابش کی نگاہیں کئی بار دروازے کی جانب اُٹھ چکی تھیں۔ شاید شائل نے اسے حقیقت بتا دی تھی۔ پھر ایک شخص اندر داخل ہوا اور لوگ اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ عجیب منّے کی شکل کا آدمی تھا۔ پچکے ہوئے گال، دُبلا پتلا بدن، بال انگریزی اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے، چہرہ صاف ستھرا۔ لوگوں نے اسے دیکھا اور خود احتشام صاحب بھی چونک پڑے تھے۔

"یہ...... یہ...... یہ......"

ان کے منہ سے نکلا اور پھر ان کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔

"ارے روکی......؟ روکی......!"

بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔ سب نے روکی کا چہرہ دیکھا۔ روکی گردن جھکائے کھڑا تھا اور پھر ڈائننگ ٹیبل پر ہی قہقہوں کا طوفان برپا ہو گیا۔

"ارے روکی......! روکی بیٹا......! تمہیں کیا ہوا......؟"

نواب فاروق حسن ہنستے ہوئے بولے۔

"بس......! کچھ نہیں چچا جان......! میں نے سوچا کہ...... وہ...... وہ...... وہ...... میرا مطلب ہے، جیسا دیس، ویسا بھیس۔ اس وجہ سے میں نے چہرہ صاف کرالیا۔"

"بہت عجیب لگ رہے ہو بھائی......! یقین ہی نہیں آتا کہ یہ تم ہو۔"

لڑکے اورلڑکیاں حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔ وہ اس وقت بزرگوں کی موجودگی ہی بھول گئے تھے اور قہقہوں پر قابو پانا ہی مشکل ہو رہا تھا۔ ارقم الدین روکی متحیرانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہ شائل کی جانب اُٹھ گئی اور اسے انتہائی سکون کا احساس ہوا۔ شائل محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر پُرسکون مسکراہٹ تھی۔ وہ دوسروں کی طرح قہقہے نہیں لگا رہی تھی۔ چنانچہ ارقم الدین روکی اکڑتا ہوا اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

☆......☆......☆

اینڈرسن خاصا خطرناک آدمی شمار کیا جاتا تھا۔ تن وتوش میں وہ دیو قامت تھا۔ تقریباً تیس افراد اس کے ملازم تھے۔ یہ سب کے سب جرائم پیشہ ڈاکو یا قاتل تھے۔ اینڈرسن کا کاروبار بھی اچھا خاصا تھا۔ تین جوئے خانے چلتے تھے، اس کے علاوہ مجرمانہ زندگی کے تمام کاموں میں وہ طاق تھا۔ وہ بے حد لالچی انسان تھا۔ دولت جس ذریعے سے بھی آتی، اسے حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ کئی سال پہلے بھی اس نے گولیور کے لئے کام کیا تھا۔ لیکن گولیور پولیس کے شکنجے میں آ گیا تھا۔ البتہ وہ ایک انتہائی قابل اعتبار آدمی ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ گرفتار ہونے کے بعد اس نے کسی کا نام نہیں لیا تھا۔

چنانچہ اس بار بھی جب اس نے اینڈرسن کو بلوایا تو ایڈرسن خوشی سے اس کے لئے کام کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس بار گولیور کے ارادے کچھ زیادہ ہی خطرناک تھے۔ نہ جانے وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ بہرصورت اینڈرسن کو گولیور کی ماتحتی میں کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی خدمات گولیور کو پیش کر دی تھیں، لیکن گولیور کو اس بار شاید زیادہ افراد کی ضرورت تھی۔ اس نے اینڈرسن سے کہا تھا کہ اس کے اپنے معیار کے جتنے افراد مل جائیں، انہیں حاصل کر لیا جائے اور ان کے لئے ہر قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔

گولیور نے اینڈرسن کے نام پر پچیس لاکھ روپے سے بینک میں اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔ یہ رقم صرف اس لئے مہیا کی گئی تھی کہ اینڈرسن، گولیور کی ضرورت کے مطابق افراد مہیا کرنے میں جتنا چاہے خرچ کر لے، اور اینڈرسن بے حد مطمئن تھا اور گولیور کو اعتماد میں لے کر کام کرنا چاہتا تھا۔ گولیور کی اچانک طلبی پر وہ ایک لمحے کے لئے پریشان سا ہوا۔ لیکن وہ پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ طویل القامت اور خطرناک صورت والے شاطر نے اینڈرسن کا استقبال کیا۔ اینڈرسن نیازمندانہ انداز میں اس کے پاس پہنچا تھا۔

"جناب والا......!"

اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے، بیٹھ جاؤ......!"

"شکریہ جناب......! میں کافی اُلجھا ہوا ہوں آپ کے لئے۔"

"کیوں......؟ خیریت......؟"

گولیور نے پوچھا۔

"جناب والا......! اس مکان میں آپ کے لئے قیام کرنا شایانِ شان نہیں ہے۔ مجھے آپ کو یہاں بے حد تکالیف ہوں گی۔"

اور گولیور مسکرانے لگا۔

"تم جیسے آدمی سے میں اس بات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ ظاہر ہے، اگر میں چاہوں تو یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل خرید سکتا ہوں۔ کہیں بھی قیام کر سکتا ہوں میں۔ لیکن تم نہیں سمجھتے۔ بہرصورت، میں زیادہ عرصے تک یہاں نہیں رہوں گا۔ مجھے اپنے لئے کوئی بہتر جگہ بنانی ہی پڑے گی، لیکن حالات سے مطمئن ہونے کے بعد۔ تم موجودہ صورتِ حال کے بارے میں بتاؤ، کتنے افراد تم نے مہیا کر لئے ہیں......؟"

"آٹھ آدمیوں سے رابطہ قائم ہو گیا ہے جناب......! دراصل معیار کی بات ہے۔ یوں تو لُچے لفنگے سینکڑوں افراد مل جاتے ہیں جن میں کام کے لوگ بھی نکل آتے ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ملیں جو آپ کے معیار پر پورے اُتریں۔ ویسے اس قسم کے لوگ آج کل دستیاب نہیں ہیں۔"

اینڈرسن نے کہا۔

"کیوں......؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"کیا وجہ ہے......؟"

گولیور نے پوچھا۔

"گل زادی......!"

"یہ کیا وجہ ہوئی......؟"

"گل زادی ایک شخصیت کا نام ہے۔"

"اوہ......! کون ہے وہ......؟"

گولیور نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک عجیب و غریب کردار جناب......! بظاہر وہ ایک شریف آدمی کا بیٹا ہے۔ شکل و صورت سے خود بھی شریف نظر آتا ہے لیکن اس کی اصل شخصیت دوسری ہے۔"

"گڈ......! کوئی دلچسپ شخصیت ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"جی ہاں جناب......! وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔ اتنا شاطر کہ عام لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شہر کے بڑے بڑے غنڈوں کو اس نے ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ وہ بے حد خطرناک انسان ہے اور کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرتا۔"

"ہماری ماتحتی بھی قبول نہیں کرے گا......؟"

گولیور نے مسکرا کر پوچھا۔

"ناممکن ہے جناب......! ویسے وہ اگر کسی طرح ہمارے گروہ میں ضم ہو جائے تو یوں سمجھ لیں، پوری ایک فوج ہمارے ساتھ ہو جائے گی۔"

اینڈرسن نے بتایا۔

"بھئی واہ......! یہ دلچسپ بات تم نے اب تک مجھ سے کیوں چھپائی تھی......؟ تم مجھے اس کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔"

"بس جناب......! شہر کے بڑے بڑے غنڈوں سے خراج وصول کرتا ہے اور ایسے لوگوں کی تاک میں رہتا ہے جو خود کو کچھ سمجھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کو نیچا دکھانا اس کا دلچسپ مشغلہ ہے۔"

"بہت خوب......! بھئی بہت خوب......! تم نے تو ہمیں زبردست اشتیاق دلا دیا ہے۔ کہاں...... کہاں ملتا ہے وہ......؟"

"اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے جناب......! میں نے کہا ناں، اپنی بدلی ہوئی شخصیت میں تو اسے کبھی بھی پکڑا جا سکتا ہے۔ لیکن گل زادی کی حیثیت ذرا مختلف ہے۔ آج تک اس کے دُشمن اس کی دوسری شخصیت میں اسے گل زادی ثابت نہیں کر سکے اور نہ ہی انہوں نے اس کی جرأت کی ہے۔ کیونکہ انہیں اندازہ ہے کہ اگر وہ اس کے خلاف ایسی کوئی کوشش کریں گے تو وہ ان کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہو گا۔"

"چلو ٹھیک ہے......! ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کریں گے اور نہ ہی ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا تم اس سے ملاقات کا وقت مقرر کر سکتے ہو اینڈرسن......؟"

"نہیں جناب......! میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، ورنہ پھر مجھے کام کرنے میں دُشواری پیش آئے گی۔ اگر وہ میری راہ پر لگ گیا تو پھر آپ یقین کریں کہ نہ صرف میرے لئے، بلکہ آپ کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

اینڈرسن نے کہا اور گولیور کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔ گولور عجیب سی نگاہوں سے اینڈرسن کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے طویل سانس لے کر کہا۔

"تمہاری زبانی یہ سب کچھ سن کر مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے اینڈرسن......! کیا ایسی کوئی شخصیت بھی ہے اس ملک میں......؟"

"تھی نہیں، اب پیدا ہو گئی ہے۔"

"کہتے رہو......! مجھے اس کے بارے میں تفصیل معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی۔ کیا حدود اربعہ ہے اس کا......؟"

"ایک حسین صورت نوجوان ہے، عمر چوبیس پچیس کے لگ بھگ ہے، بے حد خطرناک ہے، نام شہروز ہے لیکن دوسرا نام گل زادی ہے۔ وہ ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے، لیکن شاید اس کے حالات سے اس کے باپ کو بھی واقفیت نہیں ہے۔ نہ ہی گل زادی نے کسی معاملے میں اپنے باپ سے مدد لی ہے۔"

"باپ کا نام......؟"

"نواب فاروق حسن خان......!"

"تو کیوں نہ گل زادی کو ٹھیک کرنے کے لئے اس کے باپ سے رابطہ قائم کیا جائے......؟"

"میری کچھ اور رائے ہے جناب......!"

اینڈرسن کی قدر پریشان لہجے میں بولا۔

"کیا......؟"

"اگر ہم اس سے دُور رہ کر ہی اپنا کام کرتے رہیں تو کیا حرج ہے......؟ اس کا معاملہ دوسرا ہے، ہم باہر سے آدمی پکڑیں گے۔ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"تم اس سے بہت خوفزدہ معلوم ہوتے ہو اینڈرسن......؟"

"یہ بات نہیں ہے مسٹر گولیور......!"

"پھر......؟"

"مقامی گروہ میں اس وقت آپ کے پاس سب سے شاندار آدمی کون ہے......؟"

اینڈرسن بولا۔

"نمبر ایک تم......! نمبر دو، رازی......!"

"اگر میں خود کو نمبر دو کہوں تو کیا آپ میری جگہ کسی اور کو دینے کے لئے تیار ہیں......؟"

اینڈرسن نے سوال کیا اور گولیور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد رازی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا۔

"تو پھر میری ایک درخواست قبول کر لیں جناب......! آپ گل زادی کے سلسلے میں رازی سے اور بات کر لیں۔"

"ہوں......! میں سمجھ رہا ہوں۔ اچھا، تمہاری خواہش کے مطابق ہی عمل کر لیتا ہوں۔"

گولیور نے کہا اور نزدیک رکھا ہوا فون اپنی جانب کھسکا لیا۔ ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے ریسیور کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعت کے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"کس سے ملنے کا ہے بابا......؟"

"رازی کہاں ہے......؟"

"اوہ......! رازی صاحب اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ پر آپ بولو، آپ کون ہے......؟ اور کیوں اس سے ملنے کو مانگتا ہے......؟"

"بکواس بند کرو......! اور رازی سے کہو کہ گولیور اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"ارے بپارے بپا......! گو...... گو...... لیور......؟"

دوسری طرف سے گھگھیائی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر ریسیور شاید کریڈل سے الگ رکھ دیا گیا۔ پیچھے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً وہ شخص گولیور کی شخصیت سے واقف تھا جس نے فون اُٹھایا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد رازی کی آواز سنائی دی۔

"سر......! کیا...... کیا درحقیقت یہ آپ ہی ہیں......؟"

"ہاں رازی......! کن گدھوں کو ٹیلی فون کے پاس بٹھا دیتے ہو......؟"

گولیور نے کہا۔

"وہ جی......! بس...... میرا ایک کاروباری مشیر ہے، مگر آپ بالکل بے فکر رہیں۔ وہ موم کا آدمی ہے۔ جو سنتا ہے، اسے کبھی نہیں یاد رکھتا۔"

"فضول باتوں سے پرہیز کرو رازی......! مجھے تم سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں۔ کیا فون پر مناسب رہیں گی......؟"

"جی ہاں جناب......! یہ فون انتہائی محفوظ ہے۔"

"ہوں......!"

گولیور نے ایک گہری سانس لی، پھر بولا۔

"رازی......! تمہیں ایک آدمی کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرنا ہے۔"

"کس وقت تک باس......؟"

رازی نے سوال کیا۔

"کتنی جلدی یہ کام کر سکتے ہو......؟"

گولیور نے مسکرا کر کہا۔

"باس......! اگر وہ آدمی اسی شہر میں ہے تو ایک گھنٹے کے اندر اندر، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ۔"

رازی نے جواب دیا۔

"اور اگر میں اس کی گرفتاری کے لئے تمہیں آٹھ گھنٹے دے دوں تو......؟"

"تو پھر مجھ سے اس کے پورے خاندان کی گرفتاری کی بات کیجئے باس......!"

"ویری گڈ......! رازی......! مجھے تم سے اسی بات کی اُمید تھی۔ بہرصورت، آج شام کو آٹھ بجے تک وہ آدمی میرے پاس ہونا چاہئے۔ جس طرح بھی لا سکتے ہو، اسے لے کر آ جاؤ۔"

"کون ہے باس......؟ نام بتائیں اس کا......؟"

"گل زادی......!"

گولیور نے جواب دیا اور پھر اس نے ریسیور گرنے کی آواز صاف سنی تھی اور پھر شاید فون ہی خراب ہو گیا۔ دوسری طرف سے سائیں سائیں کی آواز اُبھر رہی تھی اور گولیور حیرانی سے دوسری طرف کی آواز کا منتظر رہا تھا۔

پھر وہ زور سے دھاڑا۔

"کہاں مر گئے تم رازی......؟"

"یقیناً وہ بے ہوش ہو گیا ہو گا جناب......!"

اینڈرسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بکواس......! فضول حماقت......!"

گولیور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ کافی دیر تک وہ ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔ پھر اس نے ٹیلی فون کا ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اُٹھی اور اس نے دوبارہ ریسیور اُٹھا لیا۔

"کون ہے......؟"

"رازی بول رہا ہوں باس......!"

"کہاں مر گئے تھے تم......؟"

"وہ باس......! ٹیلی فون میں اچانک خرابی پیدا ہو گئی تھی۔"

رازی کی آواز میں اب وہ سختی اور جوش نہیں تھا۔ اب وہ مردہ مردہ سی آواز میں بول رہا تھا۔

"کیا خرابی تھی ریسیور میں......؟ کیا وہ تمہارے ہاتھ سے گر پڑا تھا......؟"

"ہاں باس......!"

رازی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیوں......؟"

"گل زادی کا نام سن کر۔"

"یہ گل زادی کوئی جن ہے یا بھوت......؟ یا پھر کوئی خلائی مخلوق ہے جو تم اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہو......؟"

"باس......! وہ کوئی جن ہوتا، بھوت ہوتا یا کوئی خلائی مخلوق ہوتی تو شاید ہم اس سے اس قدر خوفزدہ نہ ہوتے۔ لیکن...... لیکن باس......!"

"بکواس بند کرو رازی......! مجھے اُمید نہیں تھی کہ تم لوگ اتنے بزدل ثابت نہیں ہو گے......؟ تمہاری یہ حرکتیں اس شخص کو میرے سامنے بہت کچھ بنا کر پیش کر رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اچھی خاص رقم فراہم کر رہا ہو اور اس فارمولے پر عمل کر رہا ہو کہ رقومات دے کر اپنی دہشت پھیلا دی جائے۔ تم ان ہتھکنڈوں کو نہیں سمجھتے رازی......! یہ ایک باقاعدہ سائنس ہے۔ آدمی کچھ بھی نہ ہو، بس اپنی شہرت کرا دے، خواہ اس کے لئے اسے کتنا ہی روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ پھر اس شہرت کے ذریعے اپنی لگائی ہوئی ساری پونجی کما لیتا ہے۔ گل زادی مجھے ایسے ہی لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں باس......! ایسی بات نہیں ہے۔ آپ شہر کے بلکہ اس کے قرب و جوار کے کسی بھی خطرناک ترین آدمی سے رابطہ قائم کریں اور گل زادی کی گرفتاری کی بات کریں اس سے، تو اس کی بھی یہی کیفیت ہوگی جو میری ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے......! میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کروں گا جو اس سے خوفزدہ نہ ہو۔ تم لوگوں نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ مجھے اپنے کام کو پس پشت ڈالنا ہوگا۔ کیونکہ میں کسی ایسے آدمی کا وجود اس شہر میں برداشت نہیں کرتا جس سے لوگ خوفزدہ رہتے ہوں اور جو میرے نام سے آگے بڑھ جاتا ہو۔"

گولیور نے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اینڈرسن خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ پھر گولیور اس کی جانب دیکھ کر غرایا۔

"جاؤ، آرام کرو تم لوگ، عیش کرو، کوئی کام نہیں ہے اس وقت میرے پاس۔ پہلے میں گل زادی کے مسئلے کو دیکھوں گا، اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں تم لوگ میری کوئی مدد نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ تم سب بزدل چوہے ہو۔"

"باس......! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

اینڈرسن نے کہا۔

"گیٹ آؤٹ......!"

گولیور دھاڑا اور اینڈرسن شانے ہلا کر اُٹھ گیا۔ پھر وہ خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔ اسے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد آ رہا تھا۔ اگر پانی کے گلاس پر انگلیوں کے نشانات بھی پڑ جاتے تھے تو وہ گلاس ملازموں کے سر پر ٹوٹتا تھا۔ لیکن اس وقت صورت حال کیا تھی......؟ برتنوں کا غلیظ ڈھیر جن پر مکھیاں بھنک رہی تھیں، راکھ میں لتھڑے ہوئے ہاتھ جن کی خوب صورتی برقرار رکھنے کے لئے وہ ہزاروں روپے ماہوار خرچ کر رہی تھی، برتن صاف کرتے ہوئے وہ رو پڑی۔ پھر کمبخت موسی آ گئی۔

"ارے ارے......! ابھی برتن ہی دُھل رہے ہیں......؟ ارے......! میں کہوں ہوں بہو......! تیری موت آئی ہے......؟ کیا کرے گی تو آگے چل کر لے بھلا......؟ ابھی یہ چار برتن دھوئے ہیں تو نے......؟"

"تو پھر آ گئی کھوسٹ......؟"

عالیہ شاہ دھاڑی۔

"ایں......؟ کیا کہا مجھے......؟ کھوسٹ......؟ کھوسٹ کہا مجھے......؟ جان لے لوں گی تیری۔ اپنی جان دے دوں گی۔ کیا سمجھ کر کہا تو نے مجھے کھوسٹ......؟"

موسی نے آگے بڑھ کر عالیہ شاہ کے بال پکڑ لئے۔ عالیہ شاہ بھی کھڑی ہوگئی۔ وہ اس بوڑھی کو اب بالکل ٹھیک کر دینا چاہتی تھی لیکن دفعتہً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور دوسرے لمحے وہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار

ہوگئی۔

"بوڑھی......! مسٹنڈی......! مردود......! تیری موت میرے ہاتھوں آئے گی۔ اسے یاد رکھ لے۔"

"ارے......! تیرا ستیاناس......! موت آئے تجھے......! تیری زبان نکالے بغیر نہیں چھوڑوں گی۔"

بوڑھی بال پکڑ پکڑ کر اسے مارنے لگی۔ عالیہ شاہ جیسی تندرست عورت کے لئے یہ مار کچھ نہیں تھی، لیکن وہ زور زور سے چیخنے لگی تھی اور ذرا سی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔

"ابھی دھوتی ہوں موسی......! مجھے نہ مارو، میں بیمار ہوں۔"

وہ زور سے بولی اور پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"بوڑھی کتیا......! تیری آنکھیں نکال کر جوتوں سے نہ مسلیں تو میرا بھی نام نہیں۔"

"کتیا ہوں میں......؟ کتیا ہوں......؟ ایں......؟"

بوڑھی اور زور زور سے اسے مارنے لگی۔

"موسی جی......! تم میری ماں ہو، مجھے نہ مارو۔"

عالیہ شاہ زور سے بولی اور موسی نے ایک زوردار ہاتھ اس کے پیٹ پر مارا۔ لوگ صرف بوڑھی کی باتیں سن رہے تھے، عالیہ شاہ جو کچھ کہہ رہی تھی، وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بہت سے لوگوں نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی، لیکن عالیہ شاہ بس ایسے ہی کسی ہاتھ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔

"تو بھی جانور ہے موسی......! مار ڈالا غریب کو۔"

کسی نے کہا۔

"ہائے ہائے......! ایسی ہی موم کی بنی ہوئی ہے۔ ارے......! مکر کر رہی ہے مسٹنڈی......! میں نے زور سے تھوڑی مارا ہے۔"

"تو پھر یوں کر، کوئی بڑا سا پتھر اُٹھا اور مار دے سسری کے سر میں۔ ایک بار ہی جھگڑا ختم ہو جائے۔ تو، تو اس کی جان کی دُشمن ہے۔"

"ارے......! واہ واہ......! تیرے دل میں کیوں اس کا بیچ ٹپک رہا ہے......؟ تو کون ہوتا ہے میرے بیچ میں بولنے والا رے......؟"

"کیوں نہیں ہوتا......؟ میں بھی اس بستی میں رہتا ہوں۔ میں اس پر تیرا یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔"

"تو کر لے، کیا بگاڑے گا میرا......؟ بگاڑ، بگاڑ تو سہی، اور ناک کاٹ لے میری، چوٹی کاٹ دے۔"

"دیکھ موسی......! تو، تو پاگل ہوگئی ہے۔ ارے......! تم لوگ ذرا اسے دیکھو، کیسے تڑپ رہی ہے......؟ کہیں اُلٹی سیدھی چوٹ تو نہیں لگ گئی......؟ مر ہی نہ جائے کہیں بیچاری......"

اسی شخص نے پھر کہا۔

☆......☆......☆

"ارے......!ہاں ہاں......!مر گئی کیوں ناں......؟ ایسے تو ضرور مر جاتے ہیں......؟"

موسی نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"ارے......!ہاں ہاں......!ایسے نہیں مرتے، تو پھر کیسے مرتے ہیں......؟ آج آنے دو شیدے کو، فیصلہ ہو جائے گا کہ تو اس بستی میں رہے گی یا ہم رہیں گے......؟ حد ہو گئی ہے تیرے مظالم کی۔"

"کیا ہو گیا رحیمو بھائی......؟"

کسی نے پوچھا۔

"خود آ کر دیکھ لو، کیا ہوا ہے......؟ تمہاری ماں اس بیچاری کے اوپر ظلم کر رہی ہے......؟"

"ارے......!پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی......؟ کیا بات ہے موسی......؟"

"چل چل......!میرے منہ نہ لگ۔"

"کیا بات ہے......؟"

"اُٹھا کر لے جا اپنی اس ہوتی سوتی کو، یہ دیکھ برتن دھونے بیٹھی تھی۔ چار برتن دھوئے ہیں ابھی اور پھر مجھ سے منہ چلانے لگی۔"

"تو پھر......؟"

اس شخص نے پوچھا۔

"پھر کیا......؟ مارا میں نے سسری کو۔"

"ماں......!شیدا کیا سوچے گا......؟ کیا سوچے گا وہ......؟ وہ تیری اتنی عزت کرتا ہے اور تو اس کی جورو کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے......؟"

"ارے......!عزت کرتا ہے تو کرے، نہیں کرتا تو نہ کرے، ہم تو کام لیں گے۔"

"ارے......!کیا ہو گیا موسی جی......؟ ارے......!یہ بھابی کو کیا ہو گیا......؟"

"دیکھ لو تم لوگ، مار مار اس کا برا حشر کر دیا ہے۔"

عالیہ شاہ اب گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور اس کی آنکھیں اب بند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ اس طرح سے تڑپ رہی تھی جیسے اس کا دم نکل رہا ہو۔ تقریباً سب لوگ تشویش کا شکار ہو گئے۔ پھر بڑے اہتمام سے عالیہ شاہ کو اُٹھایا گیا اور اس کی جھونپڑی میں لے جایا گیا۔ یہاں اس کے لٹانے کی تیاریاں ہوئیں، کوئی پنکھا جھل رہا تھا، کوئی پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر ڈال رہا تھا، لیکن عالیہ شاہ کو اب آئیڈیا ہو چکا تھا کہ جان بچانے کا کیا طریقہ ہے......؟ چنانچہ چند ساعت کے بعد وہ ساکت ہو گئی۔

"ارے ارے......!موسی......!دیکھ تو سہی اسے۔"

"اے میں نہیں دیکھتی، تم لوگ خود ہی دیکھتے رہو۔"

"موسی......!اگر یہ مر گئی تو اس کی قاتل تو ہی کہلائے گی۔"

"ہاں ہاں......!پھانسی لگوا دینا مجھے، قاتل کہلواؤں گی۔ ایسے ہی تھپڑ مارنے سے مر جائیں جو لوگ، تو پھر دُنیا میں زندہ کون بچے......؟"

موسی منہ ٹیڑھا کر کے بولی۔

"موسی......!تو نے اس کے پیٹ میں لات ماری ہے۔ تھپڑ مارا ہوتا تو اس کی اتنی بری حالت نہ ہوتی۔"

"اے اے......!خدا کے غضب سے ڈر......!لات تو میں نے چلائی بھی نہیں۔"

موسی اب کسی قدر گھبرائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"آنے دو شیدے کو موسی......!اب تجھے معاف نہیں کیا جائے گا۔"

"ارے......!ہاں ہاں......!معاف نہیں کیا جائے گا......؟"

موسی کسی قدر جھلائی ہوئی جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔ لڑکیاں عالیہ شاہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں، لیکن عالیہ شاہ نے اب ایک اور ترکیب سوچی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لئے سانس روک لی جس کی اسے اچھی خاصی مشق تھی۔ کسی بوڑھی نے اسے دیکھا اور سینہ پیٹتی ہوئی بولی۔

"لو......!گئی یہ تو......یہ تو گئی۔"

"مار ڈالا......!موسی نے اسے مار ڈالا۔"

ایک اور عورت نے عالیہ شاہ کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

"مر گئی......؟"

"ہاں......!مر گئی۔ دیکھ لو، سانسیں بھی بند ہیں، نبض بھی رُک گئی ہے۔"

بوڑھی عورت نے کہا اور چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ لوگ جھونپڑی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ کچھ باہر تھے، کچھ اندر تھے۔ چاروں طرف سے موسی پر لعن طعن ہو رہی تھی، لیکن موسی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی......؟ بہرصورت عالیہ شاہ کی یہ ترکیب کارگر ہوئی تھی۔ لیکن اب اسے یہ خدشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ لوگ اس کے کفن دفن کی تیاریاں بھی نہ کرنے لگیں، اس لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر وہ ساکت پڑی رہی، پھر آہستہ سے کراہی اور اس کے کراہنے پر ایک بار پھر غلغلہ مچ گیا۔

"زندہ ہے......!ارے یہ تو زندہ ہے۔ وید کو دکھاؤ......!حکیم کو دکھاؤ......!"

"ارے نہیں......!شہر لے چلو کسی ڈاکٹر کے پاس۔"

مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر ایک آواز نے کہا۔

"ارے بے وقوفو......!ہمیں اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر کام نہیں کرنا چاہئے، شیدا تو آ جائے۔"

"شیدے کو اطلاع بھجوا دو۔"

"کہاں اطلاع بھجوائی جائے اسے......؟ نہ جانے کہاں پر محنت مزدوری کر رہا ہوگا......؟ جب آئے گا،

تب دیکھا جائے گا۔ زندہ تو ہے یہ، پانی پلاؤ اسے۔“

”نہیں نہیں......! دودھ پلاؤ۔“

کسی اور نے کہا۔ اسی طرح مختلف باتیں جاری رہیں۔ عالیہ شاہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب ہوش میں آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ وہ کمبخت شیدہ نہ آجائے۔“

بہرصورت کافی دیر تک اس کی تیمارداری ہوتی رہی، نہ اس نے دودھ پیا اور نہ پانی، البتہ بھوک شدت سے لگ رہی تھی اور کھانے کی کوئی چیز یہاں موجود نہیں تھی جسے کھا کر ذرا تسلی ہو سکے۔ پھر اس نے یہی سوچا کہ زندہ رہنے کے لئے کچھ کھانا تو ضروری ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب کسی نے اس سے ہمدردی سے پوچھا۔

”بھابی جی......! دودھ پیو گی......؟“

عالیہ شاہ نے حسرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے گردن ہلادی۔ فوراً ہی گرم گرم دودھ اسے پیش کیا گیا جسے عالیہ شاہ غٹاغٹ چڑھا گئی۔ دودھ پینے سے کچھ تقویت ہوئی تھی، لیکن وہ اتنی نڈھال نظر آرہی تھی کہ اب اس سے کسی کام کے لئے کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ شام تک وہ ایسے ہی پڑی رہی۔ تھوڑی دیر کے لئے اسے تنہا بھی چھوڑ دیا گیا تھا اور اس وقت اس نے سونے کی اداکاری کی تھی حالانکہ اس کی آنکھوں میں نیند کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ پریشان ذہن سے اب وہ یہ سوچ رہی تھی۔

”اب کیا ہوگا......؟ حالات کس کروٹ بیٹھیں گے......؟“

بہرحال اسے اپنے شوہر کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ اسے شیدے کے نام سے پکارا جاتا تھا، لمبی لمبی مونچھوں والا۔ لیکن یہ کمبخت کون تھا......؟ اور ان بنجاروں کا شہروز سے کیا تعلق تھا......؟ کسی نہ کسی طرح تو ان سے رابطہ قائم کیا گیا ہوگا......؟ کوئی تو ایسی بات ہوگی جس کے تحت انہیں یہاں تک پہنچایا جاسکا......؟ بظاہر یہ بستی معصوم بنجاروں یا خانہ بدوشوں کی تھی، لیکن اس کا شوہر شیدہ صورت شکل سے کوئی اداکار نہیں لگتا تھا۔ کوئی ایسی ترکیب کی گئی تھی کہ وہ اسے اپنی بیوی سمجھنے پر مجبور تھا۔

”اور شاہان بیچارے کا کیا ہوا......؟“

کوئی بات جو سمجھ میں آئی ہو، بس گل زادی کے بھوت چاروں طرف نظر آرہے تھے۔ درحقیقت وہ انسان نہیں تھا، بلکہ کوئی بھوت ہی تھا۔ اس کی تمام حرکات ایک ایک کرکے عالیہ شاہ کو یاد آتی رہیں۔ وہ پلنگ پر پڑی شہروز کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ لمحات یاد آئے جب عالیہ شاہ، شہروز سے پہلی بار ملی تھی اور اس پر مرمٹی تھی۔ کاروباری عورت تھی اور یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ لڑکیاں والہانہ اس کی جانب بڑھتی ہیں۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کرلیا تھا اور اس فیصلے کے تحت اس نے شہروز کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

وہ معصوم سا شرمیلا نوجوان جسے دیکھ کر خواہ مخواہ دل میں عجیب عجیب سے خیالات پیدا ہونے لگتے تھے، عالیہ شاہ کا گرویدہ بن گیا تھا۔ لیکن عالیہ شاہ کو کیا معلوم تھا کہ اس نے ایک جونک پالی ہے......؟ ایک خوب صورت سنہری جونک جو اس کے بدن کا سارا خون بالآخر چوس لے گی۔ شہروز کے ذریعے اس نے دولت کمانے کے جو پروگرام بنائے

تھے، وہ سب کے سب فیل ہوگئے تھے۔ نہ صرف یہ ہوا تھا بلکہ اس کا مستقبل ہی تاریک ہو کر رہ گیا تھا اور اب شہروز اس کی ذات پر حکمراں تھا۔

”آہ......! کاش، پہلی ہی بار سنبھل جاتی۔“

وہ سزا کیا کم تھی جب ساری رات اسے زخموں کا ناچ دیکھنا پڑا تھا اور جاگنا پڑا تھا......؟ اس کے بعد جن لوگوں کے ساتھ شہروز نے اسے بند کیا تھا، وہ عالیہ شاہ سے کہیں زیادہ طاقتور، لفنگے اور بدمعاش قسم کے لوگ تھے۔ جب ان لوگوں نے شہروز یا گل زادی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے تو خود اس کی کیا حیثیت رہ جاتی تھی......؟ لیکن بس ایک آگ......ایک سلگتی ہوئی آگ میں وہ ہمیشہ سلگتی رہی تھی۔ اس احساس کے ساتھ کہ وہ کسی کی محکوم ہے، اور وہ کسی کی محکوم نہیں رہنا چاہتی تھی، اور اسی احساس نے بالآخر اسے دوسری سزا کا شکار بنادیا تھا۔

”لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا ہوگا......؟“

وہ اس وقت تک سوچتی رہی جب تک کہ جھونپڑے کے باہر کچھ اور آوازیں نہ سنائی دیں۔ شیدا آگیا تھا۔ لمبی لمبی مونچھوں والا، قوی ہیکل جوان جس کے چوڑے سینے پر بال ہی بال بکھرے ہوئے تھے۔ شیدے کو شاید باہر ہی صورتِ حال بتادی گئی تھی۔ پھر وہ دیوزاد جھونپڑے میں گھس آیا۔

”اے شہزادی......! شہزادی......! کیا ہوگیا ری......؟ چل اُٹھ کر بیٹھ، کیسی طبیعت ہے تیری......؟“

عالیہ شاہ کو اپنا نام سن کر بے اختیار ہنسی آئی تھی۔ لیکن اس نے برداشت کرلی اور چہرے پر نقاہت کے آثار پیدا کرتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہوں......!“

”اری......! کیا ٹھیک ہے......؟ اُٹھ کر تو بیٹھ......! بڑا پریشان ہوں میں تیرے لئے۔ کیا ہوگیا......؟ مجھے بتا تو سہی......!“

”کچھ نہیں ہوا۔ بس......! کچھ نہیں ہوا۔“

عالیہ شاہ نے ناز بھرے لہجے میں کہا۔ عالیہ شاہ جانتی تھی کہ ان حالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اب دوسرا ہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس لئے اس نے اداکاری شروع کردی تھی۔ کم از کم اس طرح یہ لوگ بھی تو پریشانی کا شکار ہوں اور کم از کم صورتِ حال تو کھل کر سامنے آئے۔ چنانچہ وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

”دیکھ شہزادی......! میں تیرا گھر والا ہوں، جو کوئی پریشانی ہے تجھے، مجھ سے بول۔ یہاں مجھ سے بڑا تیرا ہمدرد اور کون ہے......؟“

”ہاں ہاں......! بڑے ہمدرد ہو میرے......؟“

عالیہ شاہ نے سسکی سی بھر کر کہا۔

”کیسی باتیں کرے ہے شہزادی......؟ جان دے دوں اور جان لے لوں۔ ٹھیک ہے، ذرا مزاج کا سخت ہوں۔ مگر ایسی بات بھی نہیں ہے۔ تجھے جی جان سے چاہتا ہوں۔“

''رہنے دے شیدے......! رہنے دے۔''

''آ جا کر تو دیکھ لے اپنے شیدے کو، اور جرا یہ تو بتا میری جان......! طبیعت کیسی ہے تیری......؟''

''بس......! ٹھیک ہوں۔''

عالیہ شاہ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''موسی سے کیا بات ہوئی......؟''

''کچھ نہیں......!''

''کچھ تو ہوئی تھی ناں......؟ موسی نے مارا تھا تجھے......؟''

''جب ساری باتیں معلوم ہوگئی ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو......؟''

''نہیں......! تو خود ہی بتا۔ موسی تو جھوٹ بولتی ہے۔ ہمیشہ کی جھوٹی ہے وہ، بچپن سے جھوٹ بول رہی ہے وہ میرے ساتھ۔''

''بس......! برتن دُھلوا رہی تھی موسی مجھ سے، مجھے ذرا دیر ہوگئی تو اس نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ ایسی لات ماری میری کوکھ پر کہ......کہ......''

''ہاں ہاں......! آگے کہہ......!''

''بس......! کیا بتاؤں شیدے......! ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے شیدے......! جیسے میرا گردہ پھٹ گیا ہے۔''

''گردہ پھٹ گیا ہے......؟''

شیدا پریشانی سے بولا۔

''ہاں......! ابھی تک زور کا درد ہوئے جا رہا ہے۔ اُٹھا بھی نہیں جا رہا مجھ سے۔''

''لیٹی رہ...... لیٹی رہ......! کچھ کھایا پیا تو نے......؟''

شیدے نے پوچھا۔

''نہیں شیدے......!''

''گردہ پھٹ جائے ہے تو بس آرام کرنا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ ویدجی یہی کہتے ہیں۔ مگر اس موسی کو ہو کیا گیا ہے......؟''

''مجھے نہیں معلوم شیدے......! مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''ارے......! میں ان میں سے کسی کو جندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجال ہے کسی سسرے کی جو آئندہ تجھے ہاتھ لگا جائے۔''

''شیدے......!''

وہ بڑے پیار بھرے انداز میں بولی۔

''ہاں ہاں......! جو کچھ کہہ رہا ہے، ٹھیک ہے۔ نواب جادی ہے تو میرے لئے، بری ہے تو میرے لئے، کسی اور کو کیا پڑی ہے جو مار پیٹ کرے تیرے ساتھ......؟ ابھی دیکھتا ہوں سسروں کو باہر جا کر، مجھے سب لوگ بتا رہے تھے، مگر جب تک میں خود معلوم کرلوں تو اس وقت تک کوئی بات نہیں کرتا۔ ابھی دیکھتا ہوں ان سسروں کو، تو یہیں رہ، باہر مت نکلنا۔''

عالیہ شاہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ ذرا وہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ شیدا باہر جا کر کیا کرتا ہے......؟ چند ہی ساعت کے بعد اسے باہر سے آوازیں سنائی دینے لگیں اور وہ خود بھی آہستہ سے اُٹھ کر جھونپڑی کے دروازے کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ شیدا کہہ رہا تھا۔

''موسی......! دیکھ میں نے ہمیشہ تیری عجت کی ہے، تیری بات پر میں نے کئی بار اس کی پٹائی بھی کی ہے۔ مگر وہ میری بیوی ہے، میرے نکاح میں ہے۔ کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پر ہاتھ اُٹھائے......؟ تو نے اس کی کوکھ پر لات ماری ہے۔ تو نے ایسا کیوں کیا موسی......؟ مجھے اس کا جواب دے۔''

''ارے جا جا......! تجھ جرا سے کو پال پوس کر جوان کیا ہے۔ اس کی کوئی بات نہیں، جرا سا ہاتھ مار دیا تیری جورو کو تو اتنا سور مچا رہا ہے سسرا......؟''

''ہاتھ مارنے کی بات مت کر موسی......! تو نے اس کی کوکھ پر لات ماری ہے۔''

''ہاں ہاں......! ماری ہے، بگاڑ لے تو میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے تو......؟''

''نہیں موسی......! یہ بات ایسی نہیں ہے کہ میں چپ ہو جاؤں۔ تو یہ بتا دے کہ تو چاہتی کیا ہے......؟''

''ارے......! میں کیا چاہوں گی تجھ سے......؟ تجھ جیسے نکمے نکھٹو سے کوئی کیا چاہے گا......؟''

''ارے او سیدے......! تو کیوں بک بک کئے جا رہا ہے ماں سے......؟ اپنی جورو سے بھی تو پوچھ، دو برتن دھونے بیٹھی تھی، چھ گھنٹے لگا دیئے۔ کام نہیں کرے گی تو کھائے گی کیا......؟''

ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

''تیرے باپ کا کچھ کھاتی ہے......؟ حمایتی بن کر آیا ہے ماں کا، آ سامنے جرا تجھے بھی دیکھ لوں۔''

''ہاں ہاں......! دیکھ لے، اچھی طرح دیکھ لے، ایسے ہی مارے گی ماں اگر وہ کوئی ایسی حرکت کرے گی۔''

اور اس کے بعد وہ ہنگامہ ہوا کہ خدا کی پناہ......! شیدا لاٹھی نکال کر اس پر پل پڑا تھا۔ دونوں طرف لاٹھیاں چلیں، شدید لڑائی ہوئی، لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا۔ بہرصورت لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ پوری بستی اس ہنگامے کو دیکھنے کے لئے اُمڈ آئی۔ لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ رات گئے تک یہ ہنگامہ جاری رہا اور عالیہ شاہ دلچسپی اور سکون سے یہ سارا تماشہ دیکھتی رہی۔ اسے اس تماشے میں خاصا لطف محسوس ہوا تھا۔ کم از کم اور کچھ تو نہ سہی، لیکن شہروز کو اتنا سا جواب ضرور دے دے کہ ان لوگوں میں قتل و غارت گری کرا دے۔ اس طرح شہروز کو ذرا سا تو احساس ہوگا کہ عالیہ شاہ بذاتِ خود بھی کچھ ہے۔

موسی، اس کے بیٹوں میں اور شیدے میں ٹھن گئی تھی، لوگوں نے بیٹھ کر مصالحت کرائی۔ پھر موسی، عالیہ شاہ کے پاس آئی اور اسے گلے لگا لگا کر خوب روئی اور اپنی غلطی کی معافی مانگ کر چلی گئی۔ تب کہیں شیدا اس کے پاس پہنچا تھا۔ عالیہ شاہ جو پُر اطمینان انداز میں اس سارے ڈرامے کو دیکھ رہی تھی، شیدے کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر کسی قدر اُلجھ گئی۔

''اب یہ شوہر نامدار کیا فرمائیں گے......؟''

وہ سوچ رہی تھی۔ شیدا اس کے لئے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آیا تھا۔ ساتھ میں دودھ کا گلاس بھی تھا۔ قدرے صاف ستھرا گلاس تھا۔ اس کے علاوہ جو چیزیں تھیں وہ پھل فروٹ کی قسم میں سے تھیں۔ اس لئے عالیہ شاہ نے انہیں رغبت سے کھا لیا۔ وہ اب تک بھوکی تھی، یہ پھل کھا کر اسے کچھ تسکین ہوئی تھی۔ دودھ وغیرہ پینے کے بعد وہ خاصی مطمئن اور شکم سیر ہو گئی۔ تب شیدے نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''اری سن شہزادی......! اب معاف کر دے موسی کو۔ آئندہ وہ تیرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گی۔''

''شیدے......!''

عالیہ شاہ ناز بھرے لہجے میں بولی۔

''ہاں ہاں......! بول میری شہزادی......! کیا بات ہے......؟''

''شیدے......! اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔''

''ایں......؟ یہاں اس بستی میں نہیں رہے گی، تو پھر کہاں جائے گی......؟''

''شہر چلیں گے شیدے......! ہم۔''

''ارے......! کون سے سہر چلے گی تو......؟''

''کسی بھی شہر میں، بس شیدے......! میں چاہتی ہوں، ہم لوگ کسی شہر میں رہیں۔''

''سہر میں چل کر رہیں......؟ پر شہزادی......! اپنی جات برادری کو چھوڑ کر سہر میں کون جا کر پڑے گا......؟ اور پھر ہم تو بنجارے ہیں، ہمارا کوئی سہر کہاں ہے......؟ یہ لوگ ہی ہمارے سب کچھ ہوتے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر تو ہم اپنی جات کو بھی بھول بیٹھیں گے۔ سہروں میں ہمارا ٹھکانہ کہاں......؟''

''دیکھ شیدے......! میں تیرے لئے سب کچھ کروں گی، شہر میں ہم اپنا ٹھکانہ بنائیں گے، اپنا گھر بنائیں گے اور آرام سے رہیں گے۔ تو محنت مزدوری کرے گا، میں بھی تیرا ہاتھ بٹاؤں گی۔ ہم بڑی عزت سے زندگی گزار لیں گے۔ پر تو اپنی ضد چھوڑ دے۔ اس بستی کو چھوڑ کر شہر چل، میں تیرے ساتھ ہوں۔''

''ناں شہزادی......! یہ بہت مسکل کام ہے۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ پرکھوں سے ہم لوگ ساتھ رہتے چلے آئے ہیں۔ یہ سب ہمارے رستے ناتے دار ہی تو پھیلے ہوئے ہیں۔ چھوٹی موٹی بات کہاں نہیں ہوتی......؟ اور پھر تو بھی شہزادی محنت مجدوری کیا کر، اس سے ہاتھ پاؤں بھی چلتے رہتے ہیں اور گھر کے سارے کام بھی ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھ ناں، گھر والی کا کام اس کے سوا اور ہے کیا کہ وہ گھر کا کام کاج کرے، اور جندگی گجار دے......؟''

''وہ تو ٹھیک ہے شیدے......! مگر یہ لوگ......''

''چل چل، اب بیکار باتیں مت کر۔''

شیدے نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا اور عالیہ شاہ کے بدن میں پھریری سی دوڑ گئی۔ بالوں بھرا یہ چوڑا ہاتھ اسے اپنی خوب صورت کلائی پر عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن میں سناٹے در آئے اور آنکھوں میں ایک عجیب سی نشہ آور کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس نے پہلی بار بھرپور نگاہوں سے شیدے کو دیکھا۔ بلاشبہ شیدا قابل فخر جوان تھا۔ یہ چوڑی گردن، بھرے بھرے شانے۔ ٹھیک ہے، شکل وصورت اچھی نہیں تھی، مونچھیں بھی لمبی لمبی اور نوکیلی تھیں، آنکھیں لال لال، سر بہت بڑا، لیکن گردن شانے اور سینہ یہ سب کچھ ایسا تھا کہ کوئی بھی اس پر فخر کر سکتا تھا۔ عالیہ شاہ کی ذہنی کیفیت ایک دم بدل گئی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے شیدے کو دیکھا اور شیدا ہنس پڑا۔

''کیا دیکھ رہی ہے ری......؟''

اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا اور عالیہ شاہ نے گردن جھکا لی۔ شیدا اس کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دوسری صبح عالیہ شاہ دل ہی دل میں شہروز پر قہقہے لگا رہی تھی۔ وہ بڑے خوش گوار انداز میں سوچ رہی تھی۔

''شہروز میاں......! اپنی دانست میں تم نے مجھے جو سزا دی تھی، وہ تو میرے لئے بہت بڑا انعام بن گئی۔ شیدے جیسے شخص کی صحبت میں تو زندگی کی آخری سانس بھی گزاری جا سکتی ہے، اور پھر عزیز از جان شہروز......! تم نے تو میرے لئے ایک چیلنج مہیا کیا ہے۔ میں نے ساری زندگی عجیب وغریب حالات میں گزاری ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جو مجھے اپنا زر خرید سمجھتے تھے۔ پھر تنہا ایک خود مختار انسان کی حیثیت سے جس کی زندگی میں بے شمار مرد آئے اور میں نے ان سے کھیلنا ایک معمولی بات سمجھی، لیکن درحقیقت اس تمام زندگی میں، میں نے خود کو کبھی عورت نہیں سمجھا۔ عورت کا مفہوم اب میری سمجھ میں آیا ہے شہروز......! اور یہ سب تمہاری عنایت ہے۔ پسینے اور بدبو سے لتھڑے ہوئے چوڑے محافظ بدن کی حفاظت میں عورت اپنی زندگی کا آخری لمحہ بھی گزار سکتی ہے۔ تمہارا شکریہ شہروز......! تمہارا بہت بہت شکریہ......!''

☆......☆......☆

شمائل کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ روکی اور عالم پناہ دونوں ہی گدھے بن گئے تھے اور غالباً سارہ کو وہ بھول گئے تھے۔ لیکن شمائل بڑی مشکلات کا شکار ہو گئی تھی۔ عموماً یوں ہوتا کہ عالم پناہ اور روکی ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جاتے اور شمائل کو اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتی۔ ویسے روکی ابھی تک مستقل سب کے مذاق کا شکار بنا ہوا تھا۔ ڈاڑھی اور بال غائب ہو جانے کی وجہ سے وہ آدھا غائب ہو چکا تھا۔ اگر دلربا بھی اس کے گلے سے اُتر جاتی تو اس کے بعد وہ کسی مزار کا مجاور معلوم ہوتا، لیکن دلربا ابھی تک اس کے گلے کی زینت تھی۔ البتہ وہ اپنا ننھا سا منہ چھپائے چھپائے پھرتا تھا، لیکن شمائل نے اس کی بڑی ہمت افزائی کی تھی۔ وہ اکثر اس سے کہتی۔

''اوہ......! روکی ڈیئر......! تم تصور نہیں کر سکتے کہ تم کتنے اسمارٹ لگ رہے ہو۔ بالکل مصوری کے عظیم شاہکار۔''

"اوہ......! تو کیا...... تو کیا تم سچ کہہ رہی ہو شمائل......؟"

روکی نے شمائل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"روکی......! میں تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔"

شمائل نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ شمائل......! تم ہمیشہ میری ڈھارس بندھا دیتی ہو، ورنہ یہ سب لوگ تو مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے میں...... جیسے میں نہ جانے کیا چیز ہوں......؟ کارٹون سمجھتے ہیں مجھے، اور شمائل ڈارلنگ......! جب میں آئینے کے سامنے ہوتا ہوں تو مجھے خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے جیسے آئینہ میرا مذاق اُڑا رہا ہو۔"

"یہ سب تمہارے شاعرانہ خیالات ہیں روکی......! ان بالوں سے تمہیں اتنی محبت ہو گئی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں تم یہ تمام باتیں محسوس کرتے ہو۔ حالانکہ اب تم جس قدر اسمارٹ نظر آتے ہو، اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔"

"شکریہ شکریہ......! ویسے شمائل......! ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں......! کہو......!"

"یہ علی تمہارے پیچھے کیوں لگا رہتا ہے......؟"

"کیا بتاؤں روکی......؟ یہ شخص بھی عجیب ہے۔"

"کیوں......؟ ہوا کیا......؟"

"بس......! اس سے پہلے سارہ سے صرف اس لئے محبت تھی کہ تم سارہ کو چاہتے تھے اور جب سے اسے یہ احساس ہوا کہ میں تمہیں چاہنے لگی ہوں اور تم بھی میری طرف متوجہ ہو تو بس، یہ مجھے ورغلاتا رہتا ہے۔"

"ورغلاتا رہتا ہے......؟"

روکی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

"ہاں......!"

"کیا کہتا ہے......؟"

"بس......! یہی کہ شمائل......! تمہارے دم سے یہ کوٹھی روشن ہے، تم چودھویں کے چاند کی طرح خوب صورت ہو اور تمہیں دیکھ کر میرا سو جانے کو جی چاہتا ہے۔"

"سو جانے کو جی چاہتا ہے......؟"

روکی نے دِلربا پر ہاتھ مارا۔

"ہاں......! اور...... اور کوئی غزل بھی کہی ہے انہوں نے میری شان میں۔"

شمائل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا......! غزل بھی کہی ہے تمہاری شان میں......؟"

روکی دِلربا کے تاروں کو تیزی سے چھیڑنے لگا۔

"ہاں......!"

"کیا غزل ہے......؟"

"بس......! مجھے تو سنائی نہیں ابھی تک، غالباً کسی سے کہہ رہے تھے۔"

"اوہ......! کس سے کہہ رہا تھا کمبخت......؟"

"شاید تابش بھائی سے۔"

"ہوں......! شمائل......! یہ شخص......؟ مجھے اب اس کے خلاف کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ ایسے باز آنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

"تو پھر کرو ناں جلدی سے کچھ۔ خواہ مخواہ وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو شمائل......! میں...... میں اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لوں گا۔"

"کیا کرو گے......؟"

"میں...... میں اس کا سر توڑ دوں گا۔"

"ہاں......! یہ بہتر ہے اور مناسب فیصلہ ہے تمہارا۔ تو کب توڑ رہے ہو......؟"

شمائل نے پوچھا۔

"ابھی اور اسی وقت......!"

"بسم اللہ......! پھر جاؤ اور اپنا کام کرو۔"

"جا رہا ہوں۔"

روکی نے دِلربا کے تاروں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں......! جاؤ......!"

شمائل نے کہا۔ اب وہ اس چکر سے بری طرح بیزار آ گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ کوئی ایسی ہی بات ہو جائے، چنانچہ روکی غصے میں ڈوبا ہوا باہر نکل آیا۔ عالم پناہ پائیں باغ میں سنگِ مرمر کے سفید حوض کے کنارے بیٹھے پانی میں ہاتھ ڈال کر کچھ گنگنا رہے تھے۔ روکی عقب سے ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ اوپر کی کھڑکی سے شمائل یہ دلچسپ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اور کوئی تو دستیاب نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر دوسروں لوگوں کی تلاش میں چل پڑی تو اس دلچسپ منظر سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ روکی، عالم پناہ کے عقب میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے دِلربا گلے سے اُتاری اور اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں بلند کر دیا۔ شمائل نے دانتوں میں زبان دبالی تھی۔ اگر دِلربا سچ عالم پناہ کے سر پر ٹوٹ گئی تو شاید عالم پناہ کا سر بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ روکی نے تین بار دِلربا کو عالم پناہ کے سر پر مارنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ دوسری جانب عالم پناہ پانی میں اس کا عکس دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اس بار روکی نے دِلربا کے تاروں پر ہاتھ مارا تھا۔

''ہاں ہاں......! مارا کیوں نہیں اسے میرے سر پر......؟''

''تت......تمہیں کیسے معلوم......؟''

روکی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''میں ہزار آنکھیں رکھتا ہوں ارقم الدین، روکی......! اچھی طرح دیکھ رہا ہوں تجھے، تو ہر جگہ میرا دشمن ثابت ہوا ہے۔ ہمیشہ تو نے میری راہ میں آنے کی کوشش کی ہے۔ میں سوچتا ہوں فیصلہ کر ہی ڈالوں۔''

عالم پناہ مڑ کر بولے۔

''کیا فیصلہ......؟ کیسا فیصلہ......؟''

روکی اُچھل کر حوض کی منڈیر پر چڑھ گیا تھا۔

''کوئی ایسا فیصلہ جو میرے اور تیرے درمیان آخری فیصلہ ہو۔''

''ٹھیک ہے......! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

روکی نے کہا۔

''بول، پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟''

''تم ڈوئل بھی لڑ چکے ہو اور موسیقی میں بھی تم مجھ سے مقابلہ کر چکے ہو۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ ہم آپس میں کس طرح تصفیہ کریں......؟''

''یہ واقعی سوچنے کی بات ہے، لیکن کیا تم میرا فیصلہ مان لو گے......؟''

علی نے پوچھا۔

''ہاں......! مان لوں گا۔''

''وعدہ کرتے ہو......؟''

''ہاں......! وعدہ کرتا ہوں۔''

روکی نے کہا اور علی عرف عالم پناہ نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

''تو پھر ہاتھ ملاؤ میرے دوست......!''

عالم پناہ نے کہا اور روکی نے اس سے ہاتھ بھی ملا لیا، پھر بولا۔

''بتاؤ اپنا فیصلہ، اور اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے......؟''

''تم اس حوض میں ڈوب مرو......!''

عالم پناہ نے نہایت اطمینان سے کہا اور روکی اُچھل کر منڈیر سے نیچے اُتر آیا۔

''کک......کیا بکواس ہے......؟''

''پانی ٹھنڈا نہیں ہے یار......! میں ہاتھ ڈال کر دیکھ چکا ہوں۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟''

''میرا مطلب ہے، اگر تم اس میں ڈوب کر مرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئے گی۔ تم ایک دس پندرہ منٹ تک پانی میں یوں ہی پڑے رہنا، پانی تمہارے پیٹ میں بھر جائے گا اور ہوا نہ ملنے کی وجہ سے تمہارا دم نکل جائے گا۔ میں اس دوران یہاں کھڑا رہوں گا۔ کسی نے اگر تمہیں نکالنے کی کوشش کی تو بالکل بے فکر رہو۔ نہیں نکال سکے گا۔ اوّل تو کسی کو پتا ہی نہیں چل سکے گا کہ تم نے ایسا قدم اُٹھایا ہے۔''

''علی بھائی......! علی بھائی......! یوں لگتا ہے، جیسے تمہارا دماغ بالکل اُلٹ گیا ہے۔ اگر میں تم سے یہ بات کہوں کہ تم اس حوض میں ڈوب مرو تو کیا تم میری بات مان لو گے......؟''

''نہیں......! میں نہیں مانوں گا۔''

''تو پھر میں کیوں مانوں......؟''

''اس لئے کہ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ شمائل پر میرا حق ہے۔''

''ہرگز نہیں......! شمائل پر میرا حق ہے۔''

روکی بولا۔

''میں نے کہا ناں کہ اگر تم خود اس حوض میں نہ ڈوب مرے تو میں تمہیں اُٹھا کر اس حوض میں پھینک دوں گا۔''

''ارے واہ......! کیسے پھینک دو گے......؟''

روکی نے کہا اور وہ چھلانگ لگا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''میں فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں روکی......!''

''کر لینا، کر لینا......! ابھی اتنی جلدی نہیں ہے۔''

روکی نے کہا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ شمائل ہنستے ہنستے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن اب اسے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں واقعی کوئی چکر نہ چل جائے۔ روکی اور عالم پناہ دونوں بے وقوف تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن سکتے تھے۔ چنانچہ تابش کا مذاق اگر کوئی سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو خواہ مخواہ اس پر بھی بات آئے گی۔ لوگ یہ تو سوچیں گے نہیں کہ یہ سب مل کر تفریح کر رہے تھے۔ بس شمائل خود ہی نشانہ بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں ڈراپ سین کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ البتہ ابھی وہ اس فیصلے پر عملدرآمد کے لئے کوئی مناسب کارروائی نہیں سوچ سکی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ کسی کو بتائے بغیر وہ اس تصفیے کو نمٹا دے گی۔ خواہ مخواہ روکی اور عالم پناہ اس کے لئے احمق بن رہے ہیں۔

''نہیں نہیں......! بزرگوں کو یہ بات معلوم ہو گی تو کیا سوچیں گے وہ میرے بارے میں......؟ میری پوزیشن سخت خراب ہو جائے گی۔''

شمائل نے سوچا اور آخری فیصلہ کر کے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔

☆......☆......☆

شہروز نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی باندھی، ناٹ درست کی اور پھر پیشانی پر جھول آنے والے بالوں کی ایک لٹ کو سنوارتا ہوا آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس کے بدن سے ایک انتہائی نفیس اور بھینی بھینی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ جو سوٹ اس نے پہنا ہوا تھا، وہ اس طرح سے اس کے بدن پر سج رہا تھا کہ جیسے وہ اسی کے بدن کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا گیا ہو۔ اتنا حسن، اتنا مکمل اور متناسب حسن بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ جب وہ پلٹا تو سارہ کھڑی ہوئی مبہوت نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ارے سارہ......! آپ......؟''

اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، لیکن سارہ کی محویت نہ ٹوٹی۔

''آیئے......! اندر آیئے......! مجھ سے کوئی کام ہے۔''

شہروز نے کہا اور سارہ چونک پڑی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور نثار ہو جانے والی نظروں سے سر سے پاؤں تک شہروز کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''بے حد خوب صورت لگ رہے ہیں آپ......!''

''اوہ......! اوہ......!''

شہروز ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اب اس تعریف کا شکریہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔''

''نہیں شہروز......! خدا کی قسم......! آپ بے حد حسین ہیں۔''

''بہتر......! ایک بار پھر شکریہ......!''

''آپ کہیں جا رہے ہیں......؟''

سارہ نے پوچھا۔

''جا رہا تھا، اگر آپ کا حکم نہ ہو، تو نہ جاؤں۔''

''بہت ضروری کام ہے......؟''

سارہ کی آواز میں خمار چھلک رہا تھا۔

''عرض کیا ناں......! کتنا ہی ضروری کام ہو، آپ کے لئے ختم کیا جا سکتا ہے۔''

''اگر کوئی بہت ہی ضروری کام ہو تو آپ ضرور جایئے......! میں آپ کو نہ روکوں گی۔ لیکن اگر ایسی بات نہ ہو، یعنی آپ کا نہ جانا آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو، تو پلیز......! آپ نہ جایئے۔''

''بہتر سرکار......! لیجئے نہیں جاتے۔''

شہروز نے جواب دیا۔

''بہت بہت شکریہ......! لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔''

''پھر......؟''

شہروز نے سوال کیا۔

''باغ کا گوشہ خالی ہے، وہاں چلتے ہیں۔''

''بہت بہتر......! لباس تبدیل کر لوں یا نہیں......؟''

''لباس تبدیل نہ کریں، آپ اس لباس میں بے حد حسین لگ رہے ہیں۔''

''بہت بہتر......! چلئے......! اگر ہم اسی وقت آپ کی تعریف بھی کرنا شروع کر دیں کہ سارہ......! اس سیاہ لبادے میں آپ کسی اپسرا سے کم نہیں معلوم ہو رہی ہیں، یوں لگتا ہے جیسے راجہ اندر کے اُکھاڑے سے کوئی اپسرا اُتر آئی ہو تو آپ سمجھیں گی، یہ تعریف صرف اس لئے ہو رہی ہے کہ آپ نے ہماری تعریف کر دی ہے۔ آپ اگر صحیح معنوں میں اگر اپنے آپ کو دیکھنا چاہیں تو ہماری آنکھوں میں جھانک کر دیکھ لیں۔''

شہروز نے کہا اور سارہ کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''آیئے......!''

سارہ نے شرمگیں لہجے میں کہا اور شہروز اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ پائیں باغ کے سب سے حسین گوشے میں پہنچ کر وہ رک گئے۔ یہاں سے اسے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ سارہ سرسبز گھاس پر بیٹھ گئی اور اس نے شہروز کا ہاتھ پکڑ کر ہنستے ہوئے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

''آپ کا سوٹ تو خراب ہو جائے گا۔ لیکن یہ میرے لئے ہے۔''

سارہ نے مسکرا کر کہا۔

''بہت بہتر......! تسلیم کیا۔''

شہروز مسکرا کر بولا۔

''شہروز صاحب......!''

''جی......!''

شہروز نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

''میں......میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''فرمایئے، فرمایئے......! اب تک آپ نے جو کچھ کہا ہے، اس پر اعتراض کیا ہے ہم نے......؟''

شہروز ہنستا ہوا بولا۔

''پلیز شہروز صاحب......! مذاق نہ کریں۔''

''جی بہت بہتر......! قطعی مذاق نہیں کیا جائے گا۔''

''شہروز صاحب......! میں......دراصل میں مغربی ماحول کو قطعی پسند نہیں کرتی۔ میں نے ملک سے باہر رہ کر بھی خود کو مشرقی ماحول میں ہی ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہاں مجھے اپنی زندگی اجنبی اجنبی سی محسوس ہوتی تھی۔ خود میرے ابو کا بھی یہی خیال تھا کہ مجھے اس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جانا چاہئے۔ میں اس زندگی کو اپنا لوں، لیکن شہروز

صاحب......! مجھے اپنے ہی وطن کی روایتوں سے پیار تھا۔ نہ جانے کیوں میں ہمیشہ اپنے ہی وطن کے خواب دیکھتی تھی۔ یوں لگتا تھا شہروز صاحب......! جیسے کوئی پُراسرار قوت میری رہنمائی کر رہی ہو، وہ مجھے میری ہی آبادی میں لانا چاہتی ہو اور یہاں آکر مجھے احساس ہوا کہ یہ سب میرے ذہن پر کیوں مسلط تھا......؟"

"کیوں مسلط تھا محترمہ......؟"

شہروز نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ آپ یہاں تھے۔"

"بات ذرا کچھ گول مول ہے۔"

شہروز شرارتاً مسکراتا ہوا بولا۔

"بس......! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہتی۔"

"ارے واہ......! آپ نے کچھ کہا، میری سمجھ میں نہیں آیا، اور آپ نے ختم بھی کر دیا۔ آخر میری یہاں موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے......؟"

شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شہروز......! آپ...... پلیز آپ مجھے کچھ اور کہنے پر مجبور نہ کریں، جو ایک عورت کی امانت ہوتی ہے۔"

"بی بی......! ابھی آپ عورت ہیں کہاں......؟ ابھی تو آپ بہت چھوٹی ہیں۔"

"مذاق نہ کریں۔ دیکھئے، میرا خیال ہے، اس کے بعد میں شاید اس قدر جرأت نہ کر سکوں۔"

"تو آپ نے ابھی جرأت کی کہاں ہے......؟"

شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ شہروز......! آپ باز نہیں آئیں گے۔"

سارہ شرما کر بولی۔

"بھئی کمال ہے......! یعنی اتنی شرافت سے آپ سے گفتگو کی جا رہی ہے، آپ کی کسی بات میں آپ کو ٹوکا نہیں جا رہا اور آپ کہتی ہیں کہ باز نہیں آئیں گے......؟ جو بات ہے، براہِ کرم فرما تو دیں۔"

"شہروز......! میں...... میں آپ کی زندگی بھر کی ساتھی بننا چاہتی ہوں۔" سارہ نے کہا اور شہروز ہنس پڑا۔

"زندگی بھر کی ساتھی......؟ تو پھر......"

وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دفعتاً اس کے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ اسے پورے بدن میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خوفناک دھماکہ ہوا ہے اور عضو عضو ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ اس کے بدن میں چنگاریاں سی بھڑکنے لگی تھیں۔ ایک لمحے میں اس کی کیفیت تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا جبکہ سارہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

شہروز کے پورے بدن پر تشنج طاری ہو گیا۔ اس وقت اگر سارہ اسے دیکھ لیتی تو متحیر ہو جاتی۔ حسین شہروز

اتنا بھیانک محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی چیخ نکل جاتی اور شاید وہ ایک لمحہ بھی اس کے پاس رُک نہیں پاتی، شہروز کا خوفناک چہرہ یقیناً اس کے لئے قابلِ برداشت نہ ہوتا۔ اس کی وحشت زدہ سرخ سرخ آنکھیں، اوپر کو مُڑے ہوئے ہونٹ، باہر جھانکتے ہوئے دانت اور سرخ رنگ کسی بھی انسان کو دہشت زدہ کر دینے کے لئے کافی تھا، لیکن سارہ اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ نہ دیکھ سکی اور شہروز نے اپنی کیفیت چھپانے کے لئے رُخ بدل لیا۔ اب اس کا ذہن اس کے قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا شہروز......؟"

سارہ نے کہا اور دوسرے لمحے وہ دہشت سے اُچھل پڑی۔ ایک بہت ہی خوفناک آواز اُبھری تھی۔

"شٹ اَپ......!"

اس "شٹ اَپ" کو اتنا کھینچا گیا تھا کہ شہروز کی آواز پھٹ گئی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور چند ہی لمحات کے بعد وہ کوٹھی کے کسی حصے میں روپوش ہو گیا تھا۔ اس خوفناک بازگشت سے سارہ سہم گئی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا......؟ شہروز کی بھیانک آواز اس وقت بھی اس کے کانوں میں اُبھر رہی تھی، لیکن وہ اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"آخر کون سی ایسی بات ہو گئی......؟ آخر میں نے شہروز سے ایسا کیا کہہ دیا......؟"

شہروز تو بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھا اور اس کی پذیرائی بھی کر رہا تھا۔

"لیکن یہ شٹ اَپ......؟"

کتنی وحشت تھی اس آواز میں، کتنی خوفناک آواز تھی۔

"کیا یہ شہروز ہی کی آواز تھی......؟ لیکن...... لیکن یہ سب کیا تھا......؟ کوئی مذاق......؟ کوئی شرارت......؟ لیکن ایسی خوفناک شرارت کو شہروز جیسے شخص سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ انتہائی نرم آواز میں سارہ سے پیش آتا تھا۔ اس نے کوئی بھی تو ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے سارہ کی ذرا بھی دل شکنی ہوئی ہو۔

"پھر یہ آواز......؟ تو کیا شہروز...... کیا شہروز مجھے اس حیثیت سے قبول نہیں کرتا......؟ کیا وہ صرف اخلاق و مروت کے تقاضے پورے کر رہا تھا......؟ کیا اس کی نگاہ میں کوئی اور ہے......؟ یقیناً...... یقیناً ایسی ہی بات ہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے......؟"

شہروز کی نگاہ کا ایک ایک مفہوم اس کی سمجھ میں آ رہا تھا اور ایک بار بھی اس نے نہیں سوچا تھا کہ شہروز اس سے کسی طور پر منہ موڑ سکتا ہے......؟ لیکن اس وقت وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں کسی نے اسے دیکھ تو نہیں لیا ہے......؟ کسی نے اس کی اس سبکی کو محسوس تو نہیں کر لیا ہے......؟

"یہ سب کیا ہوا......؟ آخر یہ سب ہوا کیا......؟"

پریشان ذہن اس کا جواب نہیں دے سکا تو لڑکھڑاتے قدموں سے وہ واپس کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے اور وہ خود کو انتہائی دہشت ناک حالات کا شکار پا رہی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے

اُٹھی اور آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔

☆......☆......☆

زمین و آسمان گھوم رہے تھے۔ ایک انوکھا جنون ذہن پر طاری تھا۔ آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ چند لمحات قبل جو چہرہ مردانہ وجاہت کی ایک مثال نظر آ رہا تھا، اس وقت وہ بے حد بھیانک اور کرخت بن گیا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھا۔ آئینے میں دیر تک وہ اپنی شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکل گیا۔

"عشق......؟ پیار......؟ محبت......؟"

"مرد......؟ عورت......؟ عورت......؟ مرد......؟ لڑکا......؟ لڑکی......؟"

"مگر...... مگر میں کون ہوں......؟ کون ہوں میں......؟ آخر کون ہوں میں......؟"

اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"مرد......! عورت......! لڑکی......! لڑکا......!"

"ہاہاہا......! میں کون ہوں......؟ کیوں ہوں......؟ کچھ نہیں ہوں......؟ بہت کچھ ہوں......! ہاں......! میں جو نہیں ہوں، وہ ہوں...... جو ہوں، وہ نہیں ہوں......! میں مردی ہوں......! اللہ جی......! میں تو...... میں تو...... ہائے میری آپا......! آئے ہائے......! موئے مرد مسٹنڈے......! کیا بیٹھا بیٹھا مجھے گھور رہا ہے......! آئے ہائے......! تیرا ستیاناس......! ہٹ، آنکھیں بند کر لے، ہمیں شرم لگے ہے۔ اوئی بہنا......! آئے ہائے......! جھاڑو پھرے اس شکل پر۔ شکل تو ٹھیک کر لے کنواری......! ہائے ہائے......!"

وہ لچکتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ باتھ روم میں داخل ہو کر اس نے الیکٹرک شیور اُٹھا لیا اور گالوں پر پھیرنے لگا۔ خوب باریکی سے اس نے شیو کیا اور پھر ایک مخصوص لوشن گالوں اور مونچھوں پر تھوپ لیا۔ وہ ہر کام لچک لچک کر کر رہا تھا۔ آنکھوں میں بے پناہ شرارت تھی۔ چہرے کا مکروہ پن اب ختم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ حسین نرمی نے لے لی تھی۔ اس کے منہ سے گنگناہٹیں نکل رہی تھیں۔

"مجھے بڑا بھروسہ ہے تیرا، اللہ میرے کریو کرم کا پھیرا۔"

باتھ روم سے باہر آ کر اس نے ایک نفیس ساڑھی نکالی۔ بالوں کی وگ میک اَپ کا دوسرا سامان، پھر دوبارہ باتھ روم جا کر چہرے پر سے لوشن صاف کیا۔ اب شیو کی نیلاہٹ بھی دُور ہو گئی تھی اور اس کی جگہ چکنی شفاف جلد نکل آئی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی نچلی دراز کھولی اور اس سے زنانہ میک اَپ کا سامان نکالنے لگا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک ایسی حسین شکل سامنے آئی کہ دیکھنے والا کلیجہ پکڑ کر رہ جائے۔ حسین ترین نسوانی چہرہ، ہاتھ میں پرس، خوب صورت اسٹائل کی ساڑھی باندھے وہ باہر نکل آیا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شہروز ہے۔ اس نے سامنے کی راہ داری کی بجائے باہر جانے کے لئے عقبی راستہ استعمال کیا۔ اب یہ عالم پناہ کی شامت تھی کہ وہ راہ داری کی سیڑھیوں کے پاس شمائل کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک حسین خوشبو ان کی ناک سے ٹکرائی تو وہ چونک پڑے۔ تیز روشنی میں انہوں نے ایک آسمانی مخلوق کو دیکھا

اور دیکھتے رہ گئے۔ ان کی آنکھوں کی گویا جان ہی نکل گئی تھی۔

"ہیلو......!"

ایک حسین آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہالم...... ہالم پناہ......! ہالم...... ہالم جی......! ہاں...... مگر...... میرا مطلب ہے...... ہالم......"

"اللہ......! کیسی دِلکش آواز ہے آپ کی۔"

شہروز نے پرس جھلاتے ہوئے کہا۔

"جج...... جی......! کیا کہہ رہی ہیں آپ......؟"

عالم پناہ کے دل کی حرکت بند ہوئی جا رہی تھی۔

"مردانہ حسن کا شاہکار، خوابوں کے انسان، آہ......! میری آنکھوں میں مغلیہ دور گھوم گیا ہے۔"

شہروز کے حلق سے دلکش نسوانی آواز نکل رہی تھی۔

"مغ...... مغربیہ...... میرا مطلب ہے، مغلیہ دور...... مغلیہ دور......"

عالم پناہ رونے والی آواز میں بولے۔

"شہزادے......! آپ کے ہاتھوں میں پھول نہیں ہے......؟"

"فول...... جی ہاں......! نہیں ہے۔"

"پھر آپ کیسے شہزادے ہیں......؟"

"پپ...... پتا نہیں......!"

عالم پناہ کی کھوپڑی سے بھیجہ نکل بھاگا تھا۔

"ہائے......! آپ کو پتا نہیں ہے......؟"

"خدا کے لئے، خدا کے لئے......!"

انہوں نے ہاتھ پھیلا دیا اور شہروز نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"خود کو سنبھالئے عالم پناہ......! کیا ہو رہا ہے آپ کو......؟ اللہ......! خود کو سنبھالئے۔"

شہروز تشویش زدہ آواز میں بولا۔

"آہ......! آپ کو دیکھ کر...... آپ کو دیکھ کر ہمیں نہ جانے کیا ہو گیا ہے......؟"

"عالم پناہ......!"

شہروز مخمور آواز میں بولا۔

"ہم نے ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں پھول دیکھا ہے، آج آپ اُدھورے نظر آ رہے ہیں مجھے۔"

"بھاگ کر لے آئیں۔"

عالم پناہ بولے۔

"رہنے دیں، پھر کبھی سہی......!"

"مگر......آپ......آپ کون ہیں......؟ کون ہیں آپ......؟"

"ایں......؟"

شہروز حیرت سے بولا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟"

"تت......تو کک......کیا......کیا ہم آپ کو جانتے ہیں......؟"

"عالم پناہ......! کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟ کیسی اجنبیوں جیسی باتیں کر رہے ہیں......؟"

"ہم......ہم عالم پناہ......علی......علی......عالم پناہ......"

"اور ہم آپ کی نور جہاں......! آپ کی خادمہ......! آپ کی غلام......!"

"نور جہاں......؟"

عالم پناہ حیرت سے بولے۔

"آپ کی نور جہاں......!"

"قسم کھائیں......!"

عالم پناہ شرماتے ہوئے بولے۔

"آہ......! ہم نے تو ساری زندگی آپ کے پیار کی قسمیں کھائی ہیں عالم پناہ......! کیا آپ بھول گئے عالم پناہ......؟

ہم نے تو ہمیشہ...... آیئے، یہاں سے چلیں، یہ جگہ محبت بھری باتوں کے لئے مناسب نہیں ہے، آیئے......!"

اس نے عالم پناہ کا ہاتھ پکڑا اور عالم پناہ اس کے ساتھ کھنچے چلے گئے۔

☆......☆......☆

وہ شمائل کو بھول گئے تھے۔

"شمائل تو اس حسین لڑکی کے قدموں کی دھول بھی نہیں ہے۔ کہاں شمائل......؟ اور کہاں یہ......؟ مگر یہ ہے کون......؟ آہ......! کتنی حسین ہے، کیسی انوکھی، کیسی دلکش۔"

وہ انہیں لئے ہوئے کوٹھی کے ایک مخصوص گوشے میں پہنچ گئی جہاں ایک گیراج تھا۔ جس میں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ یہ غالباً کوٹھی کا وہ حصہ تھا جو صرف شہروز کے لئے مخصوص تھا۔ شہروز نے گاڑی میں سے ریموٹ نکالا اور گیراج کا خودکار دروازہ کھل گیا۔ شہروز نے گیراج سے کار نکالی اور عالم پناہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ شہروز نے ریموٹ کنٹرول سے گیراج کا گیٹ بند کیا اور پھر کار آگے بڑھا دی۔

"آپ کون ہیں......؟ میرا مطلب ہے، مس نور جہاں......! اس سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

شہروز ہنس کر بولا۔

"بب......بخدا......! نن......نہ جانے یہ کیا راز ہے......؟"

عالم پناہ کی سانس پھر پھولنے لگی۔

"کوئی راز نہیں ہے، بس وقت کی گرد آپ کے ذہن پر پڑی ہوئی ہے۔ اس گرد کو جھاڑ دیں۔ آپ کو سب کچھ یاد آ جائے گا۔"

"کیسے جھاڑیں......؟"

"یہ......یہ ہینڈ بریک کے پاس کپڑا رکھا ہوا ہے۔"

"ہاں......!"

"لے لیں، یہی لے لیں۔"

شہروز نے کہا اور عالم پناہ نے بادل نخواستہ کپڑا اُٹھا لیا جو گاڑی صاف کرنے کا کپڑا تھا۔ عالم پناہ اس سے اپنا سر جھاڑنے لگے۔ شہروز نے اپنا چہرہ دُور کر لیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"بس......! کافی ہے۔"

"بہتر......!"

عالم پناہ نے کہا اور کپڑا وہیں رکھ دیا۔

"کچھ یاد آیا......؟"

"جی ہاں، جی ہاں......! اب یاد آ رہا ہے۔"

عالم پناہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بتایئے، آپ کون ہیں......؟"

"علی......!"

"نہیں......! آپ خود کو عالم پناہ کیوں کہلواتے ہیں......؟"

"بس......! وہ تو ایسے ہی ہمارے نام کا حصہ بن گیا۔"

"نہیں حضور......! آپ کی عرفیت علی عالم پناہ ہے۔ آپ اکبر اعظم کے بیٹے ہیں۔"

"ایں......؟ نہیں نہیں......!"

عالم پناہ نے کسی قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں عالم پناہ......! نور جہاں سے آپ کا یہ جھوٹ نہیں چل سکتا، بس اب مذاق ختم کر دیں۔"

"یہ آپ ہمیں کہاں لے جا رہی ہیں......؟"

کار کو شہر سے باہر نکلتے دیکھ کر عالم پناہ نے پوچھا۔
"یادگار کی طرف......!"
"کس یادگار کی طرف......؟"
"اپنی محبت کی یادگار، آپ بھول گئے اسے بھی......؟"
"ہاں......! دراصل میں نے طویل عرصہ افریقہ میں گزارا ہے۔"
"افریقہ میں......؟"
شہروز ہنس پڑا۔
"ہاں......! وہیں، مگر اس وقت رات ہو چکی ہے۔ سڑکوں پر اندھیرا پھیلا ہوا ہے، یادگار کہاں ہے......؟"
"بس......! تھوڑی دُور۔"
شہروز نے جواب دیا اور علی، عالم پناہ تھوک نگل کر رہ گئے۔ عقل اس طرح خبط ہوئی تھی کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔
"کتنی حسین، کیسی بے تکلف، لیکن کون ہے یہ......؟ اور کہاں لے جا رہی ہے......؟"
"عالم پناہ......!"
شہروز کی آواز اُبھری۔
"ہوں......!"
"خاموش کیوں ہو......؟"
"پریشان ہوں ایک بات پر۔"
"کیا بات ہے......؟"
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"کیسی غلط فہمی......؟"
"میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔"
عالم پناہ نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شہروز ہنس پڑا۔
"میں آپ کی ظریف طبیعت سے واقف ہوں۔ مگر ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ مہابلی سنیں گے تو کیا کہیں گے......؟"
اس نے کہا۔
"کون بلی......؟"
"مہابلی......! شہنشاہ اکبر......!"
"تو کیا وہ ابھی زندہ ہیں......؟"

عالم پناہ نے بوکھلا کر پوچھا اور اپنا سر ونڈ اسکرین سے ٹکرانے سے بچانے کے لئے دونوں ہاتھوں کا سہارا لیا۔ سامنے ہی کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے کھنڈرات جنہیں دیکھ کر علی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، شہروز انجن بند کر کے نیچے اُتر گیا۔
"آیئے عالم پناہ......!"
وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔
"مگر یہاں تو اندھیرا ہے۔"
"ابھی یہاں ہمارے پیار کی روشنی پھیل جائے گی۔ تم تو سب کچھ بھول گئے۔"
لیکن علی کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اس کے پورے بدن میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال نیچے تو اُترنا ہی پڑا تھا۔ شہروز اطمینان سے ان کا ہاتھ پکڑے کھنڈرات میں داخل ہو گیا۔ کھنڈرات واقعی تاریک تھے، لیکن شاید وہ شہروز کے جانے پہچانے تھے۔ علی کی آنکھوں میں موت ناچ رہی تھی۔ اس وقت اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ لیکن...... لیکن وہ اب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
"اس جگہ کو پہچانتے ہیں عالم پناہ......؟"
"نہیں......! میں پہلی بار آیا ہوں۔"
"ابے......! جھوٹ بولتا ہے، شرم نہیں آتی......؟"
شہروز مردانہ آواز میں بولا اور عالم پناہ اُچھل پڑے۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔
"یہ کون بولا......؟"
انہوں نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔
"میں بول رہا ہوں میں۔"
شہروز چھاتی پر ہاتھ مار کر بولا۔
"ارے باپ رے......! یہ تمہاری آواز کو کیا ہو گیا......؟ ارے باپ رے باپ......!"
علی کی گھگھی بندھ گئی۔ شہروز نے نہ جانے کہاں سے ایک کوڑا نکال لیا اور اب وہ چابک پھٹپھٹا رہا تھا۔
"بول بھوتنی والے......! اس جگہ کو پہچانتا ہے......؟"
شہروز اب مسلسل مردانہ آواز میں بول رہا تھا۔
"مم...... مم...... معاف کر دو سید صاحب......! معاف کر دو۔ بھول ہو گئی۔ ارے باپ رے......! تم لڑکی ہو کر مردانہ آواز میں بول رہی ہو......؟"
"اب تو پھنس ہی گئے ہو جانِ من......! زندگی چاہتے ہو یا موت......؟ بولو......! جواب دو......!"
شہروز نے اس بار ایک تیسری آواز حلق سے نکالی تھی۔ اس کی اپنی کیفیت بھی عجیب ہی تھی۔
"بولو......! کیا چاہتے ہو......؟"

"زندگی......! زندگی......!"

"تو پھر یوں کرو، اوپری لباس اُتار دو۔"

"ایں......؟ اوہ......! نہیں نہیں......! رحم کرو......! خدا کے لئے رحم کرو......! تم کون ہو......؟ آخر کون ہو تم......؟"

"نور جہاں کی روح......! جو تمہاری تلاش میں بھٹک رہی تھی۔"

"روح......؟ کیا واقعی......؟"

عالم پناہ کی جان نکل گئی۔ ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا پھیل رہا تھا۔

"جی ہاں......! روح......! تم خود کو عالم پناہ کیوں کہلواتے ہو......؟"

"ہاں......!"

"کیوں تم نے کسی شہنشاہ کا نام چرانے کی کوشش کی......؟"

"لیکن......"

"عالم پناہ......! یہ تو کسی شہنشاہ ہی کو کہا جاتا ہے ناں......؟"

"غغ...... غلطی ہوگئی، معاف کردو......! بس ایک بار معاف کردو......!"

عالم پناہ بری طرح کانپ رہے تھے۔

"اوپری لباس اُتار دو۔"

"رحم کرو، خدا کے لئے رحم کرو۔"

"ہوں......! ایک شرط پر تمہیں معاف کیا جاسکتا ہے۔"

"کیا شرط ہے......؟"

عالم پناہ نے پوچھا۔

"لو، یہ ہنٹر سنبھالو......! لو ناں......!"

اس نے ہنٹر عالم پناہ کی طرف اُچھالا اور عالم پناہ نے اسے لپک لیا۔

"مارو......! مجھے مارو......! اگر تم مجھے مارنے میں کامیاب ہوگئے تو خود زندہ بچ جاؤ گے، ورنہ......"

شہروز کی آواز خوفناک ہوگئی۔

"تمہیں ماروں......؟"

عالم پناہ بُری طرح اُچھل پڑے۔

"جلدی کرو، جلدی کرو......! کہیں میں بے قابو نہ ہو جاؤں، جلدی کرو ذلیل انسان......! ورنہ......"

شہروز نے دونوں ہاتھ باندھ لئے۔ اس کے حلق سے "سی سی" کی آوازیں نکل رہی تھیں اور عالم پناہ کو حیرت تھی کہ وہ پاگل کیوں نہیں ہوئے جا رہے......؟ بہرحال انہوں نے ڈرتے ڈرتے ایک چابک آہستہ سے اس کے

رسید کردیا۔ اتنی حسین لڑکی کو مارنا بھی تو مشکل کام تھا۔ ایسی لڑکی جو چھو جانے سے میلی ہو جائے۔

"باز آجاؤ عالم پناہ......! بدن کی پوری قوت سے مارو۔"

"مگر...... مگر کیوں......؟"

عالم پناہ نے پریشانی سے پوچھا اور دوسرے لمحے شہروز نے آگے بڑھ کر ہنٹر ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دوسرے لمحے عالم پناہ کے حلق سے دھاڑ نکلی۔ ہنٹر نے ان کی کھال چھیل دی تھی۔

"اندازہ ہوا......؟"

"معاف کردو......! خدا کے لئے معاف کردو......!"

"یہ سنبھالو ہنٹر......! چلو مارو مجھے، مارو......! اپنی زندگی بچانے کے لئے مارو......! ورنہ کل صبح ان کھنڈرات سے تمہاری لاش برآمد ہوگی۔"

شہروز نے ہنٹر پھر ان کی طرف اُچھال دیا۔ عالم پناہ کے ہونٹ بھنچ گئے۔ درحقیقت ذہنی قوتیں ان واقعات نے زائل کردی تھیں اور اب وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگئے تھے۔ انہوں نے پوری قوت سے ہنٹر گھمایا جو شہروز کے بدن پر پڑا تھا۔

"عالم پناہ......! زندہ باد......! اور مارو......!"

اور عالم پناہ نے دوبارہ ہنٹر گھمایا، شڑاک کی آواز ہوئی تھی اور عالم پناہ ہل کر رہ گئے تھے۔

"جیو میری جان......! اب مرد لگ رہے ہو۔ وحشی بن جاؤ، زمانہ قدیم کے وحشی بن جاؤ۔ مارو...... لہلہ مار کر کھال گرا دو میری۔ مارو......! جلدی کرو، میرا نشہ اُکھڑ رہا ہے۔"

اور عالم پناہ اس پر ہنٹر برسانے لگے۔ اب ان کی کھوپڑی بالکل ہی بے قابو ہوگئی تھی۔ وہ دیوانہ وار ہنٹر برسانے لگے اور شہروز بل کھانے لگا۔ اس کے حلق سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ پھر وہ منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا۔ ہنٹروں سے اس کی قیمتی ساڑھی جگہ جگہ سے تباہ ہوگئی تھی۔ میک اپ بگڑ گیا تھا۔ لیکن عالم پناہ جنون کے عالم میں ہنٹر برسائے جا رہے تھے۔

"بس کرو......! بس کرو......! ہائے......! میں مرگئی، ہائے......! بس کرو۔"

بالآخر اس نے کہا اور عالم پناہ گر پڑے۔ ان کے حواس پر تاریکی چھا گئی تھی۔ شہروز اب عالم پناہ کو بھول گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرابیوں کی سی کیفیت تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کار کی طرف چل پڑا۔ اس کے حلق سے بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں۔

"وہ مجھے چاہتی ہے۔ کہتی ہے، شہروز......! زبان کھول رہی ہوں، تمہیں زندگی بھر کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ مجھے......؟ شہروز کو......؟ گل زادی کو......؟ اس بدنما وجود کو......؟ جس کی تشخیص بھی نہیں ہو سکی......؟ ہائے ظالم......! کھال اُدھیڑ دی۔ زندہ رہے تو ہزاروں برس۔"

اس نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ منہ سے سسکیاں نکل

رہی تھیں۔ کسی لمحے حادثہ ہو سکتا تھا، لیکن وہ مستعدی سے کار چلا رہا تھا اور کار کا رُخ شہر کی بجائے کسی اور طرف تھا۔ اس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ نہ جانے وہ کہاں کا سفر کر رہی تھی......؟

تقریباً دو گھنٹے تک وہ مسلسل سفر کرتا رہا۔ پھر ایک بستی میں داخل ہو گیا۔ بستی نیم تاریک تھی۔ مکانات کچے پکے تھے۔ گلیاں غلیظ اور تعفن آمیز تھیں۔ گھروں میں چراغ جل رہے تھے۔ شہروز نے ایک جگہ گاڑی روک کر انجن بند کر دیا اور پھر لڑکھڑاتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ اب وہ ایک پتلی سی گلی سے گزر رہا تھا، جس میں جا بجا غلاظت بہہ رہی تھی۔ انہی غلیظ راستوں سے گزرتا ہوا وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔

''آئے ہائے......! کون ہے بھیا......؟''

''شازیہ......! میں ہوں۔''

شہروز نے مردہ سی آواز میں کہا تھا۔

''کون......؟ گل زادی......؟ ہائے میری میا......! اری اماں......! اری او اماں......! ذری دیکھ تو کون آیا ہے......؟''

''کون ہے ری......؟''

اندر سے ایک بوڑھی مردانہ آواز سنائی دی۔

''اری اماں......! اُٹھ کے تو آ......! موم بتی لیتی آئیو......! دیکھے گی تو خوش ہو جائے گی۔ آ جا گل زادی......! وہاں کیوں کھڑی ہے......؟ اللہ ماری......! اری......! اندر تو آ جا چھنال۔''

مرد نما عورت یا عورت نما مرد نے شہروز کی کلائی پکڑ لی اور اسے گھسیٹ کر اندر لے گئی۔ ایک موٹی بوڑھی عورت جس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور مونچھیں بھی خاصی نکل آئی تھیں، گھاگھرا اور بلاؤز پہنے باہر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں موم بتی تھی جسے اس نے شہروز کے چہرے کے نزدیک کر کے اس کا جائزہ لیا۔ دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک آواز اُبھری۔

''ارے......! میری گل زادی......! ارے......! تو مرے خدا کرے، اتنے دن کے بعد...... ہائے ہلئے......! آنکھیں ترسا دیں۔''

بوڑھی یا بوڑھے نے شہروز سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ روتے روتے اس نے کہا۔

''ہائے ہائے شازیہ......! موم بتی تو پکڑ لے ذلیل......! ہائے ہائے......! مجھے مت روکو، مجھے رونے دو۔''

بوڑھا رونے لگا۔

''چپ ہو جاؤ میا......! چپ ہو جاؤ......!''

شہروز اس سے لپٹا ہوا رو رہا تھا۔

''اماں......! پلنگ اُٹھا لاؤں باہر......؟''

شازیہ نے پوچھا۔

''ہائے ہائے کمبخت......! اوس میں بٹھائے گی میری بچی کو......؟ ہائے گل زادی......! تو نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔''

بوڑھا روتے روتے ہدایات بھی دیتا جا رہا تھا۔

''چلو اندر چلو گل زادی......!''

شازیہ نے کہا اور دونوں شہروز کو سنبھالے ہوئے اندر پہنچ گئے۔

''ہائے میری میا......! اس کی ساڑھی میں تو خون لگا ہوا ہے۔''

دفعتاً شازیہ نے کہا۔

''خون......؟''

بوڑھے نے چونک کر کہا اور شہروز کو ٹٹولنے لگا۔ شہروز کسی ننھے سے بچے کی مانند اس کے سینے سے لگا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد دو تین زنخے اور آ گئے اور شہروز ان کے درمیان گھِر گیا۔ پوری بستی انہی لوگوں کی تھی۔ شہروز کی نہ جانے یہاں کیا حیثیت تھی......؟ بوڑھے کی ہدایت پر شہروز کا لباس تبدیل کیا گیا۔ ہنٹروں سے پڑنے والے زخموں پر کوئی خاص دوا لگائی گئی تھی اور اس کے بعد بوڑھے کی ہدایت پر سب اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ بوڑھا جسے کوئی ابا کہتا تھا، کوئی اماں، خود شہروز کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے، اپنوں میں آ جا۔ وہاں رہے گا تو انہی پریشانیوں میں گھرا رہے گا۔ یہاں سکون ہے، تشخیص ہے زندگی کی، میری بچی......! جو لکھ گئی، سو لکھ گئی۔''

شہروز خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اسے بے حد سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر وہ گہری نیند سو گیا۔ دوسری صبح اس کی کیفیت بہت بہتر تھی۔ بہت سے زنخے جمع ہو گئے تھے۔ سب کے سب شہروز سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

''گل زادی......! اللہ ماری......! تو تو خوب صورت سے خوب صورت ہوتی جا رہی ہے۔ لونڈیاں ماند پڑ جاتی ہیں تیرے سامنے۔''

''بس......! اب یہاں سے نہ جائیو......!''

دو پہر کو اماں نے کہا۔

''گل زادی......! گانے چلے گی......؟''

''کہاں اماں......؟''

''بس......! ایسے ہی تیرا دل بہلے گا۔''

''اماں......! ایک خاص جگہ چلنا ہے۔''

"کہاں ری......؟"

"میں بتا دوں گا، گاڑی سے چلیں گے۔ بنجاروں کی ایک بستی ہے۔ وہاں کچھ ملے نہ ملے، چلنا ضرور ہے۔"

"ٹھیک ہے، تو کہتی ہے تو چلیں گے۔"

"زخموں کا کیا حال ہے......؟"

"ارے......! زخموں کی پرواہ کسے ہے......؟ ان زخموں کی کسک میں جو مزہ ہے، کسی اور چیز میں کہاں......؟"

شہروز نے ہنس کر کہا اور دوسرے بھی ہنسنے لگے۔

"تو پھر چل......! میں تیرا میک اپ کروں۔"

"چلو......!"

شہروز یا گل زادی بولا اور سب اسے لے کر چل پڑے۔ شہروز کو ایک خوبصورت شلوار سوٹ پہنایا گیا اور ایسا میک اپ کیا گیا کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہروز کی شاندار کار ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گل زادی خود ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اس کے ارد گرد بہت ہی عجیب مخلوق بیٹھی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

شاہان کی ساری غزلوں کا مفہوم اُلٹ گیا تھا۔ ہتھنی بیگم نے زوجیت کا حق وصول کر لیا تھا اور مسلسل اس پر مسلط تھیں۔ وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور چاروں کی آنکھوں کی کہکشاں، اسے تارہ کہنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔

دوسرے دن خاتون نے فرمایا۔

"سنو......!"

"جی جان......! کہیے......!"

شاہان نے کہا۔

"ہائے اللہ......! تو، تو بہت اچھا ہو گیا۔"

"اللہ میرے گناہ معاف کرے۔ کیسے اندازہ ہوا آپ کو اس بات کا......؟"

"تو، تو اب پیار سے باتیں کرے ہے ہم سے۔"

"یہ تو میری ڈیوٹی ہے محترمہ......!"

"کیا ہے......؟"

"ڈیوٹی......!"

"یہ کیا ہوتی ہے......؟"

"ہوتی ہے ایک چیز۔ اب کیا عرض کروں......؟"

"ایک بات کہوں......؟"

"جی جی......! ارشاد......!"

شاہان نے کہا۔

"ایں......؟ کہاں ہے ارشاد......؟ مجھے تو نظر نہیں آ رہا۔"

"آئے گا بھی نہیں، بڑی خفیہ چیز ہے۔ ہاں تو آپ کیا فرما رہی تھیں......؟"

"تو برا تو نہیں مانے گا۔"

"لے......! کیا مجال ہے میری......؟ چار پہلوانوں سے لڑنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

شاہان نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہماری شادی کو چھ ماہ ہو چکے ہیں۔"

ہتھنی کی بچی نے شرماتے ہوئے کہا۔

"اور بچہ نہیں ہوا ابھی تک......؟ یہی ناں......؟"

"ہٹ......! کیسی باتیں کرے ہے......؟"

وہ اور شرما گئی۔

"خداوند......خداوند......! اور کیا سننے کو ملے گا......؟"

شاہان نے مظلومانہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہا ہے......؟"

"آپ کی درازیٔ عمر کی دُعا کر رہا ہوں۔"

"ہائے......! میری نہیں سنے گا، بس اپنی کہے جائے گا۔"

"جی جی......! سنائیے......! کوئی اور بات ہے......؟"

"تو اب کوئی کام کر......!"

"کام......؟"

شاہان تھوک نگل کر بولا۔

"کوئی اور کام بھی باقی ہے میرے لئے......؟"

"لے......! تو کر ہی کیا رہا ہے......؟ دن رات کھاتا ہے اور یہیں پڑا رہتا ہے۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"پھر کیا حکم ہے......؟"

"کام شروع کر دے اپنا۔"

"آپ نے اس قابل چھوڑا ہے مجھے......؟"

شاہان بولا۔

"لے......! میں نے کیا کیا ہے......؟"

بیگم صاحبہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔

"میرا مطلب ہے، آپ کی محبت نے مجھے اس قابل کہاں چھوڑا ہے......؟ ایک لمحے کے لئے بھی دل نہیں چاہتا آپ کے پاس سے ہٹنے کو۔"

"ہائے میں مر جاؤں۔"

"آمین......!"

اس نے دُہرے ہونے کی کوشش کی، لیکن یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ البتہ شاہان کی "آمین" وہ نہ سن سکی تھی۔ بہرحال دُہرے ہونے کی کوشش میں ناکام رہنے کے بعد وہ پھر بولی۔

"لوگ کہتے ہیں کہ میرا خصم نکھٹو ہے۔"

"سبحان اللہ......! کیا صحیح تجزیہ ہے ان کا۔"

"تو بس......! تو آج ہی سے کام شروع کر دے۔"

"گویا آپ میرا کام تمام کرنے پر تلی ہی ہوئی ہیں......؟ بسروچشم، کیا سزا تجویز کی گئی ہے میرے لئے......؟ میرا مطلب ہے، کیا کام کرنا ہوگا مجھے......؟"

اس نے پوچھا۔

"وہی اپنا پرانا کام......!"

"افسوس......! مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔"

"پانی بھرا کر، تیری مشک بھی سوکھ کر رہ گئی ہے۔"

"یا اللہ......! یا اللہ......! تو منصف ہے، گویا ابدولت سقے ہیں۔"

لیکن پھر وزنی مشک یاد کر کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں درد ہونے لگا۔

"بی بی......!"

"جی سرتاج......!"

"آپ دوسری شادی کریں گی......؟"

"ایں......؟ کیوں......؟"

اس کا منہ کسی غار کی طرح کھل گیا۔

"آخری وقت آ گیا ہے میرا۔"

"آخر کیوں......؟"

"مشک میں کتنا وزن ہوتا ہے......؟"

"تو پھر......؟"

"اُٹھ نہ سکے گی مجھ سے۔"

"چل، مذاق مت کر......! بس آج سے تو کام شروع کر دے۔ میں مشک نکال دیتی ہوں تیری۔"

"بی بی......! ایک بات بتاؤ۔ شکل وصورت سے معصوم ہی لگتی ہو۔ تم اس غلط فہمی کا شکار کیسے ہوئیں......؟"

"کسی غلط فہمی کا......؟"

"یہی کہ میں سقہ ہوں......؟"

"تو کیا تو نہیں ہے......؟"

"اگر مشک اُٹھانی پڑی تو میں بے شک نہیں ہوں۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

شاہان نے کہا، لیکن خاتون کی سمجھ میں نہ جانے کیا آیا۔ ان کی ناک سے "شوں، شوں" اور پھر حلق سے "بھوں، بھوں" کی آوازیں بلند ہوگئیں اور شاہان اُچھل پڑا۔

"ارے ارے......! یہ سرکاری بھونپو کیوں بجنے لگا......؟ الٰہی خیر......! الٰہی خیر......!"

شاہان نے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی، کیونکہ باہر سے ان چاروں پہلوانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ کوشش بعید از وقت تھی۔ چاروں دیوزاد اندر گھس آئے۔ منہ بند کرنے کی کوشش کو وہ نہ جانے کیا سمجھے......؟

"کیا ہو رہا ہے یہ......؟"

ان میں سے ایک دھاڑا اور شاہان اُچھل پڑا۔

"ایک نئے قسم کا عشق۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔"

"غوں......غاں، غاں......ای خاں......"

اس نے شاہان کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹا دیا تھا۔

☆......☆......☆

"کیا بات ہے باجی......؟"

کڑک دار آواز اُبھری۔

"یہ میری کوئی بات نہیں مانتا۔ کوئی کام میرے کہنے سے نہیں کرتا۔ جو کچھ میں کہتی ہوں، اسے مذاق میں اُڑا دیتا ہے۔"

"کیوں......؟"

چاروں کی خونی آوازیں اُبھریں۔

’’کمال ہے بھئی......! اب دیکھو، تمہاری بہن مذاق کا بھی برا مان جاتی ہیں۔ ہنسی ہنسی میں ناراض ہو جاتی ہیں۔ ٹھیک ہے، ان سے آئندہ مذاق نہیں کیا جائے گا۔‘‘

’’تو مذاق کر رہا تھا......؟‘‘

’’تو اور کیا......؟‘‘

’’کام کرے گا آج سے......؟‘‘

’’آج سے نہیں، ابھی سے۔‘‘

شاہان نے سینہ پھلا کر کہا اور ہتھنی کی بچی کی ’’بھوں، بھوں‘‘ ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

’’بس......! تم جاؤ، سب ٹھیک ہے۔‘‘

اس نے کہا اور وہ چاروں باہر نکل گئے۔ سوکھی ہوئی مشک تازہ کی گئی۔ وہ اسے ساتھ لے کر کنوئیں پر گئی۔ ڈول سے پانی کھینچ کر مشک بھری گئی اور چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

’’آ گیا، آ گیا بھئی......! کام پر......؟ بھائی......! ہمارے ہاں بھی دو مشکیں ڈال دو۔ ایک مشک ہمارے ہاں، چار ہمارے ہاں۔‘‘

بیس پچیس آرڈر بیک وقت مل گئے اور شاہان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن کوئی چارۂ کار نہیں تھا اس کے علاوہ کہ کام کرے۔ اس نے مشک کندھے پر اُٹھائی اور لڑکھڑاتا ہوا ایک گھر کی طرف چل پڑا۔ ایک مشک پانی کے پانچ روپے ملے تھے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر پانچ روپے کا سِکّہ جیب میں ڈالا اور پھر دوبارہ کنوئیں کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

رازی اور اینڈرسن آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔ گولیور نے اپنی آمد کا اعلان کر دیا تھا اور پولیس سخت تفتیش کر رہی تھی۔ لاتعداد گرفتاریاں ہوئی تھیں لیکن ایک بھی آدمی ایسا نہیں پکڑا گیا تھا جس سے کوئی خطرہ ہوتا۔ لیکن ان دونوں کے خیال میں گولیور غلط راستوں پر پڑ گیا تھا۔ وہ جس کام سے آیا تھا، اسے پس پشت ڈال کر گل زادی کے چکر میں اُلجھ گیا تھا اور گل زادی کا چکر اچھا نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی دونوں یہی گفتگو کر رہے تھے۔

’’آخر وہ ہے کہاں......؟‘‘

رازی نے کہا۔

’’کون......؟ گولیور......؟‘‘

’’ہاں......!‘‘

’’خدا جانے......! ویسے وہ اس شہر سے پوری طرح واقف ہے اور کسی اُلجھن میں نہیں پڑے گا۔‘‘

’’ہاں......! یہ تو درست ہے۔ ہمارے علاوہ اس کے اپنے ساتھی بھی تو اس کے ساتھ ہیں۔‘‘

’’تمہارا کیا خیال ہے......؟ کیا وہ گل زادی پر قابو پائے گا......؟‘‘

’’کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی۔ ویسے اس میں اور گل زادی میں ایک فرق نمایاں ہے۔‘‘

’’وہ کیا......؟‘‘

رازی نے پوچھا۔

’’گل زادی ایک مقامی غنڈہ ہے اور گولیور ایک بین الاقوامی بدمعاش۔ بے شک گل زادی بھی چالاک ہے اور اس نے اپنی چالاکی اور دلیری سے شہر کے غنڈوں کو تنگ کر کے اپنا فرمانبردار بنا لیا ہے۔ لیکن گولیور کی بات دوسری ہے۔ وہ دُنیا کی پولیس کو چکر دیتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے، وہ گل زادی کو کسی طریقے سے پھانس لے۔‘‘

’’ہاں......! امکانات ہیں اس بات کے۔‘‘

’’اوہ......! دیکھو شاید کوئی آیا ہے......؟‘‘

اینڈرسن چونک پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد گولیور مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کی پُرسکون مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے مطمئن ہے اور اسے کوئی ذہنی پریشانی نہیں ہے۔‘‘

’’ہوں......! تو تم دونوں یہاں موجود ہو......؟‘‘

اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’جنابِ عالی......! آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔‘‘

رازی نے جواب دیا۔

’’ویسے ابھی تم دونوں چھٹی کرو۔ مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔ کیونکہ تم لوگوں نے مجھے جس راستے پر ڈال دیا ہے، ابھی میں اس کے بارے میں پوری طرح مؤثر کارروائی نہیں کر سکا ہوں۔‘‘

’’ہمیں کچھ کہنے کی اجازت دیں باس......!‘‘

رازی نے کہا۔

’’ہوں ہوں......! کہو......!‘‘

گولیور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

’’باس......! بجائے اس کے لئے ہم لوگ اپنا کام کرتے، آپ بلاوجہ ایک اُلجھن میں پھنس گئے ہیں۔ آخر کیا فائدہ آپ کو اس اُلجھن میں پھنسنے کا......؟ گل زادی کیا حیثیت رکھتا ہے......؟ یوں بھی آپ مستقل تو یہاں رہنے کا پروگرام نہیں رکھتے۔ بس اپنا کام کریں گے اور چلے جائیں گے۔ آپ کو کیا مطلب گل زادی وغیرہ سے......؟‘‘

’’یہی تو بات ہے جسے تم لوگ نہیں جانتے۔‘‘

گولیور مسکراتا ہوا بولا۔

’’ہم جاننا چاہتے ہیں باس......!‘‘

"گولیور کی ہابی ہے، جس جگہ وہ ہوتا ہے، وہاں اس سے بڑا مجرم نہیں ہوتا۔ جرائم کی زندگی سے متعلق جتنے افراد اس ملک یا اس شہر میں ہوتے ہیں، وہ سب گولیور کے مطیع ہوتے ہیں اور اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ میں کسی ایسے آدمی کی موجودگی برداشت نہیں کرسکتا جو مجھ سے منحرف ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے......! لیکن......"

"بس بس......! تم بہت زیادہ ہمدردی جتانے کی کوشش مت کرو۔ تمہارے معاوضے تمہیں ملتے رہیں گے۔ اس وقت تک، جب تک میں گل زادی کو اپنے شکنجے میں نہ جکڑ لوں۔"

"معاوضے کی بات نہیں ہے باس......! ہمیں بس آپ کی فکر تھی۔"

"میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میرے لئے کس قدر فکرمند رہتے ہو۔ بہرصورت میں نے تھوڑی بہت کارروائی کی ہے۔ میرا خیال ہے، اس کا نتیجہ جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔"

"اوہ......! کیا آپ......؟"

"ہاں......! میں نے اس کے گھریلو حالات معلوم کر لئے ہیں اور اس کے گھر کو بھی دیکھ چکا ہوں اور اس کے ان ٹھکانوں کو بھی جہاں اس کا قیام رہتا ہے۔"

"اوہ......! بہت بڑی بات ہے باس......!"

"بہت بڑی بات تو اب ہونے والی ہے۔ تم بس تماشہ دیکھتے جاؤ۔"

گولیور نے کہا اور اینڈرسن اور رازی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"پھر ہم لوگ جائیں باس......!"

"ہاں......! تم لوگ جاؤ، آرام کرو اور اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمہیں کوئی چونکا دینے والی خبر سناؤں۔"

"شاید......!"

اینڈرسن کی سرگوشی کو گولیور سن نہیں سکا تھا۔ پھر اینڈرسن رازی کے ساتھ خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔

راستے میں اینڈرسن نے کہا۔

"وہ بہت مطمئن نظر آرہا تھا۔"

"ہاں......! وہ بے حد خطرناک ہے۔"

رازی آہستہ سے بولا۔

"دیکھو......! یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے......؟"

اینڈرسن نے کہا اور دونوں آگے چل پڑے تھے۔ کچھ دُور چل کر انہوں نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔

☆......☆......☆

عالم پناہ دوسرے دن شام کو گھر پہنچے تھے۔ کوٹھی میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ بچہ بچہ انہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ نواب احتشام بھی بے حد پریشان تھے۔ لیکن بہرحال عالم پناہ پہنچ گئے۔ وہ بے حد نڈھال تھے۔ ویسے راستے میں انہوں نے ایک کہانی سوچ لی تھی۔ سچی بات کسی کو بتانا ممکن نہیں تھا۔ سارا گھر ان کے گرد جمع ہو گیا تھا۔

"کہاں سے تشریف لا رہے ہیں صاحب زادے......؟ کیا افریقہ واپس چلے گئے تھے......؟"

احتشام حسن نے پوچھا۔

"جی نہیں......! میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔"

"نظر تو نہیں آرہے۔"

احتشام حسن نے طنزیہ کہا۔

"بھئی احتشام......! یہ زیادتی ہے۔ اس کی حالت خراب ہے اور تم اس طرح اس سے گفتگو کر رہے ہو......؟ جاؤ میاں......! نہاؤ دھوؤ، کھاؤ پیو، پھر تفصیل سے بتانا۔ جاؤ شاباش......! ویسے زخمی تو نہیں ہو......؟"

فاروق حسن نے مداخلت کی۔

"نہیں نہیں......! میں ٹھیک ہوں۔"

عالم پناہ مردہ سی آواز میں بولے اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ لڑکے اور لڑکیوں نے ان کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو فاروق حسن نے مداخلت کی۔

"نہیں بچو......! اسے تنہا چھوڑ دو اور آرام کرنے دو۔ کوئی اسے پریشان نہ کرے۔"

اور مجبوراً تابش وغیرہ رُک گئے۔ بہرحال نواب فاروق حسن فیصلہ کن لہجے میں جو بات کہتے تھے، اس میں وزن ہوتا تھا۔ البتہ شام کو کھانے کی میز پر بڑا سسپنس تھا۔ کیونکہ اس وقت عالم پناہ کی کہانی سنی جانے والی تھی۔ روکی البتہ اس دوران ٹھنڈی سانسیں بھر رہا تھا۔ تابش نے اس کا انٹرویو لے ڈالا۔

"آپ کے کیا تاثرات ہیں مسٹر روکی......؟"

"کس سلسلے میں......؟"

"میرا خیال تھا کہ عالم پناہ کی گمشدگی سے آپ بھی پریشان تھے۔"

تابش بولا۔

"ہاں......! یہ حقیقت ہے۔"

"کیا احساس تھا آپ کے دل میں......؟"

"آہ......! بس نہ پوچھو۔"

روکی نے کہا۔

"بتادیں تو عنایت ہوگی۔"

تابش نے عاجزی سے کہا۔

"مجھے یہ خوف تھا کہ وہ واپس نہ آجائے۔ اس کی گمشدگی کے حسین لمحات میری زندگی کا سرمایہ تھے......؟"

روکی نے جواب دیا۔ پھر خاموشی سے کھانا کھایا گیا۔ بڑی بے چینی پھیلی ہوئی تھی، اور پھر کھانے کے بعد فاروق حسن نے پوچھا۔

"ہاں میاں......! اب بتاؤ کہاں چلے گئے تھے تم......؟"

"وہ...... پھوپھا جان......! مجھے ایک جن اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

عالم پناہ نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔

"جن......؟"

احتشام حسن نے چونک کر کہا۔

"کہاں لے گیا تھا......؟"

"کھنڈرات میں۔"

"ارے بھائی......! کیسے لے گیا تھا......؟ اور اگر لے گیا تھا تو پھر اس نے تمہیں چھوڑ کیوں دیا......؟"

"اس کی مرضی......! بس میں باغ میں کھڑا ہوا تھا کہ تیز ہوا چلی اور جب میں نے اس تیز ہوا سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو مجھے محسوس ہوا جیسے میں ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔ پھر جب میں نے آنکھوں سے ہاتھ اُٹھائے تو وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔"

"اور تم کہاں تھے......؟"

"اسی کھنڈر میں۔"

"پھر کیا ہوا......؟"

"بس......! وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ وہ جن ہے اور مجھے اُٹھا کر لے آیا ہے۔"

"کمال ہے......! کیسے اُٹھایا ہوگا اس نے آپ کو......؟ میرا مطلب ہے، آپ تو بہت وزنی ہیں۔"

تابش بولے بغیر نہ رہ سکا اور فاروق حسن اسے گھورنے لگے۔ تابش نے جلدی سے گردن جھکا لی تھی، تب نواب صاحب نے کہا۔

"خاموش رہو تابش......! پوری بات سننے دو۔"

"جی بہتر......!"

تابش نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔

"ہاں میاں......! پھر کیا ہوا......؟ اس نے تمہیں خود بتایا کہ وہ جن ہے......؟"

"جی ہاں......!"

"اچھا......! کیا چاہتا تھا وہ تم سے......؟"

"جی...... جی کچھ نہیں......! ویسے تو اس نے کچھ نہیں چاہا مجھ سے۔"

عالم پناہ بولے۔

"نام کیا تھا اس کا......؟"

نواب فاروق حسن خان متحیرانہ انداز میں بولے۔

"نام...... میرا خیال ہے، میرا خیال ہے روحیل نام تھا اس کا۔"

عالم پناہ نے کہا اور تقریباً سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ نواب صاحب بھی مسکرانے لگے تھے۔

"یہ روحیل تو خاصا ماڈرن نام ہے۔ میرا خیال ہے، جنوں نے بھی اپنے ناموں میں تبدیلیاں کر لی ہیں۔"

صدف کہنے لگی اور نواب فاروق حسن نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولے۔

"تم لوگ بات کو مذاق میں اُڑانے کی کوشش مت کرو۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ بس......! اصل واقعہ کیا ہے......؟ یہ معلوم کرنا پڑے گا۔"

"بس پھوپھا جان......! وہ مجھ سے نہ جانے کیسی کیسی باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد میں پٹ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔"

"اوہ......! اس کا مطلب ہے، اس نے بڑی گندی گندی باتیں کی ہوں گی......؟"

کسی طرف سے آواز آئی اور نواب فاروق حسن نوجوان پارٹی کو گھورنے لگے۔ لیکن یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ کون بولا تھا......؟ تب نواب فاروق حسن نے کہا۔

"بیٹے......! پہلی بار جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے تم نے، لیکن بالکل کچے ہو، اور اپنی حرکت میں ناکام رہے ہو۔ سیدھے سیدھے بتاؤ کہاں تھے......؟"

"وہ...... وہ پھو...... پھوپھا جان......! خُ...... خُ...... خدا...... خدا کی قسم......!"

"آں آں......! قسم کھا کر میرے سامنے کوئی بات مت کرنا، ورنہ تم میری عادت جانتے ہو۔"

"ارے بھئی احتشام......! کیا ہو گیا ہے آخر تمہیں......؟ یوں لگتا ہے جیسے تم ان بچوں کے دشمن ہو گئے ہو......؟ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہوگی۔ اس کا حلیہ دیکھا تھا تم نے جس وقت وہ آیا تھا......؟"

"جی ہاں......! دیکھا تھا۔ کیا کر کے آئے ہیں......؟ اس کا پتا تو بعد میں ہی چلے گا، لیکن ان لوگوں کے کردار سے میں ہمیشہ مشکوک رہا ہوں۔ سیدھی سیدھی طرح سے اُگل دو، کہاں غائب رہے تھے......؟ تھانے میں بند تھے، یا کوئی چکر چل گیا تھا، ورنہ اگر حقیقت حال معلوم ہو گئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"پھوپھا جان......! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ان کھنڈرات میں، میں اپنا نام لکھ آیا ہوں۔ صرف اس لئے کہ اگر آپ لوگوں کو یقین نہ آئے میری بات پر تو آپ لوگ وہاں میرا نام دیکھ لیں۔"

عالم پناہ نے مسمسی سی شکل بنا کر کہا اور احتشام حسن گردن جھٹک کر خاموش ہو گئے۔

"اس نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا......؟"

"جی نہیں......!بس باتیں کرتا رہا۔کہنے لگا کہ مجھے بس یوں ہی تفریحاً اُٹھا کر لایا ہے۔"

"لو......!تفریحاً اُٹھانے کے لئے تم ہی ملے تھے اسے......؟"

ایک طرف آواز پھر سنائی دی اور فاروق حسن خان مسکراہٹ دبا کر اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔لیکن پتا نہیں چل سکا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا......؟

بزرگوں نے اس بات پر یقین کیا یا نہیں کیا......؟ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد کھانے کے کمرے سے عالم پناہ کی جان چھوٹ گئی۔لیکن اصل شامت تو اب آئی تھی۔لڑکے اور لڑکیاں ایک جلوس کی شکل میں انہیں لے گئے تھے۔وہ اسے کوٹھی کے دوسرے حصے میں لے گئے تھے، تا کہ بزرگوں سے محفوظ رہیں۔

"اب کھل جاؤ عالم پناہ......!"

تابش نے کہا۔

"تابش بھائی ایک عرض ہے۔"

عالم پناہ مدھم لہجے میں بولے۔

"فرمایئے......!"

"مجھے عالم پناہ نہ کہیں۔"

"ایں......؟سب حیرت سے اُچھل پڑے۔روکی بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں......!مجھے عالم پناہ نہ کہیں۔میرا نام......ارے باپ رے باپ......!بس آپ سب لوگ براہِ کرم مجھے عالم پناہ نہ کہا کریں۔"

"خدا خیر کرے......!آثار تو اچھے نہیں ہیں۔"

تابش تشویش زدہ لہجے میں بولا۔پھر چونک کر کہنے لگا۔

"لیکن بھائی......!اتنا اچھا نام کیوں بدلیں گے آپ......؟علی عرف عالم پناہ......!"

"بس......!بدلنا پڑے گا،اور آپ سب لوگ مجھے کسی اور نام سے پکارا کریں۔عالم پناہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں بھائی......؟کیوں......؟"

تابش بدستور اسی انداز میں بولا۔

"بس......!اس نام سے نور جہاں ہو جاتی ہے۔"

عالم پناہ بے اختیار بول پڑے۔

"اوہ......!تو آپ کو نور جہاں ہو گئی تھی......؟"

تابش نے کہا اور قہقہوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔

"کیا آپ لوگ صرف کسی کا مذاق اُڑا سکتے ہیں......؟ہمدردی سے کسی کی حالت پر غور نہیں کر سکتے......؟"

عالم پناہ نے کہا اور سب چونک کر خاموش ہو گئے۔

"میں نے اپنا نام بدل دیا ہے،اپنی فطرت بدل دی ہے۔آپ لوگ میرا مذاق نہ اُڑائیں۔"

"نیا نام کیا ہے آپ کا......؟"

"یہ بعد میں فیصلہ کر لیا جائے گا۔بہر حال اب میں عالم پناہ نہیں ہوں،اور بی بی......!ذرا ہٹ کر بیٹھیں اب مجھے لڑکیوں سے وحشت ہونے لگی ہے۔"

عالم پناہ نے قریب بیٹھی ہوئی صدف سے کہا اور وہ بری طرح جھینپ کر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔لیکن روکی کا چہرہ مسرت سے کھل اُٹھا۔وہ خوشی کے عالم میں بولا۔

"کیا واقعی علی بھائی......؟"

"ہاں......!میں سچ بول رہا ہوں۔"

"کمال ہے......!کمال ہے......!"

سب نے بیک وقت کہا۔

"تو اب سارہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے......؟"

تابش نے سوال کیا۔

"میں نے اس بیچاری کا ہمیشہ مذاق بنوایا ہے،حالانکہ وہ میری بہن ہے۔خدا مجھے معاف کرے۔"

"اور شائل......!"

روکی نے جلدی سے پوچھا اور پھر زبان دبالی۔اتفاق کی بات یہ تھی کہ شائل کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی، ورنہ ایک ہنگامہ مچ جاتا۔

"شائل بھی میری بہن ہیں۔"

عالم پناہ نے کہا اور روکی شدتِ جذبات سے بے قابو ہو کر عالم پناہ سے لپٹ گیا۔

"میں تمہاری شان میں ایک نغمہ گانا چاہتا ہوں علی......!دوستو......!مجھے اجازت دو۔"

"اگر زیادہ گڑبڑ کی روکی صاحب......!تو آپ کو آپ کی دلربا کے ساتھ اُٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا۔ خاموشی سے بیٹھیں۔"

"اوہ......!میں تو اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔"

"آپ......؟"

تابش نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جی......!آپ لوگ تو جمعہ جمعہ آٹھ دن سے علی کو جانتے ہیں۔میرا اور اس کا تو بچپن کا ساتھ ہے۔"

"اوہ......!اچھا اچھا......!اس سے قبل آپ کیا فرما رہے تھے......؟آپ کو خوف تھا کہ کہیں عالم پناہ واپس نہ آجائیں۔"

تابش نے کہا۔

"مم......مذاق نہ کیا کریں ہر وقت تابش بھائی......! پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔"

"تو پھر خاموش بیٹھو......!"

"تو میں کیا کہہ رہا ہوں......؟"

روکی نے کہا۔ اسے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ عالم پناہ اب شائل کو بہن سمجھتا ہے۔ یہ بات بڑی دش کن تھی اور روکی اس مسرت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ بہرصورت شیطانوں کی ٹولی میں تھا، اس لئے خاموش بیٹھنا اتھا۔ تابش نے پھر کہا۔

"تو عالم پناہ......! آپ ہمیں سچی بات نہیں بتائیں گے......؟"

"کیا مطلب......؟"

"میرا مطلب ہے کہ ہم تو کم از کم اس بات کو نہیں مان سکتے کہ کوئی جن آپ کو اٹھا کر لے گیا تھا۔"

"تو آپ لوگ نہ مانئے......! میں کیا کر سکتا ہوں......؟"

عالم پناہ نے کہا۔

"وہ کھنڈرات کہاں ہیں جن پر آپ اپنا نام لکھ آئے ہیں......؟"

کسی نے پوچھا۔

"میں اس جگہ کا نام تو نہیں بتا سکتا، البتہ آپ کو اس جگہ تک لے جا ضرور سکتا ہوں۔"

"تو ان کھنڈرات میں آپ رات بھر بے ہوش پڑے رہے......؟"

"جی ہاں......!"

"پھر اس کے بعد......؟"

"بس......! اس کے بعد کیا ہونا تھا......؟ جب میں ہوش میں آیا تو میری حالت بے حد خراب تھی۔ وہاں سے آنے کے لئے کوئی سواری بھی نہیں مل سکی۔ چنانچہ میں پیدل ہی چل پڑا۔ پیدل چلتا ہوا میں ایک چھوٹی سی بستی میں ہنچ گیا جو میرے لئے اجنبی تھی۔ بستی میں پہنچ کر مجھے پتا چلا کہ میں نے غلط رُخ اختیار کیا ہے، شہر تو دوسری جانب ہے۔ نانچہ میں نے پھر واپسی کا سفر شروع کیا اور پیدل چلتا ہوا گھر تک پہنچ گیا۔"

"اوہ......! تو گویا آپ یہاں تک پیدل آئے تھے......؟"

تابش نے پوچھا۔

"جی ہاں......!"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"اور جن صاحب سے آپ کی کیا کیا باتیں ہوئیں......؟"

تابش نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہوئیں، لیکن جن صاحب نے ایک بات اور بھی کہی تھی۔"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"وہ کیا......؟"

"وہ یہ کہ ان کے اور میرے درمیان کی گفتگو کسی غیر کو نہ بتائی جائے ورنہ مجھے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

عالم پناہ نے کہا اور تابش نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"زندگی میں پہلی بار آپ نے کوئی عقل کا کام کیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ کے یہ الفاظ ذہانت سے بھرپور ہیں۔"

تابش نے کہا۔

"بس......! اب مجھے اجازت دیں۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

عالم پناہ بولے اور ان سب کے روکنے کے باوجود وہ نہ رُکے اور سیدھے اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ درحقیقت ان کی طبیعت پر بے حد خوف طاری تھا۔ نور جہاں کے نام سے جو شخصیت ان پر مسلط ہوگئی تھی، وہ بے حد خوفناک تھی۔ یاد کرتے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ کبھی مردانہ آواز میں بولتی اور کبھی زنانہ آواز میں۔ نہ جانے کیا چیز تھی وہ......؟ اور خود نہ جانے کیسے خوفناک حالات کا شکار ہو گئے تھے......؟ بہرصورت یہ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ عورت کا چکر ہی غلط ہے۔ نہ اس عورت کو دیکھ کر بے وقوف بنتے اور نہ ان کی یہ حالت ہوتی۔ اگر ان کھنڈرات میں انہیں قتل بھی کر دیا جاتا تو شاید کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔ چنانچہ لعنت بھیجی تھی انہوں نے عورت پرستی پر، اور اب صحیح معنوں میں وہ ایک اچھا انسان بننے کی کوششوں میں مصروف ہونا چاہتے تھے۔ پھر دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں تنہائی چاہتا ہوں۔ براہِ کرم......! مجھے پریشان نہ کریں۔"

"بھائی......! دروازہ تو کھولو، میں تمہارا دوست ہوں، روکی......!"

روکی نے کہا اور عالم پناہ نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔

☆......☆......☆

روکی ہمدردانہ شکل بنائے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے علی کو عجیب سے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"علی بھائی......! میں تمہارے لئے بہت غمزدہ ہوں۔"

"بس بس......! مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارے اندرونی جذبات کو بخوبی جانتا ہوں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"آپ بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کوئی خاص کام ہے اس وقت......؟"

"نہیں......! بس عیادت کو آ گیا تھا۔ آپ نے تو شمائل کو بھی نہیں بتایا۔"

"ہاں......! اب تمہیں آزادی ہے، بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

عالم پناہ نے کہا اور روکی مسرت سے مسکرانے لگا۔ دوسری طرف لڑکے اور لڑکیاں آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بالآخر ایسی کون سی بات ہوئی ہے کہ عالم پناہ کے مزاج ٹھکانے آ گئے، جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ سچ تو نہیں ہے، تابش کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، اس بار وہ بڑے سلیقے سے جھوٹ بول رہا ہے، لیکن اس سے حقیقت اُگلوانا پڑے گی اور یہ کام شمائل کر سکتی ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

شمائل اُچھل پڑی۔

"ارے......! کیا تمہارے اوپر قیامت نہیں ٹوٹ پڑی یہ سن کر کہ اس نے تمہیں بہن بنا لیا ہے۔"

تابش آنکھیں نکال کر بولا۔

"خدا نہ کرے......! لعنت ہے اس پر۔"

"نہیں شمائل......! تم بہت افسردہ ہو۔ تم اس سے کہو گی کہ تم خودکشی کر لو گی، تم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکیں شمائل۔"

"تابش بھائی......! زبان کو لگام دیں۔"

شمائل غرائی۔

"بس تو پھر کھیل ختم کرو، اور آرام کرو، میں ان حالات سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ شمائل کو قربانی دینی پڑے گی۔"

"تو کروں گی میں کیا آخر......؟"

شمائل جھلا کر بولی۔

"اب تم کھلم کھلا عالم پناہ سے پیار کرو گی اور روکی سے نفرت۔"

تابش نے کہا۔

"اب یہ ڈرامہ ہو گا......؟"

"جی ہاں......! ضروری ہے۔"

تابش نے فیصلہ کن انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی کا لطف آ گیا تھا۔ شاہان نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سقے کا کام بھی کرے گا۔ لیکن چار بھائی نگراں تھے، ایک سے بڑھ کر ایک خونخوار تھا اور شاہان اس برے وقت سے گزر رہا تھا۔ اس کے کندھے ٹوٹ گئے تھے مشک اُٹھا اُٹھا کر۔ پوری بستی کا پانی بھرنا پڑتا تھا اور اس کے عوض پانچ یا دس روپے فی مشک مل جاتے تھے اور وہ تمام رقم جمع کر کے اپنی پیاری بھینس کے ہاتھوں میں رکھتا تو وہ خوشی سے پھولی نہ سماتی۔ اس نے سینکڑوں ترکیبیں سوچی تھیں اور پھر ایک دن اس نے اس تجویز پہ عمل بھی کیا۔

"بیگم......!"

وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"کیا ہے......؟"

"مجھے افسوس ہے بیگم......! کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے لئے زیورات بنواؤں، عمدہ عمدہ کپڑے پہنا کر تمہیں شہزادی بنا دوں۔"

"کیا اب میں شہزادی نہیں لگتی......؟"

"تم ملکہ لگتی ہو، مگر بس یہ میرا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے......! بس...... مجھے بس تیری ضرورت ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے......! مگر میرے دل میں ایک اور خیال ہے۔"

"کیا......؟"

"میں شہر جا کر نوکری کروں۔"

"مجھے چھوڑ جائے گا......؟"

"ارے نہیں......! ہم دونوں شہر چلیں گے۔ ایک عمدہ سا گھر لیں گے، اور...... اور......"

"نہیں نہیں......! میں یہ بستی نہیں چھوڑوں گی۔ میں اپنے بھائیوں کو نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ بولی۔

"تو پھر تم اجازت دو تو میں شہر چلا جاؤں۔ وہاں جا کر بہت ساری دولت کماؤں گا، تمہارے لئے عمدہ زیور بنواؤں گا، تھوڑے دنوں کے بعد پھر واپس آ جاؤں گا۔"

شاہان نے کہا اور گلابو کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکلنے لگے۔

"نہیں نہیں......! تو ہی میرا زیور ہے، تو ہی میرا گہنا ہے۔ بس تو میرے ساتھ رہ۔ میرے لئے یہی کافی ہے۔ تو یہاں جو کچھ کما کر مجھے دیتا ہے، میں اس میں خوش ہوں، مجھے کچھ اور نہیں چاہئے۔"

"لعنت ہے تجھ پر......!"

دل ہی دل میں شاہان بولا۔ گلابو مسلسل روتی رہی تھی۔

"میں تجھے جانے نہیں دوں گی، میں تجھے کبھی نہیں جانے دوں گی شاہو......!"

"گلابو......! تو نے میری کبھی تشفی نہیں کی، تو نے یہ بات مجھے کبھی نہیں بتائی کہ تیری اور شاہو کی شادی آخر کس طرح ہوئی......؟ اور یہ شاہو کمبخت تھا کون......؟ اور کہاں مر گیا......؟"

شاہان نے کہا۔

"ایں......؟ کیا کہہ رہا ہے تو......؟"

"اری......! کچھ نہیں......! بس ایسے ہی خود سے باتیں کرنے لگتا ہوں کبھی کبھی۔ ٹھیک ہے......! میں جا رہا ہوں، شیدے کے ہاں پانی ڈالنا ہے۔"

شاہان نے اپنی یہ کوشش ناکام دیکھ کر کہا اور مشک لے کر خود کو کوستا ہوا باہر نکل گیا۔ بہت دور ایک مجمع لگا ہوا تھا جہاں سے ڈھول بجنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ مجمع بستی کے آخری سرے پر تھا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ قریب جا کر دیکھے کہ اس مجمع میں کیا ہو رہا ہے......؟ اس طرف شاہان کبھی نہیں گیا تھا۔ بہرصورت اس وقت تک اس پر کوئی پابندی نہیں تھی جب تک کہ وہ اس بستی کی سرحد سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرتا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اس مجمع کے نزدیک پہنچ گیا۔ خاصا طویل فاصلہ تھا لیکن اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی کھیل تماشہ ہو رہا ہے۔ نہایت ہی بھونڈے انداز میں اسے گانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بہرصورت وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں مجمع لگا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے لئے جگہ بنالی اور رقص کرنے والوں کو دیکھنے لگا۔ وہ زنخے تھے۔ وہ زنانہ لباس پہنے ہوئے تھرک رہے تھے۔ دو تین تھے۔ لیکن پھر ایک زنخے پر شاہان کی نگاہ پڑی اور وہ بری طرح اُچھل پڑا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس حیرت ناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ گل زادی تھا۔

"ہاں......! یہ وہی گل زادی ہے۔ وہی خطرناک شخص جو بہت بڑا بلیک میلر تھا۔"

لیکن اس وقت وہ زنخوں کے گروہ میں ان کے ساتھ ناچ گا رہا تھا۔ وہ ڈھول بھی بجا رہا تھا اور اس کے قریب ایک زنخہ ناچ رہا تھا۔ شاہان احمقوں کی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ دفعتہً کسی نے اس کے بازو میں چٹکی لی اور وہ سسکی سی لے کر اُچھل پڑا۔ اسے یہی احساس ہوا تھا کہ شاید گلابو یہاں آ گئی۔ پلٹ کر اس نے چٹکی لینے والے کو دیکھا اور ایک بار پھر اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ یہ عالیہ شاہ تھی جو خانہ بدوشوں کے لباس میں تھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"تم......؟"

شاہان کے منہ سے نکلا۔

"اور تم......؟"

عالیہ شاہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"تم یہاں کہاں......؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"جواب میں، میں تمہیں طویل کہانی سناؤں گا۔"

"اوہ......! اس کا موقع نہیں ہے۔"

"مگر......مگر عالیہ شاہ......تم......؟"

شاہان بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر بھی اتنی ہی حیرت ہوئی ہے شاہان......! مجھ پر جو بیتی ہے، تم تصور نہیں کر سکتے۔"

"یہ دیکھو......!"

شاہان نے مشک اس کے سامنے کر دی۔

"ارے......! یہ کیا ہے......؟"

"مشک......!"

"کیا مطلب......؟"

"اس وقت میں شاہان نہیں بلکہ شاہو سقہ ہوں۔"

"کیا......؟"

عالیہ شاہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"اور پورے ایک ٹن وزنی عورت کا شوہر ہوں۔"

"خدا کی پناہ......! سنو شاہان......! اسے دیکھ رہے ہو......؟"

"ہاں......! اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ شہروز نہیں ہے......؟"

"میں تو اسے لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں۔ اوہ......! شاہان......! میری نند اسی طرف آ رہی ہے۔ سنو......! جلدی سے کہیں ملنے کا وعدہ کرو۔ میں پہنچوں گی۔ کیا تم بھی اسی بستی میں ہو......؟"

"ہاں......!"

"کس جگہ......؟"

"اس کے آخری سرے پر۔"

"آہ......! شاہان......! کچھ کرو، ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔ سنو......! وہ پیپل کا درخت دیکھ رہے ہو......؟"

"کون سا......؟"

"وہ جو اینٹوں کے بھٹے کے پاس ہے......؟"

"ہاں......!"

"رات کو بارہ بجے کے بعد کسی بھی وقت میں وہاں آؤں گی۔ تم میرا ساری رات انتظار کرنا شاہان......!"

میں ضرور آؤں گی، کسی بھی وقت، جب بھی موقع ملا، میں ضرور آؤں گی۔ خواہ مجھے کشت و خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے......؟"

"او کے......! میں بھی پہنچوں گا۔"

اور پھر وہ دونوں گل زادی کو دیکھنے لگے جو لہک لہک کر ڈھول بجا رہا تھا۔ اس کی یہاں موجودگی بھی معمولی بات نہیں تھی۔ انہوں نے یہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور وہاں سے ہٹ آئے تھے۔ لیکن دونوں کی بری حالت تھی۔ شاہان پاگلوں کے سے انداز میں سوچ رہا تھا۔ ذہین انسان تھا اور کافی چست و چالاک بھی تھا۔ وہ تو حالات و واقعات نے دماغ کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں ورنہ اس قدر بدحواس نہ ہوتا۔ دن بھر وہ پانی بھرتا رہا۔ اس کا دل رات کے تصور سے دھڑکنے لگا تھا۔ عالیہ شاہ کو اس نے جس حال میں دیکھا تھا، وہ بھی عجوبہ تھا اور پھر گل زادی بھی یہاں موجود تھا۔

"گل زادی......؟"

اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔

"تم ہماری توقع سے بہت آگے ہو اُستاد......! غلطی ہوگئی کہ عالیہ شاہ کی باتوں میں آ گئے۔ بہر حال اس بار اگر جاں بخشی ہوگئی تو آئندہ تم سے انحراف نہیں کریں گے۔"

اس نے آخری فیصلہ کیا تھا۔ رات ہوگئی، پہاڑی بلا اس پر پھر مسلط تھی۔ اس کا موٹا ہاتھ کسی درخت کی شاخ کی مانند شاہان کی گردن سے لپٹا ہوا تھا اور وہ خوفناک خراٹے لے رہی تھی۔ شاہان دن میں تیاریاں کر چکا تھا۔ اس نے باہر کی آوازیں سنیں۔ رات خوب گہری ہوگئی تھی اور بستی نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔ اس نے شاخ کو آہستہ سے گردن سے ہٹایا۔ وہ جاگ گئی۔

"کیا ہے......؟"

گلابو نے پوچھا۔

"وہ ذرا......"

"کیا ذرا......؟ چین نہیں ہے تجھے بھی۔"

"بس......! ابھی آیا، ذرا کونے میں جا رہا ہوں۔"

شاہان نے کہا اور شاخ اس کی گردن سے ہٹ گئی، لیکن یہ حل نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد ہی وہ ہنگامہ کر دے گی اور اس ہنگامے سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔ چاروں پہلوان اس کی تلاش میں دوڑ پڑیں گے۔ اس لئے وہ کارروائی ضروری تھی جو اس نے دن میں سوچ رکھی تھی۔ چنانچہ گلابو کی پشت پر پہنچ کر اس نے کپڑے دھونے کی موگری اُٹھائی اور خاصی قوت سے اس کے سر پر دے ماری تھی۔

"ارے میرے مولا......!"

ایک دھاڑ نکلی، لیکن شاہان اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے پھرتی سے اس کا منہ بھینچ لیا اور اب وہ اس تودے پر چڑھ بیٹھا تھا۔ دوسری موگری نے اس کی مشکل حل کر دی۔ اس نے دو تین ہاتھ مارے اور ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کے

بعد شاہان دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ اس نے رسّی سے اس دیوانی کو کس کر باندھ دیا۔ بڑی مشکل سے حلق چیر کر اس میں دوپٹہ ٹھونسا۔ اس دوران وہ بری طرح ہانپ گیا تھا، لیکن رہائی کے تصور سے اسے خوشی بھی تھی۔ بشرطیکہ اس وقت تقدیر ساتھ دے جائے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے موگری اُٹھائی۔ اسے وہ احتیاط کے ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ یہ موگری اس وقت اس کے لئے ہتھیار کی حیثیت رکھتی تھی اور بہت قیمتی شئے تھی۔ جھونپڑے کے عقب میں پہلوان خراٹے لے رہے تھے۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے شاہان کے دل میں پنکھے لگ گئے تھے۔ لیکن تقدیر آج اس پر مہربان تھی۔ وہ ان کے درمیان سے نکل آیا اور جب وہ اس جگہ سے کافی دُور نکل آیا تو اس کی ہمت بڑھ گئی۔ پھر جو سرپٹ دوڑا تو پیپل کے درخت کے پاس ہی جا کر دم لیا۔ عالیہ شاہ وہاں موجود تھی۔

"شاہان......!"

اس نے آواز دی۔

"میں ہی ہوں۔"

شاہان سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"کیا خیال ہے شاہان......؟"

"کیا مطلب......؟"

"فرار ہونے کی ہمت ہے۔"

"میں کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔"

"میں سمجھی نہیں......!"

"سمجھانے کے لئے طویل وقت درکار ہے۔ اس وقت یہاں سے نکل چلو، مگر راستے کا کوئی تعین ہے یا نہیں......؟"

"کوئی نہیں......!"

"بہرحال، اللہ مالک ہے۔ اس بستی کے کسی بھی دوسرے رُخ پر نکل چلو۔ بعد میں جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

شاہان نے کہا اور دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ بس ایک رُخ اختیار کر لیا تھا اور کسی سمت کا کوئی تعین نہیں تھا۔ دونوں خاموشی سے چلتے رہے اور پھر دونوں کو ایک ساتھ ہی خیال آیا اور انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کر دیا۔ شاہان اور عالیہ شاہ اچھے خاصے لوگ تھے، لیکن اس وقت وہ جس حلیے میں تھے اور جس انداز میں دوڑ رہے تھے، وہ بہت مضحکہ خیز تھا۔ بہرصورت وہ اس وقت تک دوڑتے رہے جب تک ان میں دوڑنے کی ہمت رہی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ذرا سی لغزش انہیں ایک بار پھر اس مصیبت میں پھنسا سکتی ہے۔ اس لئے جان توڑ کر دوڑ رہے تھے اور جلد از جلد اس بستی سے نکل جانا چاہتے تھے۔ جس علاقے میں وہ دوڑ رہے تھے، وہ چٹیل علاقہ تھا۔ وہ ایک سنگلاخ پہاڑی میدان دکھائی دیتا تھا اور ان کے پاؤں پتھروں سے زخمی ہوئے جا رہے تھے۔ دونوں ہی ننگے پاؤں تھے کیونکہ

جوتوں کا یہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ دفعتہً شاہان نے عالیہ شاہ سے کہا۔

''تمہاری رفتار کچھ سست ہو رہی ہے۔''

''آہ......! چلتے رہو، چلتے رہو......! تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے، اسے تو برداشت کرنا ہی ہوگا۔''

عالیہ شاہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے، ہم کافی دُور نکل آئے ہیں۔''

''ہاں......! وہ سامنے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے ہیں، غالباً وہ جنگل ہے۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''ہاں......!''

''تو کیا جنگل میں داخل ہو جاؤ گے......؟''

''میرا خیال ہے، خطرناک ہوگا۔ کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ علاقہ کون سا ہے......؟''

''تو پھر یوں کرتے ہیں کہ بائیں سمت اختیار کر لیتے ہیں۔ اب جب تقدیر پر بھروسہ کیا ہی ہے تو پھر تقدیر جہاں کہیں بھی لے جائے۔ میں تو ساری کشتیاں جلا کر آئی ہوں۔ شاید میرے ہاتھوں سے کوئی خون بھی ہو گیا ہے۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''خون......؟''

شاہان چونک کر بولا۔

''ہاں......! میرا خیال ہے کہ میں نے خون کر دیا ہے۔''

''کس کا......؟''

''اپنے شوہر کا......؟''

عالیہ شاہ نے کہا اور ہنس پڑی۔ شاہان سر کھجانے لگا تھا اور پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''گویا اس نے تمہارا بھی پورا پورا خیال رکھا تھا۔ ویسے عالیہ شاہ......! مجھے ایک خدشہ اور ہے۔ کہیں گل زادی اس وقت بھی ہمارے پیچھے نہ ہو۔ ہم ان لوگوں کی نگاہوں سے تو بچ سکتے ہیں، لیکن گل زادی......؟ لگتا ہے وہ ہمارے قریب ہی موجود ہے۔''

''خدا کے لئے......! اس بھوت کا نام نہ لو۔ وہ ہماری زندگیوں سے چمٹ گیا ہے اور ہماری جان لئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ بس......! تم چلتے رہو اور اگر وہ مجھے مل جائے تو ہم زندگی میں آخری بار خلوصِ دل سے اس سے معافی مانگ لیں گے۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''کمال ہے......! میرے اور تمہارے خیالات کس قدر ملتے جلتے ہیں......؟''

''تو کیا تم بھی یہی سوچ رہے تھے......؟''

''ہاں......!''

شاہان نے کہا۔ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ وہ اب بھی دوڑ رہے تھے، لیکن دونوں کے سانس بری طرح پھول رہے تھے۔ پھر عالیہ شاہ کی رفتار سست ہو گئی۔ ابھی درختوں کے جھنڈ ان کے پاس ہی تھے۔

''بس......! اب نہیں دوڑا جاتا۔''

عالیہ شاہ نے کہا۔

''درخت پر چڑھنا جانتی ہو......؟''

''نہیں......!''

''میں سہارا دوں گا، تم کوشش کرو۔ ہم زمین پر آرام نہیں کر سکتے۔ کسی درخت کو تلاش کر کے اس پر رات گزاریں گے، بلکہ دن بھی بسر کریں گے، تاکہ ان خانہ بدوشوں کی سرگرمیاں کم ہو جائیں۔''

''ٹھیک ہے......!''

عالیہ شاہ نے گہری سانس لے کر کہا اور شاہان جنگل میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی ہی دُور انہیں ایک درخت مل گیا اور چند لمحات کے بعد وہ اس کی موٹی شاخوں پر بیٹھے اپنی اپنی سانسیں درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کام میں انہیں کافی دیر لگی تھی۔ اس کے بعد عالیہ شاہ نے اس خاموشی کو توڑا۔

''تم صبح کو کس حلئے میں تھے......؟''

''شاہو سقے کے حلئے میں۔ اس بستی کے گھروں میں پانی بھرنا میرا کاروبار تھا۔''

شاہان نے کہا اور عالیہ شاہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''تم ہنس رہی ہو میری درگت پر......؟''

''کوئی بیوی تو نہیں تھی تمہاری......؟''

''خدا کے لئے......! اس قہر خداوندی کی یاد نہ دلاؤ۔ میں اس درخت سے نیچے گر پڑوں گا۔''

شاہان نے کہا اور عالیہ شاہ آنکھیں بند کئے ہنسنے لگی۔

''کون تھی وہ......؟''

''ڈیڑھ من وزنی حسینہ......!''

شاہان نے کہا اور اپنی کہانی دُہرا دی۔ عالیہ شاہ مسلسل ہنستی رہی تھی۔ شاہان کے خاموش ہونے کے بعد اس نے شاہان کو اپنے شوہر کے بارے میں بتایا اور بولی۔

''میں اگر تمہیں نہ دیکھتی شاہان......! تو شاید کچھ عرصے کے بعد خود کو بھول جاتی۔ مجھے اس زندگی سے سکون مل رہا تھا۔ لیکن یہ خیال بھی میرے دل میں تھا کہ یہ زندگی بھی عارضی تھی۔ کیونکہ ہمارے سروں پر ایک بھوت مسلط ہے۔''

''گل زادی......! گل زادی......! گل زادی......!''

درختوں کی پتیاں سرسرا رہی تھیں اور تاریکی میں ایک ہی آواز اُبھر رہی تھی۔

"گل زادی......!"

دونوں کے دل خوف و دہشت سے لرز رہے تھے۔ ہواؤں کی سرگوشیاں ان کے بدن میں کپکپی پیدا کر رہی تھیں۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ گل زادی ہزار آنکھوں سے ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ شاہان کا چہرہ خشک ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کا خوف عالیہ شاہ کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن ایسے عالم میں جیسے ان کی نگاہیں یہاں ہوں اور خیالات اور کہیں۔ آنکھوں کے سامنے بس ایک چہرہ تھا۔ ایک حسین اور معصوم چہرہ دیکھ کر بس پیار کرنے کو جی چاہتا تھا۔ کوئی بھی اس چہرے کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے پس پردہ کوئی بھیانک شخصیت ہوگی۔ عالیہ شاہ نے جرائم کی زندگی میں ایک عمر گزاری تھی۔ لیکن یہاں وہ محسوس کر رہی تھی کہ ساری زندگی گھاس کھودتی رہی ہے اور اسے انسانوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ خاصی دیر ہو گئی تو دونوں بیک وقت چونکے۔ ایک دوسرے کو محسوس کیا اور پھر ایک خوفزدہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔

"کیا سوچ رہے ہو شاہان......؟"

عالیہ شاہ نے سوال کیا۔

"میرے اندر ایک خرابی یا خوبی ہے عالیہ شاہ......!"

شاہان نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا......؟"

"ساری زندگی اپنے سوا کسی کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر کیا تو پھر خود کو اس سے کہیں کمتر نہیں سمجھا۔ اس کی خوبیوں کا احترام کیا اور شاید ایسی کوئی شخصیت اس سے قبل میری زندگی میں نہیں آئی۔ گل زادی ایک آئیڈیل ہے۔"

"آہ......! شاہان......! اس بے باکی سے اس کا نام نہ لو۔ اس نام کو سن کر بدن میں پھریریاں دوڑ جاتی ہیں۔"

عالیہ شاہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں دوسری بار اس کی سزا کا شکار ہوئی ہوں۔"

"دوسری بار......؟"

شاہان سوالیہ انداز میں بولا۔

"ہاں......! دوسری بار......!"

عالیہ شاہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کی آنکھیں خیالات میں ڈوب گئی تھیں۔ اسے پہلی سزا یاد آ رہی تھی اور شاہان سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"پہلی بار کیا سزا ملی تھی عالیہ شاہ......؟"

"بہت خوفناک......! شدید ترین ذہنی بحران کا شکار کر دیا تھا اس نے مجھے۔ آہ......! آہ......! وہ خوفناک

لمحات میں کبھی نہ بھول سکوں گی جب میں شدید بے بسی کا شکار تھی۔ وہ خوفناک انسان تھے۔ میں انہیں مرد یا عورت نہیں کہوں گی۔ البتہ انسان کہنا پڑے گا انہیں۔ یہ دونوں خوفناک انسان ناچ رہے تھے، گا رہے تھے اور وہ بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔ یہ لوگ ساری رات ہنگامے کرتے رہے اور انہوں نے مجھے سونے بھی نہ دیا۔ تم اس اذیت ناک رات کا تصور بھی نہیں کر سکتے شاہان......! خدا کی قسم......! موت اس سے بدرجہا بہتر تھی۔ میں سونا چاہتی تھی، مجھے سخت نیند آ رہی تھی، لیکن ڈھول بج رہا تھا اور وہ اپنی بھونڈی آواز میں گا رہے تھے، اور اس کے بعد میری ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جو بدمعاش تھے، قاتل تھے، لیکن اس کے ہاتھوں بے بس تھے اور اس کی غلامی کے لئے مجبور تھے۔ وہ شیطان ہے شاہان......! وہ مکمل شیطان ہے۔"

شاہان منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ پھر اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"اس کے باوجود تم نے مجھے بھی اس کے جال میں پھنسا دیا......؟"

"کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے......؟"

"میں نے کبھی اس کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

شاہان نے کہا۔

"کیوں......؟ آخر کیوں......؟ وہ تو تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔"

"عالیہ شاہ......! میں بس ذرا پاگل قسم کا آدمی ہوں۔ میں ہنگاموں سے دُور رہتا ہوں۔ کسی سے دُشمنی مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔"

"حالانکہ تمہارے بارے میں مجھے جو رپورٹیں ملی ہیں، وہ کچھ اور ہیں۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"مثلاً......؟"

شاہان نے طنز سے پوچھا۔

☆......☆......☆

"یہی کہ شاہان لومڑی کی طرح چالاک، شیر کی طرح نڈر اور چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔"

عالیہ شاہ بولی۔

"دُشمنوں کی افواہ ہے۔ میں تو شاعر قسم کا آدمی ہوں۔ میں بعض اوقات کچھ ایسے حالات کا شکار ضرور ہوا کہ دُشمن کی موت ہی آ گئی۔ مگر ایسا زندگی میں دو چار بار ہی ہوا ہے۔"

"بہرحال، میں پھر ناکام رہی ہوں اور اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔ جن حالات کا میں شکار ہوں، ان میں میرے لئے زندہ رہنا مشکل ہے۔ میں اس منحوس سے بے پناہ نفرت کرتی ہوں، بے حد نفرت کرتی ہوں، اتنی نفرت کہ روئے زمین کے کسی انسان سے مجھے نہیں ہے۔ وہ میری زندگی کے لئے ایک ناسور بن گیا

ہے۔"

عالیہ شاہ کرب زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی اور شاہان اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"مگر بی بی......! مجھے اس کرب کا شکار بنانے والی صرف آپ ہیں۔"

شاہان کے لہجے میں بدستور طنز تھا۔

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں......! میں ہر اس شخص سے کام لینے کی ہمت کر سکتی ہوں جو کسی بھی طور اس کے خلاف اپنے دل میں نفرت رکھتا ہو، اور شاہان......! تمہاری طرف متوجہ ہونے کی یہی ایک وجہ تھی۔ میں نے تمہیں ایک چالاک اور شاطر انسان پایا تھا۔ بہرصورت، اب شکوے شکایات کا مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اب ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہئے......؟"

"میں تو اپنے بارے میں فیصلہ کر چکا ہوں۔"

شاہان بولا۔

"کیا فیصلہ کر چکے ہو......؟"

"یہی کہ جو کچھ اسے ادا کرتا ہوں، ادا کرتا رہوں گا۔ پہلی غلطی ہے میری۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔ خدا کی پناہ......! وہ بینکر میری بیوی کی حیثیت سے مجھ پر مسلط تھا۔ اس کی موٹی موٹی ادائیں مجھے برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ تم تصور نہیں کر سکتیں عالیہ شاہ......! کہ میری کیا کیفیت ہو جاتی تھی......؟ آہ......! میرا تمام ذوقِ لطیف غارت ہو جاتا تھا اور مجھے اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے دماغ میں شاعری کا کوئی جرثومہ رہا ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب مجھے اپنے دماغ کی اوورہالنگ کرانی پڑے گی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں عالیہ......! کہ اس بدنما عورت کی بدنما ادائیں مجھے اپنے وجود پر دروں کی مانند لگتی تھیں۔ میں اس سے اظہارِ محبت کے لئے مجبور تھا۔ میری زندگی تباہ ہو گئی عالیہ شاہ......! میری زندگی تباہ ہو گئی اور اس کی ذمے دار تم ہو، صرف تم ہو۔"

شاہان گہری گہری سانسیں لیتا رہا اور عالیہ شاہ ہنس پڑی۔

"بہرصورت، میری کیفیت اس سے مختلف ہے۔"

وہ بولی۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ جس شخص کو میرے اوپر مسلط کیا گیا تھا، اس کے قرب میں مجھے زندگی کے ایک نئے تجربے سے روشناس ہونا پڑا۔ دراصل شاہان......! انسان بڑی انوکھی چیز ہے۔ بعض چیزیں اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور وہ ان سے نفرت کرنے لگتا ہے، انہیں جانے بغیر، ان کی اصلیت جانے بغیر۔ میں نے بدنما لباسوں کے نیچے خوشنما بدن دیکھے ہیں اور پہلی بار میں یہ سوچنے پر مجبور ہوئی ہوں کہ انسان جتنا نفیس ہوتا ہے، اتنا ہی کمزور بھی ہوتا ہے۔"

"خیر......! یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ نہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ میں انہیں سننا کا خواہشمند ہوں۔ یہ بتاؤ، اب کیا پروگرام ہے......؟"

اس نے پوچھا۔

"ہاں......! کیا پروگرام ہے......؟"

"مصیبت سے نکل کر بھاگے ہیں، اگر یہاں سے نکلنا چاہتے ہو تو نکل چلو......!"

اس نے اس کی نڈھال سی صورت کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"تم بھی چلو گی......؟"

"اس بات کا کیا مطلب ہوا......؟"

عالیہ شاہ نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے، تم یہاں خوش ہو......؟"

"جل رہے ہو۔"

عالیہ شاہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی اور شاہان آسمان کی طرف منہ کر کے کھانسنے لگا۔ انداز مضحکہ اُڑانے کا سا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر تم یہ محسوس کر رہی ہو تو چلو......! کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کسی کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ بہرصورت یہ ساری باتیں ہم بعد میں کر لیں گے۔ پہلے یہاں سے تو نکل چلو۔ پتا نہیں یہ کون سی جگہ ہے......؟"

شاہان نے کہا۔

"ہاں......! یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ تم نے اس کمبخت کو دیکھا تھا، کیسا زخنوں کی طرح کمر لچکا لچکا کر ناچ رہا تھا......؟ کیا اس شخص کے بارے میں تم کوئی تجزیہ کر سکتے ہو......؟"

"ہرگز نہیں......! میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔"

شاہان نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔ پھر دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ سمتوں کا واقعی کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رات کا وقت تھا، چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی، ماحول بڑا پُراسرار لگ رہا تھا۔ دونوں سفر کرتے رہے کسی نامعلوم منزل کی طرف۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ کہیں بھی جائیں، لیکن اس بستی سے دُور نکل جائیں۔ بھلا وہ ایسی زندگی کیسے اور کب تک گزار سکتے تھے......؟

رات کا سفر تیزی سے کیا گیا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کی تلاش میں وہ بنجارے دوڑ پڑیں گے۔ چار پہلوان بھائیوں کا تصور کر کے شاہان کی جان نکلی جا رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ خاموشی سے چلتے رہے، پھر شاہان بولا۔

"عالیہ......! میری بیگم صاحبہ یعنی زبردستی کی بیگم صاحبہ، چار مسٹنڈے بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ چاروں بھائی ان پر جان چھڑکتے ہیں۔ چاروں کا وزن کمبخت دو سو چالیس اور دو سو پینتالیس پونڈ سے کم نہیں ہے۔ دن رات ورزش کرتے ہیں، کھلا دودھ پیتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے تو پھر کیا ہوگا......؟"

"بری حالت ہو جائے گی۔"

عالیہ شاہ ہنستے ہوئے بولی۔

''یعنی آپ ہنس رہی ہیں......؟''

''ہاں......! رونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔''

عالیہ شاہ نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

''لیکن صورتِ حال آپ کے لئے بھی خطرناک ہے۔''

''میرے لئے......؟ لیکن کیوں......؟''

عالیہ شاہ تعجب سے بولی۔

''ظاہر ہے، آپ میرے ساتھ ہیں۔ وہ یہی سوچیں گے کہ وہ آپ ہی ہیں جو ان کے بہنوئی کو بھگا کر لے جارہی ہیں۔''

''بہنوئی......؟''

عالیہ شاہ پھر ہنس پڑی۔

''ہنستی رہئے، ہنستی رہئے......! مجھے ہنسی اچھی لگتی ہے آپ کی۔ لیکن ممکن ہے رونے کا وقت بھی آجائے۔''

''ایسا وقت اب نہیں آئے گا، لیکن وہ بھی مجھے تلاش کرنے کے لئے نکلے گا۔''

''کون......؟ آپ کے شوہر نامدار......؟''

''جی ہاں......! بڑا اکڑیل نوجوان ہے۔ یقین کرو، بڑی انوکھی شخصیت کا مالک ہے۔ اگر جاہل اور بے وقوف نہ ہوتا تو نہ جانے پھر کیا ہوتا......؟''

''ضرور ضرور......! آپ مجھے خواہ مخواہ کسی احساس کا شکار دیکھنا چاہتی ہیں۔ لیکن یقین کریں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بڑا اسرار اور بدنما آدمی ہوں۔''

شاہان نے کہا اور عالیہ شاہ خاموش ہوگئی۔ دونوں سفر کرتے رہے۔ اگر ان حالات کا شکار نہ ہوتے تو پھر اس طور سفر کرنا ان دونوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ بہرطور وہ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری رات گزر گئی۔ دوسرا دن طلوع ہوا تو وہ جنگل ہی میں تھے۔ چاروں طرف بے آب و گیاہ پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں نخلستان سے نظر آجاتے تھے۔ لیکن قریب سے دیکھنے پر وہ بھی جھاڑ جھنکاڑ سے محسوس ہوتے تھے۔ پانی یا خوراک کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اس وقت شاید دن کا ایک بجا تھا، جب انہوں نے دھوپ سے بچنے کے لئے ایک چٹان کے سایے تلے پناہ لی۔ اس کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کا بھوک کے مارے برا حال تھا۔ دونوں کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ شاہان چٹان سے ٹیک لگائے اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی ہو۔ خود عالیہ شاہ کے ذہن میں سناٹے دَر آئے تھے۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں زائل ہوتی جارہی تھیں۔ وہ کراہ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی۔ شاہان بھی اپنے حال میں مست تھا۔ کچھ دیر کے بعد شاہان نے نقاہت آمیز انداز میں کہا۔

''عالیہ شاہ......! کیا آپ کو موت آگئی......؟''

''ہاں شاید......! میں موت کا ہی انتظار کر رہی ہوں۔''

''اس قدر دل ہارنا بھی مناسب نہیں ہے۔''

شاہان بولا۔

''پھر کیا کروں......؟''

''خود کو سنبھالنے کی کوشش کیجئے عالیہ شاہ......! ہم لوگ چوہے نہیں ہیں، بلکہ بن گئے ہیں۔''

''تم بھی بیکار آدمی نکلے شاہان......! میں نے جس شخص کو اس کے مقابلے کے لئے ٹرائی کیا، وہ بس مجھے یوں ہی لگا۔ کوئی بھی اس قابل نہیں نکلا جو اس کمبخت کو فنا کر دے۔''

''جی ہاں......! میں بیکار آدمی ہوں۔ دراصل میں اس فلسفے پر غور کر رہا تھا کہ عورت نے ارسطو کو واقعی گھوڑا بنا دیا تھا۔ ارسطو جیسی شخصیت جب اس کے جال میں پھنس کر نہ نکل سکی تو پھر میں کیا اور میری حیثیت کیا......؟''

''کیا مطلب ہوا اس بات کا......؟''

عالیہ شاہ کو طرارہ آگیا۔

''مطلب یہ ہوا عالیہ شاہ......! کہ میں عمدگی سے اپنا ہوٹل چلا رہا تھا۔ کوئی خاص پریشانی نہیں تھی۔ اس کمبخت کو ایک چھوٹی سی رقم ادا کرنا ہوتی تھی جو میرے لئے کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اسی لئے میں نے اس کی جانب توجہ بھی نہیں دی تھی کہ چلو کوئی بات نہیں ہے۔ کسی کا پیٹ پلتا ہے تو پلتا رہے۔ اگر آپ مجھے احمق نہ بناتیں تو شاید یہ چکر یوں ہی چلتا رہتا اور جب کوئی مناسب موقع آتا تو میں اس سے نمٹ لیتا۔''

''ہونہہ......! نمٹ لیتے......؟''

عالیہ شاہ نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب ہوا اس بات کا اور اس لہجے کا......؟''

''مطلب یہی ہے کہ تم بالکل ناکارہ آدمی ہو۔ شعر و شاعری کی دُنیا میں رہنے والے، نہ جانے کس طرح دو چار کارنامے تمہارے نام سے منسوب ہوگئے ہیں۔ جو شخص گل زادی کے چکر میں پھنس کر اس طرح صحرا گردی کرنے لگے تو وہ کوئی خاص شخصیت نہیں ہوتی۔''

''میں نے کب خود کو خاص شخصیت کہا یا آپ کو سمجھانے کی کوشش کی......؟ آپ خود ہی محبت کے ڈونگرے برساتی ہوئی میرے نزدیک تشریف لے آئی تھیں۔ گل زادی کے کام سے آئی تھیں، لیکن آپ کے دل میں کھوٹ تھا۔ آپ نے سوچا کہ میرا سہارا لے کر گل زادی کا شکار کریں۔ بس حماقت میری ہی تھی کہ میں آپ کی باتوں میں آگیا۔''

شاہان نے کہا۔

''تو کیوں آئے تھے میری باتوں میں......؟ نہ آتے۔ آخر مرد ہو، مردوں کے انداز میں سوچتے۔ ایک عورت کے جال میں کیوں پھنس گئے......؟''

''یہی تو عرض کر رہا تھا کہ ارسطو جیسا شخص باز نہ رہ سکا تو میں کیا اور میری حیثیت کیا......؟''

"دیکھو شاہان......! میں دوسری قسم کی انسان ہوں، جب تک کسی کی عزت کرتی ہوں، تو کرتی ہوں اور جب اُتار کر رکھتی ہوں تو پھر اسے دو کوڑی کا بھی نہیں سمجھتی۔"

"ارے......! تو تمہیں دو کوڑی کا کون سمجھتا ہے......؟ کیا سمجھتی ہو تم خود کو......؟ کیا اس جہانِ فانی میں تم ایک تنہا حور ہو جو میری زندگی میں داخل ہو کر میری زندگی کی سب سے حسین خواہش بن گئیں......؟ عالیہ شاہ......! میں بھی دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ ہر قسم کی عورت کو ہضم کر لیتا ہوں۔ حالانکہ میری یہ حماقت کئی بار مجھے مصیبتوں کا شکار بنا چکی ہے۔ انسانوں کے انتخاب میں، میں ذرا عقل سے کام نہیں لیتا۔"

"ہونہہ......! عقل ہو تو کام لو ناں......؟ جب عقل ہی نہیں ہے تو عقل سے کام کیا لوگے......؟"

"اچھا اچھا......! فضول بکواس بند کرو۔ میں خاموشی چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری محکوم نہیں ہوں، کیوں خاموش رہوں......؟"

عالیہ شاہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"ارے بابا......! تو پھر بکتی رہو۔ میں یہاں سے ہٹ کر دُور بیٹھ جاتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ، بلکہ میرا خیال ہے، ہم دونوں کو اپنے اپنے راستے الگ کر لینے چاہئیں۔ میں ایک بار پھر حماقت کا شکار ہو گئی ہوں تمہارے جال میں پھنس کر۔ میں اچھی خاصی زندگی گزار رہی تھی، بلکہ میں نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ بھی کر لیا تھا ان لوگوں کے درمیان۔ کیا تھا زندگی میں......؟ ایک تبدیلی ہی تو تھی......؟ کیا فرق پڑتا تھا اس سے......؟ میں نے ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری ہے۔ کبھی کوئی دِقت نہیں پیش آئی مجھے، سوائے اس کے کہ ایک ایسے شخص کی آلۂ کار بن گئی تھی، جو مجھے باپ کی حیثیت سے قبول نہیں تھا۔ بس یہ تردّد تھا میرے ذہن میں، باقی زندگی کو مختلف انداز میں دیکھنا میرے لئے کافی دلکش حیثیت رکھتا تھا۔ تم مل گئے تو میں پھر ایک بار بہک گئی۔"

وہ ذرا خفا خفا لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے شاہان......! تم واپس جاؤ، میں اپنے لئے وہی جگہ تلاش کر لیتی ہوں۔ وہاں ایک ایسا شخص تھا جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا، جاہل گنوار، بدبودار بدن کا مالک، لیکن وہ ایک کڑیل جوان تھا، ایسا جوان جس کے سینے میں چھپ کر زندگی کی وسعتیں سمٹ آتی ہیں، کائنات اس کے چوڑے بازوؤں میں محدود ہو جاتی ہے۔ وہ واقعی مجھے چاہتا تھا۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔"

شاہان جلتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ اس عورت کے منہ لگنا بیکار ہے۔ اگر اسے مار پیٹ کر درست بھی کر لیا جائے تو فائدہ کیا ہوگا، سوائے اس کے کہ ایک مصیبت اپنی ذات پر مسلط رہے گی......؟ لیکن ان ویرانوں کی تنہائی بھی تو برداشت نہ ہوگی۔

"ٹھیک ہے، خاموشی ہی اختیار کر لی جائے۔ اگر یہ عورت کسی مشکل کا شکار ہوتی ہے تو اس کی مدد کرنے والا کم از کم میں نہیں ہوگا۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے رُخ بدل لیا۔ عالیہ شاہ بھی خاموش ہو گئی تھی، لیکن چند لمحات کے بعد وہ دونوں

چونک پڑے۔ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں ان کے کانوں میں گونجی تھیں اور دونوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی دہشت سمٹ آئی تھی۔

☆......☆......☆

سارہ بیمار ہو گئی تھی۔ وہ بخار میں مبتلا تھی اور احتشام حسن بے حد پریشان تھے۔ سارہ گھر کے لوگوں سے کسی قدر الگ تھلگ رہتی تھی، کبھی کبھی نوجوانوں کے گروہ میں اس کا گزر ہو جاتا تھا، لیکن کوئی بھی اس سے ذہنی طور پر ہم آہنگ نہیں ہو سکا تھا۔ وہ عجیب و غریب کیفیات کا شکار تھی۔ شہروز اس کی زندگی میں رَچ بس گیا تھا اور اس کے خدوخال سارہ کے ذہن کے انتہائی گوشوں میں جذب ہو کر رہ گئے تھے۔ سارہ اس کی ایک ایک ادا کی دیوانی ہو کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ اس سے قبل وہ صرف انہی لوگوں میں رہی تھی جنہیں چاہا جاتا ہے، جن کی اپنی چاہت کسی ایک کے لئے نہیں ہوتی۔ بس جسے نواز دیا، وہ نہال ہو گیا۔ لیکن شہروز کے لئے اس کے جذبات میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے پہلی بار محبت کی روح کو پرکھا تھا اور وہ محبت کی دیوانی ہو گئی تھی۔

اس کے خوابوں اور خیالوں میں صرف شہروز بسا ہوا تھا۔ شروع ہی سے جب سے شہروز سے ملاقات ہوئی تھی، وہ اس سے متاثر تھی اور ان لمحات کی خواہاں تھی جن میں وہ شہروز سے دل کی بات کہہ سکے۔ البتہ کسی قدر جھجکنے والی لڑکیوں میں سے تھی۔ بڑی مشکل سے خود کو اس کے لئے تیار کیا کہ کسی طرح اپنے دل کا راز شہروز کے سامنے عیاں کر دے۔ وہ منتظر رہی تھی اس بات کی کہ جب تنہائی نصیب ہو اور شہروز کے انداز میں کوئی ایسی بات محسوس کرے تو اسے اس بات کرنے کا موقع دے کہ شہروز اس کے سامنے خود ہی کھل جائے۔ لیکن دو تین ملاقاتیں تنہائیوں میں ہو چکی تھیں۔ ان ملاقاتوں میں تو یہ لگتا تھا کہ شہروز اس کی جانب مائل ہے، اسے دیکھتا ہے۔ کئی بار اس کی نگاہوں میں سارہ نے اپنے لئے پیار کی جھلک پائی تھی، لیکن اس کی زبان نہیں کھلتی تھی۔

"ممکن ہے بہت زیادہ جھجکنے والا انسان ہو۔ کم از کم اس کے دل کا حال تو سامنے آ جائے، اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

اسے یقین تھا کہ بزرگ طویل عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ اپنے اپنے اختلاف بھول کر ان دونوں کو یکجا کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے اور یقینی طور پر شہروز اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن اس مرحلے کو حل کرنے کے لئے اسے کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ جھجک کہیں زندگی میں کوئی گہرا گڑھا نہ کھود دے۔ چنانچہ اسے بالائے طاق رکھ کر شہروز سے دل کی بات کہہ ہی دی جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے اس بات کا انتخاب کیا تھا۔

"لیکن اس کا نتیجہ......؟"

اس کا نتیجہ اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔

"نہ جانے اچانک شہروز کو کیا ہو گیا تھا......؟ ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس پر۔ آخر

کیوں......؟ آخر کیوں......؟"

اور اسی "کیوں" نے سارہ کو بخار میں مبتلا کر دیا تھا۔ درحقیقت جسمانی بخار کی بجائے یہ ذہنی بخار تھا جو اس کی ذات سے مسلط ہو گیا تھا۔ مجبوری تو یہ تھی کہ وہ اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سخت پریشانی کے عالم میں تھی اور یہی پریشانی اسے بستر سے اُٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ جبکہ نواب احتشام صاحب بے حد پریشان تھے۔ اس وقت بھی وہ اور فاروق حسن سارہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور سارہ ہی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"کہیں یوں تو نہیں ہے بھائی جان......! کہ سارہ کو یہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی ہو اور اس پر اثر انداز ہوئی ہو......؟"

"بھئی......! ممکن تو نہیں ہے، کیونکہ اتنے عرصے سے تو وہ یہیں تھی اور بالکل ٹھیک تھی۔ کیوں بیٹے سارہ......؟ کیا تم یہاں رہ کر طبیعت پر کچھ گرانی محسوس کر رہی ہو......؟"

"نہیں تایا جان......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ آپ لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ بس یہ موسمی بخار ہے جو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بھئی......! تمہاری صحت درست رہنی چاہئے۔ تم ویسے ہی دھان پان سی بچی ہو۔ میں تو بڑا پریشان ہو گیا ہوں۔"

احتشام صاحب نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ابو......! بلاوجہ آپ پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی انسان کبھی زندگی میں بیمار نہیں ہوتا......؟ اور کوئی ایسی سنجیدہ بیماری بھی نہیں ہے۔ ایک ہلکا سا بخار ہے جسے آپ لوگوں نے تماشہ بنا لیا ہے۔ پلیز......! اس پر زیادہ غور نہ کریں۔"

"کمال کی بات ہے، غور نہ کریں......؟ تم ٹھیک ہو جاؤ تو ہم بالکل غور نہیں کریں گے۔"

احتشام حسن نے کہا۔

"خدا کے لئے......! آپ لوگ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گی، بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"جانا چاہتی ہو......؟"

"جی نہیں......! قطعی نہیں......! میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔"

سارہ نے جواب دیا اور احتشام حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر یہ بات ہے بھئی......! تو تمہیں کون بے وقوف لے جا رہا ہے......؟ چلو ٹھیک ہے......! تم آرام کرو، میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ کہیں تمہارا دل تو نہیں گھبرا رہا ہو۔ اگر گھبرا رہا ہے تو تمہیں یہاں سے لے جایا جائے۔"

"نہیں......! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ معمولی سا بخار ہے۔ دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اور کمزور جو ہو جاؤں گی۔"

"وہ تو ہونا ہی ہے ابو......! میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

سارہ نے کہا اور احتشام حسن نے گردن ہلا دی۔ پھر دونوں بزرگ کمرے سے باہر نکل آئے اور اپنی نشست گاہ میں پہنچ گئے۔

"احتشام......! تمہیں اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں دیکھ سکتا۔"

نواب فاروق حسن نے کہا۔

"بھائی صاحب......! سارہ میری اکلوتی بچی ہے۔ اس کی زندگی میرے لئے انتہائی قیمتی ہے۔ آپ اس بات کو سمجھتے ہوں گے۔"

احتشام نے متفکر لہجے میں کہا۔

"کون بے وقوف نہیں سمجھتا......؟ لیکن اتنی پریشانی کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ معمولی سا بخار ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ بلاوجہ ہم نے اس بچی سے یہ ساری باتیں کہہ کر اس کے ذہن میں تکدر پیدا کیا۔"

"نہیں خیر......! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں اپنے حالات کی طرف سے فکر مند سا ہو گیا ہوں۔"

"کیوں......؟"

"بس یوں ہی۔ ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں ہو سکی۔ میرا پروگرام تھا کہ یہاں اپنے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز کروں، تو ابھی تک تو اس سلسلے میں ہم نے کچھ سوچا بھی نہیں ہے۔"

"بہت زیادہ سوچنا بھی ضروری نہیں ہے۔ نئی زندگی کے آغاز سے تمہاری کیا مراد ہے......؟ بھئی......! تنہا بچی کے باپ ہو۔ کون سے ایسے مسائل ہیں تمہارے سامنے......؟ جو کچھ بھی چھوٹا موٹا کرو گے، وہ اپنی بقیہ زندگی کے لئے کرو گے یا اپنی ساکھ بحال رکھنے کے لئے۔ ورنہ خدا کا احسان ہے، تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے......؟ اور جہاں تک کاروبار کا مسئلہ ہے، اتنا سار بکھیڑا پھیلا ہوا ہے، اس میں سے کچھ بھی سنبھال لو۔ کون تمہیں روکے گا......؟ اور اگر نہیں سنبھالنا چاہتے تو بھائی......! خرید لو ان میں سے کوئی چیز، بنا بنایا مسئلہ ہو گا۔ میں تمہارے سامنے اپنے سارے معاملات پیش کر دوں گا، جو سیکشن بھی تمہیں پسند آئے تم اسے اپنے لئے منتخب کر لو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر تم اپنی پوزیشن بحال رکھنا چاہتے ہو اور میرا احسان نہیں لینا چاہتے تو مجھ سے وہ کاروبار خرید لینا اور اس کی ادائیگی کر دینا اور وہ بھی اس شکل میں کہ جب بھی تمہارا دل چاہے۔ لیکن آئندہ تم اپنے آپ کو پریشان یا بیکار محسوس نہیں کرو گے۔"

"بھائی جان......! آپ میرے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی پیشکش، میرے خیال میں اس کے بعد مزید کوئی گنجائش تو نہیں رہ جاتی۔ تاہم میں کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں بھی کوئی مناسب فیصلہ کر لیں گے۔"

"ہاں بالکل......!"

نواب فاروق حسن نے کہا۔

''بھائی صاحب......! شہروز اور سارہ کا معاملہ ابھی تک جوں کا توں ہے۔ کیا خیال ہے......؟ کیوں نہ زندگی میں کچھ تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے ہم اس مسئلے سے نمٹ لیں۔''

احتشام حسن نے کہا اور فاروق حسن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ احتشام انہیں بغور دیکھ رہے تھے۔

''کیوں......؟ کیا بات ہے بھائی صاحب......؟ آپ کس سوچ میں ڈوب گئے......؟''

نواب فاروق حسن افسردہ نظر آنے لگے تھے۔ بات اب اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ احتشام حسن غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ بیٹی کا باپ اپنی زبان سے اس قسم کی باتیں نہیں کرتا۔ لیکن احتشام حسن نے یہ تکلف نہیں رکھا تھا اور اس کے پس پردہ یہی سوچ ہو سکتی تھی کہ کسی غیر کی بات نہیں ہے۔ اپنے بھائی کے سامنے ہیں جن سے وہ عرصے تک جدا رہے تھے اور جوان کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ فاروق حسن کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ احتشام جب حقیقت سے آشنا ہوگا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی......؟ لیکن اب وہ بھائی کو اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

☆......☆......☆

چنانچہ وہ گہری سانس لے کر بولے۔

''احتشام......! تم میرے بھائی ہو ناں......؟''

''یہ بھی کوئی سوال ہے بھائی جان......؟''

''نہیں احتشام......! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب اس کائنات میں تمہارے سوا میرا کوئی ہمدرد نہیں ہے اور تم سے زیادہ میرے لئے کوئی نہیں ہے۔ کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے......؟''

''بے شک بھائی جان......! آنکھیں بند کر کے۔''

احتشام حسن نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

''تو احتشام......! میں تم سے صرف اس بات کا خواہش مند بھی ہوں کہ تم یہ احساس صرف اپنے دل میں رکھو گے اور زبان پر نہ لاؤ گے۔ ہاں......! اگر کوئی حل نکل سکتا ہے تو تم اس میں میری مدد کرو گے۔ میں بڑا بدنصیب ہوں احتشام......! بہت ہی بڑی بدنصیبی کا شکار۔ اتنی بڑی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''ارے......! ایسی کیا بات ہے بھائی صاحب......؟''

احتشام حسن نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''شہروز کا نام تم جب بھی لیتے ہو، میرا دل خوف و دہشت سے لرز جاتا ہے۔''

''کیوں......؟''

احتشام عجیب سے لہجے میں بولے۔

''بس......! اسے تم ہماری بدقسمتی ہی کہہ سکتے ہو۔ بے اولاد رہے اور اولاد کے لئے ترستے رہے، کیا کیا جتن نہ کر لئے ہم نے اس کے لئے، لیکن پھر تقدیر نے مذاق کیا۔ اولاد مل گئی۔ شہروز پیدا ہوا تو اس وقت وہ ایک نارمل بچہ تھا۔ بیگم صاحبہ بیٹی کی خواہش مند تھیں اور میں بیٹے کا، ہم دونوں کے درمیان یہ ذہنی کشمکش طویل عرصے تک رہی اور شاید قدرت کو ہماری یہ ناسپاسی پسند نہ آئی۔ شہروز کے اندر عجیب سی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ وہ خود کو لڑکی سمجھنے لگا۔ سال ڈیڑھ سال تک وہ لڑکیوں کے انداز میں سوچتا رہا اور ہم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر ہم نے اسے احساس دلایا کہ وہ لڑکا ہے اور وہ اُلجھن کا شکار ہو گیا۔ اس نے لڑکوں کے انداز میں بولنا شروع کر دیا اور اس کے بعد اس کی کیفیت بگڑتی چلی گئی۔ کبھی وہ لڑکے کے لہجے میں بولتا اور کبھی لڑکی کے لہجے میں۔ اس کے اندر اس تبدیلی کو ہم نے سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا اور وہ عمر کی منازل طے کرتا رہا۔ پھر کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا اور پھر اس کے بعد شہروز کو دورے پڑنے لگے۔ بس اس کے اندر ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ کبھی زنانہ لباس کے لئے ضد کرنے لگتا اور کبھی مردانہ کپڑے پہن کر باہر نکل جاتا۔ سات یا آٹھ سال کی عمر ہوگی اس کی جب وہ تین چار دن کے لئے گھر سے غائب ہو گیا۔ خود ہی واپس آیا تھا۔ حالانکہ میں نے اس کے لئے کیا کیا جتن نہ کر لئے تھے۔ لیکن بہرصورت جب وہ واپس آیا تو لڑکی کے لباس میں تھا۔ چہرے پر وہی شرمگیں مسکراہٹ، گفتگو کا انداز بھی وہی جیسا کہ کسی مہذب بچی کو ہونا چاہئے۔ پھر تقریباً وہ چھ ماہ تک لڑکی بنا رہا۔ ہم نے اسے ماہر نفسیات کو دکھایا اور وہ بھی کوئی صحیح فیصلہ نہ کر پائے، سوائے اس کے کہ وہ ذہنی طور پر اُلجھا ہوا ہے۔ پھر مزید ڈاکٹرز سے رابطہ قائم کیا گیا اور ایک بہت اچھے ڈاکٹر نے اس کا مکمل معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ایک مکمل مرد نہیں ہے۔ نہ صرف اس کے ذہن میں بلکہ اس کی جسمانی ساخت میں بھی ایک نمایاں تبدیلی ہے۔ اس جسمانی ساخت کو نہ ایک مکمل لڑکی کہا جا سکتا ہے نہ مرد۔ میں نے اس قسم کے کیسز پر توجہ دی جس میں یہ سنا گیا تھا کہ جنس تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ میں ان لائنز پر ڈاکٹروں سے ملا۔ لیکن مشترکہ میڈیکل بورڈ کا ایک ہی فیصلہ تھا کہ شہروز کے اندر تبدیلی جنس کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ بس وہ اس تیسری قسم میں سے ہے جو نہ مرد کہلاتی ہے نہ عورت۔''

وہ دل مسوس کر پھر بولے۔

''احتشام......! تم تصور نہیں کر سکتے کہ میری دلی کیفیت کیا ہے......؟ یقین کرو، میرا دل گل چکا ہے۔ تم اگر میرا سینہ چیر کر دیکھو گے تو تمہیں دل کی جگہ ایک سیاہ لوتھڑا نظر آئے گا جس میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہوں گے۔ میرا اکلوتا بیٹا اور ان حالات کا شکار......؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں......؟ خفیہ طور پر میں نے اس کے بہت سے علاج کئے اور نہ جانے کتنی دولت اس پر خرچ کی۔ ملک سے باہر بھی لے گیا، وہاں بھی میں نے اس کا چیک اَپ کرایا، لیکن اس کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے کوئی صحیح مشورہ نہیں دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بس اسی حیثیت سے زندگی گزار سکتا ہے اور اگر کسی مرحلے پر اس کے کسی بھی قسم کے احساسات جاگ اُٹھیں، یعنی اگر وہ خود کو عورت محسوس کرے تو وہ عورت بن سکتا ہے۔ جبکہ مرد تو وہ ہے ہی، البتہ یہ بات بھی ڈاکٹر نے کہی کہ اسے مکمل عورت بنانے کے لئے تین بڑے آپریشن کرنا ہوں گے۔ لیکن یہ اسی شکل میں ممکن ہے جبکہ وہ خود کو ایک مکمل عورت تسلیم کر لے، اور اس کے انداز میں

نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں۔ یہ ہے میری درد بھری کہانی احتشام......! اور یہی وہ شدید اُلجھن ہے جس میں، میں تمہیں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ کہیں تم اس مسئلے میں میری ٹال مٹول کو کوئی دوسرا رنگ نہ دے ڈالو، اس لئے میں نے تمہارے سامنے اپنا حالِ دل کھول کر رکھ دیا ہے۔''

احتشام حسن حیرت سے گنگ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ان کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں اور انہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھائی صاحب......! مجھے احساس ہے آپ کی حرماں نصیبی کا۔ کاش......! ایسا نہ ہوتا۔ آپ یقین کریں، میرا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اس تصور کے ساتھ نہیں کہ شہروز میرا داماد نہیں بن سکے گا، بلکہ اس خیال کے ساتھ کہ آپ کتنی شدید کوفت کا شکار ہیں۔''

فاروق حسن کی آنکھوں سے آنسو لڑھکنے لگے۔ احتشام حسن انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔

''بہر صورت فکر مند نہ ہوں بھائی صاحب......! تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے، وہ تو پورا ہوتا ہی ہے۔ لیکن ہمیں [illegible] کوشش [illegible] رکھیں گے کہ شہروز کسی بہتر فارم میں واپس آسکے۔ بھائی صاحب......! آپ مایوس نہ ہوں، ورنہ مجھے انتہائی دُکھ ہوگا۔''

''میں کچھ اور سوچ رہا ہوں احتشام......!''

''وہ کیا......؟''

''سارہ کہیں شہروز کی وجہ سے بیمار تو نہیں ہوئی......؟''

''یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ......؟''

''میرا خیال ہے احتشام......! بہر صورت اس بچی پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے، کہیں وہ ہم بزرگوں کی حماقت کا شکار نہ ہو جائے۔''

''وہ آپ کی بچی ہے بھائی صاحب......! جس طرح چاہیں اس پر نظر رکھیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اگر اس کے لئے کوئی بہتر ذریعہ آپ پسند فرمائیں گے تو میں اس پر بھی انکار نہیں کروں گا۔ آپ کی ہاں میری ہاں ہے۔''

احتشام حسن نے کہا اور نواب فاروق حسن گردن ہلانے لگے۔

☆......☆......☆

عالم پناہ ایک سہمے ہوئے خرگوش کی مانند نظر آنے لگے تھے جس کے کان کسی آہٹ اور کسی خوف پر ہمیشہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی گھسے رہتے تھے اور پچھلے دو دنوں سے نوجوان ان تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا اور کھانا اور ناشتہ وغیرہ بھی اپنے کمرے میں ہی طلب کر لیا کرتے تھے۔ دلچسپیاں اُدھوری رہ گئی تھیں۔ مزے کی بات یہ تھی کہ روکی بھی ان کے لئے پریشان تھا۔ کئی بار روکی کو اپنے گٹار پر المیہ دُھنیں بجاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ تابش، شمائل کی جان کو اٹکا ہوا تھا اور شمائل

پریشان نظر آنے لگی تھی۔

''تابش بھائی......! آپ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مجھے کسی نہ کسی عذاب کا شکار بنا کر ہی رہیں گے......؟''

''تمہارے نخرے کچھ زیادہ ہو گئے ہیں شمائل......! میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ سارا کھیل پبلک کی دلچسپی کے لئے ہے۔ اگر تم سب لوگ ہی اس میں دلچسپی نہیں لیتے تو مجھے کیا پڑی ہے......؟ اپنے طور پر میں بھی خاموش ہوا جاتا ہوں اور لعنت بھیج دوں گا ان تمام تفریحات پر۔''

''مگر دیکھئے ناں، ان تفریحات کا نشانہ مجھے ہی کیوں بنایا جا رہا ہے......؟ اور بھی تو لڑکیاں ہیں۔''

''جی ہاں......! اگر تمام لڑکیاں تم جیسی صلاحیتیں رکھتیں تو پھر تمہاری خوشامد کون کرتا......؟''

''اچھا اچھا......! مجھے بیوقوف بنا رہے ہیں......؟ میں بھلا کیا صلاحیت رکھتی ہوں......؟''

''شمائل......! یہ آخری بار کہہ رہا ہوں۔ اگر اس سلسلے میں کوئی دلچسپی لینی ہے تو لو، ورنہ آج کے بعد اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔''

تابش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آخر مجھے کرنا کیا ہے......؟''

''وہ شخص کمرہ نشین ہو گیا ہے۔ اسے کمرے سے باہر نکالنا ہے۔ پھر سے میدانِ عمل میں لانا ہے۔ نہ جانے بدبخت کے ساتھ ہوا کیا ہے......؟ کھل کر کچھ بتاتا بھی تو نہیں ہے۔''

''جو کچھ بتا چکا ہے، میرا خیال ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہ ہوگا۔''

''کیا بتایا ہے اس نے سوائے احمقانہ باتوں کے، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے......؟''

''تو میں اس سلسلے میں کیا کروں......؟''

''اس سے ملو، اس کے پاس جاؤ اور معلومات حاصل کرو کہ ہوا کیا ہے......؟''

''مگر وہ تو کمرے سے نکلتے ہی نہیں۔''

''نکالو، کوشش کر کے نکالو۔ تم یہ کام بآسانی کر سکتی ہو۔''

تابش نے کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''دوپہر کا کھانا اس کے لئے کمرے میں جائے گا ناں......؟''

''ہاں......!''

''وہ تم لے کر جانا۔''

''میں......؟''

شمائل چونک پڑی۔

''ہاں بھئی......! معمولی سی بات ہے۔ حرج ہی کیا ہے اس میں......؟ تم اس طرح ملازم تو نہیں کہلاؤ گی۔

بس یہ تو تمہاری محبت ہے، بے پایاں محبت......!"

"تابش بھائی......! وہ مجھے بہن کہہ چکا ہے۔"

"ہوں......! ایسے لوگوں کے قول و فعل کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ یہ وقتی بحران ہے جو اس کے دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ بس یہی تو معلوم کرنا ہے کہ آخر اچانک ہی دُنیا بھر کی لڑکیاں اس کی بہنیں کیسے بن گئی ہیں......؟"

تابش نے کہا اور شائل ہنس پڑی۔

"تابش بھائی......! آپ کون سی مٹی کے بنے ہوئے ہیں......؟"

"اس سلسلے میں میری معلومات بڑی محدود ہیں۔ تم چاہو تو مجھے کھرچ کر دیکھ سکتی ہو۔ مٹی کا تجزیہ تم خود کر لینا، لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔"

"ٹھیک ہے......! میں دوپہر کا کھانا لے کر عالم پناہ کے کمرے میں جاؤں گی۔"

شائل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ......!"

تابش نے کہا اور عالم پناہ کے بارے میں شائل کو مزید ہدایات دیتا رہا تھا۔ دوپہر کو کھانے کے وقت جب ایک ملازم کھانے کی ٹرے اُٹھائے عالم پناہ کے کمرے میں جانے لگا تو شائل جو تاک میں تھی، اس نے ملازم کو بلا کر کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"یہ مجھے دے دو اور تم جاؤ......!"

"جی اچھا بی بی جی......!"

ملازم نے جواب دیا اور شائل کھانے کی ٹرے لے کر عالم پناہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر اس نے دستک دی تو اندر سے عالم پناہ کی خوفزدہ سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے......؟"

"کھانا......!"

شائل نے مردانہ آواز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ عالم پناہ دروازے کے سامنے کھڑے تھے، لیکن ان کی ہیئت قابل دید تھی۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی، لباس ملگجا، بال پریشان، آنکھیں اُداس۔ شائل کو دیکھ کر وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"تت......تت......تم......؟ تم......؟"

"کھانا لائی ہوں آپ کے لئے......!"

"مم......مگر ملازم......ملازم......؟"

"ملازم چھٹی پر ہیں۔"

"اوہو......! وہ......وہ......تو پھر ٹرے رکھ دو۔ میں اُٹھا لوں گا۔"

عالم پناہ نے کہا اور شائل نے اندر داخل ہو کر پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس نے ٹرے میز پر رکھی اور مُڑ کر دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

"ارے ارے......! ارے باپ رے......! کک......کیا مطلب......کیا مطلب ہے......؟ مس......مس......مس شائل......!"

عالم پناہ نے کہا اور شائل دروازے سے ٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس نے بہترین اداکاری شروع کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غم و اندوہ کے تاثرات جھلکنے لگے تھے اور عالم پناہ تھوک نگلتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟"

شائل درد بھرے لہجے میں بولی۔

"کک......کچھ نہیں......! خدا کی قسم......! کچھ بھی نہیں......! مم......میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بب......بیماری کا تو بہانہ کر دیا ہے۔"

عالم پناہ نے جواب دیا۔

"کیوں بہانہ کیا ہے آپ نے......؟"

"بب......بس کیا بتاؤں......؟ تھوڑا سا سکون چاہتا ہوں۔ تنہائی اور خاموشی کا خواہش مند ہوں۔ آپ محسوس نہ کریں مس شائل......! بب......براہِ کرم......! آپ باہر چلی جائیں۔"

"جج......جی نہیں......!"

شائل دانت نکال کر بولی۔

"کک......کیوں......؟ خیریت تو ہے......؟"

"دراصل میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں عالم پناہ......!"

"عالم پناہ......؟ ارے باپ رے......! عالم پناہ نہیں ہوں میں۔ میں نے آپ سب سے درخواست کی تھی کہ مجھے عالم پناہ نہ کہا جائے۔"

"پھر کیا کہا جائے آپ کو......؟"

شائل نے سوال کیا۔

"بس......! آپ لوگ مجھے میرے اصل نام سے ہی پکارا کریں۔"

"ٹھیک ہے......! آپ کا جو دل چاہے کریں، لیکن میں آپ سے ان تمام حماقتوں کی وجہ ضرور معلوم کروں گی۔"

شائل نے کہا اور پھر کھانے کی ٹرے کی جانب مُڑ کر بولی۔

"پہلے آپ کھانا کھائیے......!"

"نن......نہیں کھا سکوں گا۔"

عالم پناہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کیوں نہیں کھا سکیں گے......؟"

"بب......بس......بس آپ چلی جائیے یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے......! چلی جاؤں گی۔ میں بھی آپ کے سر پڑنے کے لئے یہاں نہیں آئی۔ لیکن مجھے یہ بتایا جائے کہ میری اس بے پایاں محبت کا مذاق کیوں اُڑایا جا رہا ہے......؟ مجھے ذلیل وخوار کرنے کے بعد مجھ سے منہ کیوں موڑا جا رہا ہے......؟ آپ کو یہ بتانا پڑے گا علی صاحب......! آپ کو یہ بتانا پڑے گا۔"

شائل نے سخت لہجے میں کہا اور علی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"کک......کیا بتاؤں میں......؟ کیا بتاؤں......؟ بس میرے ہوش وحواس جواب دے چکے ہیں۔"

"آخر کیوں......؟ اس کی وجہ کیا ہے......؟"

"وجہ بھی تو نہیں بتا سکتا۔ نہ جانے کیا ہو جائے......؟"

"کیا ہو جائے گا......؟"

"شائل صاحبہ......! خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔ میری جاں بخشی کر دیں، ورنہ......ورنہ میں......"

"جی نہیں......! ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کو بتانا پڑے گا علی صاحب......! آپ کو بتانا پڑے گا کہ آخر آپ کی یہ کیفیت کیوں ہو گئی ہے......؟ کیا وجہ ہے اس کی......؟"

"اور اگر میں مارا گیا تو......؟"

"کیوں مارے جائیں گے......؟ کون مارے گا آپ کو......؟"

"ایک روح، ایک بدروح جو اچانک میرے حواس پر مسلط ہو گئی ہے۔"

"بدروح......؟"

"بد تو نہیں کہہ سکتا۔ اوہ......! اوہ......! ارے باپ رے......! مس شائل......! اسی لئے تو کہتا ہوں کہ خدا کے لئے میری جان بخش دیں۔ کہیں کوئی غلط بات میرے منہ سے نہ نکل جائے، اور اگر ایسا ہو گیا تو مجھے اس کا بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"تو آپ کسی روح کا شکار ہو گئے ہیں......؟"

"ہاں......!"

عالم پناہ اُداس لہجے میں بولے۔

"پورا واقعہ کیا ہے......؟ پلیز مجھے بتائیے......! لیکن ٹھہریئے......! پہلے کھانا کھائیے۔ میں آپ کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی۔"

"کک......کھ......کھانا......؟ کھانا......! اچھا......!"

عالم پناہ کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔ چنانچہ وہ ایک جھٹکے سے کھانے کی جگہ پر آ بیٹھے اور پھر یتیموں کے سے

انداز میں کھانا کھاتے رہے۔ انہوں نے شائل سے کھانے کے لئے نہیں پوچھا تھا۔ شائل ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر انہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ روح کا خیال اب بھی اس کے ذہن میں تھا، لیکن وہ اس کا انتظار کر رہی تھی کہ عالم پناہ سکون سے کھانا کھا لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے سے فارغ ہو گئے اور پھر شائل کی طرف دیکھ کر چونک پڑے۔

"اوہو......! دیکھئے ناں، کس قدر بدحواس ہو گیا ہوں۔ لاحول ولاقوۃ......! آپ کو کھانے کے لئے بھی نہیں پوچھا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ جب دل سے کسی کی عزت اور قدر ہی نکل جاتی ہے تو پھر یہی سب کچھ ہوتا ہے۔"

"نہیں شائل صاحبہ......! ایسا نہ کہئے۔ میں...... میں اب بھی آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ آپ نے میرے ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دیا تھا، لیکن میں خود ہی بدنصیب ہوں۔"

"میں آپ کی اس بدنصیبی کے واقعے کو جاننا چاہتی ہوں۔"

شائل نے کہا۔

"اور......اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ گیا تو......؟"

"تو کوئی بات نہیں......! میں صبر کر لوں گی۔"

شائل نے کہا اور عالم پناہ کھوپڑی سہلاتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

"یعنی اگر مجھے کچھ ہو جائے تو آپ صرف صبر کر لیں گی......؟"

"اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے......؟"

"مم......مگر......میں......میں......"

عالم پناہ خوفزدہ سے لہجے میں بولے۔

"کیا "میں میں" لگا رکھی ہے آپ نے......؟ مجھے بتائیں، کیا واقعہ ہوا تھا......؟"

"آہ......! مس شائل......! آپ مجھے اس طرح نہ چھوڑیں گی۔ سنئے......! اس دن......میرا مطلب ہے، جس دن میں غائب ہوا تھا تو میں خود ہی عجیب وغریب حالات کا شکار ہو گیا تھا۔"

"کیا حالات تھے وہ......؟"

"میں اس کوٹھی میں کھڑا ہوا آپ کا انتظار کر رہا تھا کہ میں نے ایک حسینہ نازک اندام کو دیکھا۔ وہ دلربا حسینہ مسکراتی ہوئی میرے نزدیک آئی اور مجھے اس طرح دیکھنے لگی، جیسے قربان ہو گئی ہو مجھ پر۔ پھر اس نے مجھے میرے نام سے پکارا اور میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ نہ جانے کیا سحر تھا......؟ نہ جانے کیا کشش تھی......؟ میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ تب میں آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کار میں بٹھا کر چل پڑی۔"

"کار میں بٹھا کر......؟"

شائل نے ہنسی روک کر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں......! کار میں بٹھا کر۔ وہ خود ہی کار ڈرائیور بھی کر رہی تھی اور اس کے بدن سے جو مہک اُٹھ رہی

تھی، وہ میرے ہوش وحواس چھینے لے رہی تھی۔"

"پھر کیا ہوا......؟"

"پھر وہ مجھے کھنڈرات میں لے گئی۔ انوکھے کھنڈرات تھے۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں عالم پناہ ہوں......؟ جواب میں نے اثبات میں ہی دیا تھا۔ تب اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ نور جہاں ہے۔"

"نور جہاں......؟"

شمائل نے ہنس کر کہا۔

"تم ہنس رہی ہو شمائل......؟ میری جان پر بنی ہوئی ہے ان واقعات کو یاد کر کے، اور تم ہنس رہی ہو......؟ ہاں......! وہ نور جہاں تھی، سو فیصدی نور جہاں، اور مجھے شہنشاہ اکبر کا بیٹا سمجھ بیٹھی تھی وہ۔"

"ارے......!"

شمائل ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"دیکھو شمائل......! اگر ہنسو گی تو میں آگے کے واقعات نہیں سناؤں گا۔"

عالم پناہ نے کہا اور شمائل نے بمشکل اپنے آپ کو قابو میں کیا، پھر بولی۔

"پھر کیا ہوا......؟"

"بس......! ہونا کیا تھا......؟ عجیب وغریب حالات کا شکار ہو گیا تھا میں۔ اچھی خاصی باتیں کرتے کرتے وہ ایک دم مردانہ آواز میں بولنے لگی۔"

"کون......؟ نور جہاں......؟"

شمائل پھر ہنس پڑی تھی۔

"ہاں......! کبھی وہ مردانہ آواز میں بولتی اور کبھی زنانہ آواز میں۔ پھر اس نے ایک ہنٹر نکال لیا اور مجھے مارنے کے لئے تیار ہو گئی۔ میری بری حالت ہو گئی تھی۔"

"پھر کیا ہوا......؟"

شمائل نے اب صبر کر لیا تھا۔ ہنسی روکنے کی کوشش ناکام ہو رہی تھی، لیکن عالم پناہ سے سب کچھ اُگلوانے کے لئے ضروری تھا کہ کچھ لمحات صبر وسکون سے گزار لئے جائیں اور باقی کو بعد میں ہی پورا کیا جائے۔

"بس......! پھر کیا ہوا......؟ وہ میری پٹائی کے لئے تیار ہو گئی اور پھر اس بات پر سمجھوتہ ہوا کہ یا تو وہ مجھ سے پٹے یا پھر میں اس سے مار کھاؤں۔"

"ہوں......! اس نے یہ کہا کہ وہ آپ سے پٹنا چاہتی ہے......؟"

"ہاں......! ہنٹر بھی کمبخت نے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ ارے توبہ......! دیکھو، ایک بار پھر میرے منہ سے غلط بات نکل گئی۔ روحوں کے بارے میں اس انداز میں نہیں بولنا چاہئے۔"

"ہاں ہاں......! ٹھیک ہے......! آپ خود پر کنٹرول رکھیں۔ پھر اس کے بعد...... اس کے بعد کیا ہوا......؟"

"بس شمائل......! پھر میں پاگل ہو گیا۔ میں نے ہنٹر مار مار کر اسے لہولہان کر دیا۔ اتنا مارا اسے کہ اس کے کپڑے تک پھٹ گئے اور اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو وہ غائب تھی۔ بمشکل تمام میں گھر تک پہنچا۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"ہوں......! تو یہ واقعات تھے......؟"

"ہاں شمائل......! اب تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں......؟ میں تو لڑکیوں سے بے حد خوفزدہ ہو گیا ہوں۔ اب تو ان کے سایے سے بھی مجھے وحشت سی ہونے لگی ہے۔"

"علی صاحب......! اس جھوٹی کہانی کا کوئی خاص مقصد......؟"

"جھوٹی کہانی......؟"

عالم پناہ تعجب سے بولے۔

"ظاہر ہے، ایسی احمقانہ کہانیاں سچی نہیں ہوتیں۔"

"شمائل......! شمائل......! تم یقین کرو، میں جھوٹ نہیں بولتا۔ بخدا میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"یقین کرنے کی کوئی بات ہو تو یقین کیا جائے۔ کیسی کچی کہانی سنائی ہے آپ نے۔ آپ کو تو کہانی سنانا بھی نہیں آتی۔ ایک روح جو عورت کی شکل میں آپ کو کھنڈرات میں لے گئی، پھر اس نے آپ کو مارنے کے لئے کہا۔ کبھی وہ مردانہ آواز میں بولتی تھی اور کبھی زنانہ آواز میں، اور اس کے بعد آپ نے اس کی پٹائی کی، پھر وہ زخمی ہو گئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ بھلا کیا بات بنی......؟"

"بات سمجھ میں آ جاتی تو میں خود سمجھ جاتا۔ میں تو دن رات یہی سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتا ہوں کہ یہ سب کیا چکر تھا......؟ اور یہاں آ کر میں کیسی کیسی مشکلات کا شکار ہو گیا ہوں......؟"

☆......☆......☆

"تو آپ مجھے ٹالنا چاہتے ہیں......؟"

"نہیں شمائل......! نہیں......!"

"ٹھیک ہے عالم پناہ......! ایک بات سن لیجئے، میں آپ سے محبت کرتی ہوں، کرتی رہوں گی اور جب برداشت نہ ہو سکے گا تو جان دے دوں گی۔"

"شمائل......! شمائل......! اُف...... خدا کے لئے، خدا کے لئے......!"

"نہیں عالم پناہ......! آپ مرد ہیں۔ اب سے پہلے آپ سارہ کو چاہتے تھے، اس کے بعد آپ نے خود ہی

میری طرف قدم بڑھایا، پھر آپ کسی خوب صورت روح کی طرف چل پڑے۔ آپ مرد ہیں اور مردوں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔"

"بب...... بخدا......! میں ایسا مرد نہیں ہوں۔"

عالم پناہ کراہ کر بولے۔

"میں نہیں مانتی، آپ نے مجھے محبت کا فریب دیا اور پھر ٹھکرا دیا اور اب مجھ سے جان بچانے کے لئے آپ بہانے گھڑ رہے ہیں......؟"

"نہیں شمائل......! شمائل......! میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ یہ بہانہ نہیں ہے......؟"

"یقین خود بخود آ جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھوں گی کہ آپ مجھ سے کس طرح جان بچاتے ہیں......؟"

شمائل غصیلے انداز میں دروازے کی جانب بڑھی۔

"ارے ارے......! سنو تو سہی......!"

"نہیں......! اب میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔"

شمائل نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ نور جہاں کی کہانی وہ دوسروں کو سنانے کے لئے بے چین ہو رہی تھی اور دوسرے بھی اس کی تاک میں تھے۔ ایک دُور دراز کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی، جوں ہی شمائل اندر داخل ہوئی، اسے ایک آواز سنائی دی۔

"باادب......! باملاحظہ......! ہوشیار......! شمائل خاتون کمرے میں تشریف لا رہی ہیں۔"

"خاموش......! گستاخی نہ ہو۔ ہر شخص ہوشیار ہو جائے۔"

شمائل جھینپی جھینپی نگاہوں سے سب کو دیکھتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

"آپ لوگ بھی بس شیطان سے کم نہیں ہیں۔"

"اے اللہ......! میں مر جاؤں۔"

ایک کونے سے آواز آئی۔

"آپ کو کیسے معلوم کہ میں آ رہی ہوں......؟"

"اب تم یہ سوال کرو گی کہ ہمیں کہ تم عالم پناہ کے کمرے سے آ رہی ہو......؟"

"ہوں......! تو جاسوسی ہوتی ہے میری......؟"

شمائل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جوان جہان بچیوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے بے بی......!"

"بہتر ہے، کرتے رہیں جاسوسی۔"

"کیا حال ہے ہمارے اس مٹی کے شیر کا......؟"

"بے حال ہے بیچارہ......!"

"کوئی خاص بات معلوم ہوسکی......؟ یا ابھی تک وہ جن ہی چل رہا ہے......؟"

تابش نے پوچھا۔

"کہانی بدلی ہے تھوڑی سی۔"

"اوہو......! ہوہو......! سچ تھی یا گپ......؟"

"فیصلہ مشکل ہو رہا ہے۔"

شمائل نے پُر خیال انداز میں گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں......! اپنے نازک سے ذہن پر زور نہ دو بچی......! تم کہاں پریشان ہوگی اس غور و خوض کے چکر میں......؟ چلو کہانی سناؤ......!"

تابش نے کہا اور شمائل مسکرانے لگی تھی۔

☆......☆......☆

آٹھ گھوڑے سوار تھے، فوجی قسم کی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ چہروں سے وحشت ٹپک رہی تھی، پرانی طرز کی بندوقوں اور گردن میں کارتوسوں کی پٹیاں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ کمر میں بندھی ہوئی پٹیوں میں پستول بھی لٹکے ہوئے تھے۔ آٹھوں گھوڑے آن کی آن میں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر بڑے وحشیانہ انداز میں ان کے گرد چکرانے لگے۔ ان کے قدموں کی دھمک سے گونج پیدا ہو رہی تھی اور ننھی ننھی کنکریاں اُڑ رہی تھیں۔ دونوں بری طرح خوف زدہ ہوگئے تھے اور آنکھیں پھاڑے اس وحشت ناک منظر کو دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر یہی کیفیت رہی اور پھر گھوڑے رُک گئے۔

"کون ہو رے تم دونوں......؟ کھڑے ہو جاؤ۔"

ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔ شاہان نے سہارا لے کر عالیہ شاہ کو اُٹھایا اور دونوں کھڑے ہوگئے۔

"ارے......! واہ رے واہ......! بڑی ناج برداریاں ہو رہی ہیں ان پہاڑوں میں......؟ پر سسرو......! تم ہو کون......؟"

"مصیبت زدہ ہیں جناب......! بقول شاعر......"

شاہان نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"بکول ساعر......؟ یہ کیا نام ہوا رے......؟"

اس نے کہا اور ہنس پڑا۔

"بکول اس سسرے کا نام ہوگا اور ساعر اس حرام جادی کا۔"

دوسرے نے تبصرہ کیا۔

"تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں جناب......! آپ کو جو کچھ کہنا ہے......"

"ارے ارے......! سیرو......! یہ کون سی جبان بول رہا ہے......؟ کہتا ہے ہاتھ نہ چھوڑیں، ہمارے ہاتھ میں تو طمنچہ ہے۔ ہم کیسے ہاتھ چھوڑیں گے رے......؟"

پہلے نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ ان کے وحشت زدہ چہرے دیکھ کر نہ صرف عالیہ شاہ بلکہ شاہان کے اوسان بھی خطا ہوئے جا رہے تھے۔

"ارے سسرو......! بولو گے نہیں تم لوگ کہ کون ہو......؟ یا پھر ہم تمہاری جبان کھلوانے کے لئے اور کچھ کریں......؟"

"ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصیبت زدہ ہیں۔"

"تو یہاں کیوں آ مرے یہ مصیبت کا ٹوکرہ لے کر......؟ کیا کچھ ہے رے تم لوگوں کے پاس......؟"

"بھوک اور فاقہ کشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بھوک سے ہماری جان نکلی جا رہی ہے۔"

شاہان بولا۔

"نکلی جا رہی ہے، نکلی کیوں نہیں......؟ اٹکی ہوئی کیوں ہے سسری......؟ اگر دقت ہو رہی ہو تو ہم کوس کریں......؟"

"رحم کرو ہمارے اوپر، معاف کر دو ہمیں۔"

عالیہ شاہ ہراساں لہجے میں بولی۔

"ارے......! واہ ری واہ......! رحم کریں تم لوگوں پر......؟ اور پھر تم واپس جا کر اپنے باپوں کو بتا دو کہ بسیرا گینگ ان پہاڑوں میں رہتا ہے......؟"

"بشیرا گینگ......؟"

شاہان نے کہا۔

"بنومت سسرو......! نہیں تو جان نکال لیں گے تمہاری۔ بسیرا گینگ کو نہیں جانتے تم لوگ......؟"

"افسوس......! نہیں جانتے۔"

"تو پھر سیرو......! لے چلو انہیں۔ وہ خود جنوا دے گا سب کچھ۔ چلو اٹھو رے اٹھو......!"

"باندھ لوں انہیں......؟"

شیرو نے پوچھا۔

"ارے......! کیا جرورت ہے......؟ بھاگیں گے تو ہم لوگ ان کا پیٹ گولیوں سے بھر دیں گے۔ چلو بے......! آگے بڑھو۔"

"کک......کہاں چلنا ہے......؟"

شاہان نے گھبرا کر پوچھا۔

"سسرال......! اور کہاں......؟ چلو یا اب باجا بجائیں تمہارے پیچھے......؟"

ایک گھڑسوار نے کہا اور ان کے عقب میں آ گیا۔

"کتنی دور چلنا ہے......؟"

شاہان نے پوچھا اور دوسرے لمحے اس کی پشت پر لات پڑی۔ وہ اوندھے منہ گرتے گرتے بچا تھا، اس نے ہراساں نگاہوں سے انہیں دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ عالیہ شاہ کے حواس خوف و دہشت سے گم ہوئے جا رہے تھے۔ وہ خود بھی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"چلو جلدی چلو......! تیز قدم بڑھاؤ۔"

پیچھے سے آواز سنائی دی اور انہوں نے رفتار تیز کر دی۔ دونوں تقدیر کو رو رہے تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں انہیں کسی قدر اندازہ ہو گیا تھا۔ یقیناً یہ ڈاکو تھے۔ شکلوں سے خطرناک اور بے رحم نظر آ رہے تھے۔

"اب کیا ہو گا......؟"

ایک ہی سوال دونوں کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا، چلتے ہوئے دونوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چند قدم اور چلنے کے بعد گر پڑیں گے۔ شاہان نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"سنو......! رک جاؤ۔ ایک منٹ کے لئے، ہمیں ایک گھوڑا دے دو۔ ہمیں یقین ہے تمہارا سردار ہمارے بارے میں مطمئن ہو جائے گا۔ ہم اسے مطمئن کر دیں گے۔ ہمارا وعدہ ہے۔"

"گھوڑا لو گے......؟"

اس خونخوار شخص نے کہا۔

"ہاں......! تمہاری مہربانی ہو گی۔ ہم ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ جائیں گے۔"

شاہان بولا۔

"سواری کر لو گے گھوڑے پر......؟"

"ضرور کر لیں گے۔"

"سن رہا یہ سیرو......! چل دے دے انہیں ایک گھوڑا۔ لو یہ گھوڑا لے لو۔"

اس نے کہا اور اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ اس نے گھوڑے کی لگام شاہان کے ہاتھ میں تھما دی۔ شاہان گھوڑے کی سواری جانتا تھا لیکن جوں ہی اس نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھا، گھوڑا پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اگلی دونوں ٹاپیں شاہان کے سر پر مارنے کی کوشش کی تھی۔ شاہان نے کانتی دی اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے گھوڑے نے اچھل کود کر اسے نیچے پھینک دیا۔ شاہان اپنی کوشش کر کے ہار گیا، لیکن گھوڑے نے اسے اپنی پشت پر ٹکنے نہیں دیا تھا۔

"ارے......! کتنی دیر میں سوار ہو گا تو گھوڑے پر......؟ جلدی کر بے......! اور کتنی دیر انتظار کریں......؟"

"یہ گھوڑا سرکش ہے۔"

"تو بھینس منگوادیں تیرے لئے......؟ بھینس پر بیٹھے گا سسرے......؟"

گھوڑے کے مالک نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"چل اب دیر نہ کر نہیں تو تجھے بھگانے کی دوسری ترکیب کریں گے ہم لوگ۔"

وہ بولا، اور یہ لوگ پھر چلنے لگے۔ جان پر آ بنی تھی اور اب شاہان دل ہی دل میں عالیہ شاہ سے شدید نفرت محسوس کر رہا تھا۔ اس کمبخت کی وجہ سے اس عذاب میں گرفتار ہوا تھا اور اب زندگی مسلسل دُکھ بن گئی تھی۔ اس وقت جب وہ دونوں چلتے چلتے بے ہوش ہونے کے قریب تھے کہ ان کی منزل آ گئی۔ ایک بلند و بالا پہاڑ کے دامن میں ڈاکوؤں کی رہائش گاہ تھی، ایک انتہائی کشادہ دہانے میں وہ سب گھوڑوں سمیت داخل ہو گئے اور کافی دُور تک پہنچ گئے، جہاں دیواروں میں بہت سے دروازے بنے ہوئے تھے۔

"بند کر دو ان بھنگیوں کو، شام کو سردار کے سامنے پیش کریں گے۔"

ان میں سے ایک نے کہا اور دونوں کو ایک دروازہ کھول کر اندر دھکیل دیا گیا۔ یہ بھی غار تھا، لیکن انسانی ہاتھوں کی تشکیل معلوم ہوتا تھا۔ ایک بانوں سے بنی ہوئی چارپائی پڑی ہوئی تھی، ایک مٹکا رکھا ہوا تھا، جن پر ناریل کے خول سے بنا ہوا ایک ڈونگا رکھا ہوا تھا۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ چھت کے قریب بنے ہوئے روشن دان سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ دونوں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔ پھر شاہان اس مٹکے کے پاس پہنچا اور اس سے پانی نکال کر پینے لگا۔

"مجھے بھی پانی دو شاہان......!"

عالیہ شاہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ شاہان نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور خود کئی ڈونگے پانی پینے کے بعد ڈونگا اس کی طرف بڑھا دیا۔ عالیہ شاہ نے ٹھنڈی سانس لے کر مٹکے سے پانی نکالا اور پینے لگی۔ پھر وہ تھکے تھکے انداز میں زمین پر بیٹھ گئی۔ شاہان اس سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی چارپائی پر جا بیٹھا۔ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر عالیہ شاہ نے ہی سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔

"ناراض ہو مجھ سے......؟"

"نہیں ڈالنگ......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری تو خوشیوں کی انتہا نہیں ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تمہیں رُخصت کر کے لایا ہوں اور حجلۂ عروسی میں ہوں۔"

"مجھ پر کیوں ناراض ہو رہے ہو......؟"

"خود پر ناراض ہو رہا ہوں۔ آخر میں اتنا اُلو کا پٹھا کیوں ہوں......؟"

شاہان نے کہا۔

"حماقت میری ہی ہے شاہان......! مجھے اعتراف ہے۔"

"کمال ہے......! کسی عورت کی زبان سے میں پہلی بار یہ الفاظ سن رہا ہوں۔"

"مجھے واقعی افسوس ہے۔"

"کس بات پر......؟"

"تم بھی میری وجہ سے ہی اس مصیبت کا شکار ہوئے ہو۔"

"اتنی جلدی یہ احساس ہو گیا......؟ تھوڑی دیر قبل تو تم میرے بارے میں گہر افشانی کر رہی تھیں......؟"

"میں اس سے ٹکرانے کے قابل نہیں تھی۔ نہ جانے کم بخت کس مصیبت خانے میں چھوڑ گیا ہمیں......؟"

"اب کف افسوس ملنے سے کچھ نہیں ملے گا عالیہ......! جو ہونا تھا، ہو چکا ہے اور بہت برا ہوا ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔"

"نہ بھی ہوتا تو اس سے کیا فرق پڑتا......؟ مجھے تمہارے اس احساس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"مان جاؤ شاہان......! یہاں ہم دونوں کے سوا کون ہے......؟ ایک دوسرے سے ہی بگڑے رہیں گے تو مر جائیں گے۔"

"ویسے بھی موت مقدر ہے۔ کچھ بھی کر لیں، اب زندگی ممکن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے اور تمہیں بھی اس بات کا یقین کر لینا چاہئے۔"

شاہان نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شاہان......! پلیز، پلیز شاہان......! جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا۔ لیکن ایسی دل دہلانے والی باتیں تو نہ کرو۔"

"اچھا......! تمہارا دل بھی ہلتا ہے......؟"

"شاہان......!"

عالیہ شاہ روہانسی آواز میں بولی اور پھر وہ منہ ڈھک کر سسکیاں لینے لگی۔ شاہان خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ اسے عالیہ شاہ کی سسکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پانی پینے سے طبیعت اور خراب ہو گئی تھی۔ شاہان لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کافی وقت گزر گیا۔ عالیہ شاہ بھی اب خاموش ہو گئی تھی۔ پانی پینے سے طبیعت اور خراب ہو گئی تھی۔ شاہان لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کافی وقت گزر گیا۔ عالیہ شاہ بھی اب خاموش ہو گئی تھی۔ غالباً شام کا وقت تھا۔ روشن دان سے آنے والی روشنی مدہم پڑ گئی تھی اور غار کی تاریکی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ غار کا دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی عورت اندر داخل ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی جو اس نے زمین پر رکھ دی۔

"لو کھا لو......! اس کے بعد کل صبح ہی کچھ ملے گا۔"

اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"سنو اماں......! تم یہیں رہتی ہو......؟"

شاہان نے پوچھا۔

"تو اور کیا آسمان سے اُتری ہوں......؟"

”یہ کون سی جگہ ہے......؟“

”جہنم کا تیسرا در۔“

بڑی بی نے جواب دیا۔

”سبحان اللہ......! آپ بھی شاعرہ معلوم ہوتی ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ بڑے گناہ کئے ہوں گے آپ نے زندگی میں......؟“

شاہان کی رگِ ظرافت پھڑک اُٹھی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“

”کچھ نہیں......! بس، جہنم میں آپ کی موجودگی پر غور کر رہا ہوں۔“

”اپنی کہو میاں......! تم نے کون کون سے گناہ کئے ہیں......؟“

بڑی بی اس عمر میں بھی ہری مرچ معلوم ہوتی تھیں۔

”یوں تو عزیزہ......! بہت سے گناہ کئے ہیں۔ لیکن یہ آخری گناہ جہنم میں لے آیا اور اس مثال کی تصدیق ہوگئی کہ عورت جہنم تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ ہوتی ہے۔ میں یہاں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔“

”جو کیا ہے، بھگتو......! مجھ سے کیا کہہ رہے ہو......؟“

بڑی بی واپسی کے لئے مُڑ گئی۔

”سنئے تو سہی عزیزہ......! ارے سنئے تو سہی......! ایک سوال رہ گیا ہے۔ براہِ کرم اس کا جواب عنایت فرما دیں۔“

”پوچھو جلدی سے۔“

”داروغہ جہنم کون ہے......؟“

”مل لوگے اس سے بھی۔ ایسی جلدی کیوں کر رہے ہو......؟“

”نام تو بتا دو اس کا......؟“

”بشیرا خان......! باقی باتیں وہ تمہیں خود بتا دے گا۔“

”یہ ڈاکو ہیں......؟“

شاہان نے سوال کیا۔

”نہیں......! فرشتے ہیں، لیکن جہنم کے۔“

بڑی بی نے جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

”بڑی ظریف الطبع خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمر میں یہ حال ہے تو جوانی میں کیا رہی ہوں گی......؟“

شاہان نے خاصی بلند آواز میں کہا۔ بوڑھی شاید دروازہ بند کر رہی تھی، اس کی بات سن کر اندر داخل ہوگئی

”اس عمر سے تمہاری کیا مراد ہے......؟“

اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا اور شاہان چونک پڑا۔

”اوہو......! آپ ابھی یہاں ہی تشریف رکھتی ہیں۔ میں سمجھا آپ باہر نکل گئی ہیں۔“

شاہان جلدی سے بولا۔

”میرے کان بہت بڑے ہیں۔ سمجھے تم......؟ کیا سمجھتے ہو میری عمر کو......؟ ابھی صرف تیس سال کی ہوں۔ وہ تو پریشانیوں نے یہ حال کر دیا، ورنہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے تم کسی زمانے میں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔ زمانۂ قدیم میں بھی لوگ کافی دل پھینک ہوتے تھے۔ یوں بھی اندھیرا ہے یہاں، آپ کی شکل واضح نظر نہیں آ رہی۔ بس اندھیرے میں آپ بوڑھی بوڑھی لگ رہی ہیں۔“

”دن میں آؤں گی، پھر بات کرنا۔“

”میں انتظار کروں گا، ضرور آیئے گا۔“

شاہان نے دانت نکال کر کہا اور بوڑھی دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ عالیہ شاہ اسی انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

”کچھ کھایئے عالیہ......! آپ کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔“

”اور تمہیں......؟“

”ہاں......! بھوک تو مجھے بھی لگ رہی تھی، بلکہ لگ رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ایک مہذب انسان ہوں۔“

”اور میں جیسے بالکل جاہل......!“

”اب میں کیا عرض کروں اس بارے میں......؟ لیجئے نوش فرمائیں......!“

بھنا ہوا گوشت، روٹیاں اور پھل تھے۔ مقدار بھی کچھ زیادہ تھی۔ دونوں شکم سیر ہوگئے تھے۔ کھانے کے بعد عالیہ شاہ نے پانی لا کر شاہان کو دیا۔ وہ کافی نرم نظر آ رہی تھی۔ شاہان نے پانی پیا اور اس کے بعد وہ دوبارہ چارپائی پر جا لیٹا۔ عالیہ شاہ زمین پر لیٹ گئی تھی۔ رات خوب گہری ہوگئی۔ اندھیرا چھا گیا اور کسی قدر سردی بھی ہوگئی۔ دونوں کے پاس سردی دُور کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ خاص طور سے ٹھنڈی زمین پر عالیہ شاہ کو کافی سردی لگ رہی تھی۔ پھر اس نے شاہان کو آواز دی۔

”کیا سو گئے......؟“

”نہیں......! کوشش کر رہا ہوں۔“

”سردی نہیں لگ رہی......؟“

”جی نہیں......!“

”مجھے لگ رہی ہے۔“

عالیہ شاہ نے کہا۔

”اوہ......! مجھے افسوس ہے۔“

''زمین بہت ٹھنڈی ہے۔''
عالیہ ناز بھرے لہجے میں بولی۔
''یقیناً ہوگی، افسوس اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''
''تمہارے پاس آجاؤں......؟''
''جی نہیں......! ویسے اگر آپ اس چارپائی پر قبضہ جمانا چاہتی ہیں تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ میں نیچے سو جاؤں گا۔''
''مرے رہو وہیں، میں اتنی کمزور بھی نہیں ہوں۔''
عالیہ شاہ کو بھی طرارہ آگیا اور اس کے بعد وہ زمین پر کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے نیند آگئی۔ شاہان بھی شاید سو گیا تھا۔ وہ عالیہ شاہ سے بری طرح چڑ گیا تھا۔ ورنہ شاید اس کے سلسلے میں اتنا خشک نہ ہوتا۔ بہرحال دونوں ہی گہری نیند سو گئے تھے۔ پھر صبح کو اس وقت جاگے جب روشن دان سے دُھوپ اندر آنے لگی۔ غار میں کافی روشنی ہوگئی تھی۔ پہلے عالیہ شاہ ہی جاگی تھی۔ ٹھنڈی زمین پر سونے کی وجہ سے کمر بری طرح دُکھ گئی تھی۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو اُٹھ نہ سکی۔
''شاہان......!''
اس نے اسے آواز دی اور شاہان کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگا۔
''جی فرمایئے......!''
وہ تلخی بھرے لہجے میں بولا۔
''تمہارا موڈ ابھی تک خراب ہے......؟''
''دیکھئے عالیہ شاہ......! آپ مجھ سے احمقانہ گفتگو کرنے سے پرہیز فرمائیں۔ میرے خیال میں میرے اور آپ کے درمیان اب زیادہ خوش گوار تعلقات نہیں رہے۔ کیا فائدہ میں آپ سے کوئی اُلٹی سیدھی بات کہہ دوں تو......؟''
''مسلسل کہہ رہے ہو اور کیا کہو گے......؟ اگر ایسی ہی بات تھی تو مجھے وہاں سے لائے ہی کیوں تھے......؟ وہاں کیا میں بری تھی......؟''
''سبحان اللہ......! یوں لگتا ہے جیسے میں آپ کو بھگا کر لایا ہوں۔''
شاہان نے کہا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ دوسری باتیں کرتے، دفعتہً غار کے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اندر آنے والی وہی بوڑھی عورت تھی۔ عمر چالیس سے اوپر ہوگی، لیکن چہرے پر جوانی تھی۔ تھی نہیں تو میک اَپ کے ذریعے لانے کی کوشش کی گئی تھی۔ آنکھوں میں سرمے کی لکیریں، گالوں پر غازہ، کوئی عطر وغیرہ بھی استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔
''ناشتہ لائی ہوں تمہارے لئے......!''

اس نے کہا۔
''آہ......! آپ وہی رات والی ہیں......؟''
شاہان نے کہا۔
''اندھے ہو بالکل......! آواز بھی نہیں پہچان رہے کیا......؟''
بڑی بی مسکرا کر بولیں۔
''آواز تو رات بھر میرے کانوں میں گونجتی رہی ہے۔ اس آواز کو نہیں پہچان سکوں گا کیا......؟''
شاہان نے رومانی لہجے میں کہا۔
''ہٹو بے شرم کہیں کے۔ یہ تمہاری کون ہے......؟''
بڑی بی کا اشارہ عالیہ شاہ کی طرف تھا۔
''شامت......!''
شاہان گہری سانس لے کر بولا اور عالیہ شاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ نفرت بھرے انداز میں شاہان کو دیکھنے لگی تھی۔
''کیا مطلب......؟''
بوڑھی نے پوچھا۔
''مطلب میں بتاتی ہوں۔ یہ آوارہ انسان میرا شوہر ہے۔ مگر انتہائی خود غرض اور ذلیل فطرت، دُنیا کی ہر عورت اس کے لئے صرف عورت ہے۔ ابوالہوس کہیں کا۔''
عالیہ شاہ زہر آلود لہجے میں نشتر پھینک رہی تھی۔
''تم بتاؤ لڑکی......! اگر دُنیا کی ہر عورت کو عورت نہ سمجھا جائے تو کیا سمجھا جائے......؟ کیا مرد......؟''
شاہان نے کہا۔ بوڑھی تو اس کے منہ سے لڑکی کا نام سن کر ہی مست ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے کڑی نگاہوں سے عالیہ شاہ کو دیکھا اور بولی۔
''یہ تمہارا شوہر ہے......؟''
''ہاں......! یہ ذلیل میرا شوہر ہے۔''
''اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اسی وقت طلاق دیتا ہوں۔ میری طرف سے تمہیں تین بار طلاق......!''
''ارے ارے......! یہ کیا ہونے لگا......؟''
بوڑھی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
''کوئی خاص بات نہیں ہے بے بی......! سوائے اس کے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بس سر

پڑنے والوں میں سے ہے، کسی سڑک چلتے کو بھی شوہر کہہ دیتی ہے۔ تمہیں مجھ سے بدظن کرنے کے لئے یہ بکواس کررہی ہے۔''

''ہوں......! میں سمجھ رہی ہوں اچھی طرح، تم فکرمت کرو۔ آؤ میرے ساتھ، میں تمہیں اس کے ساتھ نہ رہنے دوں گی۔ آؤ ناشتہ بھی الگ دوں گی میں تمہیں۔ ذلیل کہیں کی۔''

بوڑھی نے کہا اور شاہان تیار ہوگیا۔ عالیہ شاہ کھا جانے والی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی، شاہان کو لئے اس غار سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

گولیور پر بھی شاید بھوت ہی سوار ہوگیا تھا۔ اینڈرسن، راضی اور دوسرے لوگ بھی پریشان ہوگئے تھے۔ حالانکہ گولیور ایک سنجیدہ اور خطرناک انسان تھا۔ اس کے پروگرام انوکھے ہوتے تھے۔ قتل و غارت گاری، ڈاکہ زنی، سارے کام کرتا تھا اور اس کا ساتھ دینے والے لوگ اچھے خاصے دولت مند ہوجاتے تھے۔ لیکن اس بار وہ راستہ بھٹک گیا تھا۔ اس نے آتے ہی صرف ایک کام کیا تھا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے میں اس نے سخت تباہی مچادی تھی۔ لیکن اس کے بعد اس نے سارے کام روک دیئے تھے اور نہ جانے کیوں خاموش ہوکر بیٹھ گیا تھا۔ اینڈرسن اور رازی نے اس سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور اس سے وقت لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ گولیور نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا تھا۔

''ہیلو فرینڈس......! کیا بات ہے......؟''

''کچھ کہنا چاہتے ہیں جناب......!''

''ضرور کہو، گولیور اپنے دوستوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔''

''ہمیں یقین ہے جناب......! لیکن......''

''لیکن کیا......؟''

''اس بار ابھی تک خاموشی ہے۔''

''تم اسے خاموشی نہیں کہہ سکتے۔ میں کام کررہا ہوں۔''

''کیا کام کررہے ہیں جناب......؟''

''اس بار دراصل میں ایک اور کام کررہا ہوں۔ ایک اہم کام جس کے لئے مجھے طویل تیاریاں کرنی ہیں۔ بہت طویل پروگرام ہے۔ شاید چھ ماہ لگ جائیں یہاں۔ خیر......! اور لوگوں کو بھی آنا ہے، ان کے آنے کے بعد بڑی کارروائی شروع ہوگی۔''

''یقیناً عمدہ پروگرام ہوگا آپ کے ذہن میں، لیکن اس دوران کیا بالکل خاموشی رہے گی......؟''

''تم لوگوں نے خود ہی معذوری کا اظہار کیا ہے۔ میں کیا کروں......؟''

''معذوری......!''

''ہاں......! گل زادی کے معاملے میں۔''

''گل زادی اتنی اہم شخصیت نہیں ہے جناب......! کسی نہ کسی مرحلے پر ہم اسے پھانس ہی لیں گے۔ اس دوران خاموش کیوں رہیں......؟''

''تم میں سے کون اسے پکڑ کر میرے پاس لائے گا......؟''

گولیور نے پوچھا۔

''اوہ جناب......! یہ مشکل کام ہے۔''

''تو پہلے میں اسی مشکل کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری فطرت جانتے ہو۔ میں نے کبھی کسی کو اپنے مقابل نہیں سمجھا۔ پھر بھلا ایک ایسا دشمن میرے لئے قابل توجہ کیوں نہ ہو جس سے میرے اہم ساتھی ڈرتے ہیں......؟''

''ڈرنے کی بات دوسری ہے جناب......!''

''وہ مجھے بتاؤ......!''

''وہ کسی لومڑی کی طرح مکار ہے۔''

''مجھ سے زیادہ......؟''

گولیور نے پوچھا۔

''چالاکی اور مکاری میں فرق ہوتا ہے جناب......!''

''میں الفاظ کے کھیل سے ناواقف ہوں۔''

''آپ شیر کی طرح نڈر ہیں اور وہ لومڑی کی طرح چالاک۔''

''میں لومڑی سے زیادہ چالاک ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدھی دنیا کو بے وقوف نہ بنا چکا ہوتا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے جناب......! بہرحال ہم آپ کے پاس اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔''

''پہلے گل زادی، پھر کوئی اور کام......!''

گولیور نے کہا۔

''تو پھر اس سلسلے میں سہی، کوئی کام ہمارے سپرد کردیں۔''

''ہاں......! اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے، لیکن ابھی نہیں۔ تم لوگ اس کا انتظار کرو۔ ویسے گل زادی کے بارے میں، میں بہت سی معلومات حاصل کرچکا ہوں۔ میں خاموش نہیں بیٹھا۔''

''یقیناً......! کیا معلومات ہیں وہ......؟''

اینڈرسن نے کہا۔

''بے حد خوب صورت......! اتنا کہ نوجوان لڑکیاں اس کے خواب دیکھتی ہیں۔ کیا یہ غلط ہے......؟''

''نہیں جناب......! بالکل ٹھیک ہے۔''

''بالکل نوجوان، خوش لباس، پرکشش، شہر میں اس کے تین اڈے ہیں جن پر منشیات فروشی ہوتی ہے۔''

اس کے علاوہ بدمعاشوں کے چھاڈے ہیں جو انہیں کے نام سے چلتے ہیں۔لیکن انہیں گل زادی کی سرپرستی حاصل ہے۔ نواب فاروق حسن کا اکلوتا بیٹا ہے اور نواب صاحب ہوم سیکرٹری تک براہِ راست پہنچ رکھتے ہیں۔ٹھیک ہے ناں سب کچھ......؟"

"بے شک......!"

"اور یہ اس کی تصویر ہے۔"

گولیور نے جیب سے ایک تصویر نکال کران کے سامنے ڈال دی۔

"یہ شہروز کی تصویر ہے......؟"

اس نے پوچھا۔

"سو فیصدی......! یہ اسی کی تصویر ہے۔"

"آج کل وہ شہر میں نہیں ہے۔کہاں گیا ہے......؟ یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا۔لیکن واپس آتے ہی وہ زبردست مصیبتوں میں گھر جائے گا۔ایسی مصیبتوں میں کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا اور اس کے بعد اس کا باپ بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔میں نے ایک اور خاص کام کیا ہے۔"

"وہ کیا جناب......؟"

"اس بار ایک پولیس آفیسر سے دوستی کی ہے میں نے۔وہ مجھے ایک بزنس مین کی حیثیت سے جانتا ہے۔لیکن میں اس سے گل زادی کے سلسلے میں کام لوں گا۔غور کرو، ایک اتنا بڑا پولیس آفیسر اگر گل زادی کے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو جائے تو گل زادی کہاں کہاں جان بچا سکتا ہے......؟"

"جی......!"

راضی اور اینڈرسن بولے۔

"کیا تم ان کارروائیوں سے غیر مطمئن ہو......؟"

"نہیں جناب......! آپ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ کم نہ ہوگا۔بس ہمیں یہی فکر تھی۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔تم لوگ فی الحال عیش کرو۔ممکن ہے، جلد ہی مجھے تمہاری ضرورت پیش آ جائے۔"

"بہتر جناب......! اجازت......؟"

اینڈرسن نے کہا اور گولیور سے اجازت لے کر دونوں باہر نکل آئے۔باہر نکل کر وہ ایک ہی کار میں آ بیٹھے۔راضی نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ گولیور کو کیا ہو گیا......؟"

"کیا مطلب......؟"

اینڈرسن نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم اس کی باتوں میں پختگی محسوس کر رہے ہو......؟"

"تم نے کیا محسوس کیا......؟"

اینڈرسن نے مسکراتے ہوئے راضی سے پوچھا۔

"دیکھو اینڈرسن......! اتنا تو تم جانتے ہو کہ ہم دلی طور پر گولیور سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اس کے مفادات کے لئے کام کرنے کو تیار رہتے ہیں۔لیکن ہمارا مسئلہ دوسرا ہے۔"

"یعنی......؟"

اینڈرسن نے پوچھا۔

"بھئی......! تم خود بھی سمجھدار ہو۔خواہ مخواہ مجھ سے کیوں وہ سب کہلوانا چاہتے ہو......؟"

"کہتے رہو راضی......! جو کچھ تم کہو گے، وہ صرف میرے اور تمہارے درمیان محفوظ رہے گا۔"

"وعدہ کرتے ہو......؟"

"ہاں......! یقیناً......!"

اینڈرسن نے بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا۔

"میرے خیال میں اس بار گولیور راستہ بھٹک گیا ہے۔"

"کس طرح......؟"

"بھئی دیکھو ناں......! وہ اپنا کام دھندہ چھوڑ کر گل زادی کے چکر میں پڑ گیا ہے۔میں یہ نہیں کہتا کہ گل زادی اس سے بہتر ہے یا برتر ہے......؟ یقینی طور پر گولیور اور گل زادی میں فرق ہے۔گل زادی مقامی لوگوں سے ہنگامہ آراء ایک شخص ہے، جو ذرا مختلف کیفیات کا مالک ضرور ہے، لیکن بہرصورت اس کے اپنے وسائل گولیور کے برابر نہیں ہیں۔جبکہ گولیور ایک بین الاقوامی مجرم ہے۔گل زادی اور گولیور کا کوئی موازنہ نہیں ہے۔لیکن گولیور کو یہ کیا سوجھی کہ وہ گل زادی کے چکر میں پڑ گیا......؟ اگر ایک گل زادی اس کے ساتھ نہیں ہے تو کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اس پر......؟ وہ خواہ مخواہ اس مسئلے میں اپنی توانائی ضائع کر رہا ہے اور وہ اس طرح اپنا کام اُدھورا چھوڑ دے گا۔"

"دیکھو دوست......! کام اُدھورا چھوڑنے کا مسئلہ جہاں تک ہے تو ہمیں بات بھی نہیں معلوم کہ اس کا کام کیا ہے......؟ اور اس بار وہ کس منصوبے کے تحت یہاں تک آیا ہے......؟ ویسے چھ ماہ کا عرصہ جو اس نے بتایا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔تمہارا کیا خیال ہے......؟ کیا گولیور چھ ماہ تک جرائم کرنے کے باوجود یہاں کی پولیس سے بچا رہے گا......؟"

"ممکن ہے، وہ چھ ماہ تک جرائم نہ کرتا رہے۔بلکہ کسی جرم کی پلاننگ کرتا رہے۔"

"ایسا کون سا جرم ہو سکتا ہے......؟"

"کوئی بھی ہو، ہمیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ہم بات اس کی موجودہ کیفیت کی کر رہے تھے۔"

"ہاں ہاں......! بے شک......!"

"تو میں کہہ رہا تھا کہ اس بار گولیور نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے، وہ ہمارے نزدیک مناسب نہیں ہے۔"

وہ تو بہرصورت کچھ نہ کچھ کر کے یہاں سے چلا جائے گا، لیکن ہمیں تو اسی ملک میں زندگی گزارنی ہے۔ کیا وہ ہمارے لئے راستہ تنگ نہ کر جائے گا......؟"

"وہ کس طرح......؟"

"بھئی......! دیکھو ناں، گل زادی کو ختم کرنا گولیور کے لئے اتنا آسان نہیں ثابت ہوگا۔ گل زادی کے بارے میں اس نے جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ ہم پہلے ہی اسے فراہم کر چکے ہیں۔ یہ کون سا نیا کام کیا ہے اس نے......؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا اس وقت۔ اگر وہ اس سے زیادہ کچھ معلومات حاصل کرتا تو الگ بات تھی۔ بس اس نے اڈوں وغیرہ کے بارے میں معلوم کر لیا، لیکن یہ بات تم جانتے ہو کہ ان اڈوں سے براہِ راست گل زادی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے طور پر کچھ خفیہ اڈے بھی رکھتا ہے جن کی گولیور نے کوئی بات نہیں کی اور میں بھی اسی لئے خاموش تھا کہ خواہ مخواہ کوئی مصیبت اپنے سر نہ لگاؤ۔ گل زادی سے بھڑنا ذرا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے......! میں تم سے سو فیصدی متفق ہوں۔ لیکن اب یہ بتاؤ کہ کریں کیا......؟"

"یار......! میری مانو تو کچھ عرصے کے لئے گہری نیند سو جاؤ۔"

"کیا مطلب......؟"

"میرا مطلب ہے، یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

"اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر......؟"

اینڈرسن حیرت سے بولا۔

"ہاں......!"

"یہ گل زادی اور گولیور کا معاملہ، میرا دل کھٹک رہا ہے۔ اینڈرسن......! تم سوچ لو، کہیں یوں نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس بار اس نے کسی پولیس آفیسر سے بھی دوستی کر لی ہے۔ اب بھلا بتاؤ، پولیس آفیسر کہاں تک پہنچ رکھتا ہوگا......؟ اور اگر گولیور اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو کیا اس سلسلے میں اسے کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔"

"نہیں نہیں......! تمہارا یہ خیال بالکل درست ہے۔ گل زادی اتنا چوہا بھی نہیں ہے اس نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے، اس کے بارے میں گولیور کو شاید صحیح اندازہ نہیں ہے یا اگر ہے تو وہ اپنے آپ میں مست ہے، لیکن اس سے ہمیں ضرور نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے......؟"

"دوسرا خیال بھی ذرا مشکل ہی ہے راضی......! ہمارا اپنا کاروبار بھی اتنا مختصر نہیں ہے اور ہم منہ چھپا کر کتنے عرصے باہر رہ سکتے ہیں......؟ ممکن ہے، گولیور کو ہی کامیابی نصیب ہو جائے، اس کے بعد وہ ہمیں تلاش ضرور کرے گا۔"

"ہاں......! یہ اُلجھن بھی ہے۔"

"تو پھر......؟"

"میرا خیال ہے، بس حالات دیکھتے رہو۔ گل زادی کے مسئلے میں جہاں بھی کوئی گڑبڑ ہو، وہاں اپنے آپ کو محتاط رکھو اور اگر دیکھو کہ گولیور اس سے مار کھا رہا ہے تو پھر خاموشی سے اس سے دُور ہو جاؤ۔"

"اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اس وقت تک محتاط رہنا ہوگا جب تک یہ شخص گل زادی کا معاملہ نہ نمٹا لے۔"

"او کے......! لیکن دوست......! یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان رہے گی۔"

"مشترکہ مفاد کے لئے ضروری ہے۔"

دونوں نے ہاتھ ملایا اور ان کے درمیان بات طے ہوگئی۔

☆......☆......☆

شاہان بوڑھی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ عالیہ شاہ سے وہ واقعی بری طرح جل گیا تھا۔ اس کم بخت کی وجہ سے اسے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا اور اس کے باوجود وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ شاہان کو اس بات پر شدید غصہ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بوڑھی سے کچھ فائدے بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بوڑھی اسے دُور دراز کے ایک غار میں لے آئی۔ یہ ایک چھوٹا سا غار تھا۔

"یہ میری رہائش گاہ ہے۔"

"ہوں......! بہت خوب صورت ہے۔"

"خاک خوب صورت ہے......؟ میرے قابل ہے کہیں......؟"

"ہرگز نہیں......! کاش میں تمہیں تمہارے شایانِ شان جگہ مہیا کر سکتا۔ نام کیا ہے تمہارا......؟"

"سائرہ......!"

"اُفوہ......! سائرہ......! کیا یاد دلا دیا تم نے......؟"

شاہان سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"کیوں......؟ کیا یاد آ گیا......؟"

"ایک بھولی بسری کہانی جس کا تعلق بچپن سے ہے۔"

"بچپن سے......؟"

"ہاں......! وہ ناک سڑکتی ہوئی میرے پاس آ جاتی تھی، گھنٹوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے تھے اور کھیل ہی کھیل میں ہم جوانی کی حدود میں داخل ہو گئے۔ جوانی اتنی چپکے سے آ گئی تھی کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوا۔"

"پھر......؟"

بوڑھی نے پوچھا۔

''بس......! پھر کچھ نہیں۔ اس کی شادی ہوگئی اور اب اس کے چھ بچے ہیں۔ کالو، شالو، جمالو وغیرہ وغیرہ۔''

''بس بس......! مجھے اس کے بچوں سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''پھر تمہیں کس سے دلچسپی ہے محبوبہ عالم......؟''

''تم سے......!''

بوڑھی نے اُنگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

''اللہ اکبر......! اللہ اکبر......!''

شاہان کی آواز رودینے والی ہوگئی اور بوڑھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوگیا......؟''

اس نے کہا۔

''اللہ کی بڑائی کا اعتراف کرلیا ہے۔ وہ جسے چاہے، عزت دے۔ جسے چاہے ذلت۔ جو حشر کرے اپنے بندے کا، وہ ٹھیک ہے۔ ہر انسان کو اپنے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔''

''پتا نہیں کیا کیا بکواس کرتے رہتے ہو......؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تمہاری۔ اب بولو......! کیا کھاؤ گے......؟''

''یہ بھی میں بتاؤں......؟''

''ہاں بتاؤ......!''

''جو بھی کھلا دو۔ اب تو تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔''

''یہاں بیٹھ جاؤ۔ باہر مت نکلنا، مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہی ہوں۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

''ارے......! اب تمہارے پاس ہوں، تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا......؟''

شاہان نے کہا اور بوڑھی عورت باہر چلی گئی۔ اپنی جگہ سے ہلنے کا ارادہ بھی نہیں تھا اس کا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کے نرغے میں ہے اور جن راستوں سے گزر کر آیا ہے، وہاں سے واپسی اتنی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر جب بوڑھی غار میں داخل ہوئی تو چائے کی خوشبو دُور سے ہی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ ناشتہ دیکھ کر وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ نہ جانے کب سے اسے قاعدے کی چائے نہیں نصیب ہوئی تھی۔ انڈے، توس، مکھن اور چائے تھی، جو بوڑھی نے اس کے سامنے رکھ دی۔

''چلو، ناشتہ کرو......!''

''تم بھی آجاؤ......!''

شاہان نے عاشقانہ انداز میں کہا۔

''نہیں......! میں بعد میں کرلوں گی، تم کرو۔''

''حرام ہے مجھ پر جو ایک نوالہ بھی لوں تمہارے بغیر......!''

شاہان بولا۔

''ارے ارے......! وہ کیوں......؟''

''بس سائرہ......! تمہارے ساتھ ناشتہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔''

''اچھا......! چلو ٹھیک ہے......! میں بھی کررہی ہوں۔''

بوڑھی نے کہا اور اس کے ساتھ ناشتے میں مصروف ہوگئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاہان کی تیز رفتاری نے بہت کم چیزیں بوڑھی کے ہاتھ لگنے دی تھیں۔ بوڑھی مسکراتی رہی۔ شاہان اس کی فطرت کا اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ کس قسم کی عورت ہے، اس لئے بوڑھی کو شیشے میں اُتارنے کے لئے یہ حرکات ضروری تھیں۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر بوڑھی برتن واپس لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آگئی تھی۔ وہ شاہان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''نام کیا ہے تمہارا......؟''

''شاہان......!''

''وہ عورت کون ہے......؟''

''بس......! ایک اوباش فطرت عورت ہے۔ خواہ مخواہ میری جان کو اٹک گئی ہے۔ اسی کی وجہ سے میں اس مصیبت میں پھنسا ہوں۔''

''تم پولیس کے لوگ ہو۔ مجھے سچ سچ بتا دو۔''

''تمہاری جان کی قسم......! میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''ہوں......! مجھے یقین ہے کہ پولیس والے ایسے نہیں ہوتے، لیکن اب تم یہاں سے جا نہیں سکو گے۔''

''کیوں......؟''

''بس......! بشیرا کسی کو جانے نہیں دیتا۔ وہ ایسے خطرات مول لینے کا عادی نہیں ہے۔ بہت چوکس رہتا ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ بھاگنے کی کوشش کبھی نہ کرنا، ورنہ کسی چٹان کے پیچھے سے گولی نکلے گی اور تمہیں چھید دے گی۔''

''لعنت ہے اس طرح بھاگنے والے پر، مگر تم مجھے راکھو کے اور اپنے بارے میں بھی کچھ تو بتاؤ۔''

''پوچھو......! کیا پوچھنا چاہتے ہو......؟''

''بشیرا کون ہے......؟''

''ڈاکو ہے، ڈاکے مارتا ہے، بڑا نام ہے ان علاقوں میں بشیرا گینگ کا۔''

''اور یہ علاقے کون سے ہیں......؟''

''ترائی کے علاقے کہلاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں اور شہر پھیلے ہوئے ہیں ان کے بیچ۔''

"اوہ......! تو یہ ترائی کا علاقہ ہے......؟ کمال ہے......!"

"اس میں کمال کی کیا بات ہے......؟"

"بس......! ایسے ہی، مجھے معلوم نہیں تھا ان کے بارے میں۔ مگر تم کون ہو......؟"

"سائرہ......!"

"اوہو......! میرا مطلب ہے، یہاں کیا کرتی ہو......؟"

"کوئی ذمے داری نہیں ہے میری، جو دل چاہتا ہے کرتی ہوں۔ بشیرا کئی سال پہلے مجھے اغواء کر کے لایا تھا۔ اس وقت سے آج تک یہاں ہوں۔ اب تو سب مر کھپ گئے ہوں گے میرے اپنے، بھول گئی ہوں سب کو۔"

"اوہ......! تمہیں اغواء کر کے یہاں لایا گیا تھا......؟"

"ہاں......! آٹھ بھائیوں کی ایک بہن تھی۔ کوئی تلاش نہ کر سکا مجھے۔"

"کیا نام تھا تمہاری بستی کا......؟"

"حمید پور......! سب یاد ہے، مگر اب کچھ کچھ بھول بھی گئی ہوں۔"

"تم مجھے وہاں سے نکال کر یہاں لے آئیں، کوئی تم سے باز پرس نہیں کرے گا کیا......؟"

"اب کوئی نہیں کرتا۔ سائرہ کو سب جانتے ہیں۔"

"کچھ کام کرنا پڑتا ہے یہاں......؟"

"ہاں......! جو دل چاہتا ہے کرتی ہوں، کوئی مجبور نہیں کر سکتا مجھے۔"

"میرے ساتھ اب کیا سلوک ہوگا......؟"

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ شاید ایک دو دن میں تمہیں بشیرے کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"اور اگر بشیرے نے میرے ساتھ کوئی برا سلوک کیا تو......؟"

"کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ مجبوری ہے۔"

"تم بھی نہیں......؟"

"ہاں......! میں بھی نہیں۔ بس جو بھی اس کے دماغ میں سما جائے، وہی کرے گا وہ۔"

"تب پھر تم سے دل لگانے سے فائدہ......؟ تمہیں میری مدد کرنی چاہئے جانِ من......! میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔"

"کیا خواہش پوری کرو گے......؟"

اس نے سوال کیا اور شاہان نے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیا۔ دوسرے لمحے بوڑھی نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے دور دھکیل دیا۔

"کمینے......! مکار......! ذلیل......! دھوکہ دے رہا ہے مجھے......؟ بے وقوف بنا رہا ہے......؟ اظہار محبت کر رہا ہے مجھ سے......؟ پاگل سمجھتا ہے مجھے......؟ سن......! میں پاگل نہیں ہوں، سمجھا تو......؟ جوانی بیت گئی۔ اب

بڑھاپے میں تو مجھے یہ دھوکہ دے رہا ہے......؟ کیا میں اس قابل ہوں......؟ بول......! بتا مجھے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"میں تو مر چکی ہوں کب کی، اپنی لاش کو گھسیٹے پھرتی ہوں۔ ماضی کے خواب میری آنکھوں میں جاگتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے......؟ میں نے پندرہ سال ان غاروں میں گزار دیئے۔ میں ان سالوں پر یقین نہیں رکھتی۔ بس انہی کو جھٹلانے میں لگی رہتی ہوں۔ مگر سال جھوٹ نہیں ہوتے۔ سمجھا تو......؟ نکل جا یہاں سے، مجھے بے وقوف بنا کر تجھے کیا ملے گا......؟"

☆......☆......☆

بوڑھی روتی رہی۔ شاہان کھوپڑی سہلاتا رہا تھا۔ اس کا دماغ اس کا ساتھ چھوڑے دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک بوڑھی کی یہی کیفیت رہی، پھر وہ روتے ہوئے باہر نکل گئی۔ شاہان میں اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ باہر نکل جائے۔ ویسے اسے یقین تھا کہ ان غاروں سے نکلنا ناممکن ہے۔ بوڑھی کافی دیر تک نہیں آئی۔ ہاں، دوپہر کو دو آدمی اس کے پاس آ گئے اور ان میں سے ایک نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"کیا نام ہے تیرا......؟"

"شاہان......!"

"چل......! سردار کے سامنے تیری پیشی ہے۔"

اس شخص نے کہا اور شاہان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شامت زیادہ دور نہیں ہے۔ غار پیچ در پیچ پھیلے ہوئے تھے۔ کئی سرنگوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک ہال میں پہنچے۔ یہاں بشیرا موجود تھا۔ روایتی ڈاکوؤں کی مانند، پہاڑی انسان تھا، انتہائی مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک، گھنی ڈاڑھی اور لمبی لمبی مونچھیں، آنکھوں میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ دوسری طرف سے عالیہ شاہ کو بھی لے آیا گیا تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ اس بڑے ہال میں داخل ہوئے تھے جو درحقیقت ایک وسیع غار ہی تھا۔ اعلیٰ درجے کی چیزوں سے آراستہ تھا۔ سیاہ رنگ کی ایک کرسی پر بشیرا بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ جاسوس جی......! بشیرے کی تلاش میں آئے تھے......؟ میں ہی بشیرا ہوں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ شاہان خاموش کھڑا رہا۔

"کون سے پولیس ناکے سے آئے ہو جاسوس جی......؟"

"میں جاسوس نہیں ہوں بشیرا......! ایک پریشان حال آدمی ہوں جسے بنجارے اغواء کر لائے تھے۔ ان کی قید سے بھاگا ہوں۔"

"بنجاروں کی قید سے بھاگے ہو......؟"

"ہاں......! تم چاہو تو معلوم کر سکتے ہو۔"

"ارے......! بشیرے کو اتنی فرصت کہاں ہے جو ایک ایک کے بارے میں معلوم کرتا پھرے......؟ سسری کون ہے......؟"

"میں نہیں جانتا اسے......؟"

شاہان نے کہا۔

"تو جانتی ہے ری......! اسے......؟"

"اچھی طرح جانتی ہوں بشیرا......! یہ ایک پولیس آفیسر ہے اور تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہے۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عالیہ اس قدر آؤٹ ہو جائے گی اور اس طرح طرح اسے پھنسائے گی......؟ لیکن وہ اس کی ذہنی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھ

"لے بھائی......! کھل گئی بات......! اور جھوٹ بول بشیرے سے......؟ پر تو کون ہے ری......؟ ا بارے میں تو بتا......!"

بشیرے ہنستا ہوا بولا۔

"میں بس اس کی شکار ہوں، دھوکہ دے کر اس علاقے میں لے آیا۔ میری عزت لوٹتا رہا اور سبز باغ دکھ رہا......اور......اور پھر......"

"ارے ارے بھائی......! یہ علاقہ تو بڑا بنجر ہے۔ یہاں کون سا باغ نظر آیا تجھے......؟ ارے بھائی...... کون سا باغ دکھا دیا تو نے......؟"

"تم خود ہی سوچ لو سردار......! اس کی سچائی تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ تمہارے خیال میں اس کی ع ہو گی......؟"

شاہان کو موقع مل گیا۔

"ارے......! ہو گی سسری تیس چالیس سال کی۔"

"تیس چالیس سال کی عمر کی کوئی معصوم لڑکی دیکھی ہے تم نے کبھی......؟"

"ارے ناں بھائی......! یہ سسریاں تو پیدا ہی چتر ہوتی ہیں۔"

"یہ عورت خود مجھے بھگا کر لائی ہے سردار......! میں ایک معصوم آدمی ہوں، بالکل معصوم۔ میں نے سے کہا کہ اس نے مجھے مصیبت میں پھنسا دیا ہے تو یہ ناراض ہو گئی اور اب مجھے پولیس والا کہہ کر چاہتی ہے کہ تمہار ہاتھوں مروا دے۔"

شاہان بولا۔

"ایک عورت کے کہے پر تو ہم کسی کو نہ ماریں گے۔ چاہے تو پولیس والا ہی کیوں نہ ہو...... سسرے......! تو یہاں سے نکل نہیں سکے گا۔ ارے شدن......! ارے او شدن......!"

اس نے کسی کو آواز دی اور ایک شخص آگے بڑھ آیا۔

"جی سردار......!"

"لے جا رے......! اسے اصطبل میں، لگا دے کام سے، اب یہ گھوڑوں کی مالش کے گا سسرا......آرام کے لئے جگہ دے دینا۔"

"جو حکم سردار......!"

"اس حرام جادی کو باورچی خانے میں لگا دو۔ روٹیاں پکواؤ صبح سے شام تک۔ چلو، فیصلہ ہو گیا، بھاگ جاؤ اب۔"

اور دونوں کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔ شاہان کو گھوڑوں کی مالش کرنا پڑتی تھی اور عالیہ شاہ کو روٹیاں پکانی پڑتی تھیں۔ منوں آٹے کی روٹیاں جنہیں پکاتے پکاتے دوپہر اور پھر شام ہو جاتی تھی۔ دونوں ہی تقدیر کو روتے رہتے تھے۔ یوں تقریباً پندرہ دن گزر گئے۔ اس دوران ایک بار بھی ان کی آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ غاروں کے عظیم الشان سلسلے میں انہیں کہیں آنے جانے کی آزادی تھی، لیکن دونوں ہی تھکن سے اس قدر چور ہو جاتے تھے کہ پھر انہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ شاہان کو بھی رہائش کے لئے ایک چھوٹا سا غار مل گیا تھا اور یہی کیفیت عالیہ شاہ کی تھی۔ روٹیاں پکانے کا سلسلہ کچھ اتنا انوکھا تھا بس جان نکل جاتی تھی۔ صبح اندھیرے اُٹھنا پڑتا تھا۔ نہ اُٹھتی تو اس کے ساتھ کام کرنے والی دوسری عورتیں اسے جگا دیتی تھیں اور اس کے بعد بڑی بڑی ناندوں میں آٹا گوندھنا شروع ہو جاتا۔ چولہے جل جاتے اور پھر روٹیاں پکتی رہتی تھیں۔ اتنے سارے افراد کے لئے روٹیاں پکانی ہوتی تھیں۔ چنانچہ دوپہر ہو جاتی۔ دوپہر کو کھانا کھانے کا تھوڑا سا موقع ملتا اور اس کے بعد شام کی تیاریاں شروع ہو جاتیں اور پھر شام تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ رات کو لیٹنے کے بعد بدن میں اتنی سکت نہیں رہتی تھی کہ کہیں بھی ہلا جا سکے اور دماغ اس قدر تھک جاتا تھا کہ کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے روٹیاں پکاتے پکاتے زندگی ختم ہو جائے گی۔

یہی کیفیت شاہان کی تھی۔ تندرست و توانا گھوڑوں کی مالش آسان کام نہیں تھا۔ مالش کرنے کے طریقے اسے مسلسل بتائے جاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ کوئی گھوڑا اس سے مطمئن نہ ہوتا تو ہنہناتا اور ٹانگیں مارنے کی کوشش کر دیتا۔ گویا وہ شاہان سے صحیح طور پر کام لینا چاہتا تھا۔ بہرصورت دونوں تن بہ تقدیر تھے کہ اتفاقیہ طور پر ایک دن ان کی ملاقات ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ شاہان نے عالیہ شاہ کو دیکھا اور حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ عالیہ شاہ کے چہرے سے شگفتگی غائب ہو گئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور غالباً چولہوں کی تپش سے اس کی رنگت تپ گئی تھی۔ عالیہ شاہ نے بھی اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خون اُبل آیا۔

"ہیلو عالیہ......!"

شاہان نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیا حال ہے شاعر اعظم......؟"

عالیہ شاہ دانت بھینچنے کے سے انداز میں بولی۔

"بس......! آج کل گھوڑوں پر اشعار کہہ رہا ہوں۔"

شاہان مسکرا کر بولا۔

"کاش......! تم کچھ بھی نہ کہہ سکتے۔"

"ٹھیک ہے......! مجھے یقین ہے کہ تمہارے دل میں اب میرے لئے بددعاؤں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا۔ لیکن میرا قصور سرکار محترم......؟"

"قصور......؟"

عالیہ شاہ نے زمین پر تھوک دیا۔

"کمال ہے......! یعنی یہ معصومانہ ادائیں ابھی جاری ہیں......؟ ان حالات میں بھی......؟ شاہان......! ہوش میں آؤ، ہوش میں۔"

عالیہ شاہ نے نفرت سے کہا۔

"ویسے آپ مرجھا گئی ہیں عالیہ شاہ......!"

"میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"نہ کریں سرکار......! ہم تو صرف اتفاق سے آپ کے سامنے آگئے ہیں، ورنہ یہاں تو ہم خود زندگی سے بیزار ہیں اور یہ بات کبھی نہیں بھولیں گے کہ زندگی کا یہ روگ ہم نے آپ کی وجہ سے پالا ہے، صرف آپ کی وجہ سے۔"

"مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر ناکارہ اور نکمے انسان ہو۔"

"ہاہاہا......! اب آپ ہمیں چڑھانے کی کوشش نہ کریں۔ ہمارے جسم میں جو خون تھا، وہ پانی بنتا جارہا ہے۔ چنانچہ اس میں گرمی آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دفعہ آپ کے چڑھانے سے جوش میں آگئے تھے اور ان حالات کو پہنچ گئے۔ اب مزید کوئی ایسی کوشش نہ کریں گے۔ یہاں سے نکلنا موت کے بعد ہی ممکن ہے۔ چنانچہ ہم تو موت کا انتظار کررہے ہیں۔"

"تم جیسے لوگ اور کیا کرسکتے ہیں......؟"

"آپ کیا کررہی ہیں حضور......؟"

شاہان نے پوچھا۔

"کچھ نہیں......! میں تم سے اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ پھر ایک روز گھوڑے کسی کام سے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے تھے۔ مالش صبح ہی ہوچکی تھی اور شاید ان لوگوں کا کہیں ڈاکے پر جانے کا پروگرام تھا۔ یہ صرف شاہان کا خیال تھا، ورنہ اسے اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ ویسے ان دنوں اس نے ایک بار بھی ان لوگوں کو غاروں سے باہر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ بس نگرانی کرنے کے لئے چند گھوڑے اِدھر اُدھر دوڑتے رہتے تھے۔ ویسے یہاں کا ماحول بے حد عجیب تھا۔ شاہان کو یہ تمام معلومات حاصل کر کے خاصی دلچسپی محسوس ہورہی تھی۔ اس شام جب سردار بشیرے ایک بڑے غار میں اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً کسی نے کسی کے آنے کی اطلاع دی اور بشیرا ایک دم

چونک پڑا۔

"سچ کہہ رہے ہو تم......؟ دیکھ لیا ہے تم نے......؟"

"جی سردار......!"

"تو پھر جاؤ بلا کر لاؤ اپنے یار کو۔ واہ......! مزہ آگیا۔ وہ جب بھی آتا ہے، اپنی طبیعت خوش ہوجاتی ہے۔ بلا کر لاؤ، بلا کر لاؤ......!"

"آرہا ہے سردار......! وہ ہمارے نزدیک پہنچ جائے تو ہم اسے آپ کے پاس لے آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے......!"

شاہان وہیں کھڑا ہوا تھا، دفعتہً اسے عقب سے عالیہ کی آواز سنائی دی۔

"تم یہاں بھی موجود ہو......؟"

"ارے......! تم یہاں کیسے آگئیں......؟ تمہیں اتنی گھاس کس نے ڈال دی......؟"

"فضول بکواس مت کرو۔ مجھے سردار کے پاس بلایا گیا ہے۔"

"کوئی خاص کام......؟"

"پتا نہیں......! بس مجھے اطلاع ملی تھی کہ سردار نے مجھے طلب کیا ہے۔"

عالیہ شاہ بولی اور شاہان مسکرانے لگا تھا۔ بشیرے کے چہرے سے کچھ ایسی دلچسپی ظاہر ہورہی تھی جیسے آنے والی شخصیت اس کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہو۔ وہ دلچسپی سے باہر سے آنے والے راستے کو دیکھ رہا تھا اور پھر کوئی اندر آگیا۔ تین چار آدمی اس کے پیچھے تھے، لیکن اسے دیکھ کر شاہان کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ عالیہ شاہ کے حلق سے سسکی سی نکل گئی تھی۔ یہ شہروز تھا، سوفیصدی شہروز......!

☆......☆......☆

تمام لوگ حیرت و دلچسپی سے یہ کہانی سن رہے تھے۔ پھر تابش نے کہا۔

"تمہارے خیال میں یہ کہانی درست ہے......؟"

"ہاں......! میرے خیال میں عالم پناہ اس خوب صورتی سے جھوٹ بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔"

"ہوں......!"

تابش پُرخیال انداز میں بولا۔

"اس میں اس قدر تبدیلی کی کوئی ایسی ہی وجہ ہوسکتی ہے تابش بھائی......! کوئی اور بات اس قدر اثر انداز نہیں ہوسکتی اس پر۔"

"ہاں......! یہ بات تو ہے۔ مگر......"

"مگر کیا تابش بھائی......؟"

"یہ نور جہاں کون تھی......؟ بات کچھ عجیب نہیں ہے۔"

"ایک خیال بار بار ذہن میں اُبھر رہا ہے۔"

"کیا......؟"

"شہروز بھائی......!"

شاہد بولا اور سب چونک پڑے۔

"کیا مطلب......؟"

"میرا خیال ہے، وہ کسی طور شہروز بھائی کا نشانہ بن گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

"مگر شہروز بھائی نے ایسا کیوں کیا......؟"

"اب اس بات کا اندازہ مشکل ہے۔"

"اوہ......! میں سمجھ گیا۔ ممکن ہے، وہ دورے کی کیفیت میں ہوں۔"

تابش بولا اور دوسرے لوگ سنجیدہ ہوگئے۔ پھر دفعتہً شمائل ہنس پڑی۔

"اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو پھر یہ خوش نصیب انسان بال بال بچ گیا۔ دورے کے عالم میں شہروز بھائی اس کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے تھے۔"

"بے شک......!"

"بہرحال ان باتوں کو چھوڑو، اب یہ بتاؤ کہ ان معاملات کو آگے کیسے بڑھایا جاسکتا ہے......؟"

"تابش بھائی......! ایک بات کہوں......؟"

شمائل بولی۔

"ہاں ہاں......! کہو......!"

"کیوں نہ ان بیچاروں کو معاف کر دیا جائے......؟"

"ارے واہ......! کیوں معاف کر دیں......؟ پاگل ہیں کیا ہم......؟ اور شمائل صاحبہ......! آپ ان سے ہمدردی کا اس قدر اظہار نہ کیا کریں۔ خواہ مخواہ بدنام ہو جائیں گی۔ کھسر پھسر کرنے لگیں گے ہم لوگ آپ کے بارے میں۔"

تابش نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"اچھا اچھا......! اب یہ میری ہی گھسائی شروع ہوگئی۔"

"تو پھر تم ایسی گندی گندی باتیں کیوں کر رہی ہو......؟ اس کھیل کو جاری رہنا چاہئے۔ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہوگا۔"

"کفرانِ نعمت......؟"

"تو اور کیا......؟ ایسے بے وقوف بھی خدا کی نعمت ہوتے ہیں جو کبھی کبھی ملتے ہیں۔ ہمیں اس سے پورا پورا

فائدہ اُٹھانا چاہئے۔"

"اللہ......! تابش بھائی......! شیطان سے آپ کا بہت قریبی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی جو آپ کا ذہن شرارتوں سے چوکتا ہو......؟ کوئی نہ کوئی شرارت سوچتے ہی رہتے ہیں۔"

"تو کیا کیا جائے بھئی......؟ زندگی کے ہی چار دن ہیں، اگر ان کو بھی ضائع کر دیا جائے تو کیا فائدہ......؟"

"تو اب کیا پروگرام ہے......؟"

"واہ......! مسٹر عالم پناہ اور نور جہاں......؟ میرے خیال میں نور جہاں کو ان سے ملتے رہنا چاہئے۔"

"کیا مطلب......؟"

"بس......! نور جہاں ان سے دوبارہ ملاقات کرے گی۔"

"نور جہاں......؟"

"سو فیصدی نور جہاں......!"

"مگر کیسے......؟"

"یہ کون سا مشکل کام ہے......؟"

"اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

شمائل نے کہا۔

"نور جہاں کون ہوگی......؟"

"نور جہاں......! نور جہاں......!"

تابش کان کھجا کر بولا۔

"نور جہاں عیشہ ہوگی۔"

اس نے کہا اور عیشہ اُچھل پڑی۔

"میں......؟"

اس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

"سو فیصدی تم......!"

"اوہ......! اللہ......! تابش بھائی......! مجھے اس کڑے امتحان میں نہ ڈالیں، اور پھر اگر وہ شہروز بھائی آ گئے تو پھر......؟"

"اس میں کوئی مشکل نہیں ہوگی عیشہ......! نور جہاں نقاب ڈال کر عالم پناہ سے ملاقات کرے گی، زیر نگرانی تابش۔ تم فکر مت کرو، میں تمہیں ریہرسل کرا دوں گا۔"

"سنئے تابش بھائی......! اگر عیشہ اپنے کردار کے لئے تیار نہیں ہوئی تو پھر میں بھی کچھ نہیں کروں گی۔"

شائل نے کہا۔

"ہم میں سے ہر شخص کو ان نیک کاموں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"تو میں کب منع کر رہی ہوں......؟"

عیشہ بولی۔

"زندہ باد......! یہ بات ہوئی۔ پھر آج ہی شام......؟"

"شام نہیں رات......! آج یوں بھی چاندنی رات ہے۔"

"ارے ہاں......! میں تو بھول ہی گیا۔ پھر یہ چاندنی رات کا کھیل رہا۔"

"بالکل رہا......!"

"عیشہ......! تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں آئندہ ہدایات دیئے دیتا ہوں۔"

"چلئے......!"

عیشہ ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ تابش اور عیشہ چلے گئے تھے۔ باقی لوگ وہیں موجود تھے اور حالات پر غور کر رہے تھے۔

"یہ تابش دی گریٹ سونے میں تو لے جانے کے قابل ہے۔ اگر یہ ہمارے درمیان نہ ہوتا تو ہم صحرا میں بھٹکتے ہوئے...... بھٹکتے ہوئے کیا ہوتے......؟ کیا جملہ موزوں ہے اس وقت......؟"

شاہد نے کہا۔

"اُلو......!"

شائل جلدی سے بولی۔

"ہاں تو ہم صحراؤں میں بھٹکتے ہوئے اُلو ہوتے۔"

شاہد نے جملہ پورا کیا اور پھر چونک پر شائل کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا کہا......؟ اُلو......؟"

اور پھر سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"بہرصورت، اس طرح کم از کم ایک فائدہ تو ہو رہا ہے شاہد بھائی......!"

منیب بولا۔

"کیا...... کیا فائدہ......؟"

"کم از کم بچے اور بچیوں کو عشق و محبت کی مناسب تربیت مل رہی ہے۔ بھئی......! دیکھیں ناں، یہ چیزیں آگے چل کر ہمارے لئے کتنی فائدہ مند ثابت ہوں گی۔"

"بے شک......! لیکن آپ میں سے کوئی عالم پناہ اور روکی جیسی خوبیاں تو پیدا کرے۔ آپ لوگ بس سیدھے سادے سپاٹ سے نوجوان ہیں۔ آپ کی طرف تو نگاہ اُٹھا کر دیکھنے سے آنکھوں میں رتوندا آنے لگتی ہے۔"

ایک لڑکی بولی اور تمام لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"اچھا جی......! یہ معاملہ ہے......؟ ارے ہاں......! روکی کہاں غائب ہے آج کل......؟ بالکل ہی آؤٹ آف مارکیٹ ہوگیا ہے۔"

"ہاں......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب سے عالم پناہ گوشہ نشین ہوئے ہیں، روکی بھی کچھ بجھا بجھا سا نظر آتا ہے۔"

"تلاش کرو بھئی......! مٹی کے مادھو کو۔ یہ تو خواہ مخواہ میں ہاتھ سے جا رہا ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔"

شائل بولی۔

"دیکھئے دیکھئے......! ضرور دیکھئے......! آپ ہی کو تو دیکھنے کے سارے مواقع مل گئے ہیں، ضرور دیکھئے......!"

پیچھے سے آواز آئی اور شائل ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ اب اسے روکی کی تلاش تھی۔ تابش نے جو ہنگامہ خیزیاں کر رکھی تھیں، وہ سبھی کے لئے باعث دلچسپی تھیں۔ اس طرح تعلیم کے بعد جو موقع ملتا تھا، وہ ان سب کے لئے انتہائی خوش گوار ہوتا تھا۔ یوں بھی احتشام حسن کے آنے کے سے بلاشبہ گھر کی رونقیں دوبالا ہوگئی تھیں۔ گھر پر بھی شرارتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی حرکت، کوئی نہ کوئی شرارت، لیکن تختۂ مشق کوئی نہیں تھا، لیکن اب عالم پناہ اور روکی تختۂ مشق بن چکے تھے۔ شائل آگے بڑھتی رہی۔ روکی کی تلاش میں وہ نہ جانے کہاں سے کہاں بڑھ گئی......؟ پھر اتفاق سے اسے روکی نظر آ گیا۔ لیکن روکی کے ساتھ جو کوئی بھی تھا، اسے دیکھ کر شائل حیران رہ گئی۔

یہ سارہ تھی، روکی، سارہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ باغ کا ایک پُرسکون گوشہ تھا۔ شائل کو بے حد حیرت ہوئی۔

"روکی اور سارہ کے ساتھ......؟"

یہ تو ایک انہونی سی بات تھی۔ وہ بے چین ہوگئی کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کسی طرح سن سکے۔ سارہ بیچاری بیمار رہ چکی تھی لیکن اب اس کی حالت بہتر تھی اور وہ ٹہلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی کہ روکی اس کے قریب پہنچ گیا۔ شائل ایسی جگہ تلاش کرنے لگی جہاں سے ان دونوں کی گفتگو سنی جا سکے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پھولوں کے ایک کنج کے پیچھے پہنچ گئی۔ شائل نے کوشش کی تھی کہ اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ تک بھی پیدا نہ ہونے پائے۔ روکی، سارہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوا تھا، اس کی حالت عجیب سی تھی۔ وہ بالکل کسی ایسے غلام کی مانند نظر آ رہا تھا جو اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہو۔ تب شائل نے سنا، روکی کہہ رہا تھا۔

"کیا عرض کروں......؟ بس......! کیا عرض کروں......؟"

"کیا بات ہے روکی بھائی......؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

سارہ نے کہا۔

"ہاں......! یہاں کا ماحول واقعی پریشان کن ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہئے......؟ سارہ......! کیا تم لوگ وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے......؟"

روکی نے کہا۔

"نہیں......! ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ افریقہ کی فضاؤں سے کہیں زیادہ حسین تو ہمارے اپنے وطن کی فضائیں ہیں۔ افریقہ کی زندگی سے تو میں اُکتا گئی تھی۔ بس یوں محسوس ہوتا تھا روکی......! کہ جیسے ہم دیارِ غیر میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اپنا وطن اپنا ہی وطن ہوتا ہے۔"

"تو گویا پھوپھا جان اب یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے......؟"

"ہاں......! بالکل، وہ تو تایا جان ابھی انہیں گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ ان کی خواہش ہے کہ اب ڈیڈی آرام کریں، اس لئے کچھ نہیں کیا، ورنہ ڈیڈی یہیں کاروبار کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد تمام جائیداد اور دولت افریقہ سے یہاں منتقل ہو جائے گی۔"

"صرف جائیداد اور دولت......؟"

روکی نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟"

"میرا مطلب ہے، جائیداد اور دولت کے ساتھ خاندان۔"

"خاندان بھی ظاہر ہے، وہیں ہوگا جہاں ہم لوگ ہوں گے۔"

سارہ نے جواب دیا۔

"گویا میرے والد صاحب بھی افریقہ سے واپس آ جائیں گے......؟"

روکی نے پوچھا۔

"کیوں......؟ تمہیں ان سے خوف محسوس ہوتا ہے......؟"

سارہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں......! باپ ہمیشہ ڈرنے کی چیز ہے۔"

"لیکن بقول تمہارے پھوپھا جان بھی تو تمہارے لئے باپ ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"تو ان سے کیا میں نہیں ڈرتا......؟"

روکی نے سوال کیا۔

"ہاں......! ڈرتے تو ہو۔"

"سارہ......! آپ یہاں کیسی زندگی گزار رہی ہیں......؟"

"بہت خوشگوار، بہت دلچسپ۔"

سارہ مسکرا کر بولی۔

"خوش ہیں آپ یہاں......؟"

"ہوں......! بہت خوش ہوں۔"

سارہ بولی۔

"ان خوشیوں میں آپ ہمیں بھول ہی گئی ہیں۔"

"نہیں......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ لوگ مجھے یاد ہیں۔ بس آپ کی تفریحات سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔"

"حالانکہ یہ تفریحات ہی زندگی ہیں۔"

"کمال ہے روکی بھائی......! آپ تو بڑی سنجیدہ گفتگو کرنے لگے ہیں۔"

"ہاں......! بہت سے احساسات جاگنے لگے ہیں ذہن میں۔"

"یہ اس دیس کی آب و ہوا کا کمال ہے۔"

☆......☆......☆

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ بہرحال میں آپ سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔"

"صلح......؟ ہمارے آپ کے درمیان جنگ کہاں ہے......؟"

"ہے، اس سے انکار نہ کرو۔"

"نہیں روکی بھائی......! کوئی جنگ نہیں ہے۔ بس آپ دونوں کی احمقانہ باتیں پسند نہیں تھیں۔"

"کون سی احمقانہ باتیں......؟"

"جو آپ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی آپ لوگوں نے مجھے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"مجھے احساس ہو گیا ہے سارہ......!"

"اس احساس کا کوئی نتیجہ بھی نکلا......؟"

سارہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......! نکلا ہے۔"

"کیا......؟"

"یہی کہ اب......اب میں نے وہ خیال ذہن سے نکال دیا ہے۔"

"اور علی نے......؟"

"اس کے حالات بھی بہتر نہیں ہیں۔ وہ گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہے اس کی۔"

"اس کی وجہ......؟"

"خدا جانے......! ویسے سارہ......! میں اپنی حماقتوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں

تمہارے لئے کچھ کروں۔"

"کیا کرنا چاہتے ہیں آپ میرے لئے......؟"

"جو تم چاہو......!"

"میں تو ہر طرح خوش اور مطمئن ہوں۔ میرے خیال میں مجھے کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔"

"ایک سوال کروں سارہ......؟"

"کیجئے......!"

"ناراض تو نہیں ہو گی......؟"

"چلئے وعدہ......! نہیں ہوں گی۔"

"تم شہروز سے پیار کرنے لگی ہو......؟"

روکی نے سوال کیا اور سارہ خاموش ہو گئی۔ پھر چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں......!"

"میرے خیال میں تمہاری شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ......؟"

"آپ خدمت کریں گے میری......؟"

"دل و جان سے، تمہیں میرے خلوص پر یقین رکھنا چاہئے۔"

روکی نے کہا اور سارہ سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"اور آپ نے اگر اپنی نادانی سے مجھے مزید بدنام کر دیا، تب کیا ہو گا......؟"

"تم مجھے قتل کر دینا۔"

"خیر......! ایسا تو میں کبھی نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے باوجود میں آپ پر بھروسہ کرتی ہوں۔"

"اس بھروسے کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"آپ شہروز صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے روکی بھائی......؟"

"کس قسم کی معلومات......؟"

"ان کے مشاغل کے بارے میں کہ وہ کہاں کہاں جاتے ہیں......؟ کیا کرتے ہیں......؟ کوئی اور لڑکی تو ان کی زندگی میں داخل نہیں ہے......؟"

"اوہ......! کیا تمہیں اس پر شبہ ہے......؟"

"نہیں......! لیکن بس عجیب سی فطرت کے مالک ہیں وہ۔ کوئی انوکھا پن ہے ان کی فطرت میں۔ میں اس انوکھے پن کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔"

روکی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے......! یہ میری ذمے داری ہے۔"

"بہت بہت شکریہ......!"

سارہ نے کہا۔

"آج میرے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا ہے اور میرا خیال ہے، اب میرے اور علی کے اختلافات بھی ختم ہو گئے۔"

"احمقانہ اختلافات تھے......؟"

سارہ نے کہا۔

"اچھا سارہ......! میں چلتا ہوں۔"

روکی نے کہا اور سارہ نے گردن ہلا دی۔ شائل نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ شدید حیرت کا شکار تھی۔ یہ اچانک ان دونوں کو کیا ہو گیا تھا......؟ کیا واقعی یہاں کی آب و ہوا نے ان کے ذہنوں پر برا اثر ڈالا تھا......؟ دونوں ہی سمجھداری کی باتیں کرنے لگے تھے۔ سارہ بھی کھل گئی تھی۔ بہر حال وہ ایک جگہ روکی کے سامنے آ گئی اور روکی اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"مس شائل......! مس شائل......!"

"ہیلو روکی......!"

"ہیلو......! کہاں ہیں آپ......؟"

"یہی سوال میں آپ سے کرتی ہوں۔"

"میں تو یہیں ہوں مس شائل......! بس میرے خیال میں آپ نے میرے چہرے اور سر سے یہ جھاڑ جھنکاڑ ہٹا کر میرے اوپر بہت بڑا احسان کر ڈالا ہے۔"

"کیسا احسان......؟"

"زمانے کا رنگ ہی بدل گیا ہے میری نگاہوں میں۔"

"اوہو......! ہوہو......! ایسا ہی لگ رہا ہے روکی صاحب......! مگر یہ واردات کیسے رونما ہوئی......؟"

"مجھے خود نہیں معلوم......!"

"بہت کم نظر آتے ہیں......؟ آپ کہاں رہتے ہیں......؟"

"گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے میں نے۔ زمانہ مجھے اپنے درمیان پسند نہیں کرتا شاید۔"

"یہ اندازہ کیسے لگایا آپ نے......؟"

"بس......! یوں سمجھیں کہ عقل آ گئی ہے کچھ۔"

"بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ عالم پناہ کا کیا حال ہے......؟"

"خدا جانے......! میں اس کے لئے افسردہ ہوں۔"

روکی نے کہا۔

"دلربا بھی خاموش ہے ان دنوں......؟"

"ہاں......! یہ بھی اُداس ہے۔"

روکی نے دلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اس اُداسی کی کوئی وجہ ضرور ہوگی......؟"

"وجہ تلاش کر رہا ہوں، ابھی اس میں ناکام ہوں۔"

روکی نے جواب دیا اور شائل ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگی۔ شام کو شائل نے تابش کو رپورٹ دی اور تابش کے چہرے پر مضحکہ خیز سنجیدگی چھا گئی۔

"یہ نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ افریقی لوگ یہاں آکر عقلمند نہیں ہوسکتے۔ کچھ کرنا پڑے گا۔ کوئی گہری کارروائی کرنا ہوگی، کوئی ایسا عمل کہ یہ پھر سے کام کے لوگ بن جائیں۔"

"انوکھی کایا پلٹ ہوئی ہے۔"

"ہاں......! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ بہرحال کچھ سوچیں گے، تم لوگ پریشان نہ ہو۔"

تابش نے کہا۔

"نور جہاں کا ڈرامہ کب ہو رہا ہے......؟"

"آج رات......! اور اس ڈرامے کے سلسلے میں مختلف کرداروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ آج رات ایک دلچسپ ڈرامہ باغ ہو رہا ہے۔"

"باغ ہو رہا ہے......؟"

"یہاں اسٹیج نہیں باغ ہو رہا ہے، کیونکہ یہ ڈرامہ باغ میں ہوگا اور اس میں کئی کردار کام کر رہے ہیں۔ حضرات......! آپ کی خدمت میں نور جہاں......!"

تابش نے کہا اور تالیاں گونجنے لگیں۔

☆......☆......☆

شہروز ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی نظر آ رہی تھی اور بڑے کمرے میں موجود دوسرے لوگ بھی سنجیدہ تھے۔ بشیر عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بدن پر سجے ہوئے ہتھیار اُتار کر نیچے رکھ دیئے اور عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"آ گیا رے......! بہت دنوں کے بعد آیا ہے تو......؟"

اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہاں......! لیکن جوں کا توں ہوں۔"

شہروز بولا۔

"پتا چل جائے گا۔ آجا میدان میں......!"

بشیر بولا اور اس کے تمام ساتھی پیچھے ہٹ گئے۔ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دیواروں سے چپک گئے تھے۔ شاہان اور عالیہ شاہ دونوں متحیرانہ انداز میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ شہروز کے چہرے پر بھی مکمل سنجیدگی کے آثار تھے۔ پھر اس نے کوٹ کے بٹن کھولے اور کوٹ اُتار کر ایک طرف بڑھا دیا۔ فوراً ہی بشیر کے ایک آدمی نے کوٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ شہروز کی پینٹ میں چمڑے کی چوڑی بیلٹ بندھی ہوئی تھی، اس پر کافی خوب صورت نقش و نگار نظر آ رہے تھے۔ بشیر اپنے ہتھیار اُتارنے کے بعد آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور شہروز کے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نظر آ رہی تھی۔ یہ دونوں دوست تھے یا دشمن، اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ تب بشیر ہنستا ہوا پیچھے ہٹا۔ شہروز بدستور سنجیدہ تھا۔ بشیر عجیب سے انداز میں شہروز کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ویسے کا ویسا ہے تو......! پر تیرے آنے سے ہمیں جو خوشی ہوتی ہے، وہ ہم بتا نہیں سکتے تجھے۔"

اس نے اپنی کمر میں بندھی ہوئی چوڑی بیلٹ کھولی اور اس کا ایک سرا ہاتھوں میں لپیٹنے لگا۔ شہروز نے بھی اپنی کمر سے بیلٹ اُتار لی تھی اور اب وہ دونوں مقابلہ کرنے کے لئے تیار نظر آ رہے تھے۔ عالیہ اور شاہان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ ان کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"اب کیا شہروز کے اور بشیرے کے درمیان جنگ ہوگی......؟"

وہ دونوں سوچ رہے تھے۔

"لیکن شہروز یہاں کیوں آیا ہے......؟ اگر یہ اس کے دشمنوں کی کچھار ہے تو کیا یہاں آکر وہ زندہ واپس نکل سکتا ہے......؟"

ان دونوں کے ذہنوں میں متعدد خیالات تھے۔ بشیر اور شہروز نے بیلٹوں کے سرے اپنے ہاتھوں پر اس طرح کس لئے تھے کہ اب اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی کہ وہ لوگ آپس میں جنگ کرنا چاہتا ہیں۔ کیسی انوکھی جنگ تھی یہ۔ بہرصورت وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر بشیر کے حلق سے ایک دھاڑ نکلی اور اس نے پلٹ کر شہروز کے بدن پر بیلٹ کا وار کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے شہروز کی بیلٹ بھی برداشت کرنا پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس بار پھر وہ دونوں پینترے بدل رہے تھے۔ بشیر نے اس بار پھر شہروز پر وار کیا اور بیلٹ شڑاپ سے شہروز کے بدن پر پڑی۔ شہروز کی قمیص پھٹ گئی تھی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بیلٹ کی قوت کس قدر تھی۔ لیکن جوابی حملہ بھی اتنا ہی خوفناک تھا۔ شہروز کی بیلٹ بشیر کے شانے پر پڑی اور بشیر ایک لمحے کے لئے زمین پر گر گیا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ دونوں پیروں سے سرکتا ہوا پیچھے ہٹا۔ شہروز نے پے در پے کئی وار اس کے پیروں پر کئے تھے اور بشیر کے حلق سے دھاڑیں نکل رہی تھیں، لیکن وہ سنبھل گیا اور اس بار پھر اس نے دیوانہ وار شہروز پر حملے کئے۔

بیلٹیں شہروز کے جسم کے مختلف حصوں پر پڑ رہی تھیں اور اس کے بدن سے جگہ جگہ سے خون رِس رہا تھا۔ لیکن شہروز کے انداز میں بڑی وارفتگی سی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اسے جوں جوں مار پڑ رہی تھی، وہ توں توں چاق و چوبند

ہوتا جا رہا تھا۔ جبکہ دوسری طرف بشیر کی بری حالت تھی۔ شہروز کا ہر وار اس کے لئے کربناک تھا اور وہ چیخ چیخ پڑتا تھا۔ عجیب خوفناک جنگ تھی یہ۔ دونوں ایک دوسرے کو وحشیوں کی طرح مار رہے تھے اور اس قدر مار کھانے کے باوجود دونوں کے انداز میں کوئی سستی نہیں تھی۔ ان کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ کافی دیر تک یہ جنگ جاری رہی۔ شہروز کے خوب صورت بدن کا تصور کر کے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کا سڈول بدن اذیت برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ شہروز کے اس طرزِ عمل کو دیکھ کر عالیہ شاہ کو چکر آ رہے تھے۔ شاہان کی بھی تقریباً یہی کیفیت تھی۔

پھر بشیر نے بیلٹ پھینک دی اور شہروز کو دیکھنے لگا۔ شہروز نے خود بھی بیلٹ پھینک دی تھی، لیکن یہ صلح جوئی کا انداز نہیں تھا۔ وہ دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے آ گئے۔ اس بار بھی بشیر نے حملہ کرنے میں پہلی کی تھی۔ اس نے اُچھل کر دونوں لاتیں شہروز کے سینے پر ماریں، لیکن شہروز نے بل کھا کر ایک داؤ لگایا اور بشیر کی ایک ٹانگ اس کی بغل میں آ گئی۔ شہروز نے بشیر کو بری طرح رگید دیا تھا۔ پھر ہاتھوں پیروں کی خونریز جنگ شروع ہو گئی، لیکن کچھ ہی دیر بعد دونوں بری طرح تھک گئے تھے اور پھر لڑائی رُک گئی۔ بشیر نے ہاتھ اُٹھا دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

”گلے لگ جا یار......! تو واقعی گل زادی ہے۔“

دونوں گلے لگ گئے۔ اب یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان سے گہرا دوست روئے زمین پر کوئی نہ ہو۔ بشیر کے آدمیوں میں بھی زندگی دوڑ گئی۔ سب کے سب قہقہے لگا رہے تھے۔ بشیر بھی ہنسنے لگا تھا۔

”جشن مناؤ رے......! میرے یار کے آنے کی خوشی میں۔ بہت دنوں کے بعد آیا ہے پٹولا......! اور اب تک جیسے کا تیسا ہے۔ جاؤ، تیاریاں کرو۔“

اور لوگ منتشر ہو گئے۔ عالیہ شاہ بھی چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ باہر نکل آئی اور شاہان بھی۔ اتفاق سے دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور عالیہ شاہ بے اختیار شاہان کے پاس پہنچ گئی۔

”شاہان......! ایک منٹ، ایک منٹ کے لئے میری بات سن لو......! پلیز، یہ میری درخواست ہے۔“

”کہو......! کیا بات ہے......؟“

”کیا ہم مصلحتاً کچھ عرصے کے لئے صلح نہیں کر سکتے......؟“

”اس کی ضرورت......؟“

”وہ کمبخت یہاں بھی آ گیا ہے ہمیں پاگل کرنے کے لئے۔ تم نے دیکھا نہیں، کیسی انوکھی ملاقات ہے یہ۔“

”ظاہر ہے، میں اندھا تو نہیں ہوں۔“

شاہان نے جواب دیا۔

”کیا ہم اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے......؟ دیکھو شاہان......! جو کچھ ہو چکا ہے، وہ اپنی جگہ ہے۔ ان وحشیوں کے درمیان ہم زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ اگر فی الوقت ہم اپنی دُشمنی بھول کر متحد ہو جائیں تو کیا حرج ہے......؟ اپنے معاملات ہم یہاں سے نکلنے کے بعد بھی نمٹا سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے......؟“

”یہاں سے نکلنے کے بعد......؟“

”ہاں......!“

”مگر یہاں سے نکلیں گے کیسے......؟“

”اسی سلسلے میں غور کرنا ہے۔ میرے خیال میں ہم شہروز سے معافی مانگ لیں۔ اگر ہم اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو میرا خیال ہے یہاں سے نکلنے میں دِقت نہ ہو گی۔“

”وہ معاف کر دے گا......؟“

”کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہ کوشش مشترکہ ہونی چاہئے۔“

”ایک شرط پر......؟“

”کیا شرط ہے......؟“

”تم اس کے سامنے خود میری پوزیشن صاف کرو گی اور اس سے کہو گی کہ تم نے ہی مجھے بہکایا تھا۔“

شاہان نے کہا اور عالیہ شاہ کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔

”نہیں شاہان......! یہ ذمے داری تمہیں لینی ہو گی۔ میں یہ تیسری غلطی کر چکی ہوں۔ مجھے معافی نہیں ملے گی۔ جبکہ تمہاری یہ پہلی غلطی ہو گی۔ مان لو شاہان......! تمہاری وجہ سے میری زندگی بچ جائے گی۔“

عالیہ شاہ نے اِلتجا بھرے لہجے میں کہا اور شاہان سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے......! کوشش کئے لیتے ہیں۔“

☆......☆......☆

سرفراز سیٹھ نہ صرف شہر بلکہ ملک کی مقتدر ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا کاروبار ملک میں ہی نہیں بلکہ دُنیا کے بیشتر ممالک میں پھیلا ہوا تھا اور غیر ممالک میں بھی اس کے بے شمار دوست تھے۔ محنت بے شک خوش حالی لاتی ہے۔ لیکن دولت کی ہوس آہستہ آہستہ انسان کو ان راستوں پر لے جاتی ہے جو بہرحال کسی طور نیکی اور شرافت کے راستے نہیں ہوتے۔ سرفراز کسی زمانے میں ایک صاف ستھرے کاروبار کا مالک تھا۔ لیکن پھر اسے دولت کی ہوا لگی اور صورتِ حال بگڑتی چلی گئی اور اب وہ بے شمار ناجائز کاروبار کرنے لگا۔ غلط کاریوں کے ساتھی غلط لوگ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے بے شمار لوگوں کا دوست بن گیا جو جرائم پیشہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ ان میں سے بعض لوگوں کے چنگل میں بری طرح پھنس گیا اور انہی میں گولیور بھی تھا۔

انٹرنیشنل بین الاقوامی مجرم جو بے حد خطرناک تھا اور جو اس کے بہت سے برے کاموں سے واقف تھا، ایک طرح سے فائق گولیور کے چنگل میں بری طرح پھنسا رہا تھا، لیکن بظاہر گولیور سے اس کی دوستی تھی۔ ان دنوں وہ بڑے سکون سے زندگی گزار رہا تھا کہ اس کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ ایک منحوس صبح اسے ایک فون موصول ہوا اور اس نے بڑی رعونت کے ساتھ فون کا ریسیور اُٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

''ہیلو......! کون ہے......؟''

اس نے کہا۔

''سرفراز فائق سیٹھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی کاروباری معاملہ ہے......؟''

سیٹھ سرفراز نے پوچھا۔

''نہیں......! صرف دوستانہ۔''

دوسری جانب سے کہا گیا۔

''کون بول رہا ہے......؟ نام بتاؤ......!''

سرفراز نے کہا۔

''خادم کو گولیور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''

دوسری طرف سے جواب ملا اور فون کا ریسیور سرفراز کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ ایک لمحے تک اس کے کان جھنجناتے رہے۔ اس نام نے اس کے اعصاب کو سکتے میں تبدیل کر دیا تھا۔ بمشکل تمام اس نے خود کو سنبھالا اور متحیرانہ انداز میں بولا۔

''گولیور......! تم کہاں سے بول رہے ہو......؟''

''تمہارے ملک، تمہارے شہر سے۔''

گولیور نے جواب دیا۔

''کب آئے یہاں......؟ کوئی خاص بات ہے کیا......؟ میرا مطلب ہے، کسی خاص کام سے آئے تھے......؟''

''میں کسی عام کام سے کہیں نہیں جاتا، لیکن اس بار مجھے کچھ دلچسپ تجربات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔''

''کیسے تجربات......؟''

سرفراز سیٹھ نے پوچھا۔

''بس......! اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی جا سکتی۔ تمہارے مزاج کیسے ہیں سیٹھ سرفراز......؟''

''ٹھیک ہوں......! تمہاری اچانک آمد سے سخت حیران ہوں۔''

''صرف حیران رہو، فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

گولیور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اوہ......! بہت بہت شکریہ گولیور......! یقین کرو، میں خود بھی ان دنوں پریشانیوں اور اُلجھنوں کا شکار ہوں۔''

''ممکن ہے، میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ سنا ہے کہ کل کوئی تقریب کر رہے ہو......؟''

''ہاں......! وہ بیٹی کی سالگرہ تھی۔''

''کیا وقت ہوگا......؟''

''شام چھ بجے گولیور میں۔''

''میں اس سالگرہ میں شرکت کر رہا ہوں۔ یقیناً تمہارے شہر کے معززین اس میں ضرور شرکت کریں گے۔''

''ہاں......! تقریباً تمام ہی بڑے بزنس مین اور سرکاری افسران۔''

سیٹھ فائق نے جواب دیا۔

''او کے سیٹھ سرفراز......! کل ملاقات ہوگی۔''

گولیور کی آواز سنائی دی اور پھر فون بند ہو گیا۔ سیٹھ سرفراز دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا تھا۔ پھر جب اس کی اکلوتی بیٹی اندر گھس آئی تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

''کیا بات ہے ڈیڈی......؟''

اس کی بیٹی نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اِس......؟ کوئی خاص بات نہیں، ایک دوست کا فون تھا۔''

اس کے بعد سرفراز اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور اپنی بیٹی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بیٹی کی خوشی میں کوئی رخنہ اندازی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن گولیور کے نام کو سن کر ذہن پر قابو رکھنا آسان کام نہیں تھا۔

☆......☆......☆

عالم پناہ کی کیفیت میں واقعی نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ عموماً وہ کمرے میں بند ہی رہتے تھے۔ بس دل پر وحشت بیٹھ گئی تھی۔ جن عجیب و غریب حالات سے وہ گزر رہے تھے، انہوں نے ان کے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ کلاسک پسند انسان تھے، اس لئے ذہن نے نہ جانے کیا کیا فیصلے کئے تھے......؟ بعض اوقات وہ گہری سوچ میں ڈوب جاتے تھے۔

دوسری طرف تفریح پسند حضرات ان کے لئے سخت مشقت کر رہے تھے اور دن رات نئی نئی ترکیبیں سوچی جا رہی تھیں۔ اس پورے ڈرامے کا ہدایت کار تابش تھا اور اب ایک کردار بدل گیا تھا، یعنی عیشہ......! عیشہ، شمائل کی نسبت زیادہ بہتر تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ وہ ایسے معاملات میں ذرا محتاط رہتی تھی، لیکن شیطان صفت تابش نے بہرحال اس معاملے میں اسے گھسیٹ ہی لیا تھا اور اب وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ دو دن تک صرف تیاریاں کی گئیں۔ ایک مخصوص لباس تیار کیا گیا تھا، اس کے علاوہ بھی کچھ اور کام کئے گئے تھے۔ بالآخر اس کھیل کا آغاز ہو گیا۔ تیسرے دن ایک پوسٹ مین نے ایک پارسل لا کر دیا جو علی صاحب کے نام تھا۔ پارسل علی کو پہنچایا گیا اور وہ حیران رہ گیا۔ اس نے پارسل کی مہر دیکھی مگر اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ کہاں سے آیا یہ پارسل......؟ یہاں

کون ان کا رفیق تھا......؟ پارسل سے خوشبو مہک رہی تھی۔ اس نے پارسل کھولا تو ایک کتاب برآمد ہوئی اور کتاب کا عنوان دیکھ کر وہ چونک پڑے۔ کتاب کا نام تھا ''نور جہاں'' عالم پناہ حیران رہ گئے تھے۔ کتاب کھولی تو قدیم طرز تحریر میں ایک پرچہ ملا جس میں لکھا تھا کہ

''عالم پناہ......! عہد وفا یہ تو نہ تھا، تمہارے وعدے یوں تو نہ تھے۔ زمانے کی گرد نے آپ کو اتنا دُھندلا دیا کہ آپ اپنی نور جہاں کو بھول گئے......؟ میری راتیں تنہا ہیں، میرا وجود تنہا ہے اور آپ......آپ مجھ سے اس قدر گریزاں ہیں......؟ مجھے آپ سے یہ اُمید نہ تھی۔ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں، انتظار کروں گی۔

آپ کی ''نور جہاں......!''

''کک......کیا بکواس ہے......؟''

عالم پناہ نے خوفزدہ انداز میں کہا اور کتاب جلدی سے ایک طرف رکھ دی۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے گھور رہے تھے۔

''مذاق کیا ہے کسی نے......لیکن کس نے......؟''

وہ دہشت زدہ ہو کر سوچنے لگا۔

''شائل کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے......؟ اسی نے یہ کہانی سنی تھی۔ لیکن شائل......؟''

کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جب واپس آئے تو کمرے میں مسہری کے عین نزدیک ایک پرچہ رکھا ہوا تھا۔ یہ کاغذ بھی پرانا تھا اور اس پر لکھا تھا۔

''رات کو ایک بجے میں پائیں باغ میں بلخ کے مجسمے کے قریب انتظار کروں گی۔

نور جہاں......!''

☆......☆......☆

عالم پناہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ گزری ہوئی کہانیاں انہیں یاد آنے لگیں اور وہ خوف کے عالم میں سکڑ کر رہ گئے۔

''نہیں نہیں......! میں نہیں جاؤں گا۔''

انہوں نے دہشت کے عالم میں کہا، لیکن اس کے بعد کا وقت شدید پریشانیوں کا وقت تھا۔ دیوار گیر گھڑی نے گیارہ بجائے، وہ دماغ سے سارے خیالات نکال کر سونے کی کوشش کرتے رہے، لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔

''آخر وہ کتاب کس نے بھیجی ہے......؟ اور وہ تحریر......؟ رات کو ایک بجے......؟''

پھر رات کے بارہ بجے اور پھر ایک کا گھنٹہ بھی بج گیا۔ گھڑی نے جوں ہی ایک بجایا، دفعتہ موسیقی کی ایک آواز ان کے کانوں میں گونجی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے پیانو کے سروں پر اُنگلیاں پھیر دی ہوں۔ وہ اُچھل پڑے۔

''یہ آواز کیا صرف سماعت کا واہمہ ہے......؟ اگر نہیں تو کہاں سے آئی......؟''

وہ اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گئے اور وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ دفعتہ عقب سے ایک سرگوشی اُبھری۔

''شہزادہ حضور......!''

اور وہ مسہری سے نیچے گر پڑے۔ لیکن پھر فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''کک......کون ہے......؟ میں پوچھتا ہوں کون ہے......؟''

انہوں نے گھگھیائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''نور جہاں......!''

''کک......کیا بکواس ہے......؟ کہاں ہو تم......؟''

وہ چاروں طرف دیکھنے لگے۔ مسہری کے نیچے جھانک کر دیکھا، کوئی نہ تھا۔ اس مختصر سے کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کوئی چھپ جاتا۔

''مجھے بکواس کہہ رہے ہیں عالم پناہ......؟''

آواز دوبارہ سنائی دی اور عالم پناہ کو پسینہ آ گیا۔ آواز سرگوشی کے انداز میں تھی، لیکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

''تم کہاں ہو......؟ سامنے آؤ......؟''

''میں نے آپ کو بتایا تھا عالم پناہ......! میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''نہیں نہیں......! میں کہیں نہیں آؤں گا۔ تم فراڈ ہو، کوئی عقل کی بات ہے۔''

جواب میں سسکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ کوئی رو رہا تھا۔ ہاں......! رونے کی آواز صاف تھی۔

''یہ آپ کہہ رہے ہیں عالم پناہ......؟ واقعی یہ آپ کہہ رہے ہیں......؟ آپ، جو مجھ سے پیار کے بلند بانگ دعوے کرتے تھے......؟''

عالم پناہ تھوک نگلتے رہے۔ آواز نہ جانے کہاں سے آ رہی تھی......؟ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر آہستہ آہستہ سسکیاں خاموش ہو گئیں۔ وقت گزرتا رہا اور عالم پناہ پریشانی کے انداز میں بیٹھے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد پھر وہی آواز اُبھری۔

''میں انتظار کر رہی ہوں عالم پناہ......!''

''سونے نہیں دو گی مجھے......؟''

''میں جاگ رہی ہوں اور آپ سوئیں گے......؟ نیند آ جائے گی آپ کو......؟''

عجیب سے لہجے میں پوچھا گیا۔

''اگر تم یہی سب کچھ کرتی رہیں تو نیند کیسے آئے گی......؟''

"تو پھر آ جائیے......! میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ٹھ......ٹھیک ہے......! میں آتا ہوں۔"

عالم پناہ ہمت کر کے بولے۔ انہوں نے سوچا۔

"نیند تو یوں بھی نہیں آ رہی ہے، دیکھا جائے کیا معاملہ ہے......؟"

پھر لباس تبدیل کر کے وہ چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پائیں باغ میں تھے۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ پُراسرار خاموشی ماحول پر مسلط تھی۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اسی وقت ایک درخت کے پیچھے سے آہٹ سنائی دی اور وہ اُچھل پڑے۔ ایک عجیب سی خوشبو فضاء میں پھیل گئی اور پھر ایک قدیم لباس میں ملبوس ہیولہ ان کے سامنے آ گیا۔ پیکرِ حسن و جمال، مرمریں بدن، لیکن چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے خدوخال واضح نہیں تھے۔ عالم پناہ ششدر نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ ان سے چند گز کے فاصلے پر آ کر رک گئی اور اس کی آواز اُبھری۔

"عالم پناہ......!"

"آپ......آپ کون ہیں......؟ خدا کے واسطے بتا دیں، آپ کون ہیں......؟"

عالم پناہ کی پھٹی پھٹی آواز اُبھری۔

"نور جہاں......!"

"کون نور جہاں......؟ میں کسی نور جہاں کو نہیں جانتا۔ تم......تم ایک بار پہلے بھی مجھے دھوکہ دے چکی ہو۔ میں......میں دوبارہ تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔"

عالم پناہ نے لرزتے ہوئے لہجے کہا۔

"دھوکہ......؟"

"ہاں......! کھنڈرات میں کیا ہوا تھا......؟"

"آہ......! وہ ہمارے دُشمنوں کا کھیل تھا۔"

"دُشمنوں کا......؟ کون سے دُشمن......؟"

"دُشمن مسلسل ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں، وہ ہماری محبت کے دُشمن ہیں عالم پناہ......!"

"دُشمن......؟"

عالم پناہ خوفزدہ انداز میں بولے۔

"مم......مگر میں نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"لیکن ہمیں سزا ملی۔ یاد ہے وہ سزائے محبت......؟"

"یعنی......یعنی وہ کوڑے سزائے محبت تھے......؟"

"جی عالم پناہ......! یہ ہماری محبت کی سزا تھی، جو صرف مجھے ہی بھگتنا تھی۔"

"یہ سب......یہ سب کیا ہے......؟ کیا ہے یہ سب کچھ......؟"

عالم پناہ پریشانی کے انداز میں بولے۔

"آپ میرے عالم پناہ ہیں اور میں آپ کی نور جہاں......! یہ میں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔ بیٹھ جائیے حضور والا......! آپ کھڑے کھڑے تھک گئے ہوں گے۔"

عالم پناہ پریشانی کے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ ابھی تک وہ مرد کی آواز میں نہیں بولی تھی۔ آج ہنٹر بھی نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ اس قدر محبت بھرا تھا کہ عالم پناہ کا دل ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ اس محبت بھرے لہجے کو کیسے ٹھکرا دیں......؟ وہ پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے۔ نور جہاں بھی ان سے کچھ دُور گھاس کے ایک قطعے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی حسین آنکھیں عالم پناہ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایسی محبت، ایسی وارفتگی تھی کہ عالم پناہ کو شرم آنے لگی۔

"اب کچھ باتیں بھی کرو۔"

عالم پناہ بولے۔

"آپ کی خاموشی پر غور کر رہی ہوں۔ آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں......؟"

"کوئی بات میری عقل میں نہیں آ رہی۔"

"مجھ پر یقین کرلو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یقین ہے، صرف یقین۔ یقین میں عقل شامل ہو جائے تو اس کی موت ہو جاتی ہے۔"

"لل......لیکن......لیکن میں تو تمہارا محبوب نہیں ہوں۔"

"وہی ہیں آپ، میں جانتی ہوں۔ یہ بات آپ بھول گئے ہیں لیکن مجھے یاد ہے۔ ہاں......! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"پھر مجھے اب کیا کرنا چاہئے......؟"

"محبت......! صرف محبت......!"

جواب ملا۔

"لوگ کیا کہیں گے......؟"

"کور باطن ہیں، حقیقت کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ آپ کے مرتبے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں......؟ ایک عام انسان میں اور ایک شہنشاہ میں کوئی فرق تو ہونا چاہئے۔"

"میں عام آدمی نہیں ہوں۔"

"ہرگز نہیں......!"

نور جہاں نے جواب دیا اور عالم پناہ کے دل میں خوشی اور مسرت کا طوفان اُٹھنے لگا۔ ان کے انداز میں اب تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے قرب سے مسحور ہوتے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے نور جہاں......! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ اپنے چہرے سے یہ نقاب ہٹا دو۔"

"آہ......! نہیں عالم پناہ......! پہلی غلطی مجھ سے ہی ہوئی تھی۔ اس وقت میں آپ کے سامنے بے نقاب آ گئی تھی۔ ہمارے دشمنوں کو موقع مل گیا تھا اور انہوں نے آپ کو مجھ سے بدظن کر دیا۔"

"دشمن......؟"

جہاں پناہ بولے۔

"ہاں عالم پناہ......! ہزاروں دشمن ہیں ہمارے۔ آپ نے زندگی کا طویل عرصہ یہاں سے دور رہ کر گزارا ہے۔ آپ بہت کچھ بھول گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ آپ کو سب کچھ یاد آ جائے گا۔ ہاں......! سب کچھ یاد آ جائے گا۔"

"تعجب ہے......؟"

عالم پناہ گردن کھجاتے رہے۔

"رات بہت ہو چکی ہے عالم پناہ......! اب آپ آرام کریں۔ لیکن جانے سے پہلے بتاتے جایئے کہ کل شرف ملاقات بخشیں گے یا نہیں......؟"

"تم بتاؤ......!"

"آپ کے دل میں اگر میری محبت دوبارہ جاگ اُٹھے تو ضرور آیئے گا، میں انتظار کروں گی۔ اب اجازت......؟"

"تم کہاں جاؤ گی......؟"

عالم پناہ نے پوچھا۔

"رات کے تاریک سناٹوں میں میرا بسیرا ہے۔ ویرانے میری پناہ گاہ ہیں۔ بس وہیں جاؤں گی اور دوسری رات کا انتظار ضرور کروں گی۔ اچھا خدا حافظ......! جایئے عالم پناہ......! رات بہت گزر چکی ہے۔"

عالم پناہ گردن ہلاتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔ چند قدم چل کر انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی تھی، لیکن جب انہوں نے دوسری بار پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ واپس اپنی خواب گاہ میں آ گئے، لیکن اب نیند کہاں تھی......؟ جوں جوں اس کے بارے میں سوچ رہے تھے، کھوپڑی آؤٹ ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے بارے میں غور کر رہے تھے، اپنے ماضی کے بارے میں سوچ رہے تھے، بچپن سے آج تک کا ایک ایک عہد یاد کر رہے تھے۔ وہ شہزادہ اور پھر شہنشاہ کیسے بن گئے......؟

"تو کیا وہ نور جہاں کی روح ہے......؟ کیا واقعی وہ نور جہاں کی روح ہے......؟"

روح کے تصور سے ان کے دل میں خوف کی لہریں پھیلنے لگیں۔ ایک روح سے عشق کا تصور بھی خوفناک تھا۔

"لیکن وہ کتنی حسین تھی، کیسی عجیب کیسی دلکش۔"

پھر ان کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

"وہ آوازیں، وہ سرگوشیاں جو مجھے اس کمرے میں سنائی دی تھیں، کیا وہ حقیقی تھیں......؟ یا......"

"اور اس "یا" کے تصور کے ساتھ ان کے ذہن نے کام کرنا شروع کر دیا۔ تمام روشنیاں جلا کر انہوں نے کمرے کی ایک ایک چیز کھنگال ڈالی۔ باریک بینی سے ہر جگہ کا جائزہ لیا لیکن ان چالبازوں سے نمٹنا ان کے بس کی بات نہیں تھی جو اس پورے کھیل کے پیچھے تھے۔ وہ تمام چیزیں تو اسی وقت ہٹا دی گئی تھیں، جب وہ کمرے سے نکل کر باغ میں پہنچے تھے۔

☆......☆......☆

وہ دونوں شہروز کے سامنے پہنچ گئے۔ شہروز دلچسپ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بشیر بھی اس کے پاس ہی موجود تھا۔

"یہ کون ہے......؟"

گل زادی یا شہروز نے شاہان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کون ہے رے تو......؟"

بشیر بولا۔

"شاہان ہوں جناب......!"

"کیا کرتا ہے تمہارے پاس......؟"

"اصطبل میں گھوڑے ملتا ہے۔"

"اور یہ عورت کون ہے......؟"

"باورچن ہے، روٹیاں پکاتی ہے۔"

"کیا چاہتے ہو تم دونوں مجھ سے......؟"

"چند لمحات کی تنہائی جناب......!"

شاہان نے کہا۔

"بشیر میرا دوست ہے، میری کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔"

شہروز نے کہا۔

"تو پھر آپ کو ہماری اہمیت بھی معلوم ہو گی۔"

"معلوم ہے۔ اسی لئے تو اس نے تم دونوں کو تمہاری اوقات پر پہنچا دیا ہے۔"

شہروز نے جواب دیا۔

"زیادہ کچھ نہ کہوں گا جناب......! سوائے ایک بات کے کہ اگر ممکن ہو سکے تو ہم دونوں کو ایک بار پھر

معاف کر دیں۔ اس کے بعد ہم آپ سے معافی نہیں مانگیں گے۔ اگر آپ کے خلاف کوئی بات ذہن میں آئی تو یا تو کامیابی سے اسے پورا کریں گے یا اگر نا کام رہے تو پھر سزا، خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو، قبول کر لیں گے۔"

شاہان نے کہا اور شہروز ہنس پڑا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"چلو ٹھیک ہے......! معاف کیا تمہیں، میرے ساتھ واپس چلنے کے لئے تیار رہو۔"

دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ اس کے بعد کوئی آواز ان کے منہ سے نہیں نکلی اور پھر وہ واپس چلے آئے۔ اس وقت دونوں کو ایک ہی جگہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ دونوں سکوت کے سے عالم میں تھے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ واقعی یقین نہیں کر پا رہے تھے کہ گل زادی نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ پتھریلے غار کے اس حصے میں وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر جب یہ خاموشی طویل ہوگئی تو شاہان نے عالیہ شاہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اب زندگی بھر خاموش رہو گی کیا......؟"

"ایں......؟"

عالیہ شاہ چونک کر بولی۔

"کس خیال میں گم ہو......؟"

عالیہ شاہ نے گہری سانس لی اور پھر شاہان کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیا تمہیں یقین ہے شاہان......! کہ جو کچھ اس نے کہا ہے، وہی کرے گا۔ کیا یہ اس کا کوئی اور مذاق نہیں ہے ہمارے ساتھ......؟"

"یہ بات تو تم بتاؤ گی عالیہ شاہ......! میرا تو اس سے واسطہ بہت کم ہی پڑا ہے۔ تم اس کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہو۔"

شاہان نے کہا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی شاہان......! میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ وہ عجیب وغریب شخصیت کا مالک ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں وہ جھوٹ بول رہا ہے......؟ کہاں وہ سچ بول رہا ہے......؟ اس کے ذہن میں کیا ہے......؟ یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ وہ پاگل کر دینے والی شخصیت ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس نے کس انداز میں ہمیں رہائی کی خبر سنائی ہے......؟ ممکن ہے، وہ ہمارا مضحکہ اُڑا رہا ہو۔"

"میرا خیال اس سے مختلف ہے۔"

شاہان نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ بالکل درست ہے اور وہ ایسا ہی کرے گا۔"

"تم اتنے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہو......؟"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"ہاں......! میں اس کی شخصیت کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ عالیہ شاہ......! تم یقین کرو کہ یہ صرف تم تھیں جس نے اتنے عرصے تک مجھے معتوب کرایا اور میں زندگی سے اتنا دُور چلا گیا کہ زندگی خود پر بوجھ محسوس ہونے لگی، ورنہ شاید اس کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ میں اس کی شخصیت کو بخوبی سمجھ رہا ہوں۔ وہ طاقتور ہے اور ہر طاقتور انسان فراخ دل اور کشادہ ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا کام کچھ بھی ہے، لیکن میں اس کی شخصیت پر مکمل بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

"تو کرتے رہو، مجھے کیوں سنا رہے ہو......؟"

عالیہ شاہ نے جلے بھنے لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے......؟"

"خیال......؟ میرا خیال ہے کہ آئندہ تم مجھ سے مت ملنا۔"

عالیہ شاہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"نہیں عالیہ شاہ......! ہم ایک ہی آدمی کے ماتحت ہیں۔ ملاقاتیں تو یقیناً ہوں گی، اس لئے تمہارے یہ جملے غیر ضروری ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہم ملاقاتیں کرنے کے لئے مجبور ہوں۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"اوہو......! ہوہو......! پھر بہکنے لگیں عالیہ شاہ......! ابھی تو تم اس قید سے نکل بھی نہیں پائیں۔ ویسے مجھے ایک بات بتاؤ، یہاں سے نکلنے کے بعد پھر کسی شخص کو پھانسنے کی کوشش کرو گی اس سلسلے میں......؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم یقینی طور پر گل زادی کو دل سے قبول نہیں کرو گی اور اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا چاہو گی۔ کیا تم اس کے بعد کسی اور ذریعے سے اسے ختم کرنے کی کوشش کرو گی......؟"

"اس بات کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتی۔"

"شاید اس لئے کہ میں گل زادی کو دل سے مانتا ہوں۔"

شاہان نے کہا۔

"دیکھو شاہان......! مجھ سے فضول باتیں مت کرو۔ میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتی، اور وہ تمہاری بوڑھی محبوبہ کہاں ہے......؟ کیا تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان ہنسنے لگا۔

"اس کی توہین نہ کرو عالیہ شاہ......! بڑی مظلوم شخصیت ہے بیچاری۔ اس کی شخصیت اس بری طرح مجروح ہوئی ہے کہ اس پر دُکھ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔"

"خوب......! تو اس کی بھی کوئی شخصیت ہے......؟"

"ہاں ہے عالیہ شاہ......! میں شاعر قسم کا آدمی ہوں، انسان کو سمجھتا ہوں۔ تم کیا جانو، انسان کون کون سی

شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسے نوجوانی کی عمر میں یہاں اُٹھالایا گیا تھا اور پھر وقت اس پر ٹھہر گیا۔ وہ باہر کی دُنیا سے محروم ہوگئی۔ اس کی عمر آگے بڑھ گئی، لیکن فطرت اسی جگہ قائم ہے۔ وہ ایک بھٹکے ہوئے ذہن کی مالک ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہے کہ اس کی عمر آگے نکل گئی ہے۔ وہ اپنی منزل کو اس جگہ سے تلاش کرنا چاہتی ہے جہاں سے وہ راستے سے ہٹی تھی۔''

''بس بس......! تم یہ اپنی ساری شاعری اسے سنا چکے ہو تو بس اب خاموش ہو جاؤ۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور شاہان گہری سانس لے کر مسکرانے لگا۔

☆......☆......☆

روکی، شہروز کے سامنے پہنچ گیا۔ شہروز نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھا ہوا ایک موٹی سی کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ خوب صورت سلیپنگ سوٹ میں وہ بے حد وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ روکی اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور شہروز معصوم نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں ارقم الدین روکی ہوں۔''

''اوہو......! ہو......! اچھا اچھا......! آپ جنگل سے کب واپس آئے مسٹر روکی......؟''

شہروز نے پوچھا۔

''جنگل سے......؟''

روکی نے گٹار سنبھالتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! میرا خیال ہے، میں نے آپ کو جھاڑ جھنکاڑوں کے درمیان دیکھا تھا۔ لیکن اب آپ بالکل بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔''

شہروز مسکرا کر بولا۔

''سمجھ گیا، سمجھ گیا......! آپ میرے سر کے بال اور ڈاڑھی کے متعلق کہہ رہے ہیں......؟''

''اوہ......ہاں......! دراصل بھول جاتا ہوں میں کچھ باتیں، بس ذہن میں ان کی شبیہہ رہ جاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے آپ جھاڑیوں میں اُگے ہوئے گوبھی کے پھول ہوں۔ لیکن اب مجھے یاد آیا کہ وہ جھاڑیاں نہیں تھیں اور آپ گوبھی نہیں تھے۔ آپ کا چہرہ جھاڑ جھنکاڑ کے درمیان نظر آتا تھا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! آپ جو کچھ بھی کہیں، وہ درست ہے۔ میں آپ کے پاس ایک مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔''

روکی نے کہا اور بے اختیار اس کی اُنگلیاں گٹار پر پہنچ گئیں۔ شہروز کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ پُرخیال نگاہوں سے روکی کو دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیا خیال آیا تھا اس کے ذہن میں روکی بیچارہ

اس سے ناواقف تھا۔ وہ تو خلوص سے اپنا ایک فرض پورا کرنے کے لئے آیا تھا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں شہروز بھائی......!''

''ہاں ہاں......! کہو......! بیٹھ جاؤ، مگر تمہارا یہ تانپورہ تمہیں بیٹھنے دے گا۔''

''تن......تان پورہ نہیں، گٹار، گٹار......!''

''چلو ٹھیک ہے......! جو کچھ بھی کہہ لیں آپ اسے، سارے ساز یکساں ہی ہوتے ہیں۔ بجتے رہیں، خواہ انہیں کوئی بھی نام دے دیا جائے۔''

''مگر گٹار کی بات کچھ مختلف ہوتی ہے۔''

روکی بولا۔

''ہوتی ہوگی، مگر آپ کس مقصد کے تحت آئے......؟ یہ بتایئے......!''

''میں فریادِ محبت لایا ہوں۔''

''کیا لائے ہیں......؟''

شہروز نے بھنویں اُچکا کر پوچھا۔

''ایک عاشق کے دل کی صدا......!''

''کہاں ہے......؟ دکھایئے......!''

شہروز نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''اوہ......! وہ دکھانے کی چیز نہیں ہوتی۔''

''تو پھر......؟''

''محبت تو ایک پوشیدہ جذبہ ہے شہروز صاحب......! جو دلوں کی گہرائیوں میں رہتا ہے۔''

روکی نے ایک دم پوز بنالیا اور گٹار سیدھا کر لیا۔

''گویا......گویا اب گا کر مجھے محبت کے نغمے سنائیں گے......؟''

''ایں......؟ نن......نہیں نہیں......! سس......سوری......! مم......میں سنجیدہ ہوں۔''

''سنجیدہ ہی رہیں تو اچھی بات ہے، ورنہ خواہ مخواہ آپ کا حلیہ کچھ اور بگڑ جائے گا۔''

''نن......ناراض مت ہوں شہروز بھائی......! میں واقعی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''گویا اب تک آپ خاموش ہیں......؟''

''نہیں......! میرا مطلب ہے، ٹوٹے ہوئے دل کی صدا......! اور وہ کیا کہتے ہیں......؟ محبت کا صد آفرین نغمہ ہائے جان افزاء......! اور نہ جانے کیا کیا......؟''

''ایسا کریں، ذرا اُٹھیں اپنی جگہ سے۔''

شہروز نے کہا اور روکی کھڑا ہو گیا۔

"دروازہ کھولیں ذرا......!"

شہروز نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا اور روکی نے معصومیت سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"باہر نکل جائیے دو قدم......!"

شہروز بولا اور روکی دو قدم باہر نکل گیا۔

"اب کیا کروں......؟"

روکی نے باہر کھڑے کھڑے پوچھا۔

"بس......! اب دروازہ بند کر دیں۔"

شہروز نے کہا اور دوبارہ کتاب کھول لی۔ روکی نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ شہروز نے جب یہ محسوس کیا کہ دروازہ بند ہو گیا ہے اور روکی کمرے میں ہی موجود ہے تو ایک بار پھر کتاب بند کر دی اور گہری نگاہوں سے روکی کو دیکھنے لگا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ روکی صاحب......! خواہ مخواہ خطرات مول نہ لیں۔ جو کہنا چاہتے ہیں، جلدی سے بیان فرما دیں۔ ورنہ کیا فائدہ کہ آپ کو آپ کی اس دلربا کے ساتھ اُٹھا کر میں دروازے سے باہر پھینک دوں۔"

"ن......نہیں شہروز بھائی......! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کہنی ہے۔"

روکی بولا۔

"کہیں گے نہیں......؟"

شہروز نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"وہ......سارہ......سارہ......!"

"ہاں ہاں......! کیا ہو گیا سارہ کو......؟"

"غمزدہ ہے، آزردہ ہے، دل فگار ہے، سینہ چاک ہے، ہائے......! وہ کیا ہے......؟ میں کیسے کہوں......؟"

روکی کی دلربا پھر ٹنٹنانے لگی اور شہروز کو اپنی جگہ سے کھڑا ہونا پڑا تھا۔

☆......☆......☆

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی نازیبا سلوک نہ کیا جائے تو اس گٹار کو پلیز ایک طرف رکھ دیں اور جلد از جلد اپنی تشریف آوری کا مقصد بیان کر دیں۔"

"ارے......! بھول جاتا ہوں شہروز بھائی......! معاف کر دیجئے، میں سارہ کی بات کرنے آیا تھا۔"

"کیا کرنے آئے تھے......؟ ابھی تک آپ نے کوئی بات نہیں کی، بس فضول باتیں کئے جا رہے ہیں۔"

"وہ تمہیں چاہتی ہے۔"

"سارہ......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"ہاں......! اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"تو آپ نے اسے سزا کیوں نہیں دی اس بات کی......؟"

"ک......کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ آپ بھی تو اسے چاہتے ہیں۔"

"چاہتا ہوں نہیں، چاہتا تھا۔"

"اب نہیں چاہتے......؟"

"نہیں......!"

"کیوں......؟"

"م......میں تمہارے حق میں، م......میرا مطلب ہے کہ اس کے حق سے میں دستبردار ہو گیا ہوں۔ یعنی میرا مطلب ہے، جہاں پناہ......! یعنی علی اور میں اب سارہ کے راستے سے ہٹ چکے ہیں۔"

شہروز دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحات وہ روکی کو دیکھتا رہا، پھر بولا۔

"آپ نے یہ فیصلہ کس طرح کیا روکی صاحب......؟"

"حالات کا تقاضہ یہی ہے۔"

"وہ آپ کو چاہتی ہے، چنانچہ ہم لوگ اس کے ذہن پر بار کیوں بنیں......؟"

"وہ بے وقوف ہے۔"

شہروز نے کہا۔

"کون......؟ سارہ......؟"

"ہاں......! اسی کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ اسے سمجھاؤ، اگر وہ مجھے چاہتی ہے تو اس میں میرا قصور نہیں ہے، اس کی حماقت ہے۔ بس......! اسے اس چاہت کے جواب میں کچھ نہیں دے سکوں گا۔"

"کیا مطلب......؟ آپ اسے نہیں چاہتے......؟"

"نہیں......!"

شہروز کی آواز میں غراہٹ اُبھر آئی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم ایک حسین لڑکی کا دل نہیں توڑ سکتے۔ میں اپنی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تمہیں سارہ کو چاہنا ہو گا شہروز بھائی......! اگر تم سارہ کے نہ ہو سکے تو کسی کے بھی نہ ہو سکو گے۔ وہ معصوم ہے، بھولی ہے اور نہ جانے کیا کیا ہے......؟"

"مجبوری ہے روکی......!"

شہروز نے خود کو سنبھال لیا۔

”میں اس مجبوری کو بوری بنا دوں گا۔“

”کیا بنا دیں گے......؟“

شہروز نے پوچھا۔

”بوری، بوری......! غلط ہے تو غلط ہی سہی، تمہیں اس سے عشق کرنا ہوگا۔ آخر وہ کون ہے جسے تم اس سے زیادہ چاہتے ہو......؟“

”اوہ......ہاں......! یہ سوال کیا ہے آپ نے شاندار......! اسے دیکھنا چاہتے ہیں آپ......؟“

شہروز کی آنکھوں میں شرارت اُبھر رہی تھی۔

”ہاں......! میں غور سے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میرے ساتھ چلنا ہوگا آپ کو......؟“

”چلوں گا، میں سارہ کے لئے جہنم تک جانے کو تیار ہوں۔ دیکھیں تو سہی، وہ کون ہے جس نے سارہ کے سہاگ پر ڈاکہ ڈالا ہے......؟ چلو، مجھے وہاں لے چلو۔ میں اس سے سارہ کی محبت کی بھیک مانگ لوں گا۔ میں تیار ہوں، چلو کہاں چلنا ہے......؟“

روکی بہت جذباتی نظر آرہا تھا۔ شہروز دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

”تم دو منٹ رُکو، میں ذرا لباس تبدیل کرلوں۔“

اس نے کہا اور روکی ایک طرف رُخ کر کے بیٹھ گیا۔ شہروز نے پینٹ شرٹ پہنی، بال سنوارے اور پھر وہ روکی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ روکی گٹار گلے میں ڈالے، سینہ پھلائے شہروز کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں اس وقت نہ جانے کیا کیا خیالات تھے......؟ وہ اپنی محبت کی قربانی دینے جارہا تھا۔ ایک سچے عاشق کی طرح وہ سارہ کے پیار کو کامیاب بنانے کا خواہش مند تھا اور اس کے لئے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایثار کررہا تھا۔ آنے والی نسلیں اسے بھی انہی ایثار پسندوں کی طرح یاد کریں گی، جنہوں نے اپنی جانیں دے کر اپنے پیار کو زندہ رکھا۔ زندہ باد......! زندہ باد......! اے محبت زندہ باد......!“

دفعتاً روکی کے منہ سے نکلا اور شہروز چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا کہا تم نے......؟“

”کچھ نہیں، کچھ نہیں......! چلو میرے قدموں میں لغزش نہیں ہے، میں مرد میدان ہوں، میں محبت کا پجاری ہوں، محبت کا پجاری زندہ باد......!“

”زندہ باد......؟“

شہروز نے بھی اسی انداز میں اس کے ساتھ نعرہ لگایا اور اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی

تھا۔ دلربا پچھلی سیٹ پر محو استراحت تھی اور روکی شہروز کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا ذہن اب بھی مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا جو شہروز کے دل پر حکمراں تھی اور شہروز پُرسکون انداز میں ڈرائیونگ کررہا تھا۔ خاصی دیر کے بعد اس نے ایک خوب صورت طرز کی عمارت کے پاس کار روک دی۔ ہارن دیا اور چوکیدار نے جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ دل ہی دل میں روکی نے سوچا۔

”عمارت تو بہت شاندار ہے، یقیناً کسی امیرزادی کی ہوگی۔“

بہرصورت وہ خاموش بیٹھا رہا۔ کار گیٹ سے گزر کر پورچ میں جا کھڑی ہوئی اور شہروز نیچے اُتر گیا۔ روکی دلربا کو ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ وہ صدر دروازے سے اندر داخل ہوگئے اور پھر چند لمحات کے بعد روکی ایک بہت بڑے گراؤنڈ ہال میں موجود تھا۔ دیکھنے کے قابل جگہ تھی، انتہائی حسین پیرائے پر آراستہ۔ آنکھیں چکاچوند ہوتی تھیں یہاں آکر۔ ایسے ایسے ڈیکوریشن پیس اور مجسمے رکھے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی تھیں۔ شہروز نے اسے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔

”یہ کون سی جگہ ہے......؟“

روکی نے حیران کن انداز میں پوچھا۔

”کوچۂ جاناں......!“

شہروز نے جواب دیا۔

”اوہو......! اوہو ہو......! اچھی جگہ ہے۔“

”تم بیٹھو یہاں چند منٹ، میں ابھی آیا۔“

شہروز بولا اور ایک پردے کو اُٹھا کر اندر چلا گیا۔ روکی عجیب سی نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت بعض لوگ محبتوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ شہروز سارہ کا محبوب تھا، اس حسین سارہ کا جسے چاہتے ہوئے بھی روکی اور عالم پناہ کی آدھی زندگی گزر گئی تھی اور جس چاہت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے نہ جانے کیا کیا جتن کر ڈالے تھے......؟ لیکن دونوں ہی ناکام رہے تھے، خود روکی بھی اور عالم پناہ بھی۔ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود سارہ نے انہیں گھاس تک نہیں ڈالی تھی اور وہ دونوں ہی اس کی محبت کے حصول میں ناکام رہے تھے۔ لیکن شہروز بے پناہ خوش نصیب تھا۔ اسے دُہری محبتیں حاصل تھیں۔ ایک اس کی اپنی محبوبہ جو یقیناً اسے بے پناہ چاہتی ہوگی، اور پھر سارہ۔ بے اختیار روکی کے ہاتھ گٹار کے تاروں پر چلے گئے اور تاروں سے ایک المیہ دُھن نکلنے لگی۔ روکی کا دل دُکھا ہوا تھا۔ وہ تو سارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دفعتاً ایک اور پردہ ہلا۔ وہ پردہ جس سے شہروز اندر داخل ہوا تھا، جوں کا توں تھا۔ اس پردے سے جو کوئی اندر داخل ہوا، اسے دیکھ کر روکی ایک لمحے کے لئے پریشان سا ہوگیا۔

یہ ایک قوی ہیکل عورت تھی، عورت تھی بھی یا نہیں، یہ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ مردانہ چہرہ تھا، بس زنانہ لباس میں ہونے کی وجہ سے اسے عورت کہا جاسکتا تھا۔ شیو صاف تھا اور مونچھیں منڈھی ہوئی تھیں، لیکن چہرے پر ہلکی ہلکی نیلاہٹ یہ ظاہر کررہی تھی کہ وہاں مونچھیں وغیرہ ضرور ہوں گی۔ عورت نما آدمی مسکراتا ہوا اندر آگیا تھا۔

"اے اللہ قسم......! کون ہو تم......؟"

اس نے لچکتے ہوئے کہا اور روکی بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"شہروز الدین......روکی بھائی......!"

اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شہروز الدین روکی بھائی......؟ یہ تمہارا پورا نام ہے......؟ ویسے عجیب نام ہے۔"

آنے والا اسی انداز میں بولا۔

"نن......نہیں......! میرا مطلب ہے شہروز بھائی مجھے یہاں لائے ہیں اور میرا نام ارقم الدین، روکی ہے۔"

"ہائے اللہ......! روکی اور گٹار......!"

آنے والا یا آنے والی نے آگے بڑھ کر روکی کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

"ارے بب......باپ رے......! یہ کک......کیا کر رہے ہیں آپ......؟"

"کر رہے ہو نہیں، کر رہی ہوں......؟ ہائے......! تمہاری آنکھیں بھی کمزور لگتی ہیں مجھے۔ کر رہے ہو......؟ کہہ رہے ہو......؟ اے......! میں تو کر رہی ہوں، سمجھے تم......؟"

وہ روکی کو لئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں، لباس خالص زنانہ تھا۔ اس نے اپنا رُخسار روکی کے گال سے رگڑا اور روکی کو اپنے گال میں ڈاڑھی کی ٹھنٹھیاں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ صوفے پر بری طرح پھیل گیا تھا، لیکن آنے والے نے اسے سنبھال لیا۔

"کیا ہو گیا تمہیں......؟ اتنے بدحواس کیوں ہو......؟ ایسے بدشکل تو نہیں ہیں، ہم اللہ قسم......!"

"بب......بھئی دیکھو......! میرا مقصد ہے، یہ......یہ......یہ کیا مذاق ہے......؟"

روکی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہم مذاق ہیں......؟ اللہ قسم......! یہ مذاق تو آسمان سے اُترا ہے، مگر یہ گٹار تمہارے گلے میں کیوں ہے......؟ کیا تمہیں گانے بجانے سے کوئی دلچسپی ہے......؟"

"مم......میرا......میرا مطلب ہے، شہروز بھائی......!"

"اونہہ......! کیا "شہروز بھائی، شہروز بھائی" لگا رکھی ہے......؟ اب ایسے برے بھی نہیں ہیں ہم کہ تم ہمیں نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھو۔"

"دد......دیکھو، تم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"اچھا ہوگا، بہت اچھا ہوگا......! تم آ گئے ہو ناں ہمارے درمیان، ہماری جان تم پر نثار......! اُٹھاؤ یہ گٹار اور چھیڑ دو دل کے تار......!"

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور روکی نے صوفے سے چھلانگ لگا دی۔ وہ قالین پر گرتے گرتے بچا تھا۔

اس نے خوفزدہ نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازہ بند تھا، روکی آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ خونخوار بلا بھی آہستہ آہستہ کھڑی ہو گئی تھی اور مسکراتی ہوئی اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"دروازہ باہر سے بند ہے جانِ من......!"

"کک......کیوں......؟"

روکی نے پوچھا۔

"بس جانِ من......! یہاں جو کوئی آتا ہے، اس کا نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ ہماری قلمرو ہے۔ اوشاہی......! ارے اوشاہی......!"

اس نے ایک ہانک لگائی اور ایک اسی جیسی شخصیت اندر داخل ہو گئی۔ لباس زنانہ، حرکات مردانہ، ہونٹوں پر مستی اور مسکراہٹ، چہرے پر شیطنت، اب وہ دو ہو گئے تھے اور روکی بھاڑ سا منہ کھولے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ مجال ہے جو کوئی بات سمجھ میں آ رہی ہو......؟ یہاں وہ شہروز کے ساتھ آیا تھا، لیکن شہروز کہاں گیا اور یہ مصیبتیں اس پر کہاں سے نازل ہو گئی تھیں......؟

"شہروز بھائی......!"

اس نے کسی بکری کے بچے کی طرح ممیاتے ہوئے کہا۔

"اے اے......! کیا ہوا......؟"

دوسرے آدمی نے جسے شاہی کہہ کر آواز دی گئی تھی، پہلے والے سے پوچھا۔

"اللہ قسم......! میں نہ جانوں، نہ جانے کیا ہو گیا ہے نگوڑ مارے کو......؟ "شہروز، شہروز" ہی چلائے جا رہا ہے۔"

"شہروز کون ہے بھیا......؟ ہمیں بھی بتا دو۔"

دوسرے والے نے کہا اور روکی اُچھل پڑا۔

"اے......! ہوگا کوئی، ہمیں اس سے کیا......؟ یہ آ گیا ہے ہمارے پاس، بس اب ہمیں اور کیا چاہئے......؟"

"میں یہاں آیا نہیں، بلکہ لایا گیا ہوں اور واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے جا کر......؟ ہمارے پاس رہو، ہم برے ہیں کیا......؟"

شاہی بھی آگے آ گئی تھی۔

"دیکھو، مجھ سے بدتمیزی مت کرو، تم آخر ہو کیا بلا......؟"

"بلا ہیں ہم......؟ چلو اگر بلا ہیں تو تم سے چمٹ جائیں گے، تو پھر نہ ہٹیں گے۔ دل نہ توڑو، ورنہ غم سے مر جائیں گے ہم دونوں کے دونوں۔"

"دونوں......؟"

روکی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا اور دونوں مسکرانے لگے، پھر ایک بولا۔

''ہاں......! ہم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔''

شاہی نے جواب دیا۔

''بب......بہنیں......؟ مم......مگر تم تو......تم تو بھائی نظر آتے ہو مجھے۔''

''یہی سمجھ لو، بہنیں سمجھ لو، بھائی سمجھ لو۔ پر ہیں جڑواں ہم دونوں۔ ہمارے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ دھڑ، دھڑ، دھڑ، دھڑ......!''

انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور روکی کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ روکی ایک بار پھر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''بس......! اب گٹار اُتار دو جانِ من......!''

''مم......میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ خدا کے لئے......! شہروز بھائی کو بلوا دو۔''

''پھر وہی شہروز بھائی......؟ یہاں کوئی شہروز بھائی نہیں رہتے۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم......! وہ میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔''

''آئے ہوں گے، ہمیں کیا......؟ ہم نے تو بس تمہیں دیکھا، تمہیں چاہا، انہیں بھول گئے۔''

وہ دونوں ٹھمکنے لگے اور اسی وقت اندر سے بہت ساری بے ہنگم آوازیں سنائی دیں۔ پھر پورا ایک غول اندر آ گیا۔ سب کے سب زنخے تھے۔ ڈھول مٹک اور ہارمونیم ان کے ہاتھوں میں تھے۔ چنانچہ محفل جم گئی اور انہوں نے بے سُری آواز میں گانا شروع کر دیا۔ روکی کے ہوش اُڑے ہوئے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کسی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ وہ شہروز کے ساتھ ہی یہاں آیا تھا۔

''لیکن شہروز کہاں رہ گیا......؟ کہاں سر گیا وہ......؟ کیا ہوا اسے......؟ یہ کیا ہوا......؟ کیا ہوا یہ سب کچھ......؟''

پھر بھونڈی آواز میں ناچ گانا شروع ہو گیا اور روکی ایک صوفے پر بیٹھا اپنے گٹار کو سینے سے بھینچے اس ہنگامے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے......؟ اور کہاں جائے......؟

☆......☆......☆

معزز مہمان آ چکے تھے، خوب ہنگامہ برپا تھا، چاروں طرف بیرے ٹرالیاں لئے گردش کر رہے تھے۔ لیکن سیٹھ صاحب کی نگاہیں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ اس ہنگامے میں بھی گولیور کو فراموش نہیں کر سکا تھا۔ کافی دیر کے بعد اسے ایک نیلے رنگ کی خوب صورت کار اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ وہ ایک کھلی چھت کی کار تھی جسے گولیور خود ڈرائیو کرتا ہوا اندر آیا تھا۔ سیٹھ سرفراز نے اسے پہچان لیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا بدن کپکپا کر رہ گیا تھا۔ گولیور شیطان تھا اور اس شیطان کو سیٹھ سرفراز سے اچھی طرح اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ بہرصورت سیٹھ سرفراز نے خود کو سنبھالا اور اس کے

استقبال کے لئے اس کے پاس پہنچ گیا۔ گولیور مسکراتا ہوا گاڑی سے نیچے اُترا تھا۔ وہ دراز قامت اور خوش لباس انسان تھا۔ اس کی شخصیت اثر چھوڑتی تھی۔ اس کی پُر وقار مسکراہٹ دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کوئی مجرم ہوگا اور اس کے نام سے بہت سے ممالک کی پولیس تک کانپتی ہے۔ بہرصورت اس نے آگے بڑھ کر گولیور سے ہاتھ ملایا۔

''ہیلو سرفراز......! کیسے ہو تم......؟''

گولیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں گولیور......! لیکن آپ کو دیکھ کر شدید حیران ہوں۔''

''ہاں......! میری زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہی ہوتے ہیں یا پھر خوفزدہ۔ ان دونوں چیزوں کے علاوہ میری زندگی میں کچھ نہیں ہے۔''

گولیور نے جواب دیا۔

''مجھے فخر ہے کہ مجھے آپ کی دوستی حاصل ہے۔''

سیٹھ سرفراز نے کہا۔

''ہاں......! لیکن تم میری فطرت کو اچھی طرح جانتے ہو۔ میری دوستی صرف ایک لمحے میں دُشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کیا تمہیں یہ بات یاد ہے......؟''

''اچھی طرح......!''

سرفراز نے جواب دیا۔

''تو پھر خیال رکھا کرو ان تمام چیزوں کا۔''

''میں حاضر ہوں، ہر طرح سے حاضر ہوں۔''

سیٹھ سرفراز نے کہا۔

''میں تمہاری اس پارٹی میں شریک نہ ہوتا اور تمہیں ذہنی طور پر پریشان نہ کرتا، لیکن مجھے ایک ایسے پولیس آفیسر کی تلاش ہے جو ہمارے کام کا ثابت ہو سکے۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا......؟''

گولیور نے کہا۔

''ہاں......! سمجھ رہا ہوں۔''

سرفراز پُر خیال انداز میں بولا۔

''میں نے صحیح معنوں میں اسی لئے آج کی تمہاری یہ نشست اٹینڈ کی ہے۔''

''ویسے بھی جناب......! اگر مجھے آپ کے بارے میں علم ہوتا تو میری خواہش یہی ہوتی کہ آپ تھوڑا سا وقت مجھے بھی دیں۔''

سرفراز نے خود کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ گولیور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سرفراز......! میں دوستانہ طور پر یہاں آیا ہوں۔ ایسی باتیں مت کرو کہ مجھے کوئی غلط احساس ہو جائے۔

اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اگر تمہیں پہلے سے علم ہو جاتا کہ میں یہاں آ رہا ہوں تو شاید تم کچھ عرصے کے لئے یہ شہر ہی چھوڑ دیتے۔ چنانچہ یہ مت کہو کہ تم میرے آنے سے خوش ہوئے ہو۔"

گولیور نے کہا اور سیٹھ سرفراز ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ وہ اس سلسلے میں گولیور سے بحث نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ حقیقت تھی۔ وہ گولیور کے ساتھ لان پر پہنچ گیا۔ وہاں جہاں دوسرے تمام مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ تقریب کی تفریحات جاری تھیں۔ سالگرہ ہو چکی تھی۔ سیٹھ سرفراز کی بیٹی اپنے دوستوں میں خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔ سرفراز کو یہ خوشیاں برقرار رکھنی تھیں۔ چنانچہ وہ کوئی ایسی رخنہ اندازی نہیں چاہتا تھا جو اس کے لئے پریشانی کا سبب بن جائے۔

"تو پھر میرے لئے کس شخص کا انتخاب کیا......؟"

گولیور نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ مسٹر ساجد عسکری سے مل لیں۔ ساجد بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں اور میرے خاص دوستوں میں سے بھی ہیں۔"

"ہوں......! ٹھیک ہے......! تم بس میری ملاقات کرا دو ان سے۔ باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔"

گولیور نے جواب دیا۔

"کس نام سے آپ کو متعارف کراؤں۔"

"ایس پال......!"

گولیور نے جواب دیا اور فائق نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گفتگو کرتے ہوئے مسٹر ساجد عسکری کے پاس پہنچ گئے۔ یہ تندرست و توانا شخص خاصا اسمارٹ معلوم ہوتا تھا۔ سرفراز نے اسے مخاطب کیا اور ساجد اس کے قریب آ گیا۔

"میں خاص طور سے تمہیں اپنے دوست مسٹر ایس پال سے ملوانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو......! میری خوش بختی ہے۔"

ساجد نے پُرمسرت انداز میں گولیور کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ساجد عسکری کہتے ہیں۔"

اس نے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، خاص طور سے سرفراز کے دوستوں کے ذوق سے میں بے حد متاثر ہوں۔"

گولیور نے جواب دیا۔

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں مسٹر پال......؟"

ساجد عسکری نے پوچھا۔

"بس......! آوارہ گرد ہوں، یورپ گردی کرتا رہا ہوں اور اب ایشیا میں آیا ہوں۔"

"پہلی بار......؟"

ساجد عسکری نے پوچھا۔

"نہیں......! اس سے قبل بھی آتا رہا ہوں۔ مسٹر سرفراز میرے پرانے واقف کار ہیں۔"

"خوب......! ہم آپ کو اپنے ملک میں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

"صرف خوش آمدید کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا مسٹر ساجد......! آپ کے بارے میں سرفراز نے بتایا تھا کہ آپ کا تعلق پولیس کے ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور خاصی بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ چنانچہ اب کچھ عملی کام بھی ہونا چاہئے۔"

"اوہو......! سرفراز کے دوستوں کے لئے کچھ کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

ساجد نے جواب دیا۔

"تب پھر آپ سے تفصیل ملاقات ہونی چاہئے۔"

"ضرور ضرور......!"

"کہاں مل سکتے ہیں آپ......؟"

"جہاں آپ پسند کریں۔"

"ویسے فی الوقت تو میں یہاں موجود ہوں۔"

"نہیں......! ایسی بات نہیں۔ میرا خیال ہے، ہم یہاں سے ہٹ کر کوئی جگہ مقرر کر لیں، جہاں ہماری اور آپ کی تفصیل بات ہو جائے۔"

"کوئی کام ہے مجھ سے......؟"

ساجد نے پوچھا۔

"بہت ہی اہم کام ہے مسٹر ساجد......! اتنا اہم کام کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔"

"اچھا اچھا......! اگر ایسی بات ہے تو میں حاضر خدمت ہوں۔"

ساجد نے جواب دیا اور سرفراز کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبا دی۔ کافی دیر تک وہ اور گولیور گفتگو کرتے رہے۔ سرفراز اب ان کے درمیان سے ہٹ گیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد گولیور نے سیٹھ سرفراز سے مل کر جانے کی اجازت چاہی۔

"کام ہو گیا آپ کا......؟"

فائق نے پوچھا۔

"ہاں......! بہت بہت شکریہ مسٹر سرفراز......! آپ کے اس دوستانہ طرزِ عمل کو میں یاد رکھوں گا۔"

"واقعی......!"

سرفراز نے پوچھا۔

"ہاں ہاں......! کسی قسم کی فکر مت کرو، سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

دوسرے دن شام کو ساڑھے چار بجے ایک مقامی ہوٹل میں گولیور کی ملاقات ساجد سے ہوئی۔ جگہ کا انتخاب پہلے سے کر لیا گیا تھا۔ گولیور ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس وہاں موجود تھا۔ ساجد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ تب ساجد نے گولیور کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو مسٹر پال......!"

"ہیلو......! یقینی طور پر آپ کی ملاقات مسٹر سرفراز سے ہوئی ہوگی۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ مجھ سے ملنے کے بعد آپ نے سیٹھ سرفراز سے میرے بارے میں پوچھا ہوگا۔"

"ہاں......! یہ حقیقت ہے۔"

ساجد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور سرفراز نے آپ کو میرے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوگا جناب......!"

"نہیں......! البتہ ایک پولیس آفیسر ہونے کے ناطے سے میں نے خود ہی اس کا جائزہ لیا۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ وہ آپ سے خوفزدہ معلوم ہوتا ہے مسٹر پال......!"

☆......☆......☆

"بے وقوف آدمی ہے، بلاوجہ خوفزدہ ہوتا ہے، اور کیا کیا بتایا اس نے آپ کو میرے بارے میں......؟"

"میں نے کہا ناں، کوئی خاص بات نہیں۔"

"دیکھئے مسٹر ساجد......! میں دوستوں سے دوستی کا قائل ہوں اور دوستوں کے درمیان کوئی فریب رکھنے کا قائل ہرگز نہیں ہوں۔"

"میں نے کہا ناں مسٹر پال......! کہ وہ بہت کچھ بتا دیتا اگر اسے آپ کا خوف نہ ہوتا، لیکن میری باریک بین نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا ہے کہ وہ آپ سے ڈرا ہوا ہے۔"

"خیر......! میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ البتہ مسٹر ساجد......! مجھے آپ سے بہت ہی ضروری کام ہے اور بغیر کسی تکلف کے میں آپ سے عرض کر دوں کہ میرے لئے کام کرنے والے فائدے میں رہتے ہیں۔"

"یہ فائدہ کس نوعیت کا ہوتا ہے مسٹر پال......؟"

ساجد نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"دُنیا کا سب سے بڑا مسئلہ دولت ہے اور انسان اگر فائدے کا تصور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں صرف کرنسی آتی ہے۔ چنانچہ میرا کوئی کام کرنے سے قبل صرف اس گفتگو کے لئے آپ یہ قبول فرمایئے۔"

گولیور نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر ساجد کے سامنے رکھ دی اور ساجد کے بدن میں ایک لمحے کے لئے تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی۔ صرف گفتگو کے لئے اتنی بڑی رقم اس کے تصور سے بھی دُور کی چیز تھی۔ اس نے گولیور کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر پال......! میں آپ کی ہر طرح کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تو یہ قبول فرمایئے......!"

"شکریہ......!"

ساجد نے نوٹ لے کر جیب میں ڈال لئے۔

"میں آپ کو صرف چند ہدایات دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو آپ کے لئے پریشان کن ثابت ہو۔ میرا مطلب ہے کہ آپ بآسانی وہ کام کر سکیں گے جو میں آپ کو سونپوں گا۔ کیونکہ وہ کام آپ کے اپنے دائرہ کار میں ہی ہوگا۔"

"یہ اور اچھی بات ہے......!"

ساجد نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر مجھے ایک معلومات فراہم کریں۔"

"فرمایئے......!"

"نواب فاروق حسن کو جانتے ہیں......؟"

"جی ہاں......! یہ نام سنا ہوا ہے۔ ہاں ہاں......! مجھے یاد آ گیا۔ ٹھیک ہے، میں نواب صاحب کو جانتا ہوں۔"

"ان کے بیٹے شہروز کو بھی......؟"

"ہاں......! غالباً ان کے کسی بیٹے کا بھی نام سنا ہے میں نے، لیکن کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مجھے اس شخص کے بارے میں شبہات ہیں۔"

"کیسے شبہات......؟"

"یہی کہ یہ جرائم پیشہ اور بلیک میلر ٹائپ کا آدمی ہے۔"

گولیور نے کہا۔

"نواب فاروق حسن کا بیٹا......؟"

"جی ہاں......!"

"تعجب کی بات ہے مسٹر پال......! لیکن آپ کو یہ معلومات کہاں سے فراہم ہوئیں......؟"

ساجد عسکری نے پوچھا۔

''ذرائع کے بارے میں مت پوچھئے مسٹر ساجد......! وہ چیزیں جو میں کسی کو نہیں بتا سکتا، اپنے تک ہی محدود رکھتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے بہت سے ایسے سوالات کے جواب دینے پر مجبور نہیں کریں گے۔ ہاں......! جہاں آپ مجبور ہوں، وہاں میرے پاس سے کچھ حقیر تحائف قبول فرماتے رہا کریں۔''

''اوہو اوہو......! سمجھ رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں میں۔ بہرصورت تعجب خیز بات ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نواب فاروق حسن خود بے حد دولت مند آدمی ہیں۔ شہروز، جیسا کہ آپ نے فرمایا ان کا بیٹا ہے، اور میں اس سے اجنبیت کا اظہار یوں کر رہا ہوں کہ میں نے آج تک اس سے ملاقات نہیں کی، اور نہ ہی اس خاندان کے بارے میں میری معلومات زیادہ وسیع ہیں۔ لیکن اگر وہ بلیک میلر ہے تو اسی لئے یہ بات میرے لئے باعث حیرت ہے۔''

''بہرصورت میری معلومات غلط نہیں ہیں۔ یہ شخص بلیک میلنگ کرتا ہے اور میں اس کے ایک شکار کی نشاندہی بھی کر سکتا ہوں۔ آپ اگر زیادہ گہرائی میں نہ جائیں مسٹر ساجد......! تو ایسے کام کر لیں جن سے آپ کو زیادہ معلومات بھی فراہم ہو سکیں۔''

''ہاں......! یقیناً میں تیار ہوں۔''

''اس کے لئے آپ کو نہایت ذہانت سے کام کرنا ہوگا۔''

''بے شک، بے شک......!''

''تو پھر آپ سیٹھ ہمدانی سے ملاقات کریں۔''

''سیٹھ ہمدانی......؟ یہ کون ہیں......؟''

ساجد نے پوچھا۔

''ایک کاروباری آدمی ہے، شہر کے معروف کاروباری علاقے میں اس کا دفتر موجود ہے۔ سیٹھ ہمدانی شہروز کی بلیک میلنگ کا شکار ہے اور ہر ماہ اسے اچھی خاصی رقم ادا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے، آپ اپنی تصدیق کے لئے سیٹھ ہمدانی سے ملاقات کریں اور اگر سیٹھ ہمدانی آپ کو کچھ مواد فراہم کر سکے تو میرا خیال ہے، آپ شہروز کو بآسانی گرفتار کر سکتے ہیں۔''

''ہوں......! تو آپ نواب فاروق حسن کے بیٹے شہروز کو بلیک میلنگ کے جرم میں گرفتار کرانا چاہتے ہیں......؟''

''ہاں......!''

''اس کی وجہ......؟''

''یہ نہیں بتائی جا سکتی۔''

''اوہ......! ٹھیک ہے......!''

ساجد عسکری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں مسٹر ساجد......! کہ آپ اسے گرفتار کریں اور اس طرح اپنی تحویل میں رکھیں کہ عام لوگوں کو اس کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہم اسے رہا کرنا چاہیں تو بآسانی کرا سکیں اور اس میں کوئی قانونی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔''

گولیور نے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں مسٹر پال......! ٹھیک ہے......!''

ساجد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر تفکر کے آثار تھے۔

''اس میں کچھ پیچ محسوس کر رہے ہیں آپ......؟''

گولیور نے ساجد کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......! صرف ایک۔''

''وہ کیا......؟''

''یہ کہ نواب فاروق حسن صاحب بذاتِ خود بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان کے تعلقات مجھ سے بھی اعلیٰ افسران سے ہیں۔ چنانچہ اس شکل میں ذرا سی یہ اُلجھن پیش آ سکتی ہے کہ مجھے اوپر سے احکامات مل سکتے ہیں۔''

''ہوں......! لیکن مسٹر ساجد......! کیا ضروری ہے کہ آپ شہروز کو اس کے گھر سے گرفتار کریں......؟ اگر آپ چاہیں تو یہ معاملہ اس کے گھر تک نہ پہنچنے دیں۔ ہاں......! دوسرے کسی اسٹیج پر ہم اس کی اصلیت بھی پیش کر سکیں گے۔ کوئی ایسا مرحلہ اگر درپیش آ گیا کہ بات اس کے گھر تک پہنچانی پڑی تو پھر ہم اسے ایک مضبوط گرفت میں لے کر اس مسئلے کو آگے بڑھائیں گے۔''

''ٹھیک ہے......! آپ مطمئن رہیں مسٹر پال......! آپ ہمارے مہمان ہیں اور آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ چنانچہ ان معاملات کو آپ ہم پر ہی چھوڑ دیں۔''

''لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کا خیال رکھا جائے۔ انتہائی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ شہروز کے معاملے کو بہت آگے نہ بڑھایا جائے اور معاملات ہماری گرفت میں ہی رہیں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! آپ بالکل مطمئن رہیں۔ یہ کام میں جلد ہی کرلوں گا۔''

''لیکن انداز وہی ہونا چاہئے مسٹر ساجد......! کہ پہلے آپ سیٹھ ہمدانی سے مل لیں اور اس کے بعد جس طرح بھی آپ مناسب سمجھیں، اس کی زبان کھلوائیں اور پھر یہ قدم آگے بڑھائیں۔''

''سیٹھ ہمدانی......؟''

ساجد عسکری نے پُرخیال انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

کسی پولیس والے کی آمد سیٹھ ہمدانی کے لئے تعجب خیز تھی۔ وہ ذرا ڈرپوک قسم کا آدمی تھا، کاروباری تھا،

لیکن اپنے کاروبار کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا تھا۔ کم از کم عام نگاہوں میں درپردہ جو کچھ تھا، وہ تو تھا ہی، بہرصورت اس نے اپنے دفتر میں اس سے قبل کسی پولیس آفیسر کو خوش آمدید نہیں کہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا، اس نے ساجد عسکری کا سرد مہری سے استقبال کیا۔ ساجد نے اپنا کارڈ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"جی جناب......! مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ آئے ہیں۔"

سیٹھ ہمدانی نے کہا۔

"ہاں......! اور یقیناً میری آمد پر آپ کو حیرت ہوئی ہوگی مسٹر ہمدانی......!"

ساجد عسکری نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی صاحب......! اس لئے کہ ہم صاف ستھرے کاروباری لوگ ہیں اور پولیس کو وردی میں اپنے دفتر میں آتے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"خیر......! آپ کا کہنا بھی کسی حد تک درست ہے مسٹر ہمدانی......! لیکن میں اس وقت آپ کے خلاف کوئی تحقیقات کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ یوں سمجھیں کہ میں آپ کی مدد کرنے آیا ہوں۔"

ساجد عسکری نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

"مدد......؟"

"ہاں مدد......!"

"کیسی مدد صاحب......؟"

"مسٹر ہمدانی......! بہت اہم معاملہ ہے۔ آپ کو پولیس سے سب کچھ صاف صاف کہنا ہوگا۔ میری گفتگو کے دوران آپ اس کا اندازہ کرلیں گے کہ پولیس آپ کے خلاف کوئی عمل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی، بلکہ وہ صرف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ میں آپ سے کچھ سوال کروں گا، آپ کوشش کریں کہ مجھے ان کے صحیح جوابات دے دیں۔"

"جی......! آپ سوال کیجئے جناب......؟"

سیٹھ ہمدانی نے کہا۔

"کیا آپ کو بلیک میل کیا جا رہا ہے......؟"

ساجد عسکری نے سوال کیا اور سیٹھ ہمدانی کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے پریشانی کے آثار پھیل گئے۔ وہ خاموشی سے ساجد کو دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"نہیں جناب......! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا مجھے کیوں بلیک میل کیا جاتا......؟ میں نے کون سا جرم کیا ہے جس میں کوئی مجھے بلیک میل کرے گا......؟"

"سیٹھ ہمدانی......! میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ پولیس آپ کی مدد کرنا چاہتی ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ آپ پولیس کو صحیح جوابات دیں گے۔"

"ارے بابا......! تو کیا بلاوجہ ہی یہ بات کہہ دوں کہ کوئی مجھے بلیک میل کر رہا ہے......؟ کر رہا ہو یا نہ کر رہا

ہو۔"

سیٹھ ہمدانی نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمیں اس بات کا ثبوت مل چکا ہے مسٹر ہمدانی......! کہ آپ بلیک میلنگ کا شکار ہیں اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہماری مدد حاصل نہ کریں تو پھر پولیس وہ کرے گی جو اس کا اپنا فرض ہوتا ہے۔"

"ایں......؟ کیا فرض ہوتا ہے......؟"

"یہی کہ بلیک میلنگ کا وہ مواد جو پولیس کے ہاتھ لگا ہے، آگے بڑھا دیا جائے اور آپ کے خلاف کارروائی کی جائے۔"

ساجد نے اندھیرے میں تیر پھینکا اور سیٹھ ہمدانی کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے پولیس افسر کو دیکھنے لگا اور پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے، اس کا مطلب ہے کہ پولیس مجھے پھانسنا چاہتی ہے......؟"

"آپ جو بھی سمجھ لیں، لیکن آپ کی اطلاع کے لئے میں یہ عرض کردوں کہ آپ کے خلاف پولیس کو بہت ساری معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ مسٹر ہمدانی......! میں ذاتی طور پر آپ کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ اسی شکل میں ممکن تھا کہ آپ پولیس کو اس سلسلے میں صحیح معلومات فراہم کردیتے۔"

"م م مگر میرا مطلب ہے......مگر......"

سیٹھ ہمدانی اب بے حد پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں سیٹھ صاحب......! ہم ہر طرح سے آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری طور پر بھی اور غیر سرکاری طور پر بھی۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو اس بلیک میلر سے نجات دلائی جائے تو آپ پولیس کی مدد کر سکتے ہیں اور اگر آپ پولیس کی مدد حاصل نہ کرنا چاہیں تو میری ذاتی مدد اور ذاتی کوششیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ میں اس بلیک میلر سے آپ کو نجات دلا سکتا ہوں اور اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوگی۔"

"اوہ......! گویا......گویا آپ......"

"ہاں......! صرف ذاتی طور پر۔"

ساجد عسکری نے جواب دیا اور سیٹھ ہمدانی تعجب خیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"لیکن اگر میرے خلاف کوئی چیز پولیس کو حاصل ہو چکی ہے تو قانون مجھے کیسے چھوڑے گا......؟"

"ہوں......! سوال درست ہے، لیکن اگر قانون آپ کے ساتھ خود ہی تعاون کرنے پر آمادہ ہو تو......؟"

ساجد نے سیٹھ ہمدانی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو......تو میں۔"

سیٹھ ہمدانی گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

"آپ اس بلیک میلر سے خوف زدہ ہیں......؟"

"ہاں......!"

"کیوں......؟"

"وہ بہت خطرناک ہے۔اگر میں نے آپ کو کچھ بتا دیا تو نہ جانے کیا سلوک کرے میرے ساتھ......؟"

"مسٹر ہمدانی......! ہم آپ کی پشت پر ہیں۔قانون آپ کی مدد کرے گا اور اگر آپ کسی مجرمانہ کارروائی کے سلسلے میں بلیک میل ہو رہے ہیں، تب بھی میں ذاتی طور پر آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کا معاملہ پولیس کے اعلیٰ حکام تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا، بلکہ ہم اسے خود ہی ختم کر لیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے......! مگر بلیک میلر......"

"میں نے کہا ناں، اس بلیک میلر سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔"

ساجد نے کہا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے......؟"

سیٹھ ہمدانی نے کہا۔

"آپ اس کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کریں۔"

"کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں آپ......؟"

"آپ اس بلیک میلر کو جانتے ہیں......؟"

"ہاں......!"

"کون ہے وہ......؟"

"اس کا نام گل زادی ہے۔"

"گل زادی......؟"

پولیس آفیسر نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں......! گل زادی کے نام ہی سے وہ اپنا اس قسم کا کام کرتا ہے۔اس کا اصل نام کچھ اور ہے۔"

"اصل نام کیا ہے......؟ وہی آپ مجھے بتا دیں۔"

"شہروز......! نواب فاروق حسن کا بیٹا، شہروز......!"

سیٹھ ہمدانی نے بتایا اور پولیس آفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اوہ......! اتنے بڑے آدمی کا بیٹا اور بلیک میلر......؟"

"ہاں......! وہ بلیک میلر ہے۔"

"آپ کو یقین ہے مسٹر ہمدانی......!"

"ہاں......! بالکل یقین ہے، میں اس سے کتنی بار مل چکا ہوں۔وہ گل زادی کے نام سے بدمعاشوں کی دُنیا میں مشہور ہے، عالم حالات میں وہ گل زادی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔"

"ہوں......! کیا آپ مجھے تحریری طور پر یہ بات لکھ کر دے سکتے ہیں......؟"

"تت...... تحریری طور پر، لیکن کیوں......؟"

"دیکھئے مسٹر ہمدانی......! میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی مدد کر رہا ہوں۔آپ کو میری ہدایت پر عمل کرنا چاہئے۔آپ مجھے ایک تحریر دے دیں جس میں یہ تمام تفصیلات لکھ دیں۔میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ سے یہ معلوم نہیں کروں گا کہ آپ کو کیوں بلیک میل کیا جا رہا ہے......؟ بس ایک بلیک میلر پر ہاتھ ڈالنا میرا کام ہے۔میں خود بھی آپ سے پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

"مجھے...... مجھے اس سلسلے میں کیا پیش کرنا ہوگا؟"

سیٹھ ہمدانی نے پوچھا۔

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

ساجد عسکری نے جواب دیا اور سیٹھ ہمدانی گہری گہری سانسیں لینے لگا۔پھر اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں......؟ ایک طرف پولیس افسر ہے، دوسری طرف بلیک میلر، وہ پوشیدہ ہے اور آپ ظاہر، لیکن وہ بہت زیادہ خطرناک ہے۔اگر اسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ میں نے آپ سے اس بارے میں کچھ کہا ہے، تو وہ مجھے بدترین سزا دے گا۔"

"ٹھیک ہے......! آپ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا ہی ہوگا۔لیکن ہم کوشش کریں گے کہ ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے اور اس سے آپ کا پورا پورا تحفظ کیا جا سکے۔لیکن اگر آپ نے پولیس کے ساتھ تعاون نہیں کیا تو قانون آپ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"میں تیار ہوں۔"

سیٹھ ہمدانی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے......! تب پھر آپ ہمیں تحریر لکھ کے دے دیں اور پھر ساجد عسکری کے بتائے ہوئے الفاظ میں سیٹھ ہمدانی نے شہروز کے خلاف ایک تحریر لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔پھر اس نے ایک خاص آدمی کو بلا کر کچھ رقم طلب کی اور خاموشی سے ساجد کے حوالے کر دی۔ساجد نے وہ رقم گنے بغیر جیب میں رکھ لی تھی، پھر اس نے کہا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں سیٹھ ہمدانی......! یہ ساری کارروائی اس بلیک میلر کے خلاف ہے، آپ کے خلاف نہیں۔آپ کو اس سلسلے میں ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے افسر صاحب......! میں آپ پر پورا پورا بھروسہ کر رہا ہوں اور میں نے آپ سے بھرپور تعاون کیا ہے۔"

"میں نے کہا ناں آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

ساجد عسکری نے جواب دیا اور وہاں سے اُٹھ گیا۔سیٹھ ہمدانی متفکرانہ نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے

دیکھتا رہا تھا۔اس کے دماغ میں سناٹا سا پھیل گیا تھا۔شہروز کو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔گل زادی کے نام سے بڑے بڑے بدمعاش کانپتے تھے۔سیٹھ ہمدانی خود بھی بے وقوف آدمی نہیں تھا۔جب شہروز نے اسے بلیک میل کرنا شروع کیا تو سیٹھ ہمدانی نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے تھے۔کافی رقم خرچ کر کے اس نے بڑے بڑے بدمعاشوں کو شہروز کے پیچھے لگایا تھا۔لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد نتیجہ سامنے ہی نکل آیا تھا۔ان سب نے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر اس نے گل زادی کے خلاف کوئی کارروائی کی تو اچھا نہیں ہوگا،ان حالات میں یہ پولیس افسر گل زادی پر نہ جانے کس حد تک قابو پا سکے......؟

’’کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں......؟ جو رقم پولیس افسر کو دی تھی،وہ تو کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی تھی،لیکن اگر بلیک میلر بگڑ گیا تو......تو......؟‘‘

سیٹھ ہمدانی کے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔وہ بڑی پریشانی کے عالم میں سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔کافی دیر تک غوروخوض کے بعد بالآخر اس نے ایک فیصلہ کیا۔

’’یہ جو کچھ اس پر پڑی تھی،ناگہانی ہی پڑی تھی۔بلیک میلر کو اس سلسلے میں آگاہ کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔کہیں یوں نہ ہو کہ پولیس افسر اس پر حاوی نہ ہو پائے اور بلیک میلر اس کی گردن پکڑ لے۔‘‘

چنانچہ کافی دیر تک سوچنے کے بعد اس نے اپنی میز کی دراز سے ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی۔اس میں بلیک میلر کا لینڈ لائن نمبر لکھا ہوا تھا جو اس نے خصوصی اوقات میں رابطہ قائم کرنے کے لئے دیا تھا۔چند لمحات کے بعد سیٹھ ہمدانی نے ایک ٹیلی فون سیٹ سے وہ نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

’’کون ہے رے بھیا......؟‘‘

دوسری طرف سے لہک دار آواز سنائی دی۔

’’گل زادی سے ملنا ہے۔‘‘

’’اے......! گل زادی بھیا تو یہاں موجود ہیں نہیں،مجھ سے کہہ دو جو کچھ کہنا ہے۔‘‘

عجیب وغریب آواز سنائی دی۔

’’سنو......! مجھے گل زادی ہی سے کام ہے،اگر اس سے رابطہ قائم ہو سکے تو اس سے کہو کہ سیٹھ ہمدانی سے گفتگو کرے۔‘‘

’’اچھا بھیا......! کہہ دیں گے۔اے لو......! وہ گل زادی بھیا آ ہی آ گئے۔چلو تم خود ہی بات کر لو۔‘‘

دوسری طرف سے کہا گیا اور چند لمحات کے بعد ٹیلی فون پر شہروز کی آواز سنائی دی۔

’’سیٹھ ہمدانی......!‘‘

’’ہاں......! میں ہی بول رہا ہوں گل زادی بھائی......!‘‘

’’کیا بات ہے......؟‘‘

’’ایک گڑبڑ ہو گئی ہے گل زادی بھائی......! بڑی عجیب وغریب گڑبڑ......!‘‘

’’کیا ہے......؟ مجھے بتاؤ......!‘‘

’’ابھی تھوڑی دیر قبل ایک پولیس افسر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔‘‘

’’ہوں......! کس سلسلے میں......؟‘‘

’’تمہارے سلسلے میں......!‘‘

’’کیا کہہ رہا تھا......؟‘‘

دوسری طرف سے آنے والی آواز بالکل پرسکون تھی۔

’’تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔‘‘

’’کیسی معلومات......؟‘‘

’’گل زادی بھیا......! دیکھو،میں نے ہمیشہ تم سے تعاون کیا ہے،لیکن میں ذرا امن پسند آدمی ہوں،پولیس وغیرہ کے جھگڑے سے بھاگنے والا۔تمہیں اس بات کا علم ہے۔‘‘

’’آگے بڑھو......! آگے بتاؤ......!‘‘

دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا اور سیٹھ ہمدانی نے خود کو سنبھال کر کہا۔

’’بھیا......! وہ پولیس افسر میرے سر پر پہنچ گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تمہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے۔‘‘

’’اچھا......! پھر......؟‘‘

’’میں نے اس سے بڑے ہاتھ پاؤں مارے لیکن اس نے کہا کہ وہ سارا مواد اس کے ہاتھ لگ چکا ہے جس سے مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے،اور پھر گل زادی بھیا......! کیا تم یقین کرو گے اس بات پر کہ اس نے تمہارا نام لیا کہ تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو......؟‘‘

’’پولیس افسر کا نام......؟‘‘

’’ساجد عسکری بتایا تھا اس نے،کارڈ پر بھی یہی نام تھا،بلکہ کارڈ میرے پاس ہی چھوڑ گیا ہے وہ۔‘‘

’’ہوں ہوں......! اچھا......! تو پھر......؟‘‘

’’بس بھیا......! اس نے مجھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں اور بالآخر مجھ سے اُگلوا ہی لیا۔‘‘

’’گڈ......! گڈ......! اور تم نے اُگل دیا سیٹھ......؟‘‘

شہروز کا لہجہ بڑا پرسکون تھا۔

☆......☆......☆

’’ہاں بھیا......! یقین کرو،میں انتہائی مجبور ہو گیا تھا۔‘‘

’’خیر......! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تم کس طرح مجبور ہو گئے تھے......؟ پھر کیا ہوا......؟‘‘

’’اس نے تمہارے خلاف مجھ سے ایک تحریر لی۔‘‘

"اچھا......!تحریر میں کیا لکھا تھا......؟"

شہروز نے پوچھا اور سیٹھ ہمدانی نے وہ تمام متن اسے بتا دیا۔

"ہوں......!اس طرح تو سیٹھ ہمدانی......!تم نے اپنے اور میرے دونوں کے پاؤں میں کلہاڑی مار دی۔"

"بھیا......!یقین کرو، میں بالکل مجبور ہوگیا تھا۔اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں خاموش ہو جاتا۔میرا مطلب ہے کہ اگر میں اپنی مرضی سے کوئی بات بتاتا تو میں اس کے بارے میں تمہیں کبھی نہ بتاتا۔تمہیں آگاہ کرنے کا مقصد یہی ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے اور میں تم سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں چاہتا۔میں نے تمہیں اس بات سے آگاہ کر دیا ہے۔اگر تم اسے میری غلطی سمجھتے ہو تو پھر جیسے تمہاری مرضی......!"

"ہوں ہوں......!دلیل معقول ہے سیٹھ ہمدانی......!لیکن یہ پولیس افسر میرے پیچھے لگا کیسے......؟"

"گل زادی بھیا......!مجھے بالکل نہیں معلوم......!"

سیٹھ ہمدانی نے گل زادی سے کہا۔

"ہوں......!ٹھیک ہے ہمدانی......!تم نے مجھے اس بات سے آگاہ کر دیا۔اس سے میں نے تمہاری دلیل کو تسلیم کر لیا کہ تمہیں مجبور کیا گیا تھا۔تم بالکل مطمئن رہو۔میری طرف سے تم پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی، کیونکہ میں انسان کی مجبوریاں سمجھتا ہوں۔"

"واقعی......!"

ہمدانی کا منہ خوشی سے کھل گیا۔

"ہاں ہمدانی سیٹھ......!بعض اوقات حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں، اور کوئی خاص بات......؟"

"نہیں گل زادی بھیا......!بس میں نے تمہیں اس بارے میں آگاہ کر دیا اور میرا اپنا فرض پورا ہوگیا۔"

"پولیس افسر......!تم سے دوبارہ کب ملاقات کرے گا......؟"

"میں نہیں جانتا۔وہ اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہہ گیا ہے۔بس اس نے یہی کہا ہے کہ وہ مجھے اس بلیک میلر سے نجات دلانے کی کوشش کرے گا۔"

"ساجد عسکری نام بتایا تھا تم نے اس کا......؟"

"ہاں......!میں کارڈ کی تحریر دہراتا ہوں۔اگر تم چاہو تو میں کارڈ بھی تمہارے پاس پہنچا دوں۔"

"نہیں نہیں......!اس کی ضرورت نہیں ہے، تم صرف اس کی تفصیل مجھے بتا دو۔"

شہروز نے کہا اور ہمدانی نے پولیس افسر کے کارڈ سے تحریر پڑھ کر اسے سنا دی۔

"اور کوئی خاص بات تو نہیں ہمدانی......؟"

"نہیں بھیا......!بس اتنا ہی بتانا تھا۔"

دوسری طرف سے جواب ملا اور فون بند ہوگیا۔سیٹھ ہمدانی ریسیور رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔

رقم تو گئی ہی تھی، لیکن اس طرح سے اسے تھوڑا سا سکون حاصل ہوگیا تھا۔پولیس سے بھی نہیں ٹکرا سکتا تھا اور پھر جیسا کہ پولیس افسر نے کہا کہ بلیک میلنگ کا مواد بھی اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔حالات ایسے تھے کہ سیٹھ ہمدانی دونوں میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔لیکن گل زادی کو فون کرنے سے اسے خاصا سکون ملا تھا۔خاص طور سے اس لئے گل زادی نے اس کی مجبوری قبول کر لی تھی۔اگر گل زادی کے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کم از کم وہ گل زادی سے محفوظ رہے۔اب باقی رہا گل زادی اور پولیس کا مسئلہ تو دونوں آپس میں خود نمٹ لیں گے۔سیٹھ ہمدانی غم و اندوہ کے عالم میں کرسی کی پشت سے ٹک کر بیٹھ گیا۔یہ بلیک میلنگ اس کے لئے سوہانِ روح تھی، لیکن بہر حال زندگی بچانے کے لئے انسان کو نہ جانے کیا کچھ کرنا ہوتا ہے......؟

☆......☆......☆

نور جہاں سے مسلسل ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔اس نے عالم پناہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ بھی تاریخ کا کوئی کردار ہی ہے۔عالم پناہ کے کلاسیکل ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وقت بعض اوقات اپنی شبیہات چھوڑ جاتا ہے۔وہ آواگون کے قائل تو نہیں تھے، لیکن نور جہاں کے دلائل نے انہیں اس بات پر یقین کرنے پر آمادہ کر لیا تھا کہ درحقیقت وہ موجودہ دور کے عالم پناہ ہیں اور ان کے اندر نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں۔عیشہ، شمائل کی نسبت واقعی بہت تیز نکلی تھی۔اس نے ایسا رنگ جما لیا تھا عالم پناہ پر کہ عالم پناہ کی سٹی گم ہو کر رہ گئی تھی۔زیادہ چرب زبان تھی اور اپنے کام میں بے حد مشاق۔عالم پناہ کو اپنا شوہر ثابت کرنے کے لئے اسے بہت سی مشکلوں سے گزرنا پڑا تھا۔وہ بآسانی تمام مراحل طے کر گئی تھی اور اب عالم پناہ کے انداز میں ایک عجیب سی نخوت پیدا ہوگئی تھی۔اس وقت بھی وہ نور جہاں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ہاتھ میں گلاب کی کلی تھی، لباس تو عام ہی تھا، لیکن انداز میں شہزادوں کی سی شان تھی۔دفعتہً انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"نور جہاں ہم کس دور سے گزر رہے ہیں......؟"

"میں سمجھی نہیں عالم پناہ......!"

نور جہاں نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے، کیا ہم شہنشاہ بن چکے ہیں......؟"

"ابھی نہیں......!ابھی کہاں......؟ابھی تو آپ شہزادے ہیں، شہنشاہ بننے میں کچھ وقت باقی ہے۔"

"ویسے بات بڑی تعجب خیز ہے نور جہاں......!"

"کون سی بات عالم پناہ......؟"

"تمہاری موجودگی اور تمہارے دلائل یہ بات تو ثابت کر دیتے ہیں کہ واقعی ہم ٹھہرے ہوئے وقت سے باہر آئے ہیں، لیکن موجودہ حالات ہمیں الجھا دیتے ہیں۔"

"وہ کیا عالم پناہ......؟"

"بھئی......! تم دیکھو ناں یہ عمارت...... یہ عمارت نواب فاروق حسن خان صاحب کی ہے اور ہمارے پھوپھا جان نواب احتشام حسن نہایت سخت گیر فطرت کے مالک ہیں۔ چنانچہ حالات بے حد خراب ہیں۔ اب تم دیکھو کہ ہمیں تخت شاہی نہیں مل سکتا۔ اکبر کا کہیں پتا نہیں ہے اور مغلیہ حکومت کبھی کی ختم ہو چکی ہے، تو اس موجودہ ماحول میں ہم اپنی حیثیت کیسے برقرار رکھ سکیں گے......؟"

"شہزادہ حضور......! صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔"

نور جہاں نے کہا اور عالم پناہ چونک پڑے۔

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ حکومتیں تبدیل ہو چکی ہیں، ریاستیں چھن چکی ہیں، مغلیہ دور ختم ہو چکا ہے۔ لیکن ہماری محبت زندہ ہے اور یہ ہماری محبت ہی ہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ تاریخ فنا ہو جاتی ہے شہزاد حضور......! لیکن محبت فنا نہیں ہوتی۔ شہنشاہیت کے قصے لاتعداد ہوتے ہیں لیکن محبت کا قصہ صرف ایک ہوتا ہے اور محبت کی داستان ازل سے ابد تک جاری رہے گی۔ چنانچہ آپ حکومتوں کو ذہن میں نہ لائیے۔ شہنشاہوں کا جلال اور طرزِ حکومت یاد مت کیجئے۔ کیونکہ اگر آپ محبت کے راستے تلاش کریں گے تو وہ آج بھی آپ کو اسی انداز میں ملیں گے۔ ان راستوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔"

نور جہاں نے جواب دیا اور عالم پناہ گردن ہلانے لگے۔

"واقعی اس حد تک یہ بات قابل قبول تھی کہ دور ختم ہو گیا ہے، حکومت تبدیل ہو گئی ہے، ریاستیں چھین چکی ہیں اور جمہوری طرزِ حکومت قائم ہے۔ نواب فاروق حسن خان کی کوٹھی جوں کی توں موجود ہے۔ بس محبت ویسی ہی ہے جیسے پہلے کبھی تھی اور یہ صرف محبت ہی ہے جو نور جہاں کو ان قدیم وادیوں سے یہاں گھسیٹ لائی ہے اور میرے عالم پناہ یہاں موجود ہیں۔"

چند ساعت خاموشی رہی پھر نور جہاں کہنے لگی۔

"لیکن عالم پناہ......! آپ کا مقام وہی ہے، آپ کا عدل و انصاف جوں کا توں جاری ہے۔ انسان اپنی فطرت میں کبھی نہیں مرتا، جو کچھ آپ کی ذات سے منسوب ہے، وہ آپ کی ذات میں آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ البتہ اس کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ ہاں......! اگر آپ چاہیں تو گنجائش نکال سکتے ہیں۔"

نور جہاں نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"کوٹھی کا دوسرا حصہ بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔"

"اوہ وہ حصہ...... ہاں......! یقیناً شاید وہاں کوئی نہیں ہے۔ کیوں......؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیے......!"

"مم...... میں نہیں جانتا۔ ویسے ایک بار میں وہاں بند ہو چکا ہوں۔"

"کیوں عالم پناہ......؟"

"بس......! کچھ لوگوں کی شرارت تھی، میرا کوئی قصور نہیں تھا اس میں۔"

"خیر......! تو آپ نے وہ جگہ دیکھی ہے......؟"

"ہاں......!"

"تو پھر ہم اپنی قدیم زندگی کی صحیح تصویر وہیں کیوں نہ دیکھ لیں......؟"

"میں نہیں سمجھا نور جہاں......!"

"پائیں باغ کے اس حصے میں ہماری ملاقاتیں مشکوک بھی ہو سکتی ہیں۔ کسی کی بھی نگاہ ہم پر پڑ سکتی ہے۔ وہ جگہ بہت ہی خوب صورت ہے۔ ہمیں تو ایسی ہی جگہیں پسند ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے......! ہم وہاں بندوبست کئے لیتے ہیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"کیا بندوبست کریں گے آپ......؟"

"جو تم کہو......!"

"وہی ماحول ہونا چاہئے، وہی انداز ہونا چاہئے۔ ایک زنجیرِ عدل ہو جو لٹکی ہوئی ہو اور اسے فریادی بجا کر ہم تک پہنچ سکیں۔ میرا دل آپ کو اسی انداز میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور پھر لباس کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے عالم پناہ......! کہ آپ اپنے لئے ایک شاہی لباس تیار کروائیں......؟"

"شش...... شاہی...... شاہی لباس......؟"

عالم پناہ نے کسی قدر پریشان لہجے میں کہا۔

"ہاں......! کیوں......؟ کیا آپ ایسے ہی قلاش ہو چکے ہیں......؟"

"ارے نہیں......! پیسے تو ہمارے پاس بہت ہیں، مگر شاہی لباس کون تیار کرے گا......؟"

"آپ کوشش کر سکتے ہیں۔ آج کل یہ کون سا مشکل کام ہے......؟ لاتعداد ڈراموں اور فلموں کے لئے ایسے لباس تیار ہوتے ہیں، ان کی دکانیں ضرور ہوں گی۔ اب مجھے دیکھئے ناں......! میں اپنے اس قدیم لباس میں آپ کے سامنے آتی ہوں، لیکن آپ دورِ جدید کے عالم پناہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں......! بات تو تم ٹھیک کر رہی ہو......؟"

"تو پھر کب تک انتظام کر لیں گے لباس کا......؟"

"دو چار دن تک میں خود اس کی تلاش میں جاؤں گا اور یقیناً کوئی انتظام بھی کر لوں گا۔ لیکن یہ زنجیرِ عدل والا مسئلہ، اس کا کیا ہو گا......؟"

عالم پناہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے عالم پناہ......! آپ اگر چاہیں تو اس کو بھی بآسانی کر سکتے ہیں۔"

"مگر اس زنجیر کا ہو گا کیا......؟"

"بس......! مجھے یوں محسوس ہو گا جیسے میرا دور پھر سے زندہ ہو گیا۔"

نور جہاں نے جواب دیا۔

"کوئی فریادی تو وہاں نہیں آئے گا......؟"

عالم پناہ بولے۔

"ممکن ہے، آ ہی جائے، اور اگر نہ بھی آئے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ میں آپ کو جس روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں، وہ روپ تو میرے سامنے ہو گا۔"

نور جہاں نے کہا اور عالم پناہ سوچ میں ڈوب گئے، پھر انہوں نے گردن ہلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے......! میں تمہاری اس خواہش کی تکمیل بھی یقیناً کروں گا۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

بیچارے عالم پناہ عجیب سی کیفیات کا شکار تھے۔ ان کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔ جب تک نور جہاں کے ساتھ رہتے، ان کا ذہن قدیم مغلیہ فضاؤں میں بھٹکتا رہتا۔ وہ اپنے اندر ایک خاص تمکنت، ایک خاص غرور محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ وہ تخت شاہی پر بیٹھ جائیں اور ان کے سامنے لاتعداد خدام ہوں جو ان کے احکامات کی تعمیل میں مصروف رہیں۔ نور جہاں کے لئے وہ نہ جانے کیا کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی فطرت یکسر بدل کر رہ گئی تھی۔ درحقیقت وہ قدیم ہندوستان کی روایتوں سے بے حد متاثر تھے۔ افریقہ میں رہ کر بھی ایشیاء کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پڑھتے اور سنتے رہتے تھے۔ انہوں نے بارہا خود کو ایشیاء کی قدیم روایتوں کا ہیرو پایا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ان کا لباس، ان کا چال ڈھال ان کے برعکس تھا۔ لیکن موجودہ ڈرامہ ان کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ ان کی دلی خواہشوں کو ہوا ملی تھی جنہیں شاید دوسرے انداز میں کبھی نہ ابھرنے کا موقع ملتا۔ اب ان کی چال ڈھال میں بھی ایک عجیب سا غرور پیدا ہو گیا تھا۔ تابش، شائل اور دوسری چنڈال چوکڑی نے عام حالات میں بھی انہیں اسی طرح چلتے پھرتے دیکھا اور انہیں ہنسی دبانا مشکل ہو جاتی۔ ویسے ابھی تک کسی نے عالم پناہ کو چھیڑا نہیں تھا۔ وہ انہیں تمام کام مکمل کر لینے دینا چاہتے تھے جو اس پروگرام میں شامل تھے۔ اس کے بعد عالم پناہ سے تفریح کی جاتی۔

دوسری جانب روکی بیچارہ عجیب و غریب حالات کا شکار ہو جاتا تھا۔ اسے اس دن نہ جانے کتنے گھنٹے وہاں رہنا پڑا تھا۔ وہ ناچ گانا سنتا رہا اور سر دھنتا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر شام ہو گئی۔ روکی نے ان سے بار بار درخواست کی کہ اسے واپس جانے دیا جائے اور یہ کہ شہروز بھائی کہاں ہیں......؟ لیکن وہاں ان لوگوں نے کسی شہروز بھائی کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا تھا وہ کہتے تھے کہ یہاں شہروز نامی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

بہر حال روکی کی جان پر بن آئی تھی۔ شام کی چائے میں اسے کوئی نشہ آور چیز دی گئی اور رات کو جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے بیڈروم میں موجود تھے۔ اس کی کیفیت بھی بہتر نہیں تھی۔ وہ رات بھر جاگتا رہا اور ان تمام حالات کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ دوبارہ شہروز کو تلاش کرنے وہاں جائے۔ دل چاہ رہا تھا کہ گھر والوں سے ہی شہروز کی شکایت کرے، لیکن پھر عجیب و غریب حالات اس کا دماغ الجھا کر رکھ دیتے تھے۔ آخر کیا کہے گا

ان لوگوں سے......؟ کون اس کی باتوں پر یقین کرے گا......؟

دوسرے دن وہ صبح ہی صبح شہروز کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے ہمت کر ڈالی تھی۔ کسی اور سے نہ سہی کم از کم شہروز ہی سے اس سلسلے میں بات کرے۔ سارہ کے لئے وہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا تھا اور اس کی محبت کو کامیاب بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی پہلی کوشش کا نتیجہ جو کچھ ہوا تھا، اس نے روکی کے حوصلے پست کر ڈالے تھے۔ تاہم شہروز کے دروازے پر اس نے دستک دی اور دروازہ کھلا پا کر اندر داخل ہو گیا۔ شہروز ایک مسہری پر دراز آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر روکی کو دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ......آپ کیسے تشریف لائے......؟"

شہروز نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"ہوں......! پوچھ رہے ہو کیسے تشریف لائے......؟"

روکی نے آنکھیں عجیب سے انداز میں مٹکا کر کہا۔

"کیا نام ہے آپ کا......؟"

شہروز نے سوال کیا۔

"اچھا......! اب نام بھی بھول گئے۔ میں روکی ہوں، ارقم الدین روکی، جناب......!"

"خوب......! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟"

"یہ بتاؤ، کل تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا......؟"

"جی......؟"

شہروز نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں کہتا ہوں، وہ لوگ کون تھے......؟"

"روکی صاحب......! کیا آپ نے کوئی افریقی نشہ کیا ہے......؟ یا مقامی طور پر ہی کوئی شراب وراب پی لی ہے......؟"

"دیکھو، میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا شہروز بھائی......! میرے ساتھ ایسی باتیں مت کرو۔"

"میں آپ سے پھر یہ سوال کرتا ہوں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ کل مجھے کہاں لے گئے تھے......؟"

"میں آپ کو لے گیا تھا۔"

"تو پھر......کیا اب اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دو گے......؟"

"بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے باہر جائیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ میں باہر آ کر آپ سے بات کئے لیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس بار یہ نزلہ مجھ پر کیوں گر رہا ہے......؟"

وہ خاموش ہوا اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

’’شہروز بھائی......! میں آپ کا رشتے دار ہوں، کچھ نہ کچھ تو لگتا ہی ہوں آپ کا۔ میرے ساتھ آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ اچھا تو نہیں تھا۔ میں نے تو آپ سے ایک پیار کی تکمیل کی بھیک مانگی تھی۔ میں نے آپ کے سامنے جھولی پھیلائی تھی کہ آپ سارہ کا دامن پیار سے بھر دیں۔ لیکن آپ نے میرا مضحکہ اُڑایا، مجھے ان سسروں کے حوالے کر دیا جو نہ جانے کیا چیز تھے......؟ ارے باپ رے......! کمال کی چیز تھے، وہ عورتیں تھیں یا مرد......؟ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا شہروز بھائی......!‘‘

’’سمجھ تو میں بھی آپ کو نہیں سکا ہوں روکی بھائی......! لیکن میں آپ سے اتنا عرض کر دوں کہ میں ذہن کو اُلجھانے کا قائل نہیں ہوں۔ آپ لوگوں کے معاملات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ براہِ کرم مجھے تنہا چھوڑ دیا کریں۔‘‘

’’ارے ارے......! تم تو واقعی ایسے بن رہے ہو جیسے کل میری اور تمہاری ملاقات ہی نہ ہوئی ہو......؟‘‘

’’میری اور آپ کی ملاقات طویل عرصے سے نہیں ہوئی ہے روکی صاحب......! اور اگر آپ نے میرے سامنے کسی قسم کا کوئی ڈھونگ رچایا تو میں بہت ٹیڑھا آدمی ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے بزرگوں سے یہ بات معلوم کر لیں۔‘‘

’’تعجب کی بات ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا، کوئی میں پاگل تھوڑی ہوں۔‘‘

’’مجھے تو آپ پاگلوں سے بھی بدتر لگتے ہیں۔‘‘

’’دیکھو دیکھو......! میری توہین مت کرو، ورنہ......ورنہ......‘‘

’’ورنہ کیا......؟‘‘

شہروز نے مسکرا کر پوچھا۔

’’ورنہ میں......ورنہ میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔‘‘

’’خیر......! مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے کہ آپ یہ گھر چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔ لیکن میں آپ کے ساتھ زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ پلیز......! گیٹ آؤٹ......!‘‘

شہروز نے کہا اور روکی بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر وہ گردن کھجاتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ روکی نے صورتِ حال بھانپ لی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس نے شہروز کی بات نہ مانی تو شہروز اس کے ساتھ کوئی سلوک بھی کر ڈالے گا۔ لیکن کوئی عقل کی بات تھی۔

’’یہ کیسے ممکن تھا......؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟‘‘

وہ پریشان سا شہروز کے کمرے سے نکل کر اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ تبھی اسے سارہ نظر آ گئی اور وہ سارہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ سارہ مکمل طور پر سنجیدہ اور پُرسکون تھی۔

’’مم......میں تمہارے ساتھ......مم......میرا مطلب ہے، تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

روکی نے کہا۔

’’تشریف لائیے......! اب تو آپ میرے بہت ہی قریبی ساتھی بن گئے ہیں۔‘‘

سارہ نے مسکرا کر کہا اور روکی، سارہ کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

’’جی فرمائیے......!‘‘

’’عجیب واقعہ ہوا ہے، بہت ہی عجیب و غریب......!‘‘

’’کیوں......؟ خیریت......؟ کیا ہوا......؟‘‘

’’مم......میں شہروز سے بات چیت کرنے گیا تھا۔‘‘

’’کب......؟‘‘

’’کل......!‘‘

’’اچھا پھر......؟‘‘

’’وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور پھر ایک ایسی جگہ مجھے پھنسا دیا سارہ......! جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ رات کو میں بے ہوشی کے عالم میں اپنے کمرے میں موجود تھا۔ لیکن ابھی میں نے شہروز سے بات کی تو اس نے انتہائی سختی سے اس بات کی تردید کر دی کہ میری اور اس کی کل کوئی ملاقات ہوئی ہے۔‘‘

’’تمہیں یقین ہے روکی......! کہ کل تم شہروز صاحب سے ملے تھے اور تم نے ان سے بات چیت کی تھی۔‘‘

’’سارہ......! میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں پورے ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہی ہوا تھا۔‘‘

روکی نے کہا۔

’’وہ جگہ کون سی تھی......؟‘‘

’’میں نہیں جانتا، میں یہاں کے تمام علاقوں سے ناواقف ہوں۔ بہت ہی عمدہ عمارت تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس عمارت میں ایسے بیہودہ لوگ مجھے ملیں گے۔‘‘

’’شہروز صاحب......! دوبارہ اس عمارت میں نظر نہیں آئے تھے......؟‘‘

’’نہیں......! بالکل نہیں......!‘‘

’’وہ لوگ کیسے تھے......؟‘‘

’’بس......! وہ مرد تھے لیکن عورتوں کے لباس میں ملبوس تھے۔ وہ گا بجا رہے تھے کمبخت، ایسی بھونڈی آوازیں تھیں ان کی کہ بس فنِ موسیقی کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا انہوں نے۔ وہ ڈھول بجا رہے تھے اور اُچھل کود کر رہے تھے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں سارہ......! کہ میں کن حالات سے گزرا ہوں ان لوگوں کے ساتھ......؟ اور پھر ایک وقت نہیں، مسلسل کئی گھنٹے تک ایک کے بعد ایک جوڑا کھڑا ہو جاتا تھا اور مجھے ان لوگوں نے بولنے تک نہیں دیا تھا۔‘‘

’’تعجب کی بات ہے......! ایسی کسی جگہ سے شہروز صاحب کا کیا تعلق......؟‘‘

سارہ پریشان لہجے میں بولی۔

’’میں خود بھی اتنا ہی پریشان ہوں۔ اب بتاؤ، مجھے کیا کرنا چاہیے......؟‘‘

"کچھ نہیں روکی صاحب......! اب آپ آرام کریں۔ بلاوجہ اس جھگڑے میں پڑ گئے، اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر۔ میرے خیال میں یہ معاملات میں خود سنبھالوں گی۔ آپ مطمئن رہیں۔"

"تم سنبھالو گی......؟ تم......؟"

روکی نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

"ہاں روکی صاحب......! میں اس سلسلے میں آپ کو رازدار نہیں بنا سکتی۔ کچھ ایسی باتیں میرے علم میں آئی ہیں، جن پر مجھے شدید حیرت ہے۔ لیکن زندگی میں پہلی بار میرے دل میں ایک عزم بھی جاگا ہے۔"

سارہ نے کہا۔

"کیسا عزم......؟"

"یہی کہ ان حالات پر مجھے خود قابو پانا ہوگا۔ شہروز کو انسان بنانا اب میری ذمے داری ہے۔ میں حرماں نصیبوں کی طرح آہیں نہیں بھروں گی بلکہ اپنی زندگی بنانے کے لئے عملی اقدامات کروں گی۔"

"مگر وہ اقدامات کیا ہوں گے......؟"

"میں نے کہا ناں، ابھی میرا ذہن خود اس سلسلے میں صاف نہیں ہے۔ دیکھوں گی کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے......؟"

"اونٹ......؟"

روکی نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سارہ مسکرانے لگی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! میری مراد کچھ اور تھی۔ آپ آرام کریں۔"

اور روکی مغموم سے انداز میں گردن ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆......☆......☆

شاز کلب میں شہروز اب باقاعدہ نہیں آتا تھا، لیکن اس کی ممبرشپ برابر جاری تھی۔ جب بھی اسے فرصت ہوتی، وہ اپنی اس پرانی جگہ ضرور پہنچتا۔ آج بھی جب وہ شاز کلب میں داخل ہوا تو بے شمار نگاہیں اس کی جانب اُٹھ گئیں۔ بہت سی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرائیں۔ شاکرہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آہ......! یہ کمبخت جب بھی آتا ہے، سارے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔"

"چراغ......!"

شاکرہ کے نزدیک بیٹھی ہوئی مسز فارعہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہوں......! مسز فارعہ......! آپ کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں......؟"

"بس......! ایک خوب صورت نوجوان ہے، اور اس کے علاوہ کیا خاص بات ہے اس میں......؟"

"یہ آپ کہہ رہی ہیں مسز فارعہ......؟"

شاکرہ نے حیرانی سے کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا......؟"

"مطلب یہ کہ آپ تو اس سلسلے میں خاصی شہرت پا چکی ہیں......؟"

شاکرہ نے قدرِ طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شہرت سے آپ کی کیا مراد ہے شاکرہ......؟ براہِ کرم......! ذرا تفصیلی روشنی ڈالیں۔"

"اوہ سوری......! اگر آپ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں تو پھر یاددہانی آپ کے لئے ناخوش گوار ہوگی۔"

"میں چھچھوری باتوں کو زیادہ پسند نہیں کرتی۔"

مسز فارعہ نے کہا۔

"بہت خوب......! گویا جو چیز انسان کو حاصل نہ ہو اور جہاں وہ ناکامیوں سے دوچار ہو تو پھر اس کا تذکرہ چھچھوری بات ہو جاتی ہے......؟ بہرصورت، میں آپ سے کوئی اختلاف نہیں کرنا چاہتی۔ بس یوں ہی برسبیل تذکرہ بات نکل آئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس طرح چڑ جائیں گی۔"

"پاگل ہوں ناں میں جو چڑ جاؤں گی......؟ تم نے بات ہی بدتمیزی کی کی تھی۔"

"دیکھئے مسز علینہ......! میں ذرا ٹیڑھی قسم کی آدمی ہوں۔ اس وقت تک خیال کرتی ہوں انسان کا، جب تک وہ شرافت کے موڈ میں رہے۔"

"بات میں نے غلط نہیں کہی ہے، جو کچھ سنا ہے آپ کے بارے میں اور جو حالات یہاں موجود تمام لوگوں کو معلوم ہیں، انہی کا تذکرہ نکل آیا تھا، لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے آپ کی ہتک منظور ہوتی۔"

"تم فضول عورت ہو، میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

مسز فارعہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہوگئیں۔ شاکرہ نے اِدھر اُدھر دیکھا، غصہ تو اسے بہت آیا تھا، لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ مسز فارعہ جیسی رنگی سیار عورتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ ویسے سچی بات تو یہ تھی کہ شاکرہ خود بھی شہروز کے چکر میں تھی، لیکن وہ کمبخت کسی کے ہاتھ آنے والی چیز کہاں تھی......؟ بہرصورت شہروز ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ اس کی میز اس کی غیرموجودگی میں بالکل خالی رہتی تھی۔ پھر اس کی نگاہ ایک سمت اُٹھ گئی۔ عالیہ شاہ بیٹھی تھی۔ عالیہ شاہ کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ خاصی نڈھال اور کمزور کمزور سی نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر بھی کچھ تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ یقیناً صعوبتیں اس پر اثرانداز ہوئی تھیں۔ شہروز کے علاوہ اور کون اس کی ان تمام کیفیتوں سے واقف ہوسکتا تھا......؟

شہروز جانتا تھا کہ خانہ بدوشوں میں وہ ایک اعلیٰ زندگی گزار چکی ہے اور اس کے بعد بشیر ڈاکو کے گروہ میں رہی ہے۔ ظاہر ہے، اس کی جو حالت بھی نہ ہوتی، کم تھی۔ بہرحال شہروز اس شاطر عورت سے اب بھی ہوشیار تھا اور کسی بھی طور اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اب وہ مخلص ہوگئی ہوگی۔ ایسی عورتوں سے وہ بخوبی واقفیت رکھتا تھا۔ البتہ شاہان کی شخصیت اسے پسند آئی تھی۔ اسے علم ہوگیا تھا کہ عالیہ شاہ نے شاہان کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کی تھی اور وہ

بیچارہ بھی اس کے ساتھ ہی عتاب کا شکار ہوا تھا۔ ورنہ دوسرے انداز میں وہ بہتر انسان تھا اور شہروز اس کے بارے میں کئی باتیں سن چکا تھا۔

ایک ویٹر کو اشارہ کر کے اس نے اپنے لئے کافی منگوائی اور کافی آنے کے بعد اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔ پھر اس نے کلب کے ہال میں ایک شخص کو دیکھا جو ایک خوب صورت لباس میں ملبوس کلب میں داخل ہوا تھا۔ یہ شخصیت شہروز کی جانی پہچانی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ کبھی ان میں باقاعدہ تعارف نہیں ہوا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے، لیکن شہروز نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ شخص اسی کی جانب آ رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شہروز پُراطمینان نگاہوں سے اس شخص کو دیکھتا رہا اور وہ شخص اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

''مسٹر شہروز......!''

اس نے تھوڑا سا جھک کر کہا۔

''جی......!''

''میرا نام ساجد عسکری ہے۔''

''جی......!''

شہروز پھر اسی انداز میں بولا۔

''آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔''

''تشریف رکھئے......!''

شہروز آہستہ سے بولا اور عسکری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''بدقسمتی سے میرا تعلق پولیس سے ہے اور اگر کوئی پولیس افسر کسی سے خصوصی تعارف حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اس کا کچھ مطلب ہوتا ہے۔''

عسکری نے کہا۔

''ویٹر......!''

شہروز نے ویٹر کو آواز دی اور ویٹر قریب آ گیا۔

''شکریہ......! میں کچھ نہیں پیوں گا۔''

ساجد نے کہا، لیکن شہروز نے اس کی بات پر غور نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنے لئے کچھ اور چیزیں طلب کی تھیں۔ اس بداخلاقی پر عسکری نے بڑی سبکی محسوس کی تھی، لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''یوں لگتا ہے جیسے آپ بھی مجھ سے واقف ہیں مسٹر شہروز......! کیا میرا خیال درست ہے......؟''

عسکری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ تعجب خیز بات ہے......؟''

''نہیں......! بس یہ مجھے اپنی عزت افزائی محسوس ہوتی ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر کے بعد

ہمارے یہ تعلقات خوش گوار نہ رہ سکیں گے۔''

''آپ کسی خاص مقصد کے تحت میرے پاس آئے ہیں......؟''

''ہاں......!''

''بہتر یہ ہے کہ اس موضوع پر بات کریں اور اس کے بعد آپ میرے دوستوں کو موقع دیں۔''

''اوہ......! ضرور......! میں خود دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے حسین چہرے آپ کی طرف متوجہ ہیں۔''

''آفیسر......! میں زیادہ بااخلاق انسان نہیں ہوں۔''

شہروز نے کسی قدر ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''ہاں......! ٹھیک ہے......! ویسے لوگ میرے بارے میں بھی زیادہ اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میں جس کے پیچھے پڑ جاتا ہوں، اس کے لئے خاصی مشکلات پیدا کر دیتا ہوں۔ آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہو مسٹر شہروز......! کہ میں آپ کی دوسری شخصیت سے بھی واقف ہو چکا ہوں۔''

''صرف دوسری......!''

اس کے ہونٹوں پر اچانک مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ایک اچھے پولیس آفیسر کی حیثیت سے تو آپ کو میری تمام شخصیتوں سے واقف ہونا چاہئے تھا۔''

''ہو جاؤں گا۔''

عسکری نے کہا۔

''بات وہیں کی وہیں ہے۔''

''آپ گل زادی کے نام سے بھی ایک خاص حلقے میں روشناس ہیں۔''

''تاجے اور بندو کے نام سے بھی جانا جاتا ہوں۔''

شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فی الحال میں صرف گل زادی کی بات کروں گا۔ گل زادی جو ایک بلیک میلر ہے۔''

عسکری نے کہا۔

''چلیں بات کریں۔''

''کیا یہ بات درست ہے......؟''

عسکری نے پوچھا۔

''آپ تحقیقات کرنے آئے ہیں۔''

شہروز نے پوچھا۔

''یہی سمجھو......!''

''یہ کلب ہے اور آپ وردی میں نہیں ہیں، ممکن ہے آپ فراڈ ہوں اور جھوٹ بول رہے ہوں اس بارے

میں۔"

"ثبوت کے طور پر میں ابھی چند لوگوں کو طلب کروں گا اور انہیں ہدایت دوں گا کہ وہ آپ کو گرفتار کرلیں اور لے جا کر لاک اَپ میں بند کردیں۔ اس کے بعد میں ایک مصروف آدمی ہوں، نہ جانے کتنے دن کے بعد آپ سے ملاقات کروں۔"

"کیا واقعی آپ ایسا کر سکتے ہیں......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"سو فیصدی......! میرے لئے یہ مشکل نہیں ہے۔"

"تو مسٹر عسکری......! اس کے بعد آپ تین دن سے زیادہ نوکری قائم نہ رکھ سکیں گے، معطل ہو جائیں گے، اور اس کے بعد آپ کی زندگی میں ایک نئی کہانی شروع ہو جائے گی، ایک بالکل انوکھی کہانی......! اور آپ زندگی بھر یہ کوشش کرتے رہیں گے کہ میں کسی طور آپ کو معاف کردوں۔"

عسکری کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ چند لمحات وہ شہروز کو گھورتا رہا، پھر بولا۔

"میں آپ کا یہ چیلنج ضرور قبول کر لیتا مسٹر شہروز......! لیکن گفتگو دوسرا رُخ اختیار کر گئی ہے۔ یہ کام ہوگا، لیکن ابھی نہیں۔ میں آپ کے لئے ایک مضبوط جال تیار کروں گا اور پھر ہم فیصلہ کرلیں گے آپس میں۔"

"تو اس وقت آپ یہاں کیوں آئے ہیں......؟"

"صرف آپ سے ملاقات کرنے، آپ کو بتانے کہ گل زادی کا اچھا وقت شروع ہو چکا ہے۔ میں نے سیٹھ ہمدانی کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

"اوہ......! ہمدانی......؟ اس نے آپ کو میری طرف متوجہ کیا ہے......؟"

"یہ پوشیدہ بات ہے۔"

"بہر حال، میں آپ کو اپنے خلاف تحقیقات کرنے سے منع نہیں کروں گا۔ لیکن آفیسر......! آپ شدید مشکلات میں پھنسنے والے ہیں۔"

"دیکھوں گا نوجوان......! بچے ہو ابھی، میرا نام عسکری ہے۔ یاد رکھنا اس بات کو۔"

شہروز آہستہ سے ہنس پڑا۔ عسکری اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر وہ ہال میں نہیں رُکا۔ شہروز پُرسکون نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک خوب صورت لائٹر نکال لیا۔ اس کے ساتھ سگریٹ کا پیکٹ بھی تھا لیکن اس نے سگریٹ نہیں نکالا تھا بلکہ صرف لائٹر کو میز پر رکھ لیا اور اس کے ایک بٹن کو دبا دیا۔ چند لمحات وہ اسی طرح دیکھتا رہا، پھر اس بٹن کو دبا کر دوسرا بٹن آن کردیا۔ دفعتہً لائٹر سے ایک آواز بلند ہونے لگی۔ یہ عسکری کی آواز تھی جو کچھ گفتگو ان کے درمیان ہوئی تھی، وہ اس لائٹر نما ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ ہو گئی تھی۔ شہروز نے دو تین بار اس ریکارڈ کو سنا اور پھر لائٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ وہ کافی مسرور نظر آ رہا تھا۔ دفعتہً اس کی نگاہ عالیہ شاہ کی طرف اُٹھ گئی۔ عالیہ شاہ اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ شہروز نے اسے اشارہ کیا اور

عالیہ شاہ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ چند لمحات کے بعد وہ اس کے پاس تھی۔

"بیٹھئے عالیہ شاہ......!"

شہروز نرم لہجے میں بولا۔

"شکریہ جناب......!"

"کیسی ہیں آپ......؟"

"ٹھیک ہوں......!"

"آبادیوں سے دُوران غیر مہذب بنجاروں کے درمیان کی زندگی کیسی پائی ہے آپ نے......؟"

"اس موضوع پر گفتگو غیر ضروری ہے۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"اگر آپ پسند نہیں کرتیں تو ٹھیک ہے......! میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"

"میرا مضحکہ اُڑاؤ گے۔"

"معاف کر چکا ہوں اس لئے نہیں۔"

شہروز نے جواب دیا۔

"اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ سچ بات بتاؤں، اس کی زندگی نے دل میں ایک ہوک سی پیدا کر دی ہے۔"

"کیسی ہوک......؟"

"بس شہروز......! کیا بتاؤں تمہیں اپنے بارے میں......؟ ذہنی طور پر بھٹکی ہوئی ایک ناکارہ سی شخصیت ہوں۔ صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں تم سے۔"

عالیہ شاہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"کہو......؟"

"ہار مان لی ہے میں نے شہروز......! آخری بار بھروسہ کرلو۔ اپنا اعتماد دے دو۔ تنہا ہوں اس دُنیا میں اور اس کا یقین کر چکی ہوں کہ کچھ نہیں ہوں۔"

"یہ صرف وقتی اثر ہے عالیہ شاہ......! تھوڑے دن کے بعد پھر بھٹک جاؤ گی اور گل زادی کے قتل کی سازشیں کرتی پھرو گی۔"

عالیہ شاہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر گردن جھکا کر بولی۔

"اور کوئی ذریعہ نہیں ہے تمہیں اعتماد دلانے کا......؟"

"میرے خلاف کیوں تھیں......؟"

"ضد تھی۔ بس......! میں بری نہیں تھی، مجبوریاں برائی کے راستوں پر لائی تھیں اور جب بری بنی تو بہت

بری بن گئی۔ شرافت کے تمام راستے چھوڑ دیئے۔ سوچا کہ اب بہت بری ہوں اور بہت بڑی ہوں، اور جب یہ بڑائی مجروح ہوئی تو تمہاری دشمن بن گئی۔ بار بار تمہارے سامنے بے بس ہوئی اور احساس ہوا کہ اتنی بڑی نہیں جتنی سمجھتی رہی ہوں۔ میں ہار مان چکی ہوں شہروز......! کچھ بھی نہیں ہوں، اب وہیں ہوں جہاں سے ابتداء کی تھی۔"

عالیہ شاہ کی آواز بھرا گئی۔

"کوئی کردار نہیں ہے میرا۔ ان فاحشاؤں کی مانند ہوں جن پر عورت پن کی چھاپ مذاق لگتی ہے۔ جو شرماتی ہیں تو ہنسی آتی ہے کہ شرم سے ان کا کیا تعلق......؟ جن کی آنکھوں میں کہیں سے بھولی بھٹکی محبت چلی آتی ہے، تو بے اختیار جیبوں پر ہاتھ پہنچ جاتے ہیں کہ کہیں نگاہوں سے جیب نہ کتر لیں......؟ کیا کروں گل زادی......؟ بتاؤ......! کیا کروں میں......؟ بزدل ہوں، مر نہیں سکتی۔ کیسے جیوں......؟"

"بہت جذباتی ہو رہی ہو عالیہ شاہ......! اس ماحول میں خود کو سنبھالو۔"

"کہاں تک سنبھالوں شہروز......؟ تم نے مجھ سے میری برائی بھی چھین لی۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں، کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"اس دُنیا میں کوئی کچھ نہیں ہے عالیہ شاہ......! خود کو کچھ بھی سمجھ لو، درحقیقت کچھ بھی نہیں ہو۔ آؤ اُٹھیں یہاں سے، آؤ......!"

شہروز نے کہا اور عالیہ شاہ خاموشی سے اُٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد شہروز کی کار برق رفتاری سے ساحل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی اور عالیہ شاہ کو اس کا یہ روپ بھی عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔ ساحل پر شہروز نے گاڑی روک دی دونوں نیچے اُتر آئے تھے اور عالیہ شاہ اس کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔

"کیا بننا چاہتی ہو......؟"

طویل خاموشی کے بعد شہروز نے پوچھا۔

"میں سمجھی نہیں......!"

"میں نے پوچھا ہے کہ تم کیا بننا چاہتی ہو......؟"

"کچھ نہیں......! اب کچھ بھی نہیں۔ سارے دروازے بند کر چکی ہوں۔ اب تو صرف ایک خواہش ہے دل میں، نہ پوری ہوئی تو جان دے دوں گی، اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"کیا خواہش ہے......؟"

"تم آخری بار مجھے خلوصِ دل سے معاف کر دو۔ اپنے ہم رازوں میں، اپنے خاص ساتھیوں میں شامل کر لو۔ میں تمہارا دوسرا حصہ بن جاؤں، بس جو کچھ ہو چکا ہے، اسے فراموش کر دو، میں بڑی نہیں ہوں، ایک بڑے کا ساتھی بننا چاہتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اب میری تشنہ خواہشات اسی طرح پوری ہوں گی۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ میرا یقین کرو شہروز......!"

"ٹھیک ہے عالیہ شاہ......! میں نے تمہارے سچ کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن آخری بار......! اس کے بعد اگر تم نے مجھے کوئی دھوکہ دیا تو میں تمہیں اذیت سے قتل کر دوں گا۔ میں تمہیں اس طرح ماروں گا عالیہ شاہ......! کہ موت بھی کانپ جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے......!"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"چلو چھوڑو اب ان باتوں کو۔ کیا اب تم مطمئن ہو......؟"

"بہت زیادہ......!"

"ابھی ایک پولیس افسر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔"

"ہاں......! میں اسے جانتی ہوں۔"

"گڈ......! کب سے......؟"

"طویل عرصے سے۔"

"وہ خود بھی تمہیں جانتا ہے......؟"

"نہیں......!"

"یہ عمدہ بات ہے۔ بہرحال یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی پولیس آفیسر اس طرح میرے پاس پہنچا ہے۔ اس نے مجھے سیٹھ ہمدانی کا حوالہ دیا ہے، لیکن سیٹھ ہمدانی پہلے ہی مجھے فون کر کے اس کے بارے میں ہدایات دے چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی ڈور کہیں اور سے ہلائی جا رہی ہے۔ کوئی اور اس کی پشت پر موجود ہے۔"

"ممکن ہے شہروز......!"

عالیہ شاہ نے کہا۔

"اس کے بارے میں پتا لگانا پڑے گا۔ اسے مٹھی میں لینا بہت ضروری ہے۔"

شہروز پُرخیال انداز میں بولا۔

"آ جائے گا شہروز......! اس کی فکر مت کرو۔"

"کیا مطلب......؟"

"بہت جلد ایک آدھ دن میں، میں کچھ کام کروں گی۔ یہ شخص تمہارے لئے مشکل نہیں بنے گا۔"

"کوئی خاص خیال ہے ذہن میں......؟"

"ہاں......!"

"بتاؤ گی نہیں......؟"

"اس کی ایک دُکھتی رگ میں جانتی ہوں، شائنا نام ہے اس کا، وہ میری گہری دوست ہے اور اس کی مالک۔ یہ اپنی زندگی کا تمام حساب کتاب اس کے پاس رکھتا ہے اور شائنا مجھے وہ سارے کھاتے دکھائے گی۔"

''ویری گڈ عالیہ شاہ......! تو کیا آج ہی......؟''

''ہاں......! آج ہی۔''

''مگر اس کا مجھ تک پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے کچھ اعتراضات بھی ہیں شہروز......!''

''کیسے اعتراضات......؟''

''تمہاری اپنی ایک حیثیت ہے، تم نے اپنا ایک مقام بنایا ہے۔ بے شک تم بہت ذہین ہو، اعلیٰ مقام رکھتے ہو، تمہارے ہاتھ اتنی دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی وسعتوں کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن یقین کرو شہروز......! ایک بات میں نے بارہا تمہارے بارے میں سوچی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''تم نے اپنا نام بدلا ہے، اپنی شخصیت پوشیدہ نہیں رکھی۔ جبکہ یہ نہ صرف تمہارے اپنے لئے بلکہ تمہارے اہل خاندان کے لئے بھی شدید نقصان دہ ہوسکتی ہے۔''

''وہ کس طرح......؟''

شہروز نے پوچھا۔

''کچھ لوگ گل زادی کا شکار ہوکر شہروز کے گھر پر حملہ کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ شہروز اور گل زادی ایک ہی ہیں۔''

شہروز کسی گہری سوچ میں گم ہوگیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت معمولی سی بات ہے، بہت ہی معمولی......!''

''کیوں......؟''

''کوئی ساری زندگی یہ ثابت نہ کرسکے گا کہ گل زادی اور شہروز ایک ہی ہیں۔ کبھی نہ ثابت کرسکے گا۔''

''وہ کیسے......؟''

''یہی تو گل زادی کا کھیل ہوگا۔ تمہاری اس نشاندہی کا شکریہ......! اچھی بات بتائی ہے، لیکن سمجھ لو کہ ایسا کبھی نہ ہوسکے گا۔ اس سلسلے میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''تم ضرور کچھ کرلو، مجھے یقین ہے۔ لیکن مجھے بتاؤ شہروز......! کہ آخر تم ہو کیا......؟ میں تمہارے بارے میں ہمیشہ اُلجھن میں رہوں گی، کبھی کچھ نہ جان سکوں گی تمہارے بارے میں۔ کچھ تو بتاؤ شہروز......!''

''کیا پوچھنا چاہتی ہو......؟''

''تم گل زادی کیوں ہو......؟''

''اس لئے کہ میں گل زادی نہیں ہوں، اس لئے کہ میں شہروز نہیں ہوں، اس لئے کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ اس کائنات میں میرا تیسرا نمبر ہے۔ نہ میں مکمل مرد ہوں اور نہ مکمل عورت ہوں۔ ان دونوں صفتوں میں سے میری صفت

کچھ نہیں ہے۔ تو پھر میں کیا ہوں......؟ بتاؤ مجھے......! میری ماں مجھے نہیں بتا سکی، میرا باپ مجھے نہیں بتا سکا اور لاتعداد ڈاکٹر نہیں بتا سکے۔ پھر کون بتائے گا......؟ تو پھر میں خود کو کیا سمجھوں......؟ میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں، میں خود کو جانتا ہوں کہ میں ایک قوی ہیکل مرد ہوں، ایک خوش شکل عورت ہوں۔ میں اپنے آپ کو آزماتا ہوں تو خود کو مکمل پاتا ہوں۔ تو پھر میں نامکمل کیوں ہوں......؟ جواب دو میری ہمدرد......! میں مکمل ہوکر نامکمل کیوں ہوں......؟ میں اس فلسفے کو جھٹلاتا ہوں۔ کائنات میں، سماج میں، انسانوں میں میرا کوئی مقام نہیں ہے، تو میں نے خود اپنا مقام بنایا ہے، میں نے خود کو منوایا ہے۔ میں بہت کچھ ہوں، بہت کچھ، اور یہی میری اَنا ہے، اسی میں میری زندگی ہے۔''

عالیہ شاہ عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے کہا۔

''ڈاکٹروں سے رجوع ہونے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا......؟''

''نہیں عالیہ شاہ......! تم نے میرے بارے میں جان لیا ہے، اس کے بعد میرے سلسلے میں سلسلۂ گفتگو ختم کرو۔ آؤ، واپس چلیں......!''

''اوکے......!''

عالیہ شاہ نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے تھے۔

''کہاں جاؤ گی......؟''

''میری کار کلب کے باہر ہی ہے، اس لئے مجھے تم وہیں اُتار دو۔''

کار کلب تک پہنچ گئی تھی، پھر عالیہ شاہ نے کار سے اُترتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کس نمبر پر فون کروں......؟''

اور شہروز نے اسے ایک لینڈ لائن نمبر دے دیا۔ اس کے بعد اس نے کار آگے بڑھادی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار ایک اجنبی عمارت میں داخل ہوگئی تھی۔ یہاں کچھ لوگ موجود تھے جو شہروز کے سامنے مؤدب نظر آرہے تھے۔ شہروز ایک کمرے میں داخل ہوگیا۔ یہ ایک آرام دہ خواب گاہ تھی جس میں ضروریاتِ زندگی کے تمام لوازمات موجود تھے۔ شہروز جوتے وغیرہ اُتار کر مسہری پر دراز ہوگیا اور پھر وقت گزرتا رہا۔ تقریباً گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی تھی اور شہروز نے ریسیور اُٹھالیا۔

''ہیلو......!''

''عالیہ شاہ بول رہی ہوں۔''

''کیا کام ہوگیا عالیہ شاہ......؟''

''ہاں شہروز......! بہت شاندار کام ہوگیا ہے۔ ایسا کہ تم سنو گے تو خوش ہوجاؤ گے۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور شہروز دلچسپی سے دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ کی زبانی تھوڑی دیر تک تفصیل سننے کے بعد شہروز نے کہا۔

''بس......! باقی گفتگو سامنے بیٹھ کر ہوگی۔ کوئی ضروری مصروفیت ہے تمہیں......؟''

''نہیں جناب......! میں آپ کی خادمہ ہوں۔ آپ حکم دیں......!''

عالیہ شاہ کی آواز اُبھری اور شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا بات ہے عالیہ شاہ......؟ ضرورت سے زیادہ مہذب ہوتی جارہی ہو......؟''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف چند لمحات خاموشی چھائی رہی، پھر عالیہ شاہ کی آواز سنائی دی۔

''اس بات کو جانے دو شہروز......!''

''خیر......! آجاؤ۔ بالمشافہ بات چیت ہوگی۔''

''کہاں پہنچوں......؟''

''اٹھارہ گرین لینڈ......! دیکھا ہے یہ علاقہ......؟''

''بہت اچھی طرح......! آرہی ہوں، اٹھارہ بتایا ہے ناں......؟''

''ہاں......!''

''اوکے......! میں پہنچ رہی ہوں۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ شہروز بھی فون بند کر کے عالیہ شاہ کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے نزدیک رکھے انٹر کام کا بٹن آن کیا اور دوسری طرف سے آواز اُبھری۔

''یس سر......!''

''عالیہ شاہ آرہی ہے، اسے احترام سے میرے پاس پہنچا دو۔''

''بہت بہتر جناب......!''

دوسری طرف سے جواب ملا اور شہروز انٹر کام کا بٹن آف کر کے پھر اسی انداز میں کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس وقت تک مکمل خاموشی طاری رہی جب تک عالیہ شاہ وہاں نہ پہنچ گئی۔ اندر داخل ہوئی تو حیران حیران سی تھی۔ شہروز کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کسی قدر شگفتگی نظر آئی۔

''ہیلو......! عالیہ شاہ......!''

''ہیلو......!''

عالیہ شاہ نے جواباً کہا۔ شہروز نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور عالیہ شاہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی پھر آہستگی سے بولی۔

''یہ عمارت......شہروز......! یہ عمارت......؟''

''کیوں......؟ کوئی خاص بات ہے......؟''

''ایک یاد......! تقریباً سات سال قبل کی بات ہے، مجھے اس عمارت میں لایا گیا تھا۔''

''سات سال قبل یہ میرے پاس نہیں تھی۔''

''تو کیا اب یہ تمہاری ملکیت ہے......؟''

''ہاں......! کیا پیئو گی......؟''

''اگر مل سکے تو کافی پلا دو......! اس عمارت میں دوبارہ داخل ہو کر ایک عجیب سی ذہنی تھکن کا شکار ہوگئی ہوں۔ شہروز نے نزدیکی بٹن دبایا اور کافی کے لئے کہہ دیا۔

''تمہاری گفتگو بڑی تجسس آمیز تھی، میں نے سوچا فون نہ استعمال کیا جائے۔''

شہروز نے فوراً گفتگو کا آغاز کر دیا۔

''ہاں......! عسکری کے بارے میں، میں نے شائنا سے بہت کچھ معلوم کیا ہے۔''

''ذرا اس شائنا کی تفصیل معلوم ہو جائے۔''

''اپنے قبیلے کی عورت ہے، میرا مطلب ہے، میری اس وقت کی ساتھی جب ہم ایک اتھ شکار کر کے نکلتے تھے اور ایک ساتھ اسے حلال کرتے تھے۔ میں نے زندگی کا رُخ بدلا تو اس نے بھی بدل دیا، لیکن طویل عرصہ تک ہم دونوں کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔''

''خوب......پھر......؟''

''بس اچانک ملاقات ہوگئی، لیکن وہ میرے راستوں پر نہیں چل سکی۔ مجھ میں اور اس میں فرق تھا۔''

''یعنی بلیک میلنگ......؟''

''ہاں شہروز......! میری ذہنی کیفیت مختلف تھی۔''

''عسکری سے اس کا کیا تعلق ہے......؟''

''بس......! داشتہ ہے اس کی لیکن عسکری کی زندگی اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ شراب کے سرور میں ڈوب کر وہ شائنا کو یاد کرتا ہے اور اپنی ساری کیفیات اس کے سامنے عریاں کر دیتا ہے۔''

''ویری گڈ......! بہر حال، تم نے کیا معلومات حاصل کیں......؟''

''عسکری کے بارے میں......؟''

''ہاں......!''

''بہت شاندار شہروز......! تم نوٹ کرو۔''

عالیہ شاہ نے کہا اور پھر دھیمی آواز میں شہروز کو کچھ بتانے لگی۔ شہروز کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک نمایاں تھی۔ پھر جب عالیہ شاہ خاموش ہوگئی تو اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''بلاشبہ عمدہ معلومات ہیں، لیکن میں حیران ہوں۔''

''کس بات پر......؟''

"شائنا سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ......"

"نہیں شہروز......! یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر یہ معلومات......؟"

"وہ میرے چنگل میں ہے۔ عسکری اسے ایک دوسری حیثیت سے جانتا ہے۔ ایک نوابی خاندان کی لڑکی جو ناقدریٔ زمانہ کے ساتھ رُلتی ہوئی بالآخر اس منزل تک پہنچ گئی۔ عسکری نے اسے بڑا سہارا دیا ہے، سوائے اس سے شادی کرنے کے۔"

"اوہ......!"

شہروز مسکرا پڑا۔

"گویا وہ تمہاری شکار ہے......؟"

"نہیں......! پرانے رشتوں کے تحت میں نے اس سے کبھی کوئی سودے بازی نہیں کی۔ وہ خود ہی مجھے تحائف بجھواتی رہتی ہے۔"

"اس نے آسانی سے زبان کھول دی......؟"

"عسکری کے بارے میں......؟"

"ہاں......!"

"نہیں......! آسانی سے نہیں، میں نے پہلے ذہانت سے اور پھر جبر سے کام لیا۔ لیکن اسے بددل نہیں ہونے دیا۔"

"وہ عسکری کو آگاہ تو نہیں کرے گی......؟"

"ہرگز نہیں......! کیونکہ اس کے بعد اس کی زندگی بھی عذاب بن جائے گی۔"

عالیہ شاہ نے کہا اور شہروز ہنس دیا۔ کافی آ گئی تھی، انہوں نے کافی کی دو دو پیالیاں معدے میں اُتاریں، پھر شہروز نے کہا۔

"شکریہ عالیہ شاہ......! تمہاری فراہم کردہ معلومات قیمتی ہیں۔ آرام کرو، میں بھی اب جاؤں گا۔"

اور عالیہ شاہ اُٹھ گئی۔ شہروز اسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

☆......☆......☆

عالم پناہ کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ پہلے بھی کلاسیکل قسم کے لباس استعمال کرتے تھے۔ اب یہ لباس کچھ اور کلاسیکل ہو گئے تھے۔ مغلیہ تاریخ کھنگالی جا رہی تھی اور اس میں سے اہم نکات نوٹ کئے جا رہے تھے۔ بزرگوں کو ابھی تک اس نئی واردات کی اطلاع نہیں ملی تھی، لیکن بہرحال وہ ان دونوں کی نگرانی ضرور کرتے تھے۔ خاص طور سے احتشام حسن صاحب۔ ویسے بھی اب ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ احتشام صاحب آخری

فیصلہ کر چکے تھے کہ اب واپس افریقہ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ ان دنوں وہ کاروبار کے بارے میں غور کر رہے تھے اور بہت سے معاملات ان کے سامنے تھے۔ ایک بات انہوں نے نواب فاروق حسن سے اس بارے میں مفصل گفتگو کی تھی۔ کوٹھی کی اوپری منزل کے مخصوص کھلے ہوئے حصے میں دونوں بھائی بیٹھ گئے۔ احتشام حسن کی شکل دیکھ کر فاروق صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص ہی بات ہے تمہارے ذہن میں، ورنہ اتنی رات گئے تک جاگنا کیا معنی رکھتا ہے......؟"

"پورا چاند مجھے ہمیشہ سے پسند ہے بھائی جان......! بس اسی لئے نکل آیا ہوں۔ پھر محسوس کیا کہ آپ بھی جاگ رہے ہیں۔"

"ہاں......! بس نیند نہیں آئی تھی۔"

"کوئی خاص بات تو نہیں......؟"

"بالکل نہیں......! بھئی......! خدا کا شکر ہے۔"

"میرے ذہن میں کچھ تھا۔"

احتشام حسن نے کہا۔

"ہاں ہاں......! کہو......! کیا بات ہے......؟"

نواب فاروق حسن نے ہمہ تن گوش ہو کر کہا۔

"میرے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے......؟ کافی عرصہ گزر چکا ہے مجھے آئے ہوئے۔"

"ہوں......! میں سمجھ رہا ہوں۔ معاشی اُلجھن سوار ہے ذہن پر......؟"

فاروق حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے بغیر رہ نہیں سکتا بھائی صاحب......! اور پھر کوئی مناسب قدم اُٹھا کر ان لوگوں کو بھی یہاں بلا لوں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں، وہ اُلجھن میں ہوں گے۔"

"بولو......کیا سوچا ہے......؟ اور مجھ سے کیا چاہتے ہو......؟"

"کوئی مناسب مشورہ......!"

"بھئی......! کاروبار میرا ابھی کافی پھیلا ہوا ہے، کئی فیکٹریاں ہیں، دو ملیں ہیں، ایکسپورٹ بھی خوب ہو رہی ہے۔ اگر کوئی جمی جمائی چیز چاہتے ہو تو ان سے جو چاہو لے لو۔ اگر نئے سرے سے کچھ کرنے کے خواہش مند ہو تو......"

"کارپٹ فیکٹری آپ میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ میں فی الحال اس انڈسٹری کو آگے بڑھاؤں گا۔"

"تمہاری ہوئی اور بولو......!"

"یہ برابر والی کوٹھی بھی خریدنا چاہتا ہوں۔"

"کون سی......؟"

"بائیں سمت والی۔"

"اوہو......! ہوہو......! بڑی خوف ناک بات کہہ ڈالی۔"

نواب فاروق حسن ہنس پڑے تھے۔

"کیوں......؟"

"وہ کھٹکنے نواب کی حیثیت سے مشہور ہے، پتانہیں کس ریاست کے نواب رہ چکے ہیں......؟ اس بارے میں وہ کسی کو بتانا پسند نہیں کرتے۔ لیکن ہیں پکے نواب۔ دولت بھی خوب ہے، بہت سے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، بڑے سخت گیر کہلاتے ہیں۔ میرے خیال میں کوٹھی کی خرید وفروخت کے ذکر پر دو چار گولیاں ضرور چلائیں گے۔ خواہ ہوائی فائر ہی کرنے پڑیں۔"

نواب فاروق حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم انہیں منہ مانگی قیمت دیں گے۔"

"مشکل ہے احتشام......! وہ کسی طور تیار نہ ہوگا۔"

"خیر......! دیکھا جائے گا۔ مجھے یہ عمارت بہت پسند ہے، اس لئے کہہ رہا تھا۔ بہرحال بھائی جان......! اب باقی زندگی آپ کے قدموں میں گزارنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں آپ کو میری پوری پوری مدد کرنی ہوگی۔"

"خلوصِ دل سے، یہ کوئی کہنے کی بات ہے......؟ انشاءاللہ......! جس طرح تم چاہو گے، اسی طرح سب کچھ ہوتا رہے گا۔"

"بہت بہت شکریہ......! آپ نے میری اُلجھن دُور کردی۔"

"اُلجھن کیوں تھی......؟"

"بس......! میں سوچ رہا تھا کہ کہیں میری اس بات پر آپ ناراض نہ ہوں۔"

"تم اپنی تسلی کے لئے جو دل چاہے کہتے اور کرتے رہو، لیکن اب میں ہی تمہیں کہاں چھوڑنے والا ہوں......؟ رات اچھی خاصی گزر چکی ہے، اپنے ذہن کو خالی کر کے سکون کی نیند سو جاؤ۔"

"بہتر ہے......!"

احتشام صاحب اُٹھ گئے۔ فاروق حسن بھی ان کے ساتھ ہی نیچے آئے تھے۔ دفعتہً ان کی نگاہ بائیں باغ کے ایک گوشے کی طرف اُٹھ گئی اور دونوں چونک پڑے۔ وہاں کوئی تھا۔ احتشام حسن نے بڑے بھائی کا بازو دبایا۔

"میں دیکھ چکا ہوں۔"

فاروق حسن سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"کون ہوسکتا ہے......؟"

"خدا جانے ممکن ہے کوئی چور وغیرہ ہو۔ آؤ، میں رائفل لے لوں، خالی ہاتھ جانا ٹھیک نہیں۔"

فاروق حسن نے کہا۔

"میں یہاں اس کی نگرانی کررہا ہوں، آپ جلدی واپس آجائیں۔"

احتشام حسن نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں بھائی دبے پاؤں بائیں باغ کے اس گوشے کی جانب چل پڑے جہاں وہ سایہ اب بھی موجود تھا۔ دونوں اس سایے کے سر پر پہنچ گئے۔ پھر نواب فاروق حسن نے رائفل کی نال اس کے سینے پر رکھ دی اور احتشام حسن نے اسے روشنی کے دائرے میں لے لیا۔ رائفل کے ساتھ فاروق حسن ٹارچ بھی اُٹھا لائے تھے۔

"علی......!"

احتشام حسن کے منہ سے نکلا۔

"گستاخی......؟ یہ کون بدتمیز ہے نور جہاں......؟"

عالم پناہ کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ عجیب حلیہ بنا ہوا تھا، قدیم مغل شہزادوں کے لباس میں ملبوس تھے، گلے میں موتیوں کے ہار پڑے ہوئے تھے، ہاتھ میں گلاب کا پھول، سر پر عجیب وضع کی پگڑی جو نہ جانے کہاں سے حاصل کی گئی تھی......؟

"نور جہاں......! یہ کون گستاخ ہے......؟ میں کہتا ہوں، روشنی آنکھوں سے ہٹاؤ۔ نور جہاں......! یہ کون گستاخ ہے......؟ میں کہتا ہوں، تمہیں اپنی موت کا خوف نہیں ہے......؟"

احتشام حسن نے ٹارچ کا رُخ چاروں طرف گھما کر پھر چاروں طرف دیکھا، لیکن قرب وجوار میں کوئی نہ تھا۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر علی کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے ارے......! ہائیں......؟ کک......کیا ہورہا ہے......؟ کیا ہورہا ہے آخر......؟ مم......میں کہتا ہوں یہ کیا ہورہا ہے......؟ کک......کون ہو تم لوگ......؟ ارے......! پھپ......پھو......پھا......جان......پھوپھا جان......! آپ......؟"

"کیا کررہے ہو یہاں......؟"

احتشام حسن نے سرد لہجے میں پوچھا۔ عالم پناہ احمقوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"پھپ......پھوپھا جان......! میں......"

"اور کون تھا یہاں......؟"

"نن......نور جہاں......! مم......میرا مطلب ہے، کوئی نہیں......!"

"اندر چلو......!"

احتشام حسن نے ان کے گریبان کو جھٹکا دیا اور عالم پناہ سرپٹ ہوگئے۔ اس معمولی سے دھکے سے وہ اتنی زور سے دوڑے کہ پھر ان کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔ احتشام حسن نے پریشانی سے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہے تھے۔ پھر وہ

گہری سانس لے کر بولے۔
"میرا خیال ہے، یہ دونوں مکمل طور سے پاگل ہو گئے ہیں۔"
"کمال کے ہیں دونوں......!"
"ان کی طرف سے پریشان ہوں بھائی جان......! دونوں میری ہی ذمے داری ہیں۔ آخر کیا کروں ان کا......؟"
"میرا خیال ہے، دونوں پر کوئی ذمے داری ڈال دو، خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔"
احتشام حسن پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے، پھر بولے۔
"یہ اس پُرنور جہاں کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔ میرے خیال میں تو یہاں اور کوئی نہیں تھا۔"
"کسی درخت کو نور جہاں کا نام دے دیا ہوگا۔"
فاروق حسن نے ہنستے ہوئے کہا۔
"بہرحال میں سنجیدگی سے ان دونوں کے بارے میں سوچوں گا۔ سنبھالنا ہے، انہیں ورنہ کوئی اور پریشانی نہ اُٹھ کھڑی ہو۔"
احتشام حسن بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ وہ درحقیقت ان دونوں کے بارے میں پریشان تھے۔

☆......☆......☆

"کباڑہ ہو گیا تابش بھائی......! کباڑہ ہو گیا بے چارے علی بھائی کا۔"
عیشہ نے اطلاع دی۔
"کیوں خیریت......؟"
"رات کو چھاپہ پڑ گیا، دونوں بزرگوں نے ہمیں دیکھ لیا۔"
"ارے......! کب......؟ کہاں......؟"
تابش نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ اسے صبح ہی صبح جگا لیا گیا تھا۔
"بس......! میں پائیں باغ میں نور جہاں کی حیثیت سے موجود تھی اور شہزادہ حضور مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک میں نے دور سے ان دونوں کو آتے دیکھا۔ میں تو فوراً فو چکر ہو گئی، لیکن عالم پناہ پھنس گئے تھے۔"
عیشہ نے کہا اور ہنس پڑی۔
"بعد کی کیا رپورٹ ہے......؟"
"ابھی تک تو کچھ نہیں......! دیکھیں، نہ جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے......؟"
"اوہ......! اچھا......! بات خطرناک ہے۔ پتا چلاؤ، بعد میں کیا ہوا......؟"
تابش نے کہا۔ خیر......! اس وقت تو کیا پتا چلتا......؟ البتہ ناشتے کے بعد خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ نواب

احتشام حسن نے ناشتہ تو بالکل خاموشی سے کیا تھا لیکن ناشتے کے بعد وہ انتظار نہ کر سکے۔ انہوں نے تنہائی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ان کی کرخت آواز اُبھری
"علی......!"
"ج......جی......پھ......پھوپھا حضور......!"
"رات کو پائیں باغ میں کیا کر رہے تھے تم......؟"
"پھوپھا......پھوپھا حضور......!"
عالم پناہ جھجکتے ہوئے لہجے میں بولے۔
"میں جواب چاہتا ہوں۔"
"خالص......مکمل ذاتی معاملہ ہے پھوپھا جان......!"
"کیا مطلب......؟"
"میرا ماضی زندہ ہو گیا ہے، تاریخ خود کو دُہرا رہی ہے۔ آپ لوگ اس سے غرض نہ رکھیں۔"
عالم پناہ نے کہا اور احتشام حسن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ عالم پناہ کو گھورنے لگے۔
"میں نے تمہارے لئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ بے شک تم دونوں میرے عزیز ہو، لیکن تمہارے بزرگوں نے تمہیں ڈبونے کا کام میرے سپرد نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں واپس چلے جاؤ۔"
"یہ ناممکن ہے پھوپھا جان......!"
عالم پناہ میں نہ جانے کہاں سے یہ سب کچھ کہنے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی......؟
"میں اسے ممکن بنا دوں گا۔ تمہیں اپنے اخراجات اب خود برداشت کرنا ہوں گے۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جا سکتی۔"
احتشام حسن غصے سے بولے۔
"سنو احتشام......! سنو، یوں نہ کہو، بلکہ یوں کہو کہ ان کی عملی زندگی کے آغاز میں ان کی مدد کرو۔ ان سے پوچھو کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں......؟ یہ کاروبار کریں، کوئی پیشہ اختیار کریں، یہ ان کے لئے بھی ضروری ہے اور ہمارا بھی فرض ہے۔"
فاروق حسن نے درمیان میں دخل دیا۔
"یہ کیا کریں گے ناکارہ کہیں کے......؟"
"اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ انہیں ایک ہفتے کی مہلت دے دو۔ سنو بھئی......! ارقم الدین......! اور علی......! یہ بات جائز ہے کہ تمہیں عملی زندگی کے لئے کچھ کرنا چاہئے، تم کیا کرو گے......؟ اس بارے میں بھی فیصلہ کر لو اور ایک ہفتے کے اندر اندر ہمیں جواب دے دو۔"
فاروق حسن نے کہا اور دونوں نے گردن ہلا دی۔ اس طرح گلوخلاصی ہوئی اور ناشتے کا کمرہ خالی ہو گیا،

لیکن عالم پناہ اور روکی کی گردنیں لٹکی ہوئی تھیں۔

''آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے......؟''

تابش نے ہمدردی سے کہا اور دونوں بے چارگی کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگے۔

''ہم بھلا کیا کرسکیں گے تابش بھائی......؟''

روکی نے کہا۔

''تم لوگ کیا نہیں کرسکتے......؟ ہزاروں صلاحیتیں ہیں تم دونوں میں، مگر افسوس......! تم انہیں استعمال نہیں کرسکتے۔''

''کیا مطلب......؟''

''افسوس تو یہ ہے کہ تم میرے خلوص پر بھروسہ نہیں کرو گے۔''

تابش مکاری سے بولا۔ اسے کوئی نئی سوجھی تھی۔ عالم پناہ اور روکی ان کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ پھر عالم پناہ نے کہا۔

''اگر آپ اس بارے میں ہماری کوئی مدد کردیں تابش بھائی......! تو ہم آپ کے احسان مند رہیں گے۔ دراصل یہاں کا ماحول ہمیں پسند ہے۔ افریقہ میں اپنے ہم مزاج لوگ نہیں ہوتے اور پھر وہاں عزیزوں اور رشتے داروں کی وہ چہل پہل نہیں ہے جو یہاں ہے۔ اس لئے آپ ہماری مدد کریں۔ ہاں......! اگر آپ لوگوں کو ہماری یہاں موجودگی پسند نہیں ہے تو دوسری بات ہے۔''

''ارے نہیں علی بھائی......! جب سے آپ لوگ اس عمارت میں آئے ہیں، یہاں کی رونقیں بے مثال ہوگئی ہیں۔ ہم آپ کو کسی قیمت پر یہاں سے نہیں جانے دیں گے۔''

''تو پھر بتایئے کوئی ترکیب......!''

''آیئے......! تمام حضرات میرے کمرے میں چلئے، ایک بہت اہم مسئلہ طے ہونا ہے۔ اس لئے ہمیں ایک محفوظ جگہ درکار ہوگی۔''

تابش نے کہا اور چند لمحات کے بعد سب لوگ اس کے کمرے میں موجود تھے۔

''جو شرط آپ پر عائد کی گئی ہے، آپ اسے قبول کیوں نہیں کرلیتے......؟''

تابش نے کہا۔

''ہم بے بس ہیں، لاچار ہیں۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''کمال ہے......! اس قدر ہٹے کٹے ہوکر بھی......؟ میں آپ سے صحیح بات عرض کروں علی بھائی......! تو آپ برا مان جائیں گے۔''

''نہیں مانیں گے، وعدہ......!''

''آپ لوگ خود آج تک ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہوئے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے تابش بھائی......!''

''آپ نے کوئی ثبوت ہی نہیں دیا۔''

''جو ثبوت مانگیں، حاضر ہے۔''

''تو ٹھیک ہے......! آپ دونوں حضرات سے کچھ سوالات کئے جائیں گے، ان کے جواب دیں۔''

تابش نے کہا۔ تمام لوگ دلچسپی سے تابش کا یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔

''تیار ہیں آپ لوگ......؟''

شائل نے سوال کیا۔

''ہاں ہاں......! ضرور......!''

''تو پھر ابتداء سے اپنے بارے میں بتایئے......!''

تابش نے کہا۔

''ہماری ابتداء کہاں سے ہوئی......؟ یہ ہمیں یاد نہیں۔ ہاں......! اگر تاریخ تہذیب وانسانیت کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہیں تو عرض کرسکتا ہوں۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''نہیں......! تاریخِ عشقِ سارہ سے شروع کردیں۔ اتنے پیچھے کہاں جائیں گے......؟''

تابش نے کہا۔

''عشقِ سارہ......؟''

روکی بول پڑا۔

''ہاں......! مشکل مضمون ہے......؟''

تابش نے سوال کیا۔

''اور سچ بولنا ضروری ہے۔''

دلربا کے تاروں کی ہم آہنگی میں کہا گیا۔

''بے حد، خلوص کے حصول کی پہلی قیمت......!''

''میں تیار ہوں، لیکن عالم پناہ اس سچ کو نہ بول سکیں گے۔''

''کیوں نہیں بول سکوں گا......؟ تم کسی بھی مرحلے پر مجھ سے بازی نہیں لے جاسکتے۔''

عالم پناہ غصیلے لہجے میں بولے۔

''ارے جاؤ......! تمہاری وجہ سے میری بھی مٹی پلید ہوگئی۔ میں ایک بے ضرر معصوم گویا، دلربا کی دھن میں مست ہوکر دنیا کو بھول جانے والوں میں سے ایک......اب بتاؤ، حرکتیں تم کررہے ہو اور تمہارے ساتھ نکالا میں جارہا

ہوں......؟"

"روکی......!"

عالم پناہ نے بڑے پیار سے کہا۔ نہ جانے ان کا موڈ ایک دم کیوں بدل گیا تھا......؟

"ہاں ہاں......! کہو......! کہہ ڈالو جو دل میں آئے۔"

"قبلہ پھوپھا جان ہمیں واپس افریقہ بھیجنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ صرف مجھ سے کہیں تو کیا تم مجھے تنہا جانے دو گے......؟"

"ہرگز نہیں......! ہرگز نہیں......! میں جانتا ہوں، وہاں تم ہیلن مارگریٹ، سوسی اور وولیتا پولو کے ساتھ صبح دوپہر اور رات گزارو گے اور میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا افواہیں اُڑاتے پھرو گے......؟ میں تمہیں تنہا ہرگز نہیں جانے دوں گا۔"

"سمجھے آپ لوگ......؟"

عالم پناہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"افسوس......! ہم نہیں سمجھے۔"

شمائل نے گردن ہلائی۔

"جس طرح انسان کی زندگی میں دوستی اہمیت رکھتی ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اچھے دوست ہوں، اسی طرح ہر انسان کے لئے ایک دشمن بھی بے حد ضروری ہے۔ درحقیقت دشمنی دوستی کی سب سے زیادہ مضبوط قسم ہے۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"سبحان اللہ......! کیا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ بہرحال، یہاں عشق سارہ کی بات ہو رہی ہے۔"

"میں اس کا کیا جواب دوں......؟"

"یہ عشق آپ کے ذہن میں کب اور کیوں پیدا ہوا......؟"

"جواب درست دینا ہے......؟"

"سو فیصدی......!"

"تو پھر سن لیں تابش بھائی......! وہ عشق نہیں، ہوس تھی۔"

"وہ کیسے......؟"

"سارہ کو جیت کر بے اندازہ دولت کے حصول کی ہوس...... اور روکی بھی اسی انداز میں سوچتا رہا ہے۔ اس جذبے نے ہم دونوں کو رقیب بنا دیا، ورنہ ہم گہرے دوست تھے۔"

"اب کیا کیفیت ہے......؟"

"حواس درست ہو گئے ہیں اور ہم میں سے کوئی اس کے لئے تیار نہیں ہے۔"

"مگر روکی کے بارے میں اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہیں آپ......؟"

"اس لئے کہ ہمارے درمیان دشمنی کا رشتہ ہے اور ہم ایک دوسرے سے واقف رہتے ہیں۔"

"کیوں روکی......؟"

تابش نے پوچھا۔

"بات کسی حد تک درست ہے۔"

روکی نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا، جہاں کبھی ڈاڑھی ہوا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے......! موجودہ صورت حال کیا ہے......؟"

"جو کچھ ہے، سامنے ہے۔"

عالم پناہ نے جلدی سے کہا۔

"چالاکی سے کام لے رہے ہیں عالم پناہ......؟ نہیں چلے گی، جو کچھ کہیں، خلوص دل کے ساتھ کہیں۔"

تابش نے کہا۔

"کیا مطلب......؟ مم...... میں سمجھا نہیں......!"

عالم پناہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"رات کو کیا بات ہوئی تھی......؟"

"مم...... میں اب بھی نہیں سمجھا۔ آپ کون سی بات کے بارے میں کہہ رہے ہیں......؟"

"یہ آپ خلوص سے جواب دے رہے ہیں عالم پناہ......؟"

"تابش بھائی......! وہ...... میں...... آپ لوگ...... یا تو آپ میری بات کو بکواس سمجھیں گے یا پھر میرا مذاق اُڑائیں گے۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"اس بات کو آپ چھوڑ دیں۔"

"ہوں......! تو پھر سنئے......! میں ایک سحر کا شکار ہوں اور اگر آپ لوگ مجھے پاگل نہیں سمجھتے تو پھر یہ بات تسلیم کر لیں کہ میں ماضی سے بھٹک کر حال میں آ گیا ہوں۔"

"وہ کیسے......؟"

"میں ماضی میں موجود شہنشاہ کا بیٹا ہوں، کیوں ہوں......؟ کیسے ہوں......؟ یہ نہ میں خود سمجھ سکا ہوں اور نہ آپ لوگوں کو سمجھا سکتا ہوں۔ کاش......! میں آپ کو نور جہاں سے ملوا سکتا۔"

"نور جہاں......؟"

تابش نے حیرت سے کہا۔

"ہاں......!نور جہاں......!"

"گویا......گویا......کمال ہے......!آپ شہنشاہ جہانگیر ہیں......؟"

"ہاں......!میں ماضی کی شاہراہ سے گزرتا ہوا حال کی طرف آنکلا ہوں۔اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔بس قدرت سمجھیے۔"

"اوہ......!عالم پناہ......!نور جہاں سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے......؟"

"ساری گڑبڑ تو یہی ہوگئی۔"

"کیا مطلب......؟"

"رات کو بھی وہ میرے پاس تھی۔دونوں بزرگوں نے دیکھ لیا اور معاملہ بگڑ گیا۔"

"نور جہاں تمہارے پاس تھی......؟"

"خدارا......!کسی سلسلے میں اس کی توہین نہ کریں۔"

عالم پناہ نے لجاجت سے کہا۔

"وہ اس سلسلے میں بے حد جذباتی ہے۔"

"کمال ہے......!آپ اس سے کوئی مدد کیوں نہیں لیتے......؟"

"اس بارے میں......؟"

"ہاں......!"

"اوّل تو یہ شیوہ مردانگی نہیں ہے، دوئم اس کے بعد اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے، اور وہ اس صورتِ حال سے ناواقف ہے۔"

"اور آپ اس سے کہنا پسند نہیں کریں گے......؟"

"ہرگز نہیں......!پھر میں کہاں کا شہنشاہ ہوا......؟"

"ہاں......!یہ بات تو درست ہے۔لیکن عالم پناہ......!نور جہاں سے آپ کا عشق جاری ہے۔اگر کبھی دشمنوں سے واسطہ پڑ گیا تو......؟"

"جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ہمیں اس وقت دوسرے حالات سے واسطہ ہے۔اس سلسلے میں آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں تو کرا دیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"نواب احتشام حسن چاہتے ہیں کہ آپ لوگ عملی زندگی میں آجائیں۔"

"ہاں......!"

"تو اب عملی زندگی کا آغاز کر دیں۔"

"مگر اس طرح ہمیں تو کچھ نہیں آتا۔"

"اوہ......!یہ تمہاری بھول ہے۔ہم نے، بلکہ ہم سب نے تمہیں بہت غور سے دیکھا ہے عالم پناہ......!اور مسٹر روکی......!"

تابش نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"تم دونوں کو اپنی مخفی صلاحیتوں کا علم نہیں ہے۔میں تمہیں ایک اعلیٰ پائے کا کاروبار بتا سکتا ہوں۔شرط یہ ہے کہ منافع میں میرا حصہ بھی ہوگا۔"

"ہمیں منظور ہے......!"

دونوں بیک وقت بولے۔

"اچھی طرح سوچ لیں۔"

تابش نے کہا۔

"تابش بھائی......!اللہ......!جلدی بتا دیں جو کچھ بتانا ہے۔"

"تو بس......!بزرگوں سے ایک دفتر طلب کر لیں جس میں فرنیچر ہو، ٹیلی فون ہو، باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن یہ تو پتا چلے کہ کاروبار کیا ہوگا......؟"

روکی نے کہا۔

"اس سلسلے میں تم ان لوگوں سے صرف یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ کیا جائے۔"

"مان جائیں گے وہ لوگ......؟"

عالم پناہ نے کہا۔

"ہاں......!میں کہوں گا تو مان جائیں گے۔"

روکی بے اختیار بول پڑا اور عالم پناہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔پھر نتھنے پھلا کر بولے۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا......؟"

"انہیں میری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔جبکہ تمہیں وہ خبط الحواس سمجھتے ہیں۔تمہاری وجہ سے یہ مصیبت نازل ہو رہی ہے، ورنہ چین کا گٹار بجا رہے تھے۔"

"اوں ہوں......!یہ بالکل نہیں چلے گا۔تمہیں باوقار دشمنی کرنی چاہئے، اور پھر جو کاروبار تم دونوں کرو گے،بہم میں اتفاق ضروری ہے۔"

تابش نے کہا۔عالم پناہ جو نتھنے پھلانے لگے تھے، اعتدال پر آگئے تھے۔

"بس......!تم لوگ یہ کام کرلو۔اس کے بعد تمہیں دوسری ترکیب بتاؤں گا۔"

"بہتر ہے......!"

دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔ ان کی گلوخلاصی ہوگئی تھی، لیکن دوسرے لوگ تابش کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

"کیا کاروبار کریں گے دونوں بیچارے......؟ کسی قابل تو نہیں ہیں۔ کیا سوچا ہے ان کے بارے میں......؟"

"بھئی......! اس کھوپڑی پر بھروسہ کرو۔ ایک عمدہ ترکیب سوچی ہے۔ سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

"تو پھر سناؤ ناں......!"

ایک لڑکے نے کہا۔

"قبل از وقت ہوگا، لیکن بہرحال تم سے کیا چھپانا......؟ ظاہر ہے، تم سبھی اس کاروبار میں ان دونوں بیچاروں کی مدد کرو گے۔ میں انہیں پرائیویٹ جاسوس بنا رہا ہوں۔ وہ ادارۂ جاسوسی کھولیں گے۔"

تابش نے جواب دیا۔ ایک لمحے کے لئے سب لوگ خاموش رہے۔ پھر تابش پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے۔ ایک لڑکے نے گہری سانس لے کر کہا۔

"گویا اب آپ انہیں سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں بھی ذلیل کرائیں گے......؟ ہائے......! ان بیچارے کی قسمت غالب......!"

"بکواس مت کرو بیٹا......! ہم سب کو اس کاروبار میں ان کی بھرپور مدد کرنی ہوگی، ورنہ بیچارے تنہا کیا کر سکیں گے......؟"

"بسر وچشم......! بسر وچشم......!"

سب نے بیک وقت کہا اور تابش گردن ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

شہروز کو سیٹھ ہمدانی کا ٹیلی فون ملا۔ شہروز ہی نے فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو شہروز......! سیٹھ ہمدانی بول رہا ہوں۔ ابھی مجھے ایک فون آیا تھا۔ میں پہچان گیا تھا کہ یہ آپ کی آواز نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے فوری طور پر آپ سے موبائل فون پر بات کی ہے۔"

"کیا بات ہے سیٹھ......؟"

"شہروز صاحب......! جو ٹیلی فون مجھے موصول ہوا ہے، اس میں مجھ سے پچاس لاکھ روپے مانگے گئے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو گل زادی کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ گل زادی نہیں ہے۔ شہروز صاحب......! اس نے کہا ہے کہ اگر پچاس لاکھ روپے ادا نہ کئے گئے تو پرسوں شام کو ہمیں بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اب آپ بتائیں شہروز صاحب......! کہ میں کیا کروں......؟"

سیٹھ ہمدانی کافی پریشان نظر آتا تھا۔ شہروز ایک لمحے تک سوچتا رہا، پھر اس نے پوچھا۔

"پچاس لاکھ روپے کب اور کس جگہ مانگے گئے ہیں......؟"

"ابھی یہ جگہ نہیں بتائی گئی ہے۔ بس اتنا کہا گیا ہے کہ رات کو وہ پھر فون کرے گا اور میری مرضی معلوم کرے گا۔"

"ہوں......! اچھا سیٹھ ہمدانی......! تم ایک کام کرو۔ ابھی تم نے اس بارے میں کسی کو تو نہیں بتایا......؟"

شہروز نے پوچھا۔

"نہیں شہروز صاحب......! کسی اور کو نہیں بتایا۔"

"وہ پولیس آفیسر عسکری تمہارے کام آ سکتا ہے......؟"

"جی صاحب......!"

سیٹھ ہمدانی نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ہاں......! ذاتی طور پر اس سے ملاقات کرو اور اسے بتاؤ کہ گل زادی نے تم سے پچاس لاکھ روپے مانگے ہیں۔"

"میں پھر سے آپ کا نام لے دوں، جبکہ میرا خیال ہے کہ یہ پچاس لاکھ روپے آپ نے مجھ سے نہیں طلب کئے۔"

سیٹھ ہمدانی متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"سیٹھ ہمدانی......! جیسا کہ تم نے مجھے پہلے بھی عسکری کے بارے میں اطلاع دی تھی، اسی طرح اب بھی میرے ساتھ تعاون کرو۔ جیسا میں کہہ رہا ہوں، ویسا ہی تم کرو۔ تم ساجد عسکری کو یہ اطلاع دے دو اور اس کے بعد حالات کا انتظار کرو۔"

"جیسا آپ کہیں شہروز صاحب......!"

"مجھے ٹیلی فون کر کے اطلاع دے دینا، لیکن نہایت ہوشیاری کے ساتھ، کسی کو معلوم نہ ہو۔"

"کسی کو معلوم نہیں ہوگا صاحب......! ہمدانی اب اتنا بھی بے وقوف نہیں ہے۔"

دوسری طرف سے جواب ملا اور کال منقطع ہوگئی۔ شہروز چند لمحات موبائل ہاتھ میں لئے رہا تھا، غالباً وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ پھر وہ لینڈ لائن پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا، اس بار وہ خاصی بھاری آواز میں بولا۔

"ہیلو......! کون بول رہا ہے......؟"

"نمبر چار سے شاہین......!"

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"شاہین......! سیٹھ ہمدانی کو جانتے ہو......؟"

"کیوں نہیں جناب......؟"

دوسری طرف سے مؤدب لہجے میں کہا گیا۔

"چار آدمی اپنے ساتھ لے لو اور اسی وقت سے اس کی نگرانی شروع کر دو۔ دیکھو، اس کی زندگی کو خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی اس کی جان لینے کی کوشش کرے۔ تمہیں اگر اس کوٹھی میں بھی داخل ہونا پڑے تو بے دھڑک چلے جانا۔ میرا مطلب ہے، کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں۔ کوشش کرنا کہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہو۔ لیکن اگر سامنے آ جاؤ تو بھی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ سیٹھ ہمدانی کو ہر قیمت پر بچانا ہے، یہ بات ذہن میں رکھنا۔"

"جناب عالی......!"

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اگر سیٹھ ہمدانی پر کوئی سختی ہو تو تم منظرِ عام پر آ کر مدافعت کرنے کی بجائے ایسے حالات پیدا کرو گے جس سے سیٹھ ہمدانی کی زندگی بچ جائے۔ اگر اسے اغواء کرنے کی کوشش کی جائے تو اسے بہرصورت ناکام بنانا ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں تم......؟"

"جی جناب......!"

"بس......! اسی وقت سے اپنا کام شروع کر دو اور مجھے اطلاع دیتے رہو۔"

"بہت بہتر جناب......!"

جواب ملا اور فون بند ہو گیا۔ شہروز نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ وہ چند لمحات کچھ سوچتا رہا، پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ اسے اس شخص کے بارے میں فکر لاحق ہو گئی تھی جو اس طرح اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔

"کون ہے وہ......؟"

عسکری سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنا فی الوقت مشکل تھا اور شہروز خود بھی آگے بڑھ کر یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عسکری اسے جو دھمکی دے گیا تھا، شہروز نے سوچا تھا کہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا پورا پورا موقع دیا جائے اور اس کے بعد عسکری کی گردن گرفت میں لی جائے۔ چنانچہ وہ انتظار کر رہا تھا۔

"لیکن یہ سب کچھ کیا تھا......؟"

سیٹھ ہمدانی کو جو ٹیلی فون کیا گیا تھا، ظاہر ہے، اس کا تعلق شہروز سے نہیں تھا۔ وہ اس عمارت سے باہر نکل آیا اور اپنی خوب صورت کار میں بیٹھ کر چل پڑا جو انتہائی جدید ساخت کی تھی۔ بظاہر اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن یہ سب کچھ شہروز ہی کو معلوم تھا کہ اس میں کیا کچھ ہے......؟ اس کار کے لئے کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ کار کوٹھی میں ہی کھڑی ہوئی تھی، لیکن شہروز کا جنون یہاں بھی منظرِ عام پر تھا، یعنی کسی کو یہ اجازت نہیں ہوتی تھی کہ کار کو اپنے ہاتھ سے صاف کر دے۔ شہروز کار کی صفائی بھی خود ہی کیا کرتا تھا۔ بہرصورت اس کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔

شہروز ڈرائیونگ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ماحول پُرسکون تھا۔ ائیر کنڈیشنر چل رہا تھا۔ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ جلد ہی وہ اپنی کوٹھی کے نزدیک پہنچ گیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے سارہ نظر آئی جو برآمدے میں کھڑی ہوئی تھی۔ شہروز کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ پُرسکون ہو گیا۔ وہ خوش گوار انداز میں گاڑی

سے نیچے اُتر آیا اور سارہ کے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہیلو سارہ......!"

"ہیلو شہروز صاحب......! بڑی بات ہے کہ کبھی کبھی آپ کے درشن ہو جائیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو سارہ......! یہ مصنوعی باتیں مجھے بڑی عجیب لگتی ہیں۔ بس یوں لگتا ہے جیسے تمہارے پاس مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے الفاظ نہ ہوں، لیکن الفاظ کا رشتہ قائم رکھ کر تم مجھے اجنبیت کا احساس بھی نہ ہونے دینا چاہتی ہو۔ گویا دھوکہ، فریب۔"

شہروز نے کہا اور سارہ ہنس پڑی۔

"پتا نہیں شہروز......! آپ کیا ہیں......؟ کبھی تو آپ ایسی منطق جھاڑنے لگتے ہیں اور کبھی آپ اتنے سادہ اور ذہین ہو جاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔"

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے سارہ......!"

شہروز نے سارہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں بچہ نہیں ہوں، سب کچھ سمجھتا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس میں حقیقت ہے۔ اگر تم غور کرو گی تو سمجھ لو گی۔"

"ٹھیک ہے......! لیکن میں نے جو بات کہی، اس میں مصنوعیت نہیں تھی۔"

"یعنی یہ کہ میرے درشن نہیں ہوتے......؟"

"ہاں......! میں آپ کو دیکھتے رہنا چاہتی ہوں، کتنی بار اس بات کا اظہار کر چکی ہوں۔"

"فائدہ......؟"

شہروز نے سوال کیا۔

"دیکھئے شہروز صاحب......! ممکن ہے آپ خون یا رشتوں کے قائل نہ ہوں، لیکن میں افریقہ میں رہنے والی جاہل سی لڑکی وطن سے دُور اپنوں کو بہت یاد کرتی رہی ہوں۔ ایک ایک کا خیال رہتا تھا میرے دل میں اور جب یہاں آ گئی ہوں تو سب کو دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی تو میرے اپنے ہیں۔"

"اوہ......! تو یہ بات ہے۔ تم یہاں خوش ہو سارہ......؟"

"بہت زیادہ شہروز صاحب......! آپ یقین کریں کہ کبھی کبھی میں خواب دیکھتی ہوں کہ افریقہ واپس جانا پڑ رہا ہے تو دہشت زدہ ہو جاتی ہوں۔"

سارہ نے جواب دیا۔ شہروز اس بات سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ سارہ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ ممکن ہے دُور سے دوسروں نے انہیں دیکھا ہو، لیکن کسی نے ان کے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر شہروز نے کہا۔

"تمہیں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہئے سارہ......!"

"اب ایسا ارادہ ہی نہیں ہے۔"

"چچا جان یہیں کاروبار کرلیں، انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ہاں......! اب یہی ارادہ ہے۔ لیکن......"

"لیکن کیا......؟"

"انہیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔"

"انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"یہ اطمینان آپ ڈیڈی کو نہیں دلائیں گے شہروز......؟"

"کیوں نہیں سارہ......؟ لیکن دراصل......لیکن......"

شہروز کے ذہن میں بھنور پڑنے لگا۔

"ہاں......! لیکن کیا......؟"

"اس عمارت کی فضاء عجیب ہے۔ یہاں میرے لاتعداد ہمدرد ہیں، بڑے مشفق بڑے محبت کرنے والے۔ لیکن ان کی محبتوں میں رحم کی آمیزش ہے، ترس کھاتے ہیں یہ لوگ مجھ پر۔ سنو سارہ......! یہ سب بلاوجہ مجھے قابل رحم سمجھتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے اس کی، بس نہ جانے کیوں یہ خبط ان کے ذہن پر سوار ہے کہ میں قابل رحم ہوں۔ میرے اندر کوئی ایسی کمی ہے کہ میں قابل رحم ہوں۔ مجھ پر احسان کیا جانا ضروری ہے۔ لیکن سارہ......! میری نگاہ میں یہ سب قابل رحم ہیں۔ میں انہیں خود سے بہت کمتر سمجھتا ہوں، کیونکہ......کیونکہ یہ مجھ سے کمتر ہیں۔"

شہروز بے خودی کے انداز میں بولتا رہا۔ سارہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ واقعی لوگوں کی حماقت ہے کہ نہ جانے انہوں نے کس بنیاد پر یہ احساس آپ کے ذہن میں پیدا کیا ہے......؟ لیکن شہروز......! اب تو آپ بڑے ہوگئے ہیں، اب اس احساس کو آپ اپنے ذہن میں جگہ ہی نہ دیں۔"

"بچپن سے......سارہ......! بہت چھوٹا تھا میں، اس وقت جب سے یہ احساس میرے ذہن میں ٹھونس دیا ہے۔ میں نفرت کرتا ہوں ان ہمدردی کرنے والوں سے، مجھے ان کے خلوص سے وحشت ہوتی ہے۔"

"کاش......! میں آپ کی کوئی مدد کرسکتی۔"

سارہ نے کہا۔

"سارہ......!"

شہروز آہستہ سے بولا۔

"تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو......؟"

"میں......؟ مگر کیوں......؟"

سارہ مسکرا کر بولی۔

"ناراض نہیں ہو......؟"

"ہرگز نہیں......! قطعی نہیں۔"

"سارہ......! مجھے صرف ایک دوست تصور کرو، صرف ایک دوست۔ میں اچھا دوست ثابت ہوں گا۔"

"یہ میری خوش بختی ہوگی۔ میں آپ کی دوستی پر فخر کرتی ہوں۔"

سارہ نے کہا۔

"اوکے سارہ......! تفصیلی گفتگو پھر کسی وقت ہوگی۔ میں اب چلتا ہوں۔"

شہروز نے کہا اور سارہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ اس کے دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ یہ گفتگو کرتے ہوئے شہروز اس قدر معصوم، اس قدر دلکش لگ رہا تھا کہ اس کے چہرے پر نگاہ جمانا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے اسے حیرت سے دیکھتی رہی اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

☆......☆......☆

نواب احتشام کو حیرت ہوئی تھی۔ انہوں نے متعجبانہ انداز میں بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔ فاروق حسن مسکرا رہے تھے۔ تب نواب احتشام نے پوچھا۔

"لیکن کوئی پروگرام تو ہوگا تمہارے ذہن میں......؟"

"افسوس پھوپھا جان......! آپ لوگ بعض اوقات بزرگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگتے ہیں۔ ہم آپ سے کوئی سرمایہ نہیں مانگ رہے۔ بس ایک جگہ درکار ہے، لیکن اگر آپ اس سے انکار کردیں گے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم کسی فٹ پاتھ پر بھی کاروبار شروع کرسکتے ہیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"نہیں نہیں......! علی بیٹے......! یہ تمہارا حق ہے۔ تمہارا جو رشتہ احتشام سے ہے، وہی مجھ سے بھی ہے۔ بیٹے......! میں تمہیں ایک خوب صورت دفتر فراہم کردوں گا۔ اس کے علاوہ بھی تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو، وہ مجھے بتا دینا۔"

فاروق حسن بولے۔

"شکریہ پھوپھا جان......! پھر یہ دفتر کب ہمیں مل جائے گا......؟"

روکی نے سوال کیا۔

"چابی ابھی منگوا سکتا ہوں۔ باقی سامان جو تمہاری پسند کا ہو، میرے آدمی کو بتا دینا۔"

"بہتر ہے......!"

علی نے کہا اور دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ دونوں باہر نکل آئے تھے اور اندر نواب احتشام حسن اب بھی

متحیر نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس کایا پلٹ کا یقین نہیں آتا۔''

''ہوتا ہے احتشام......! ایسا بھی ہوتا ہے۔ انسان بزرگوں کے سامنے کچھ بھی ہے لیکن......''

''ارے......! ان لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں بھائی صاحب......! بہرحال، دیکھیں کیا تیر مارتے ہیں دفتر میں بیٹھ کر......؟''

اس طرح عالم پناہ اور روکی کو ایک خوب صورت دفتر مل گیا۔ اعلیٰ درجے کا دفتر تھا۔ انتہائی نفیس فرنیچر سے آراستہ۔ اس کی پوزیشن لینے کے بعد عالم پناہ نے چابی تابش کے قدموں میں رکھ دی۔

''ارے ارے......! یہ کیا علی بھائی......؟''

تابش نے جلدی سے کہا۔

''اب ہماری عزت آپ کے ہاتھوں میں ہے تابش بھائی......! ہم جس قابل ہیں، آپ لوگوں کو معلوم ہے۔ بس، ہمیں پھوپھا جان سے بچائے رکھئے، ورنہ پھر......''

''یہ بات تو ٹھیک ہے۔ حضرات......! چلو دفتر کی ترتیب کریں۔''

اور فرنیچر میں ردوبدل ہونے لگی۔ روکی کے لئے ایک حصہ الگ کیا گیا۔ عالم پناہ دوسرے کیبن میں تھے۔ ایک بڑا ہال اسٹاف کے لئے اور ایک مہمانوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے بعد کوٹھی میں میٹنگ ہوئی۔ تابش اس وقت ان کے سربراہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

☆......☆......☆

تابش نے تقریر شروع کی۔

''دوستو......! ان لوگوں نے جب سارے معاملات ہمارے سپرد کر ہی دیئے ہیں تو پھر ہمارے سپرد بھی ذمے داریاں عائد ہوگئی ہیں۔''

''بے شک......! بے شک......!''

''ہم لوگ مل کر دفتر جاسوسی کھولیں گے اور میں اس کاروبار کو چلانے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ میں اور میرے تمام ساتھی ان دونوں کی بھرپور مدد کریں گے۔''

تابش نے اعلان کیا اور اس کا خیر مقدم تالیاں بجا کر کیا گیا۔

''اچھا دوستو......! یہ بتاؤ، تم دونوں نے انگریزی فلمیں دیکھی ہیں......؟''

''ہم نے تقریباً ہر انگلش رومانٹک فلم دیکھی ہے۔''

''اوہو......! میں جاسوسی فلموں کی بات کر رہا ہوں۔''

''نہیں......! وہ نہیں دیکھیں۔''

''جاسوسی ناول بھی نہیں پڑھے ہوں گے......؟''

''نہیں......!''

''ابے......! کچھ پڑھے لکھے ہو یا نہیں......؟''

تابش بگڑ کر بولا۔

''میں نے ادب پڑھا ہے، تاریخ پڑھی ہے، تاریخ کے کسی بھی دور کے بارے میں پڑھا ہے۔''

عالم پناہ بولے۔

''بس بس......! اسی لئے شکل وصورت سے بھی آپ کوئی تاریخی کردار لگتے ہیں۔ میں کہتا ہوں، کچھ عقل کی بات کرو۔ ان دونوں کی ازسرنو تربیت کرنا ہوگی۔ انہوں نے تو ابھی اس دُنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔''

''بلاشبہ......! بلاشبہ......!''

شاہد نے گردن ہلائی۔

''تو پھر تم یوں کرو شاہد......! انہیں بہت سے جاسوسی ناول فراہم کرو۔ یہ دونوں حضرات دفتر میں بیٹھ کر پہلے جاسوسی ناولوں سے تربیت حاصل کریں گے۔ اس کے بعد انہیں ان کا دوسرا کام بتایا جائے گا۔''

''اوہ......! اور اسٹاف کا کیا ہوگا......؟''

روکی نے سوال کیا۔

''میاں......! پہلے کام کے آدمی تو بن جاؤ۔ اس کے بعد اسٹاف کا بھی دیکھا جائے گا۔ جو کچھ تم سے کہا جارہا ہے، اس پر کان دبا کر عمل کرتے رہو۔''

''ہاں ہاں......! ٹھیک ہے روکی......! درمیان میں مت بولو۔ تابش بھائی ایک طرح سے ہمارے سربراہ ہیں، ہمیں انہی کی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔''

عالم پناہ نے کہا اور روکی خاموش ہوگیا۔ بہرطور تابش کی پلاننگ مکمل طور پر کامیاب ہوتی رہی۔ عالم پناہ اور روکی اس شاندار دفتر میں اپنے اپنے کمروں میں گھسے ہوئے جاسوسی ناول پڑھتے رہتے تھے۔ بڑی توجہ سے وہ یہ لٹریچر پڑھ رہے تھے۔ عالم پناہ تو بار بار تابش سے اس بات کا اظہار کر چکے تھے کہ اب تک انہوں نے زندگی کے ایک اہم شعبے کو نظرانداز کر رکھا تھا۔ یہ لٹریچر تو واقعی بڑا اعمدہ ہے۔ بزرگوں نے انہیں دفتر دینے کے بعد ان کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ یہ بات نواب فاروق حسن نے احتشام صاحب سے کہی تھی کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ انہیں اس کے لئے پوری پوری آزادی بھی دی جائے۔ حالانکہ احتشام صاحب نے اس پر اعتراض بھی کیا تھا اور کہا تھا۔

''بھائی جان......! اگر یہ دونوں بے وقوف کوئی ایسی ویسی حرکت کر بیٹھے تو کیا ہوگا......؟''

اس بات پر نواب فاروق حسن ہنس دیئے تھے اور انہوں نے کہا تھا۔

''بھئی......! کیا کریں گے......؟ قتل وغارت گری کرنے والے بچے تو ہیں نہیں، کوئی چھوٹا موٹا نقصان ہی کر دیں گے، زیادہ سے زیادہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم ان لوگوں کی طرف سے توجہ ہٹا لو۔ بس جو کچھ انہوں نے چاہا تھا

یا تم نے چاہا تھا، وہ کرلیا گیا۔ اس کے بعد انہیں پریشان کرنا بے مقصد ہوگا۔"

"جیسے آپ کی مرضی......!"

نواب احتشام نے کہا۔ بہر صورت، جاسوسوں کی یہ ٹیم دو ہفتے کے اندر اندر مکمل طور پر تیار ہوگئی اور تابش نے ان کی تربیت کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا۔ انہیں تعاقب کرنے کے طریقے تنگ و تاریک گلیوں میں بلا سہمے اور ڈرے ہوئے سفر کرنا اور بعض جگہ دیواروں پر رسیوں وغیرہ سے چڑھنا سکھایا گیا، جس میں روکی تو نہایت کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا۔ عالم پناہ کو البتہ کچھ دِقت ہوئی تھی۔ اس کی نسبت عالم پناہ تندرست و توانا اور طاقتور تھے۔ روکی پھرتیلا اور چاق و چوبند تھا۔ اس طرح ان دونوں جاسوسوں کی ٹیم کامیابی کے مراحل طے کرتی رہی۔

تابش اور شاہد انہیں وہ طریقے بتاتے رہے جو جاسوسوں کو استعمال کرنا ہوتے ہیں۔ اسی دوران نور جہاں بالکل ہی غائب ہوگئی تھی اور دلچسپ بات یہ تھی کہ عالم پناہ کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ دو چار بار ان درختوں کے قریب ضرور دیکھے گئے تھے، لیکن صرف دن کے وقت، رات میں انہوں نے اس طرف جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس دن سے جس دن نواب احتشام نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی کہ نور جہاں بھاگ گئی، ورنہ شاید وہ بھی پکڑی جاتی۔ اکثر عالم پناہ سوچا کرتے تھے کہ یہ نور جہاں کہاں غائب ہوگئی......؟ بہر طور سیدھے سادے سے آدمی تھے۔ بہت زیادہ اس کے بارے میں نہ سوچ سکے اور اپنے کام میں پوری طرح سے مصروف ہوگئے۔ یوں اب ان کے دفتر میں تابش اور شائل وغیرہ آنے جانے لگے۔ لوگوں کو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ یہ کیسا دفتر ہے......؟ حالانکہ خاصا اچھا دفتر تھا، لیکن اس کا ابھی تک کوئی مقصد سامنے نہیں آیا تھا۔

بالآخر ایک شام وہاں عمدہ قسم کی پارٹی ہوئی جو روکی اور عالم پناہ نے اپنی جیب خاص سے دی تھی۔ اس پارٹی میں اعلان کیا گیا کہ اب دفتر کی پبلسٹی شروع کر دی جائے۔ تابش نے اس سلسلے میں کچھ مضامین تیار کرائے اور انہیں اخبارات کے حوالے کر دیا۔ اس نے اس بات کا پورا پورا خیال رکھا تھا کہ ان دونوں کو کوئی دِقت نہ ہو، کیونکہ وہ خود بھی ان کی پشت پر تھا اور مکمل طور پر ان کی مدد کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس وقت شہروز کی کھوپڑی اُلٹی ہوئی تھی۔ شاید وہ زنانہ حلیے میں تھا، بڑا سا پاندان سامنے رکھے پھسکڑا مارے بیٹھا ہوا تھا۔

"کون بول رہا ہے......؟"

"گل زادی سے بات کرنی ہے۔"

"تو کرو ناں......! میں تمہاری ماں ہی بول رہی ہوں۔"

شہروز کی آواز اُبھری۔

"جناب......! سیٹھ ہمدانی کا قتل ہوگیا۔"

"اے......! خدا غارت کرے تمہیں......! ڈھائی گھڑی کی موت آئے۔ ہائے......! کیسا جوان مرد تھا۔ میں بدنصیب اس کی حفاظت بھی نہیں کرسکی۔ ارے......! تم کہاں مر گئے تھے موزیو......؟"

"جناب......! اس کوٹھی کے باہر تو ہم پوری طرح چوکس رہے، مگر کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ بس رات کے کسی حصے میں یہ کارروائی ہوئی، اور ہمیں تو صبح ہی کو پتا چل سکا۔"

"مرو موزیو......! کیڑے پڑیں زبان میں، اب کیا ہو رہا ہے......؟"

"پولیس آچکی ہے۔"

"تم کیا کر رہے ہو......؟"

"ابھی وہیں ہیں اُستاد......!"

"اب وہاں اپنی میا کی سسرال والوں کا انتظار کر رہے ہو......؟ ارے......! واپس چلے آؤ مردودو......! وہاں سے، جو کام کہا تھا وہ تو نہ کر سکے۔ اب وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو......؟"

شہروز نے فون بند کر دیا اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ حسب معمول وحشت کا شکار تھا۔ منہ میں پان کی گلوری دبی ہوئی تھی۔ چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا پان چباتا رہا۔ پھر اس نے زور سے تالی بجائی۔ زنانہ لباس میں ملبوس دو نوجوان یا نوجوانیاں اندر داخل ہوگئے۔

"جاؤری......! ڈھول مجیرے لے آؤ اور اس زیبی کو بھی بلالینا۔"

اس نے کہا اور دونوں زنخے واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی اور زیبی رقص کر رہی تھی۔ فٹوں کے حساب سے چوڑی کمر، قد تقریباً چھ فٹ، چہرہ خونیوں جیسا، رنگ اُلٹے توے کی مانند جس پر میک اپ اس قدر زبردست جیسے قلعی کرنے والی کوچی سے کیا گیا ہو، آنکھوں کے جھروکوں سے گا رہی تھی اور شہروز یا گل زادی عاشقانہ نگاہوں سے اس کی ایک ایک ادا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر قربان ہو جانے والی کیفیت تھی۔ کافی دیر تک یہ طوفانِ بدتمیزی جاری رہا۔ پھر اس نے ہاتھ اُٹھا کر اس ہنگامے کو بند کرنے کے لئے کہا اور خود اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ دوسرے کمرے میں جا کر اس نے لباس تبدیل کیا اور چند لمحات کے بعد اس کی کار کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔

شام کو پانچ بجے وہ ایک حسین لباس میں ملبوس شاز کلب میں پہنچ گیا۔ چہرے پر معصومیت کے علاوہ کچھ نہیں تھا، لیکن چند لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ فوری طور پر سادہ لباس والوں نے عسکری کو اطلاع دی اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ عسکری وہاں پہنچ گیا۔ شہروز اطمینان سے اپنی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ عسکری باقاعدہ وردی میں تھا۔ بہت سی نگاہیں اس طرف اُٹھ گئی تھیں، لیکن شہروز نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ عسکری کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ڈیدی......! دلیر انسان ہو۔ کم از کم اس وقت تمہارے یہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔"

"تم نے مجھ سے یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں لی عسکری......!"

"اوہ......! ضرورت نہیں سمجھی، اور مجھے عادت بھی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں......! پہلی حرکت ہے، اس لئے معاف کر دیتا ہوں۔ مگر آئندہ خیال رکھنا۔"

شہروز نے کہا اور عسکری ہنس پڑا۔

"بہت بہتر حضور والا......! لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں گا اور پھر آپ کے سلسلے میں......؟ آپ سے تو بڑی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔"

"لیکن تم مجھے ناپسند ہو عسکری......! اس لئے میں تمہارے قرب کو زیادہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"میں تمہیں ایک بری خبر سنانے آیا ہوں شہروز......!"

عسکری نے کہا۔

"تم خود بھی اچھے انسان نہیں ہو، اچھی خبر کیا سناؤ گے......؟ خیر کہو......! کیا کہنا چاہتے ہو......؟"

"مرنے سے قبل سیٹھ ہمدانی نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ اس نے باقاعدہ درخواست کی تھی کہ میں اس کی جان بچاؤں تم سے۔"

عسکری نے الفاظ چبا کر کہا۔

"اور تم نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی......؟"

شہروز نے کہا۔

"مجھے اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ تم......"

"ایک بار پہلے بھی میں نے کہا تھا مسٹر عسکری......! کہ میرے چکر میں پڑ کر تم اپنی مٹی پلید کر لو گے۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں۔"

"تمہیں جیل کی سلاخوں کے اور پھر پھانسی کے پھندے تک پہنچانا میری زندگی کا دلچسپ تجربہ ہو گا شہروز......! میں تمہیں سیٹھ ہمدانی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔"

عسکری نے کہا اور شہروز کے ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارے پاس وارنٹ ہے مسٹر عسکری......؟"

"میں خود وارنٹ ہوں۔"

عسکری نے غرا کر کہا۔

"گویا آپ نے قانون کے تقاضے مکمل نہیں کئے۔"

"میں نے کہا ناں، میں خود قانون ہوں۔"

"مسٹر عسکری......! میں ایک پڑھا لکھا شخص ہوں اور اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو خود بھی قانون کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ ان حالات میں اگر آپ نے قانون شکنی کی باتیں کیں تو ظاہر ہے، ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوں گی۔ بغیر وارنٹ کے آپ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ چلئے......! میں نے تسلیم کر لیا کہ آپ خود وارنٹ ہیں، تو اس کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں......؟ آپ کو اپنے مستقبل کا خیال نہیں ہے مسٹر عسکری......! آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہو گا......؟"

"نہ میں جانتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر میں تمہیں یہاں بیٹھنے کی مہلت دے رہا ہوں اور اس کے بعد تم یہاں سے میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلو گے۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے مسٹر عسکری......! مثلاً میں آپ کو شراب کا پیگ پلاؤں، خود بھی چند پیگ معدے میں اُتاروں، اس کے بعد اُٹھوں اور آپ کی وردی پھاڑ دوں، آپ کا پستول نکال کر آپ کا سر پھاڑ دوں اور اس کے بعد کہہ دوں کہ میں نشے میں تھا، لیکن میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا۔ ٹھوس آدمی ہوں، ٹھوس باتیں کرتا ہوں۔ آپ کو اس بات کا بھی یقین ہو گا کہ نواب فاروق حسن صاحب کے تعلقات وزیر داخلہ سے بھی ہیں، اس کا علم ہے آپ کو......؟"

"ہاں ہے......! لیکن ایک قاتل کو اس کا باپ بھی نہیں بچا سکتا۔"

"یہ قتل آپ ثابت کریں گے......؟"

شہروز نے نہایت پُرسکون انداز میں پوچھا۔

"ہاں......! ثابت کروں گا۔ میرے پاس سیٹھ ہمدانی کے بارے میں تفصیلی رپورٹ موجود ہے۔ تم نے ان سے اچھی خاصی رقم طلب کی تھی اور عدم ادائیگی کی صورت میں انہیں قتل کی دھمکی بھی دی تھی۔"

"یہ اس کی تحریری رپورٹ ہے......؟"

"جو کچھ بھی ہے، اس کے بارے میں، میں عدالت کو جواب دوں گا۔"

"عدالت کو کیا کیا جواب دو گے مسٹر عسکری......؟ ہمارے تمہارے تھوڑے سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ مثلاً میں شندے کے بارے میں تم سے سوالات کروں تو یقینی طور پر تم ان کا کوئی بہتر جواب نہیں دے سکو گے۔ شندے مجرم ضرور تھا، لیکن عدالت نے اسے بری کر دیا تھا۔ پھر اسے جس شخص نے قتل کیا، وہ اتفاق سے میری تحویل میں ہے اور اس کے پاس وہ پستول بھی ہے جس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔ چلو، یہ بھی مان لیا جائے عسکری......! کہ پستول چوری ہو گیا ہو، لیکن اس پرچے کا کیا کرو گے تم، جو تم نے اس شخص کو شندے کے بارے میں دیا تھا......؟ میرا مطلب ہے کہ شندے کے قتل کا الزام تم پر بھی آ سکتا ہے۔ دیکھو ناں، اگر میں قاتل ہوں تو تم بھی قاتل ہو۔ چلو، اسی بہانے ہمارے تمہارے درمیان ایک چھوٹا سا رشتہ تو قائم ہوا۔"

شہروز نے مسکرا کر کہا اور عسکری کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو گیا تھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا اور شہروز مسکرا رہا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم......؟ تمہاری بکواس میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی......؟"

عسکری نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"میں نے تم سے کہا ہی کیا ہے مسٹر عسکری جو میری بات تمہاری سمجھ میں آئے......؟ ہاں......! میں شہباز کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شہباز بھی خوب آدمی تھا۔ سنا ہے آج کل جیل میں ہے، بیس سال کی قید گزار رہا ہے۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ شہباز جیل میں نہیں ہے بلکہ اس کی ڈمی جیل میں سزا بھگت رہی ہے اور اس سلسلے میں مسٹر عسکری سب سے پیش پیش رہے ہیں۔ رشوت تو بہت لمبی لی گئی ہے، لیکن مسٹر

عسکری کے ذریعے دوسرے لوگوں تک یہ رقومات پہنچی ہیں۔ شہباز کو آزاد کر دیا گیا اور اس وقت وہ ایک جعلی نام سے اسمگلنگ کر رہا ہے اور اس کی جگہ بیس سال کی سزا اس کا ایک دوسرا آدمی بھگت رہا ہے۔ اس کے میک اَپ میں اور اس راز سے صرف تین افراد واقف ہیں، جن میں مسٹر عسکری سرفہرست ہیں۔"

"کک ...... کیا بکواس کر رہے ہو شہروز ...... ؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم ...... ؟"

عسکری کی آواز پھپھسی ہو گئی۔

"بس مسٹر عسکری ...... ! کیا کہوں آپ سے ...... ؟ مسز شکور اگر پولیس کو اطلاع دیں کہ مسٹر شکور جو ایک بہت بڑے بزنس مین تھے، ڈوبے نہیں تھے بلکہ ڈبو دیئے گئے تھے۔ ایک پولیس افسر نے سوئمنگ پول میں نیچے سے ان کی ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیا تھا اور پھر اس وقت تک مسٹر شکور کو سوئمنگ پول میں رکھا جب تک ان کا دم نہ نکل گیا۔ اس کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ مسز شکور وہاں موجود تھیں، اس پولیس افسر کو انہوں نے ایک بھاری رقم ادا کی اور بعد میں انہیں جب یہ احساس ہوا کہ انہوں نے شوہر سے محروم ہو کر اچھا نہیں کیا، یعنی جس شخص کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا، اس نے انہیں شدید دھوکہ دیا تو ان کے ذہن میں اس شخص کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ پولیس افسر کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مسز شکور نے اسے اس کام کے لئے آمادہ کیا تھا۔ وہ تو مسز شکور کا دوست تھا اور یہ دوستی جسمانی تعلقات پر قائم تھی۔ میرا مطلب ہے مسٹر عسکری ...... ! اگر مسز شکور اس پولیس افسر پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام لگا دیں تو تم خود سوچو، اس پولیس افسر کا کیا ہو گا ...... ؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ...... ؟"

عسکری کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔

"وہی مسٹر عسکری ...... ! جو میں نے پہلے آپ سے کہا تھا۔ آپ کو میری طرف دیکھتے ہوئے ذرا محتاط رہنا چاہئے۔ ورنہ آپ کی ملازمت بھی جا سکتی ہے اور دوسرے مسائل میں بھی گرفتار ہو سکتے ہیں آپ۔ جن پریشانیوں کو آپ مول لے رہے ہیں، میری رائے ہے کہ انہیں مول نہ لیں۔ جو کچھ بدتمیزی آپ نے کی ہے، اس کے نتیجے میں ایک چھوٹی سی سزا آپ کو ضرور دی جائے گی۔"

شہروز کے لہجے میں بے پناہ اعتماد تھا۔ عسکری منہ پھاڑے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"تمہیں ...... تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا ...... ؟"

اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کھڑے ہو جاؤ عسکری ...... ! مجھ سے بیٹھنے کی اجازت طلب کرو، پھر بیٹھو۔"

شہروز کے لہجے میں عجیب سی غراہٹ تھی۔

"شہروز ...... ! میں ...... میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"اُٹھ جاؤ عسکری ...... ! کھڑے ہو کر مجھ سے بیٹھنے کی اجازت طلب کرو۔"

شہروز غرایا اور عسکری با دلِ نخواستہ کھڑا ہو گیا، پھر اس کی مردہ سی آواز اُبھری۔

"میں بیٹھ سکتا ہوں مسٹر شہروز ...... ؟"

"سوری مسٹر عسکری ...... ! اس وقت میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔ کوئی فضول بات نہ سن سکوں گا۔ آپ پھر کسی وقت مجھ سے ملاقات کریں۔"

"شہروز ...... ! میں ...... میں اُلجھن میں رہوں گا۔"

"آپ نے یہ اُلجھنیں خود خریدی ہیں مسٹر عسکری ...... ! یہی نہیں، آپ ابھی ایک بہت بڑی اُلجھن میں پھنسنے والے ہیں۔"

"مجھے بیٹھنے تو دو ...... !"

"ہرگز نہیں ...... ! آپ بیٹھے تو اچھا نہ ہو گا۔"

شہروز غرایا۔

"آج رات کو ٹھیک دس بجے مونٹ پہنچ جائیں، میں مونٹ کے کیبن نمبر پندرہ میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"مونٹ ...... ؟"

عسکری نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں ...... ! کیوں ...... ؟"

"اور رات کو دس بجے ...... ؟"

"ٹھیک دس بجے ...... !"

"شہروز ...... ! وہاں کیا ضروری ہے ...... ؟ کوئی دوسری جگہ منتخب کر لو۔ وہ شہر سے دس میل دُور ہے اور پھر راستہ بھی مخدوش ہے۔ سنو ...... ! وہیں کیا ضروری ہے ...... ؟ میں تمہیں لا روش میں دعوت دیتا ہوں۔"

"مونٹ، دس بجے ...... !"

شہروز نے جواب دیا اور خود بھی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ عسکری سے مخاطب ہوئے بغیر ایک میز کی طرف بڑھ گیا، جہاں دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عسکری جھینپے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر وہ پلٹ کر برق رفتاری سے واپس نکل گیا۔ اس کی کیفیت عجیب تھی۔ شہروز کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اسی رات ٹھیک دس بجے عسکری مونٹ پہنچ گیا۔ مونٹ ایک خوب صورت جھیل کے کنارے بنا ہوا ایک حسین ہوٹل تھا۔ کشتیوں کا ایک پل جھیل میں اُتار دیا گیا تھا اور اس میں بیٹھنے کا حسین بندوبست کیا گیا تھا۔ کیبن نمبر پندرہ میں شہروز موجود تھا۔ عسکری اُترا ہوا چہرہ لئے ہوئے کیبن میں داخل ہو گیا۔ شہروز نے مسکراتی نگاہوں سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"خدا کی پناہ ...... ! یہ راستہ کس قدر خراب ہے ...... ؟ نہ جانے کیسا ذوق ہے ...... ؟ یہ راستہ بن بھی سکتا ہے۔"

"اگر یہ راستہ بن جائے تو مونٹ کا حسن اُجڑ جائے عسکری......!"
"کیا مطلب......؟"
"اسی ناہموار راستے نے تو مونٹ کو اہمیت بخشی ہے، ورنہ اس میں کیا جاذبیت رہتی......؟"
"بیٹھ سکتا ہوں......؟"
عسکری نے پوچھا۔
"تشریف رکھئے آفیسر......!"
شہروز بولا اور عسکری بیٹھ گیا۔ وہ گہری نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔
"فرمائیے......! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں......؟"
شہروز نے پوچھا۔
"شہروز......! تم کیا چاہتے ہو......؟"
"فدوی کو شہروز فاروق کہتے ہیں۔"
"نواب فاروق حسن تو بے حد دولت مند انسان ہیں۔"
"پھر......؟"
"اور تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو۔"
"مقصد بیان کرو عسکری......! اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو......؟"
"بلیک میلنگ کیوں کرتے ہو......؟"
"تمہارے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔"
"نہیں......! لیکن اطلاعات ہیں اور میں تمہارا دوسرا نام بھی جانتا ہوں۔"
"کون سا نام......؟"
"گل زادی......!"
عسکری نے جواب دیا۔ شہروز کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔
"یہ اطلاعات آپ کو کس نے فراہم کیں مسٹر عسکری......؟"
"میں خود ہی اس کا تجزیہ کر چکا ہوں۔"
"تمہاری زندگی کی نادر و نایاب کتاب کے تمام ریفرینس میرے پاس تحریری طور پر موجود ہیں مسٹر عسکری......!"
شہروز نے کہا اور عسکری کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔
"خدا کی پناہ......! اس کا مطلب ہے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے، تم اس کا ثبوت بھی رکھتے ہو......؟"

"جی......! اور اسی لئے میں آج سے آپ کو ایک پیشکش کر رہا ہوں۔ یہ ثبوت محفوظ رکھے جائیں گے اور اس راز کے لئے آپ کو پچاس ہزار روپے ماہوار ادا کرنے پڑیں گے۔ یہ رعایت صرف تعلقات کی بناء پر کی جا رہی ہے، ورنہ میں اس کا ڈبل بھی مانگ سکتا تھا تم سے۔"
"کیا مطلب......؟"
"مطلب ثبوت دیکھنے کے بعد معلوم کر لینا......؟"
"نہیں نہیں شہروز......! یہ نہیں ہو سکتا۔ خواہ مجھے خودکشی کرنی پڑے۔ میں تمہیں ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔"
"سودے کی شکل بدل بھی سکتی ہے۔"
"کیا مطلب......؟"
"ہم دوستی بھی کر سکتے ہیں اور دوست بن جانے کے بعد آپ میرے تعلقات کی نگرانی کریں گے اور میں آپ کا خیال رکھوں گا۔"
"ہاں......! یہ بہتر رہے گا۔"
"تو پھر کیا خیال ہے......؟"
"میں بخوشی تیار ہوں۔"

☆......☆......☆

"آپ بھی عجیب ہیں مسٹر عسکری......! ذرا سی دیر میں اتنے اہم فیصلے کر لیتے ہیں۔ سوچیں سمجھیں، اس کے بعد اطمینان سے فیصلہ کریں۔"
"میں نے فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ اب سوچنے کی گنجائش نہیں ہے۔"
عسکری نے جواب دیا۔
"تو پھر آپ کو تفصیل بتانا ہو گی۔"
"تفصیل......؟"
"ہاں......! وہ کون ہے جس نے آپ کو میرے پیچھے لگایا......؟ کون ہے وہ......؟ اور اس کا مقصد کیا ہے......؟"
شہروز نے پوچھا اور عسکری کی گردن جھک گئی۔
"تم بے حد ذہین ہو شہروز......! اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تم سے دوستی کرنے میں ہی فائدہ ہے۔
شہروز......! میں خلوصِ دل سے اب تمہارا دوست ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔"
اس نے کہا۔ شہروز خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عسکری پھر مخاطب ہوا۔

"لیکن میں ساری زندگی اس بات پر حیران رہوں گا کہ تمہیں میرے بارے میں معلومات کس طرح حاصل ہوئیں......؟"

"میرا سوال باقی ہے۔"

شہروز نے کہا۔

"اوہ ہاں......! شہروز......! عجیب وغریب واقعات ہیں۔ وہ ایک غیر ملکی ہے۔ پال کے نام سے جانا جاتا ہے۔"

"آگے چلئے مسٹر عسکری......!"

شہروز نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میری اس شخص سے ملاقات ایک دوست مسٹر سرفراز کے گھر پر ہوئی۔ ان کی بیٹی کی سالگرہ کی تقریب تھی جس میں انہوں نے میرا تعارف مسٹر پال سے کرایا تھا۔"

"مسٹر سرفراز......؟"

"ہاں......! سیٹھ صاحب کی بیٹی کی سالگرہ میں، میں نے مسٹر پال کو پہلی بار دیکھا تھا۔ سیٹھ صاحب ان سے میرا تعارف کرانے کے بعد خود تقریب کی دیگر مصروفیات میں گم ہو گئے اور وہ شخص مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ دراصل شہروز......! ان حالات کے بعد اب میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اپنے بارے میں جتنا جانتا ہوں، اتنا ہی تم میرے بارے میں جانتے ہو۔"

"ہوں......! یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا عسکری......!"

شہروز نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ وعدہ کر چکے ہیں مسٹر شہروز......! کہ میری کسی بھی بات سے فائدہ اُٹھا کر آپ مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"ہاں......! میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تو تفصیل یوں ہے کہ مجھے اس تقریب میں یہ محسوس ہوا جیسے مسٹر سرفراز نے خصوصی طور پر اس شخص کو مجھ سے متعارف کرایا ہو۔ اس شخص نے اس دن تو کوئی خاص بات نہ کی، لیکن ہماری دوسری ملاقات جلد ہی ایک نئی جگہ پر ہوئی۔ اس میں تمہارا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اس نے کہا کہ نواب فاوق حسن کے بیٹے کو بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کرنا ہے، اس کے لئے اس نے مجھے بہت ہی عمدہ پیش کش بھی کی۔"

"ویری گڈ......!"

شہروز دلچسپی سے بولا۔

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس بلیک میلر سے یعنی مجھ سے اس کی کیا پرخاش ہے......؟"

"خاصی پراثر شخصیت کا مالک ہے۔ بات منوانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مجھے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں

معلوم ہوتی شہروز......! بہر حال اس نے یہ سب کچھ نہیں بتایا، لیکن اسے تمہاری ذات سے کیا دلچسپی ہے......؟ یہ میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ میں کسی طور تمہیں بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کروں اور اپنی تحویل میں رکھوں، اس طرح کہ جس وقت وہ چاہے تمہیں آزاد کر دیا جائے۔"

"اوہ......!"

شہروز نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں......! اس کے لئے اس نے مجھے اچھی رقم پیش کی تھی۔ پھر سیٹھ ہمدانی کو ہم نے اس سلسلے میں مجبور کیا اور وہ ہم سے تعاون پر آمادہ ہو گیا۔"

"اور تم نے اسے قتل کرا دیا......؟"

"کیا کہہ رہے ہو شہروز......؟"

"عسکری......! یہ غیر سرکاری گفتگو ہے۔"

"تم نے سیٹھ ہمدانی سے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا تھا......؟"

"بکواس......!"

"اور تم نے اسے قتل بھی نہیں کیا......؟"

"نہیں عسکری......! اس بات پر بھروسہ رکھو۔"

"اوہ......! اوہ......! تو پھر......تو پھر......"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے......؟"

"خدا کی پناہ......! گویا......گویا اس نے مجھ سے بھی صحیح گفتگو نہیں کی تھی......؟ کوئی گہری چال چل رہا ہے وہ......؟"

"ہاں......! بہت ہی گہری چال......! اور اس کے لئے اس نے تمہارا سہارا لیا ہے، تاکہ اس کی گرفت کرنے والا کوئی نہ رہے۔"

شہروز نے جواب دیا۔ عسکری گردن جھکائے بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شہروز......! یہ تو دوسرے لحاظ سے بھی بہت برا ہوا۔ تم یقیناً سچ کہہ رہے ہو۔ مجھے حالات کا یقین آتا جا رہا ہے۔ تمہارے سہارے وہ کچھ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ تمہاری شخصیت میرا مطلب ہے، گل زادی کی شخصیت ایک مجرم کی حیثیت سے اس کے سامنے ہے۔"

"بہرصورت، مسٹر عسکری......! اپنے معاملات میں خود نمٹا لیا کرتا ہوں۔ اب آپ بتائیے، میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں......؟"

"شہروز......! جو کچھ ہو چکا ہے، میں اس کا سدباب نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی اور دعویٰ کروں گا۔ یقین کرو، میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میں اب تمہارے شکنجے میں پھنس چکا ہوں بلکہ بعض معاملات میں میرا

ضمیر خود بھی مجرم ہے۔ اگر کوئی غیر ملکی ہمارے ملک میں کوئی سازش کر رہا ہے تو اس سازش کی بیخ کنی ہونی چاہئے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ نہ جانے وہ کیا چکر چلا رہا ہے......؟"

"مجھے تمہاری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مسٹر عسکری......! میں اپنے معاملات خود دیکھنے کا عادی ہوں۔ تم قانون کے محافظ ہو۔ اگر تم قانون شکنی کر رہے ہو تو یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ جہاں تک میرا مسئلہ ہے، میں بھی قانون دوست نہیں ہوں، اور کیوں نہیں ہوں......؟ اس کی وجہ میں تم جیسے آدمی کو بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ تاہم اس شخص نے جس کا نام تم نے مسٹر پال لیا ہے، اگر میرے لئے کوئی جال تیار کیا ہے تو میں اس جال میں پھنسنے کے لئے بخوشی تیار ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھی اسے جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے......؟ کیونکہ کوئی غیر ملکی پہلی بار میرا دشمن بنا ہے اور مجھے اپنے اس دشمن سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"تو پھر اس سلسلے میں میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں......؟"

عسکری نے پوچھا۔

"سرفراز نے اسے تم سے متعارف کرایا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ سرفراز اس کی شخصیت سے واقف ہوگا۔"

"ہاں......! لیکن کیا تم سیٹھ سرفراز کو چیک کرو گے......؟"

"تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو عسکری......؟"

شہروز نے مسکرا کر کہا۔

"میری بات اور ہے۔ نہ جانے کس طرح تم نے......تم نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا......؟"

عسکری حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ شہروز بدستور مسکرا رہا تھا۔ پھر شہروز نے کہا۔

"بہر حال، ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ تعاون موجود ہے۔ عدم تعاون کی شکل میں مسٹر عسکری......! ہمارے درمیان دشمنی کا رشتہ دوبارہ قائم ہو جائے گا اور وہ تمہارے لئے خطرناک ہوگا۔"

عسکری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب شہروز نے دوبارہ پوچھا۔

"پال سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے......؟"

"میں نہیں جانتا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا......؟"

"اس سلسلے میں تم میری مدد کرو شہروز......!"

"سیٹھ ہمدانی کے قتل کی تفتیش کرو، ابھی میرا نام نہ لو، بلکہ میرے خلاف ثبوت حاصل کرنے میں کوشاں رہو۔ اگر کسی طور ممکن ہو تو مجھے اس شخص کی رہائش گاہ یا فون نمبر کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، ایسا ہی کروں گا۔"

"تو پھر ہماری یہ ملاقات ختم عسکری......؟"

"کیا تم بھی چل رہے ہو شہروز......؟ وہ اصل میں راستہ بے حد مخدوش ہے۔"

عسکری نے پوچھا۔

"سوری......! میں ابھی یہاں رُکوں گا......؟"

شہروز نے جواب دیا اور عسکری اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

دفتر جاسوسی قائم ہو چکا تھا۔ اخبارات میں مخصوص قسم کے اشتہارات دیئے جا رہے تھے۔ فاروق حسن صاحب نے دفتر ان کے حوالے کرنے کے بعد اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ ویسے دونوں جاسوسوں کی تربیت مکمل ہو گئی تھی۔ ان کا سربراہ تابش تھا اور معاونین میں دوسرے تمام لوگ کی بھی بلا معاوضہ خدمات شامل تھیں۔ لیکن ابھی تک کوئی کیس نہیں ملا تھا۔ یہ دفتر ان لوگوں کی پرائیویٹ نشست گاہ بھی بن گیا تھا۔ یعنی فرصت کے اوقات میں وہاں ان کی باقاعدہ میٹنگ ہوتی جس میں تمام افراد کسی نہ کسی طرح شامل ہو جاتے تھے۔ اس شام بھی تقریباً سبھی دفتر کے کمرے میں جمع تھے اور موجودہ صورتِ حال پر بحث ہو رہی تھی۔ تابش بہت غور و خوض کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"کوئی بھی کام ابتداء میں مشکل طلب ہوتا ہے۔ وہ ہو نہیں جاتا، بلکہ کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس دفتر کو آگے بڑھانے کے لئے ہمیں خود ہی کچھ عمل بھی کرنا ہوگا۔"

"مثلاً......؟"

شاہد نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ لوگوں کے ساتھ کوئی مشکل نہیں ہے، تو یہ مشکل پیدا کی جانی چاہئے۔ مثلاً اب جیسے اس دفتر کے عقب میں یہ ایک حضرت جو رہتے ہیں، میرا مطلب ہے، جن کا دفتر قائم ہے، ان کے ہاں اکثر خواتین آتی رہتی ہیں۔ بڑا پُر اسرار کاروبار ہے ان کا۔ معلوم یہ ہونا چاہئے کہ کیا کاروبار ہے......؟ اور اگر ان حضرات کے لئے کوئی مشکل پیدا کر دی جائے اور بلا معاوضہ اس مشکل کا کوئی حل بھی ان کے سامنے آ جائے تو اس طرح بھی ہمارا کام بن سکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے......! لیکن کیا مشکل پیدا کی جا سکتی ہے ان کے لئے......؟"

"وہی تو سوچنا ہے۔"

تابش نے جواب دیا اور تمام گردنیں جھک گئیں۔ پھر تابش چٹکی بجا کر بولا۔

"دفتر کے باہر کی عمارت میں جو ٹیلی فون موجود ہے، کیا وہ کام کرتا ہے......؟"

"ہاں......! اکثر لوگ اس میں داخل ہو کر ٹیلی فون کرتے ہیں۔"

روکی نے جواب دیا۔

"بس، تو روکی......! کسی طرح ان صاحب کا لینڈ لائن نمبر معلوم کر کے آؤ۔"

"ہاں......! ابھی کر آؤ، کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے......! میں چلتا ہوں۔"

"مگر کس طرح معلوم کرو گے......؟"

تابش نے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے، میں ابھی آیا۔"

روکی نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے یہ نمبر آ کر بتا دیا۔

"دفتر کے مالک کا نام محمود علی ہے۔"

"ویری گڈ......! یہ ہوئی ناں بات......! اچھا، میں ابھی آتا ہوں۔"

تابش نے کہا اور نیچے اُتر گیا۔ اس نے ٹیلی بوتھ میں پہنچ کر روکی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو......! مجھے مسٹر محمود سے بات کرنی ہے۔"

"ایک منٹ ہولڈ کیجئے......!"

دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر چند سیکنڈ کے بعد ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"محمود بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے پھٹی پھٹی آواز سنائی دی۔

"محمود صاحب......! میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے ہارون بول رہا ہوں۔ تمہارے خلاف ایک رپورٹ پیش کی گئی ہے۔"

"رپورٹ......؟ میرے خلاف......؟"

"ہاں......! تمہارا کاروبار کیا ہے......؟ بتانا پسند کرو گے......؟"

"صاحب......! میں امپورٹ ایکسپورٹ کرتا ہوں۔"

"لڑکیوں کا تمہارے آفس سے کیا تعلق ہے......؟"

"لڑکیاں......؟"

"ہاں......! اکثر تمہارے دفتر میں لڑکیاں آتی رہتی ہیں......؟"

"ہاں ہاں......! پھر......؟"

"پھر کیا......؟ کون ہیں وہ سب......؟"

"کوئی آپ سے آپ کی بیٹیوں کے بارے میں پوچھ سکتا ہے کہ وہ کون ہیں......؟ لیکن ظاہر ہے، کیوں پوچھے گا......؟ آپ پولیس والے جو ٹھہرے۔"

"کیا مطلب......؟"

اس بار تابش سنبھل کر بولا۔

"مطلب یہ کہ میری بیٹیاں اپنے آفس میں آتی جاتی ہیں تو کسی کو کیا تکلیف......؟"

تابش اس جواب پر کچھ دیر خاموش رہا تھا۔ ظاہر ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ پھر اس نے رعب دار لہجے میں کہا۔

"ہوں......! بہرحال مسٹر محمود......! یوں لگتا ہے جیسے کوئی تمہارے کاروبار کو اور تمہارے دفتر کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ بہرحال میں اس کے لئے تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ نہ صرف اپنے نادیدہ دشمن سے ہوشیار رہو، بلکہ اس کا پتا چلاؤ، ورنہ حالات آگے بڑھ گئے تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میں کیسے پتا لگاؤں......؟ یہ تو پولیس کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے......! تم آ کر رپورٹ درج کراؤ، لیکن اس صورت میں پولیس تمہیں وقت بے وقت پریشان کرتی رہے گی۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد محمود صاحب کی آواز سنائی دی۔

"جناب......! میں بہت شریف انسان ہوں۔ آپ ہی اس کا کوئی حل بتائیں کہ میں اپنے دشمن کا کیسے پتا لگاؤں......؟"

"آپ کا دفتر معیار مینشن میں ہے ناں......؟"

"جی ہاں......!"

"معیار مینشن میں پرائیویٹ جاسوسی کا ایک ادارہ ہے۔ بہت نیک نام لوگ ہیں۔ کئی کیس حل کر چکے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ قانونی طور پر کام کرتے ہیں اور ہمیشہ حق و انصاف کا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اچھا......! پھر کیا میں ان سے رابطہ کروں......؟"

"ضرور رجوع کریں، بڑے کام کے لوگ ثابت ہوں گے۔ بہرحال پولیس کی خدمات بھی حاضر ہیں۔ آپ کو جب بھی ضرورت ہو، پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہارون کو یاد کر لیجئے گا۔"

"شکریہ جناب......!"

پھر دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ تابش بھی جلدی سے دفتر آ گیا تھا۔ پھر اس نے ان دونوں کو صورت حال سمجھائی۔ باقی لوگ اس پہلے کیس کی آمد کے لئے جگہ خالی کرنے پر تیار ہو گئے۔ صرف تابش وہاں رہ گیا تھا اور اس نے عالم پناہ کو ہدایت کر دی تھی کہ گفتگو انہیں کرنی ہے۔ اس کے بعد انہیں آدھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑا تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد محمود علی نے آفس کی اطلاعی گھنٹی بجائی تھی اور دروازہ کھلنے پر اندر آ گیا تھا۔

"معذرت خواہ ہوں، مخل تو نہیں ہوا......؟"

"نہیں......! تشریف لائیے۔ فرمائیے......! کیا خدمت کی جا سکتی ہے......؟"

"آپ تینوں، میرا مطلب ہے کہ آپ کا تعلق......؟"

"جی ہاں......! جی ہاں......!"

”میں آپ کا پڑوسی ہوں۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“

روکی نے کہا۔

”آپ لوگوں کا اشتہار اکثر اخبار میں نظر آتا ہے۔“

”جی ہاں......! خدا کے فضل سے ہم بہتر کاروبار کر رہے ہیں۔“

”میں خود بھی ایک اُلجھن کا شکار ہوں۔ میں نے سوچا، آپ سے کیوں نہ مدد لی جائے......؟“

”ضرور فرمایئے......!“

”میرے دُشمن میرے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ نہ جانے کیا چکر چلایا ہے انہوں نے میرے خلاف......؟ میں آپ کی معرفت ان لوگوں کا پتا چلانا چاہتا ہوں۔“

”اوہ......! گویا آپ اپنے دُشمن کی نشاندہی چاہتے ہیں......؟“

”جی ہاں......!“

”فارم بھر دیں تاکہ اس کے بعد تفصیل ہو جائے۔“

روکی نے کہا اور محمود علی نے فارم بھر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے پانچ ہزار فیس بھی ادا کرنی پڑی تھی۔

”اب آپ مکمل کوائف بھی بتا دیں۔“

عالم پناہ بولے۔ تابش کے پڑھائے ہوئے تھے، اس لئے سب کچھ ٹھیک ٹھیک بول رہے تھے۔ محمود علی نے پوری تفصیل بتا دی۔ پھر بولا۔

”عجیب سا معاملہ ہے۔ میرا کوئی غیر قانونی کام نہیں ہے۔ نہ جانے کون میرے پیچھے پڑ گیا ہے......؟“

”اس کی تلاش ہمارا فرض ہے، لیکن اخراجات......“

”کتنے ہو جائیں گے......؟“

”ہماری فیس پچیس ہزار روپے ہے۔ اگر خصوصی اخراجات ہوئے تو وہ آپ کو ادا کرنے ہوں گے۔“

”میں تیار ہوں، آپ کام شروع کریں۔“

”تو پھر پچاس فیصد ایڈوانس ادا کریں۔“

روکی نے کہا۔

”میں چیک بھجوائے دیتا ہوں، آپ کام شروع کر دیں۔“

محمود علی نے کہا اور معاملات طے ہو گئے۔ محمود علی کے جاتے ہی سب کے سب بھڑک مار کر اندر داخل ہو گئے تھے۔

”پہلے یہ پانچ ہزار روپے حلال کریں جناب......! اس کے بعد کوئی دوسری بات ہوگی۔“

”کون کون، کیا کیا کھائے گا......؟“

”پیزہ......! سب کا من پسند......! آرڈر کر دیں، ابھی تھوڑی دیر تک یہیں دعوت اُڑائی جائے گی۔“

”او کے......!“

تابش نے کہا اور فون سامنے کر کے ایک مشہور پیزہ ریسٹورنٹ کو پیزے کا آرڈر دینے لگا۔ اس طرح روکی اور عالم پناہ کے کاروبار کا آغاز ہو گیا اور اس کاروبار کا سربراہ تابش تھا۔ ابھی نہ جانے کون کون سے گل کھلنے والے تھے۔

☆......☆......☆

عسکری کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ وہ جوں جوں سوچتا جاتا تھا، عقل خبط ہوتی جاتی تھی۔ وہ پولیس افسر تھا۔ زندگی بھر دوسروں پر دھاک بٹھاتا آیا تھا۔ اوپر نیچے دیکھ کر چلنے کا عادی تھا اور ہاتھ آنے والی دولت کو چھوڑنے کا قائل بھی نہیں تھا۔ اس سلسلے میں اگر کسی ضرورت مند کی مدد بھی ہو جائے تو کیا حرج ہے......؟ لیکن خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا کوئی ہم راز بھی ہے جو اس کے افعال سے اتنا ہی واقف ہے جتنا وہ خود۔ وہ جوں جوں سوچتا، وحشت بڑھتی جاتی۔ وہ کمبخت اس کے ایسے ایسے رازوں سے واقف ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

”اگر یہ راز کسی طرح افسرانِ بالا تک پہنچ جائے تو......تو......؟“

عسکری کو یہ سوچ کر ہی چکر آنے لگتے تھے۔ پھر وہ پال کے بارے میں سوچنے لگا۔

”اس بدبخت غیر ملکی پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آخر......؟ وہ کیوں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے......؟“

دوسرے لمحے وہ خود چونک پڑا۔ بات اب یہ نہیں رہی تھی۔

”اگر گل زادی کا کہنا درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سیٹھ ہمدانی کے قتل میں بھی اسی غیر ملکی کا ہاتھ ہے۔ کیا اس نے سیٹھ ہمدانی کو صرف اس لئے قتل کیا ہے کہ شہروز اس کے قتل کے الزام میں پھنس جائے......؟ بہرطور، یہ سب کچھ تو ہے، لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے......؟“

وہ سوچتا رہا۔ ایک ہی کوشش کی جا سکتی تھی۔

”سیٹھ سرفراز اگر اس سلسلے میں کوئی مدد کرے تو......؟“

لیکن سیٹھ سرفراز کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عسکری سخت پریشان تھا۔ بہرحال وہ بذاتِ خود سیٹھ سرفراز کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ سرفراز سے اس کے مراسم ضرور تھے لیکن اتنے زیادہ نہیں، بس ایک پولیس افسر کی حیثیت سے سیٹھ سرفراز اس سے متعارف تھا۔ کارڈ بھجوانے پر سیٹھ سرفراز نے اسے اپنے ڈرائنگ روم میں بلا لیا۔ وہ تنہا ہی تھا۔

”ہیلو مسٹر عسکری......! کیسے مزاج ہیں آپ کے......؟ آج کیسے یاد آ گئے ہم آپ کو......؟“

”بس جناب......! خیریت ہے، آپ سے کچھ اہم معلومات درکار ہیں۔ آپ کو تکلیف دیئے بغیر چارہ نہیں تھا۔“

''معلومات......؟''

سرفراز نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''کچھ سرکاری نوعیت کی بات ہے۔''

''اگر آپ کے خلاف نہ جائے تو سرکاری نوعیت کی، اور اگر کسی طرح آپ کے خلاف ہو جائے تو بھی اس کی حیثیت ذاتی ہے۔''

عسکری نے راز داری سے کہا۔

''بڑی پُراسرار گفتگو کر رہے ہیں مسٹر عسکری......؟''

سرفراز گہری نگاہوں سے عسکری کو دیکھ رہا تھا۔

''میں نے عرض کیا ناں، ابھی یہ قطعی نجی ہے۔''

''سوری......! میں پولیس افسروں سے نجی کام نہیں لیتا۔ میں ذرا سیدھا سادہ سا آدمی ہوں۔''

''مسٹر سرفراز......! میں نے اب تک آپ سے بالکل مخلصانہ گفتگو کی ہے، لیکن آپ تعاون نہیں کر رہے۔''

''مجھے تمہاری گفتگو پر اعتراض ہے۔''

''میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی۔ ویسے معاف کیجئے، آپ مجھ سے ایک نجی کام لے چکے ہیں۔''

''تم سے......؟''

سرفراز کے انداز میں تعجب تھا۔

''ہاں......! لیکن چھوڑیں، جانے دیں۔ بس دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ یہی ماحول قائم رہے۔''

''مسٹر عسکری......! آپ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کی گفتگو کا قائل نہیں ہوں۔ آپ نے اگر میری کوئی غیر قانونی حرکت پکڑی ہے تو اپنے افسرانِ بالا سے رپورٹ کیجئے یا میرے خلاف تفتیش شروع کر دیجئے۔ اگر قابل گرفتاری ہوں تو وارنٹ نکلوا دیجئے اور مجھے گرفتار کر لیجئے۔ کیونکہ آپ پولیس افسر ہیں۔ اگر ان تمام باتوں میں سے کچھ نہیں ہے تو پھر آپ کو اپنے الفاظ پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون سی بات ہے جو اگر نجی نہ ہو تو اس کی نوعیت سرکاری ہو سکتی ہے......؟''

''میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا تھا سیٹھ سرفراز......! کہ میں قطعی دوستانہ ماحول میں آپ سے گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرا لہجہ کہاں خراب ہوا......؟ اور آپ نے کوئی غلط بات محسوس کی......؟ میں آپ کے اس حقیر لہجے سے بھی روشناس ہو چکا ہوں، جس میں ابھی آپ نے گفتگو فرمائی تھی۔ مسٹر سرفراز......! بلاشبہ ایک سرمایہ دار کی حیثیت سے آپ ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ لیکن حکومت قانون کے تحفظ کے لئے جو

محکمے بناتی ہے تو اتنے بھی غیر مؤثر نہیں ہوتے کہ ان پر بے جا اجارہ داری قائم کر لی جائے۔ ایک بار پھر عرض کر رہا ہوں سیٹھ سرفراز......! کہ میں صرف آپ سے معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند ہوں۔ میرا مقصد کسی طور پر یہ نہیں ہے کہ میں آپ پر کوئی شبہ کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے مسٹر عسکری......! فرمائیے، کیا بات ہے......؟ ہم مزید تلخ گفتگو کرنے کی بجائے اگر فوری طور پر موضوع پر آ جائیں تو بہتر ہے۔''

''یقیناً......! میں خود بھی اس بات کا خواہش مند ہوں۔''

عسکری نے جواب دیا۔

''تو پھر فرمائیے......!''

سیٹھ سرفراز نے کہا۔

☆......☆......☆

''مسٹر سرفراز......! آپ نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کے موقع پر میرا تعارف مسٹر پال سے کروایا تھا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ مسٹر پال کون ہیں......؟ اور کہاں سے تعلق رکھتے ہیں......؟ نیز یہ کہ آپ سے ان کا تعارف کب سے ہے......؟ ان کا کاروبار کیا ہے......؟ اور وہ کب یہاں تشریف لائے ہیں......؟''

عسکری نے سیٹھ سرفراز کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تعجب کی بات ہے مسٹر عسکری......! مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مسٹر پال کون سے تھے......؟ اور میں نے کب ان سے آپ کا تعارف کروایا تھا......؟''

''میں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا مسٹر سرفراز......! آپ کی اس تقریب میں میرا خیال ہے، صرف چند ہی غیر ملکی تھے اور مسٹر پال آپ سے اتنے اجنبی نہیں نظر آتے تھے کہ آپ انہیں اس طرح بھول جائیں۔ نیز یہ کہ جب کسی شخص سے کسی دوسرے شخص کا تعارف کرایا جاتا ہے تو وہ اتنا اجنبی نہیں ہوتا۔ صرف چند لمحات کی ملاقات اس نوعیت کی حامل نہیں ہوتی کہ دوسرے لوگوں سے تعارف کرایا جائے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں......؟''

مسٹر سرفراز نے کسی قدر لہجہ بدل کر سوال کیا۔

''صرف یہ مسٹر سرفراز......! کہ آپ وہ بتائیں، جو حقیقت ہے۔''

''آپ کے لہجے میں پھر پولیس افسروں والی بات پیدا ہوئی ہے مسٹر عسکری......! اور آپ یقین کریں، اس لہجے میں کی گئی بات کا میں جواب نہیں دیتا۔''

''مسٹر سرفراز......! آپ عدم تعاون کر رہے ہیں۔ اگر آپ میری باتوں کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ٹھیک ہے......! میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن ان باتوں کا جواب مجھے بہر طور درکار ہوگا، اور آپ یقین کریں،

میں اس کا جواب آپ ہی سے لوں گا۔"

"ٹھیک ہے مسٹر عسکری......! بھلا میں آپ کو اس سے کیسے روک سکتا ہوں......؟ مجھے بس اس بات کا افسوس ہے کہ کسی بے نام سی بات پر ہمارے تعلقات میں رخنہ اندازی پیدا ہوگئی۔"

"میں تو اسی جذبے کے ساتھ آیا تھا مسٹر سرفراز......! کہ میں صرف آپ سے معلومات حاصل کرسکوں۔ میں نے اپنے خلوص کا اظہار اپنے الفاظ میں بھی کر دیا تھا۔ میں نے کہا تھا آپ سے کہ اگر آپ کے خلاف کوئی بات نہیں ہے تو میری تفتیش سرکاری ہے اور اگر آپ پر آنچ آتی ہے تو میں یہ معلومات صرف اپنی ذات تک محدود رکھوں گا۔"

عسکری نرم لہجے میں بولا اور سیٹھ سرفراز عجیب سی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"لیکن پھر بھی مسٹر عسکری......! آپ نے مجھ سے جو سوال کیا ہے، اس کے بارے میں، میں آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پال نامی شخص میرے ذہن میں نہیں ہے۔ ممکن ہے، میرے کسی غیر ملکی دوست نے اس نام کے کسی شخص سے میرا تعارف کرایا ہوا اور یوں ہی رسمی طور پر میں نے اسے تم سے متعارف کروا دیا ہو۔"

"یقیناً......! اس بات کے امکانات بھیں ہیں۔ میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں مسٹر سرفراز......! لیکن کم از کم آپ مجھے ان غیر ملکی دوستوں کے بارے میں تو بتا ہی سکتے ہیں، جنہوں نے اس شخص کا تعارف آپ سے کرایا ہوگا۔"

"اس دن میرے خیال میں بہت سے غیر ملکی موجود تھے۔ کس کا نام لوں......؟ سب کی فہرست بھی مہیا نہیں ہوسکتی اور پھر میرے پاس ان اُلجھنوں میں پھنسنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ سوری مسٹر عسکری......! براہِ کرم......! مجھ سے اس موضوع پر کوئی اور سوال نہ کریں اور اس کے بعد یہ فرمائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں......؟"

"شکریہ سیٹھ سرفراز......! اس کے علاوہ مجھے آپ کی کسی اور مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

عسکری اپنی جگہ سے اُٹھا اور تیزی سے مُڑ کر باہر نکل گیا۔ سیٹھ سرفراز کی گفتگو اسے پسند نہیں آئی تھی۔

☆......☆......☆

پانچ ہزار روپے کی پارٹی بے حد شاندار رہی تھی۔ خوب اچھی طرح کھانے پینے کے بعد اس مسئلے پر غور کیا جانے لگا کہ اب محمود علی کے سلسلے میں کیا کیا جائے......؟ شاہد نے کہا۔

"محمود علی سے ملاقات کرنے کے بعد یہ اندازہ تو ہو ہی چکا ہے کہ اپنا بھائی کام کا ہے۔ فوراً ہی رقم دینے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ میرے خیال میں تھوڑی دیر کے بعد اس شخص سے چیک وصول کرلیا جائے۔"

"چیک تو وصول ہو جائے گا۔ پارٹی بھی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اب اس معاملے کو آگے کیسے بڑھایا جائے......؟"

"پیرو مرشد ہی اس سلسلے میں رہنمائی کرسکیں گے۔"

شائل، تابش کی جانب دیکھ کر بولی۔

"جی ہاں، جی ہاں......! پارٹیاں آپ لوگ اُڑائیں، برابر کے حصے دار ہوں، لمبے ہاتھ ماریں، اور جو اُلجھنیں پیش آئیں، ان میں شامت پیرو مرشد کی آئے......؟ یہ تو اچھی بات نہ ہوئی۔"

"مگر پیرو مرشد......! آپ کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں ہے، اور پھر یہ بیچارے اپنے ہی تو بچے ہیں۔ اگر ان کا کاروبار صحیح طور پر نہ جم سکا تو افریقہ بھیج دیئے جائیں گے۔ ہائے ہائے......! یہ وہاں کے قابل بھی نہیں رہے۔ بیچارہ روکی جب افریقہ پہنچے گا تو لوگ اس سے اس کی جھاڑیوں کے بارے میں سوالات کریں گے۔ کیا جواب دے گا بیچارہ......؟ اور پھر عالم پناہ بھلا اب افریقہ کے جنگلوں میں کہاں بھٹکتے پھریں گے......؟ نہیں پیرو مرشد......! رحم کریں ان پر، رحم کریں۔"

شائل نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور بہت سے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔ لیکن تابش اسی طرح سنجیدہ تھا۔ اس نے پُرخیال انداز میں تھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"اچھا......! اگر یہ بات ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ سنو شاہد......! تم اس سلسلے میں ایک اہم کام سرانجام دو گے۔"

"بھئی......! میں پیرو مرشد......! میں......؟"

شاہد نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں تم......!"

"بھلا میں کیا کرسکتا ہوں پیرو مرشد......؟"

"تم بہت کچھ کرسکتے ہو شاہد......! ان لوگوں کی مدد کے لئے میں نے تمہارا ہی انتخاب کیا ہے۔"

"فرمایئے پیرو مرشد......! خادم کے لئے کیا حکم ہے......؟"

شاہد نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ محمود علی کے بارے میں، میں نے یہ اندازہ تو بآسانی لگا لیا ہے کہ نہایت ہی دلیر آدمی ہے۔ ذرا سی دیر میں پانچ ہزار روپے ڈھیلے کرگیا اور مزید رقم دینے کا وعدہ کرگیا۔ ایسے آدمی سے لمبی رقوم حاصل کی جاسکتی ہیں اور اگر ہم اس دفتر میں رہے اور ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی مالی حیثیت کیا ہے......؟ تو وہ ہمارا آئندہ مستقل گاہک رہے گا۔ لیکن فی الوقت چونکہ یہ بات ہمارے علم میں آچکی ہے کہ وہ چھ بیٹیوں کا باپ ہے، اس لئے اسے اس سے زیادہ کی چوٹ نہیں دی جاسکتی۔ لیکن کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی بزدل کیوں نہ ہو، کم از کم رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں بہادر ضرور ہوتا ہے۔ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ آخر اس کے دشمن کون ہیں......؟ اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ محمود علی کا دشمن کون ہے......؟"

"ہم بھلا کیا جانیں......؟"

تمام لوگ چونک کر بولے اور تابش کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں۔ شاہد......! تم محمود علی کے دشمن ہو۔"

"میں......؟"

شاہد اُچھل پڑا۔

"ہاں تم......!"

"بھلا وہ کیسے......؟"

"یہی بتا رہا ہوں مسٹر شاہد......!"

تابش نے کہا اور پھر وہ شاہد کو اپنا پروگرام بتانے لگا۔ پھر یہی طے پایا تھا کہ محمود علی کے دشمن کو مکمل طور پر اس کے سامنے لانے کے لئے ضروری ہے کہ شاہد وقتاً فوقتاً اسے فون کرتا ہے اور فون پر دھمکیاں دیتا ہے۔ بالآخر ایک دن روکی اور عالم پناہ، شاہد سے جنگ کریں اور شاہد اس بات کا اقرار بھی کر لے کہ وہ آئندہ سیٹھ محمود علی کو پریشان نہیں کرے گا۔ یوں ہماری دھاک بھی بیٹھ جائے گی اور ممکن ہے کہ کچھ اور کیسز بھی ہمیں مل جائیں۔"

"وری گڈ......! وری گڈ......! اس کا مطلب ہے ایک عمدہ ڈرامہ......!"

کئی لوگوں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"لیکن تابش بھائی......! اتنا لمبا چوڑا پروگرام اور معاوضہ......؟"

"شروع تو کرو، معاوضہ بھی بڑھا لینا۔"

تابش آنکھیں نکال کر بولا اور شاہد آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔ روکی اور عالم پناہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ پھر روکی نے مسرور لہجے میں کہا۔

"کم تو نہیں ہوتے اتنے پیسے۔ اگر ہمیں ایک مہینے میں ایسے چار پانچ کیس مل جائیں تو ہم بڑے عیش سے زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"جی ہاں......! گزار تو سکتے ہیں آپ بڑے عیش سے، لیکن میں نے یہ سرپرستی صرف چند ہفتوں کے لئے قبول کی ہے۔ اس لئے محترم روکی صاحب......! اور عالم پناہ صاحب......! آپ......! آپ کو کیسز حاصل کرنے کے لئے خود ہی جدوجہد کرنا ہوگی۔ نمونہ آپ نے دیکھ لیا ہے، باقی سب آپ کا کام ہے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں تابش بھائی......! ہم کافی جاسوسی ناول پڑھ چکے ہیں۔ جاسوسی کرنا تو آ ہی گئی ہے۔ کیس حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ آپ کو اس سلسلے میں بھی زیادہ تکلیف نہیں کرنا پڑے گی۔"

روکی اور عالم پناہ بیک وقت بولے اور تابش آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

عسکری کے جانے کے بعد سیٹھ سرفراز بہت دیر تک پریشان سی شکل بنائے بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ یک بیک چونک پڑا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دیوار پر لگے

کالے بٹن پر اُنگلی رکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑا کسی ملازم کا انتظار کرتا رہا۔ ملازم کو اندر داخل ہونے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ اس نے اندر آ کر سلام کیا۔

"کیا وہ پولیس افسر چلا گیا......؟"

سیٹھ سرفراز نے پوچھا۔

"بہت دیر پہلے جناب......!"

"تمہیں یقین ہے......؟"

"جی ہاں جناب......!"

ملازم تعجب سے بولا۔

"جاؤ، ٹھیک ہے......! بس، یہی پوچھنے کے لئے تمہیں بلایا تھا۔"

سیٹھ سرفراز نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پھر ملازم چلا گیا۔ سیٹھ سرفراز وہاں سے ایک اندرونی کمرے میں پہنچا۔ یہاں ایک خفیہ دراز میں موبائل رکھا ہوا تھا۔ اس موبائل کی خاصیت یہ تھی کہ اس سے کیا گیا فون اپنے نمبر کی شناخت نہیں بتاتا تھا۔ رابطہ ہونے پر دوسری طرف سے نسوانی آواز اُبھری۔

"ہیلو......!"

"ہیلو......! میں سرفراز بول رہا ہوں۔"

"اوہ......! سیٹھ سرفراز......؟"

"ہاں......! سیٹھ سرفراز۔ گولیور سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"ابھی نہیں مسٹر سرفراز......! گولیور یہاں موجود نہیں ہے، یا تو آپ تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ رنگ کر لیں، یا اپنا پیغام دے دیں۔ میں گولیور کو پہنچا دوں گی۔"

"نہیں......! کوئی میسج نہیں ہے۔ آپ مسٹر گولیور سے کہیں کہ جس وقت بھی آئیں، مجھے رنگ کر لیں۔ میں بے چینی سے ان کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"اوکے مسٹر سرفراز......! میں آپ کا یہ پیغام مسٹر گولیور کو دے دوں گی۔"

"شکریہ......!"

سرفراز نے کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ بات کچھ بگڑتی جا رہی ہے......؟ دیر تک وہ خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر اندرونی کمرے سے نکل آیا۔ اس کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ گولیور جیسے خطرناک انسان کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اگر کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہو گئی تو سیٹھ سرفراز جانتا تھا کہ اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ گولیور اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ اس کے کچھ ایسے راز گولیور کے پاس موجود تھے جن کا افشاں ہو جانا سیٹھ سرفراز کے تمام عزت و وقار کو خاک میں ملا سکتا تھا، یا پھر اس کے عوض سیٹھ سرفراز گولیور کے تمام مطالبات پورے کرنے پڑتے۔ حالانکہ اس معاہدے کے تحت اب

گولیوراس بات سے دستبردار ہوگیا تھا کہ وہ سیٹھ سرفراز کو بلیک میل کرے گا۔ سیٹھ سرفراز نے اس سلسلے میں اسے لاکھوں روپیہ دیا تھا اور اس کے کئی کام بھی کئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود گولیور جب بھی چاہتا، اس پر مسلط ہو جاتا تھا، اور اس بار بھی سیٹھ سرفراز کو اپنی پُرسکون زندگی میں تلخیاں برداشت کرنا پڑیں۔ جب اسے گولیور کی آواز فون پر سنائی دی۔ کمبخت پھر آمرا تھا اور اسے مصیبت میں ڈال دیا تھا۔

''لیکن یہ عسکری، گولیور یا مسٹر پال کے بارے میں معلومات کیوں حاصل کرتا پھر رہا ہے......؟''

حالانکہ گولیور نے اشارتاً یہ بات کہی تھی کہ عسکری اس کے کارکنوں میں شامل ہے اور سرفراز کو اس بات پر کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی۔ گولیور بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ کسی کو اپنی مٹھی میں بند کر لینا اس کے لئے کوئی خاص مشکل کام نہ تھا۔ عسکری بجائے اس کے کہ گولیور کے لئے کام کرے، خود اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا۔

''آخر کیوں......؟''

دیر تک سرفراز سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے اطلاع ملی کہ گولیور اس سے بات کرنے کا خواہش مند ہے، اور وہ اس مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں آکر اس نے موبائل نکالا اور پھر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کی توقع کے مطابق دوسری طرف گولیور ہی بول رہا تھا۔

''ہیلو......!''

''ہیلو......! سیٹھ سرفراز بول رہا ہوں۔''

''ہوں......! کیا بات ہے سرفراز......؟ تم نے مجھے فون کیا تھا......؟''

گولیور نے پوچھا۔

''جی ہاں جناب......!''

''خیریت......؟''

''خیریت نہیں ہے مسٹر گولیور......!''

''اوہ......! کیا بات ہے......؟ پریشان محسوس ہو رہے ہو......؟''

''بہت زیادہ......!''

''وجہ......؟''

''بس......! عجیب سی اُلجھنوں کا شکار ہوں۔''

''سیٹھ سرفراز......! مجھے تمہید سے نفرت ہے۔''

دوسری طرف سے گولیور کی سخت آواز سنائی دی۔

''جناب عالی......! پولیس افسر مسٹر عسکری یہاں آئے تھے۔''

''اوہ......! عسکری......؟ خیریت......؟''

''وہ مسٹر پال کے بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''بس......! یہی بات تھی جناب......! جو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔''

''تفصیل بتاؤ......!''

گولیور نے کہا۔

''کیا تفصیل عرض کروں......؟ بس، مسٹر عسکری یہاں آئے تھے۔ ان کا انداز ذرا سخت تھا۔ پوچھنے لگے کہ مسٹر پال سے میری ملاقات کب سے ہے......؟ اور ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے......؟''

''ہوں......! پھر......؟''

''میں نے یہی کہا کہ میں مسٹر پال کو براہِ راست نہیں جانتا۔ ممکن ہے، کسی غیر ملکی دوست کے ذریعے ان سے تعارف ہوا ہو، جسے میں بھول چکا ہوں۔''

''پھر اس کے جواب میں کیا کہا اس شخص نے......؟''

گولیور کے لہجے میں غراہٹیں اُبھر آئی تھیں۔

''کچھ نہیں جناب......! کچھ انداز ٹھیک نہیں تھا۔ وہ مجھے دھمکیاں دے کر گیا ہے کہ میں مسٹر پال کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اسے بتاؤں، ورنہ مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''اوہ......! تمہیں......؟''

''ہاں جناب......! حالانکہ عسکری خود بھی میری پہنچ کو جانتا ہے، لیکن نہ جانے کس بل پر وہ اتنا سخت بول رہا تھا......؟ میں نہیں سمجھ سکا۔''

''سیٹھ سرفراز......! عسکری سے تو تمہاری دوستی ہے۔''

گولیور کی آواز سنائی دی۔

''نہیں جناب عالی......! آپ اسے دوستی نہیں کہہ سکتے۔ بس ایک کاروباری تعلق ہے، یعنی میرے ہاں جو تقاریب ہوتی ہیں، ان میں، میں بہت سے سرکاری افسران کو مدعو کرتا ہوں۔ خاص طور سے ان کو جن سے میرے کام نکلتے رہتے ہیں۔ عسکری بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

سرفراز نے کہا۔

''ہوں......! ٹھیک ہے......! پھر بھی کسی حد تک تو دوستی تو ہوئی ناں......!''

گولیور نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''جی ہاں......! آپ اسے کسی حد تک دوستی کہہ سکتے ہیں۔''

''اس کے باوجود عسکری تم سے تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہے......؟''

''نہیں جناب......! تعاون کرنے پر تو تیار ہے، لیکن بس کچھ عجیب عجیب سی باتیں کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ اگر

کہیں میرا نام آتا ہو تو اسے ٹھیک ٹھاک کرلیا جائے گا اور اگر میں کسی ذہنی اُلجھن کا شکار نہیں ہوتا تو پھر اسے مسٹر پال کے بارے میں مکمل تفصیلات مہیا کر دی جائیں۔"

"ہوں......! دلچسپ بات ہے مسٹر سرفراز......! اس پولیس آفیسر کی اتنی جرأت کیسے ہوئی......؟ جبکہ وہ مجھ سے رشوت بھی وصول کر چکا ہے۔"

"جناب عالی......! کیا مجھے کچھ تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں......؟"

"تفصیلات زیادہ نہیں ہیں مسٹر سرفراز......! میں دراصل گل زادی کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں۔"

"اوہ......! گل زادی......؟"

"ہاں......! تم یقیناً اس کے بارے میں تفصیل سے جانتے ہو۔ وہ کون ہے......؟ یہ بات بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور میرے لئے سخت تعجب خیز ہے۔ نواب فاروق حسن ایک شریف آدمی ہیں، ایک معزز حیثیت ہے ان کی۔ شہروز ان کا بیٹا ہے، لیکن گل زادی کے نام سے ایک بہت بڑا بدمعاش بھی تصور کیا جاتا ہے۔ سیٹھ سرفراز......! میں گل زادی کو اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں اور اسی لئے میں نے یہ جال بچھایا ہے۔ اس جال میں چارے کے طور پر مسٹر عسکری استعمال کئے جا رہے ہیں اور میں اس سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھ چکا ہوں۔ سیٹھ ہمدانی کے قتل کے بارے میں تم نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا......؟"

"اوہ......! جی ہاں جناب......!"

"سیٹھ ہمدانی کو گل زادی نے قتل کیا ہے۔ سیٹھ ہمدانی اور عسکری کو چاہئے کہ وہ گل زادی یا شہروز کو سیٹھ ہمدانی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لے۔ میں نے کسی حد تک اس کے بارے میں ثبوت بھی مہیا کر دیئے تھے، لیکن عسکری اسے گرفتار کرنے کی بجائے میرے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا ہے۔ یہ بات میرے لئے تعجب خیز ہے۔ بہرطور فی الوقت میں اس سے نہیں ملوں گا، بلکہ میرے نمائندے کی حیثیت سے آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔"

گولیور نے کہا۔

"مجھے......؟"

سرفراز شدتِ خوف سے لرزنے لگا۔

"ہاں سیٹھ سرفراز......!"

"مجھے کیا کرنا ہوگا جناب......؟"

"ہمدانی کو گل زادی نے قتل کیا ہے۔ سمجھے تم......؟ تمہارے تعلقات اعلیٰ حکام سے ہیں۔ تم یہ بات ان تک پہنچاؤ گے۔ سیٹھ ہمدانی سے تمہارے کاروباری مراسم تھے بلکہ وہ تمہارا مقروض بھی تھا اور یہ قرض زبانی حاصل کیا گیا تھا۔ یعنی اس کی کوئی تفصیلات تمہارے پاس نہیں ہیں۔ بہرطور، تم قرض معاف کرنے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیٹھ ہمدانی کے قتل کے سلسلے میں تم اس بلیک میلر گل زادی کا نام ضرور لو گے اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہو گے کہ چند روز قبل

سیٹھ ہمدانی نے تم سے پچاس لاکھ روپے مانگے تھے۔ جب تم نے تفصیلات پوچھیں تو ہمدانی نے بتایا کہ ایک بلیک میلر گل زادی نے اسے دھمکی دی ہے کہ اگر اسے پچاس لاکھ روپے نہ ادا کئے گئے تو وہ سیٹھ ہمدانی کو قتل کر دے گا۔ تم اسے اتنی بڑی رقم نہیں مہیا کر سکتے تھے، کیونکہ تم نے پہلے بھی اسے قرض دیا ہوا تھا اور تمہاری ایک بہت بڑی رقم سیٹھ ہمدانی کے اوپر تھی۔ ان حالات میں سیٹھ ہمدانی قتل ہو گیا اور اب یہ تمہارا فرض ہے مسٹر سرفراز......! کہ ان حالات میں تم ایک انسان کی حیثیت سے پولیس کے اعلیٰ حکام کو ان حقائق سے آگاہ کرو۔ کیا سمجھے......؟"

"جناب، جناب......! اس طرح تو......اس طرح تو گل زادی میرا بھی دُشمن ہو جائے گا۔"

"اوہ......! سرفراز......! دوسری شکل میں، میں تمہارا دُشمن ہو جاؤں گا۔"

"دیکھیں، مسٹر گولیور......! یہ ظلم ہے میرے ساتھ، یہ زیادتی ہے میرے ساتھ۔"

"حالات ہی ایسے ہیں ڈیئر سرفراز......! بعض اوقات انسان اسی طرح مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر میں یہ سب نہیں کروں گا تو پھر میں ان مظلوموں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں گا۔ گل زادی کو ہر طرح سے ہر قیمت پر ہمارے جال میں پھنسنا چاہئے، اور یہ عسکری......؟ اسے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ اسے میں نے اچھی خاصی رشوت دی ہے۔ تم سیٹھ ہمدانی کے سلسلے میں اعلیٰ حکام سے بات چیت کرو۔ میں تمہیں دوبارہ فون کر کے تفصیلات معلوم کروں گا۔"

"اگر مجھے معاف ہی کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔"

سرفراز گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں مسٹر سرفراز......! میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہیں دو میں سے ایک دُشمن کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ سوچنا یہ ہے کہ گل زادی تمہارا خطرناک دُشمن ثابت ہو سکتا ہے یا میں......؟ اس بات کا تم خود فیصلہ کر لو گے۔ اچھا، خدا حافظ......!"

گولیور نے فون بند کر دیا۔ سرفراز دیر تک موبائل کو گھورتا رہا تھا اور اس کے چہرے پر پیلاہٹیں دوڑ رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ پریشان سا بیٹھا رہا۔ پھر اس نے موبائل اس کی جگہ پر رکھا اور واپس باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

عالم پناہ اور روکی ان حالات میں ایک دوسرے سے جس قدر مخلص ہو گئے تھے، اس سے قبل وہ ایسے کبھی اس طرح آپس میں یکجا نہیں ہوئے تھے۔ دونوں خود کو ایک ہی کشتی کا سوار محسوس کر رہے تھے، مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے، چنانچہ ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے۔ اکثر اس سلسلے میں ان کے درمیان کچھ اس انداز میں گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

"روکی......! تم میرے دوست ہو۔"

"دوست ہی نہیں علی بھائی......! میں آپ کا بھائی بھی ہوں۔"

"اوہ ہاں......! واقعی میں بھول گیا تھا۔ لیکن روکی......! تاریخ گواہ ہے کہ بھائی بھائی کا ساتھ نہیں دے

سکا، لیکن دوست نے دوستی نبھادی۔"

"میں تاریخ کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں جانتا۔ ٹھیک ہے علی بھائی......! ہم رشتے داری سے زیادہ ایک دوسرے کے بہترین دوست ہیں۔"

"بے شک، بے شک......! ہمارے درمیان محبت کا رشتہ بھی تھا۔"

"محبت کا رشتہ......؟"

"ہاں......! ایک ہی لڑکی سے محبت کا رشتہ۔ تم بھی سارہ کو چاہتے تھے اور میں بھی۔ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو حالات پر غور کرو تاریخ کو دُہراؤ۔"

"ہاں......! مجھے یاد آ رہا ہے علی بھائی......!"

روکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو روکی......! تم جذباتی نہ ہوا کرو۔ دِلربا میرے اور تمہارے درمیان ہمیشہ آڑے آ جاتی ہے۔"

☆......☆......☆

"دِلربا......؟"

روکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں عالم پناہ......! ایسا نہ کیجئے۔ یہی تو میری زندگی کی ساتھی رہ گئی ہے، ورنہ باقی کیا رکھا ہے......؟ ہائے......! سارہ بھی میری زندگی سے نکل گئی اور اس کے بعد اب میں اُدھورہ ہو گیا ہوں۔ کوئی لطف نہیں ہے اب زندگی میں۔"

"یار......! کیا بکواس کر رہے ہو......؟ بھلا یہ گٹار تمہاری زندگی سے کیا تعلق رکھتا ہے......؟"

"اوہو......! علی بھائی......! میں نے کبھی آپ کی تاریخ کو بُرا نہیں کہا تو آپ میرے نغموں پر کیوں طنز کر رہے ہیں......؟"

"اچھا نہیں کر رہا بھائی......! لیکن میں جو گفتگو کر رہا تھا، اس سے تو نہ ہٹو......!"

"اچھا......! نہیں ہٹتا۔ لو ادھر آ کھڑا ہوا میں۔"

روکی اپنی جگہ سے ہٹ کر پھر اس جگہ جا کھڑا ہوا، جہاں چند لمحات قبل کھڑا ہوا تھا۔ عالم پناہ اسے دیکھتے رہے، پھر بولے۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں ایک دوسرے کا گہرا دوست ہونے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔"

"بے شک، بے شک......!"

"اور اس کے علاوہ ہم لوگ مشترکہ کاروباری بھی ہیں۔"

"ہاں، ہاں......!"

روکی نے جواب دیا۔

"تو روکی......! اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے......؟"

"کیا مطلب......؟ کچھ پیسے ہمارے اکاؤنٹ میں جمع ہو چکے ہیں۔ اب پریشانی کی کیا بات ہے......؟ کام کا آغاز تو ہو گیا۔"

روکی بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو روکی......؟"

"کیوں......؟"

"بھائی......! یہ چند روپے کوئی بھی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نوابین کے درمیان ہیں، ہر چند کہ ہم نے زندگی میں کبھی اتنے پیسے اکٹھے نہیں دیکھے، اور یہ اس وقت ہمارے بینک بیلنس میں موجود ہیں، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ تم جانتے ہو ہمیں کیا کرنا ہے......؟"

عالم پناہ نے پوچھا۔

"نہیں......!"

روکی نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔ اس کا ہاتھ پھر دِلربا کی جانب چلا گیا تھا اور چند آوازیں کمرے میں پھیل گئیں۔

"ہمیں ان نوابوں کی ٹکر پر خود ہی ایک اعلیٰ پائے کا کاروباری بننا ہے۔"

"ہاں ہاں......! بن جائیں گے، بن جائیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے آخر......؟"

روکی نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر پھر ہمیں کرنا کیا چاہئے......؟ ظاہر ہے، فوراً تو ہم نواب بن نہیں سکتے۔"

"یہ ٹھیک ہے......! کہیں کوئی ایسا قدم، میرا مطلب ہے روکی......! کہ ہمیں ان لوگوں کے دائرہ کار سے باہر نکلنا چاہئے۔"

"کاہے سے نکلنا چاہئے......؟"

روکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دائرہ کار......؟ میرا مطلب ہے کہ ان کے اختیار سے باہر آنا چاہئے۔ یہ لوگ ہم پر مسلط رہ کر من مانی کرتے رہیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ تابش مخلص آدمی ہے۔ باقی سارے لوگ بھی ہمارے عزیز ہیں۔ ہمارا برا نہیں چاہتے، ہنستے بولتے رہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے، لیکن پھر بھی کم از کم ہمیں ان کے سامنے اس قدر ناکارہ بن کر پیش نہیں ہونا چاہئے۔ خود بھی کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہئے جن سے ان لوگوں کو احساس ہو جائے کہ ہم خود بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"ہاں......! اس بات پر تو میں تم سے متفق ہوں۔"

"تو پھر سوچو......! کچھ سوچو......! کوئی ایسی بات سوچو......! جس سے ہم کچھ کر سکیں۔"

"اب سوچنے کی کیا ضرورت ہے......؟ ہمارے پاس ایک شاندار دفتر ہے، ٹیلی فون ہے، سب کچھ موجود ہے اور ہم جاسوس ہیں۔ تم نہیں سمجھتے عالم پناہ......! تم نہیں سمجھتے جاسوسوں کی کیا وقعت ہوتی ہے......؟ غیر ممالک میں تو باقاعدہ جاسوسی کے ادارے ہوتے ہیں اور جاسوس نہ جانے کون کون سے کارنامے انجام دیتے ہیں......؟ پولیس ان کے نام سے کانپتی ہے اور مجرم ان کے نام سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ واہ......! چند روز کی بات ہے، ہم بھی انہی میں سے ایک ہوں گے۔ علی بھائی......! تم یقین کرو، جو کچھ ہوگا، وہ تمہارے تصور سے بھی باہر ہے۔ کم از کم تابش کی اس بات کا میں دل سے قائل ہوں کہ انہوں نے ہمیں بالکل صحیح راستے پر لگایا ہے۔ ہم کوئی بھی کام کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس میں اس قدر آمدنی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس میں کوئی خاص خرچ بھی نہیں ہے۔ نہ ہی ایسے اخراجات ہیں جو ہمیں اپنی جیب سے ادا کرنا پڑیں، اور آمدنی۔ اب تم دیکھو ناں کہ چند روز میں دس ہزار، اور کچھ دن کے بعد اتنے ہی اور مل جائیں گے۔ گویا بیس ہزار روپے ہمارے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے۔ ابھی ہمارا کوئی خرچ نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید پیسے بڑھیں گے۔ میں خود بھی کوئی کیس تلاش کروں گا۔ تم یقین کرو، میں خود بھی کوئی کیس تلاش کروں گا۔"

"کروں گا نہیں روکی......! تلاش کرو۔"

"بہتر ہے، میں چلتا ہوں۔"

روکی اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا۔

"ارے ارے......! کہاں......؟"

"بس علی بھائی......! کوئی کیس تلاش کر کے واپس آتا ہوں۔"

"ارے سنو تو سہی......! اب ایسے بھی سڑکوں پر کیس نہیں ملتے۔ اس کے لئے ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں بالکل ہوشیار رہوں گا، اور عقل سے کام لوں گا۔ مگر یہ سیٹھ محمود علی کا مسئلہ......؟ اسے حل کر لیا تم نے......؟ ابھی اس سے رقم بھی وصول کرنی ہے۔"

"ابھی حل کر لیا، اب دیکھو، تابش بھائی اس سلسلے میں کیا کرتے ہیں......؟ شاہد اس مسئلے میں ہمارے ساتھ شریک ہے۔"

"ہوں......! روکی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا، پھر بولا۔

"خیر......! کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مسئلہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ میں چلتا ہوں۔"

"کہاں......؟"

"بس......! مجھے مت روکو، مجھے جانے دو......!"

روکی دلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا اور دفتر کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ عالم پناہ تشویش ناک نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ذہن میں بے شمار خیالات رقصاں تھے۔ بہت سے تصورات ان

کے ذہن میں مچل رہے تھے۔ نہ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح کھلے ہوئے دروازے کو گھورتے رہے اور پھر دروازے میں کسی کا سایہ دیکھ کر چونک پڑے۔

"واپس آگئے روکی......؟"

انہوں نے کہا، لیکن دروازے سے داخل ہونے والا کوئی اور ہی تھا۔ ایک لمحے کے لئے عالم پناہ اُلجھ سے گئے۔ پھر وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہونے ہی والے تھے کہ وہ اندر داخل ہوگئی۔ سفید لباس میں ملبوس، دراز قامت حسین ترین آنکھیں، خوب صورت نقش ونگار۔ عالم پناہ ایک لمحے کے لئے ساکت وجامد رہ گئے تھے۔ وہ ان آنکھوں میں کھو گئے تھے۔ ان اُلجھے ہوئے بالوں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ حسین آنکھیں انہیں کچھ یاد دلا رہی تھیں۔ بالکل ویسی ہی آنکھیں تھیں یا پھر انہیں ان دنوں ہر آنکھ نور جہاں کی آنکھ نظر آتی تھی۔ لڑکی نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور عالم پناہ کی طرف دیکھتے ہوئے آگے آنے لگی۔

"میں حاضر ہوسکتی ہوں......؟"

"جی......!"

عالم پناہ چونک پڑے۔

"جی......؟ میرا مطلب ہے، میں آسکتی ہوں......؟"

"جی جی......! ہاں......جی ہاں......! تشریف لایئے، تشریف لایئے......!"

عالم پناہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ حالانکہ وہ لڑکی سے بیٹھنے کے لئے کہنا چاہتے تھے لیکن "بیٹھئے" کا لفظ ان کے ذہن میں گونجا تو وہ خود ہی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر جلدی سے کھڑے ہوگئے۔ لڑکی ان کی میز کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"تت......تشر......تشریف......تشریف......!"

عالم پناہ بمشکل بولے اور لڑکی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

"میرا نام علینہ ہے۔"

"جی......؟"

عالم پناہ متحیرانہ انداز میں بولے۔

"جی علینہ......!"

"نن......نہیں ہوسکتا، یہ نہیں ہوسکتا۔"

انہوں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی......! کیا مطلب......؟"

لڑکی نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ نہیں ہوسکتا نور جہاں......! یہ نہیں ہوسکتا۔"

عالم پناہ بے تکے انداز میں بولے۔

''نور جہاں......؟''

لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

''ہاں......! تم نور جہاں ہو، میری نور جہاں......! اور میں عالم پناہ ہوں۔''

''نور جہاں......؟ جی نہیں......! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام نور جہاں نہیں ہے۔''

''خدا کے لئے، ایسا نہ کہو، ایسا نہ کہو......! میں نہ جانے کب سے تمہیں مجسم دیکھنے کی جستجو میں سرگرداں تھا۔ آج سامنے آئی ہو تو خود کو چھپا کر...... نہیں......! تم علینہ نہیں ہو...... نور جہاں......! نور جہاں......!''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ کیا آپ لوگ...... آپ لوگ جاسوسی...... یعنی...... یعنی......''

لڑکی کچھ بوکھلائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ عالم پناہ چونک پڑے۔ ایک لمحہ کے لئے انہیں احساس ہوا کہ وہ احمقانہ گفتگو کررہے ہیں۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور ایک گہری سانس لے کر بولے۔

''آپ کو یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مذاق نہیں کررہی ہیں......؟''

''نہ جانے آپ کون ہیں......؟ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟ میں تو ان حضرات سے ملنا چاہتی ہوں جو اس دفتر میں......''

''ہاں ہاں......! وہ...... میں ہی ہوں، وہ میں ہی ہوں۔ میں اور میرا دوست روکی، روکی کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ میرا نام علی ہے، لوگ مجھے عالم پناہ کے خطاب سے بھی نوازتے ہیں۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''عالم پناہ......!''

لڑکی نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیوں......؟ آپ عالم پناہ کے نام پر مسکرانے کیوں لگیں......؟''

''کچھ نہیں......! کوئی بات نہیں ہے۔''

''نہیں......! کوئی خاص بات ہے ضرور......! براہِ کرم......! مجھے آپ اس بارے میں بتایئے۔''

''میرا مطلب ہے، آپ عالم پناہ ہیں اور آپ مجھے نور جہاں سمجھ رہے تھے......؟''

''سمجھ نہیں رہا، بلکہ حقیقتاً اس بات پر غور کررہا ہوں، کیا یہ سچ نہیں ہے......؟''

''جی نہیں......! میں آپ کو اپنا نام بتا چکی ہوں۔ میرا نام علینہ ہی ہے۔''

''یہ کاپی اُٹھایئے......!''

عالم پناہ نے ایک کاپی اُٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی اور لڑکی نے اسے اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا۔

''جی......! اس میں کیا ہے......؟''

''کچھ نہیں......! آپ اسے اپنی ناک سے لگا لیجئے۔''

''جی......!''

لڑکی تعجب سے بولی۔

''ناک، ناک ہی ہوتی ہے۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''مم...... مگر کیا چیز ہے اس میں......؟''

''بس......! آپ اس سے اپنا چہرہ چھپا لیجئے، صرف ناک تک......!''

''کیوں......؟''

''براہِ کرم......! ایسا کیجئے۔ یہ میری دلی خواہش ہے۔''

''کمال کے لوگ ہیں آپ......! میرا مطلب ہے، صرف آپ......! میں تو کسی کام سے آئی تھی یہاں، آپ نے کوئی دوسرا ہی چکر چلا دیا۔''

لڑکی کسی قدر ناگواری سے بولی۔

''للہ......! اسے ناک سے لگا لو۔''

عالم پناہ پھر جذباتی ہونے لگے اور لڑکی نے احمقانہ انداز میں کاپی اُٹھا کر ناک کے قریب کر لی تھی۔

''وہی آنکھیں......! خدا کی قسم......! وہی آنکھیں......! میں لاکھوں میں ان آنکھوں کو پہچان سکتا ہوں۔ نور جہاں......! تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ نور جہاں......! خدا کے لئے تم مجھے دھوکہ نہ دو۔ تم نہیں جانتیں، میں ان حالات میں کس قدر پریشان ہو گیا ہوں......؟''

''کیا بکواس کررہے ہیں آپ......؟''

لڑکی جھلا کر کرسی سے کھڑی ہوگئی اور عالم پناہ ایک بار پھر چونک پڑے۔

''تت...... تو کیا...... کیا تم واقعی نور جہاں نہیں ہو......؟ ارے ہاں......! تمہاری آواز...... تمہاری آواز......''

''میں کسی صحیح الدماغ آدمی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

لڑکی نے ناگواری سے کہا۔

''اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ براہِ کرم......! تشریف رکھئے۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا......؟ واقعی احمق بن کر رہ گیا تھا۔ پلیز......! آپ تشریف رکھئے۔ یقیناً آپ ہمارے ادارے سے کوئی کام لینا چاہتی ہیں۔''

''لعنت ہے آپ کے ادارے پر......! آپ نے تو میرا دماغ ہی خراب کر کے رکھ دیا ہے نور جہاں، نور جہاں کی رٹ لگا کر۔''

لڑکی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مم...... معافی چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں۔ براہِ کرم......! تشریف رکھئے، بیٹھ جایئے پلیز......!''

عالم پناہ ایک دم سنبھل گئے تھے۔ انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس طرح تو وہ اپنے کاروبار کا ستیاناس مار

دیں گے۔ ہر لڑکی انہیں نور جہاں نظر نہیں آنی چاہئے۔ مگر وہ ان آنکھوں کا کیا کرتے......؟ دراصل انہیں آنکھوں کی صحیح پہچان نہیں تھی۔ بس انہوں نے آج تک نور جہاں کی آنکھوں کو ہی دیکھا تھا۔ اس کا باقی چہرہ تو نقاب ہی میں چھپا رہتا تھا۔ اس لئے لڑکی کی آنکھیں انہیں اس وقت نور جہاں کی آنکھیں محسوس ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ بہک گئے تھے، لیکن اب انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ لڑکی بوریت کا شکار نظر آ رہی تھی، پھر اس نے گردن کو ہلا کر کہا۔

''میں تو آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آئی تھی۔''

''جی جی فرمایئے......! لیکن سنئے......! پلیز......! میں اپنی حرکتوں کی معافی چاہتی ہوں۔ دیکھئے، ویسے تو انسان انسان ہے، اسے کبھی نہ کبھی غلط فہمی ضرور ہو جاتی ہے۔ میں آپ کی آنکھوں سے دھوکہ کھا گیا تھا۔ اگر آپ سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی اور آپ نے مناسب سمجھا تو میں آپ کو اس بارے میں تفصیل سے بتا دوں گا۔ پھر آپ مجھے بے گناہ ہی سمجھیں گی۔ لیکن اس وقت آپ اپنے ذہن سے وہ بات نکال ہی دیجئے۔ جب تک حماقت طاری تھی، میرے ذہن پر تو میں فضول باتیں کرتا رہا، لیکن اب آپ مجھے نارمل پائیں گی۔''

''جی......! میں بہت پریشان ہوں۔''

''اچھا......! کیوں پریشان ہیں آپ......؟ اور اگر پریشان ہیں تو اپنی پریشانی بتایئے......! ہمارے پاس ہر پریشانی کا حل موجود ہے۔''

عالم پناہ نے کاروباری لہجہ اختیار کر لیا جو انہوں نے کافی دنوں کی مشق کے بعد سیکھا تھا۔

''یہ آپ کے دفتر کی پشت پر جو دفتر ہے، میری مراد محمود علی سے ہے۔''

''اوہ......! سیٹھ محمود علی......؟ ہاں......! پھر......؟''

''یہ میرے ڈیڈی ہیں۔''

لڑکی نے جواب دیا اور عالم پناہ اُچھل پڑے۔

''اوہ......! اچھا اچھا......! گویا آپ ہمارے پڑوسی کی صاحبزادی ہیں......؟''

''جی ہاں......!''

''خیر......! ٹھیک ہے......! تو پھر فرمایئے......! ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں......؟''

''جناب......! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا یہ ادارہ جاسوسی کا ادارہ ہے......؟''

''جی ہاں......! جی ہاں......! بالکل صحیح معلوم ہوا ہے آپ کو۔''

''میرے ڈیڈی ان دنوں کچھ پریشان ہیں۔''

''ہاں ہاں......! یقیناً ہوں گے۔''

''کیا مطلب......؟''

''میرا مطلب ہے کہ آپ جو کہہ رہی ہیں تو یقیناً پریشان ہوں گے وہ۔''

عالم پناہ جلدی سے بولے۔

''میں ان کی پریشانی کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''مجھے ان کی پریشانی کی وجہ معلوم کر کے بتائیں۔ دراصل ہم چھ بہنیں ہیں، ہماری ماں ہمارے درمیان نہیں ہیں، ہم سب ڈیڈی کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی پریشانی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! کرنی بھی نہیں چاہئے۔ واہ......! یہ بھی کوئی بات ہوئی......؟ چھ چھ بیٹیوں کی موجودگی میں باپ پریشان رہے......؟ توبہ توبہ......!''

عالم پناہ نے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ......؟ آپ ہمیں پریشانیوں کا کوئی حل بتایئے۔''

''جی ہاں......! حل......! جی ہاں......! حل......! مگر سنئے......! حل اس طرح تو نہیں بتایا جا سکتا۔''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ حل کس طرح سے بتایا جا سکتا ہے......؟''

''آپ یہ کیس ہمارے ہاں رجسٹرڈ کرا دیں۔''

عالم پناہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے......! میں تیار ہوں۔''

لڑکی نے کہا اور عالم پناہ نے جلدی سے ایک فارم نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ان کے ذہن میں مسرتیں ناچ رہی تھیں۔ ایک ہی کیس میں دو دفعہ فیس مل رہی تھی۔ چنانچہ یہ خوش بختی کی بات تھی۔ انہوں نے فارم لڑکی کے سامنے رکھ دیا اور لڑکی بال پوائنٹ سے فارم بھرنے لگی۔ پھر اس نے پرس کھولا اور رجسٹریشن فیس بھی ساتھ ہی ادا کر دی۔

''اس کے علاوہ آپ کو اپنے ڈیڈی کے کسی بھی مسئلے میں ہمیں استعمال کرنے کی فیس بیس ہزار روپے دینا ہوگی۔''

''بیس ہزار......؟''

لڑکی گہری سانس لے کر بولی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......! وہ میں آپ کو ادا کر دوں گی۔''

''کب تک......؟''

عالم پناہ نے پوچھا۔

''جب آپ کہیں گے۔''

''اچھا خیر......! یہ مسئلہ تو طے ہوا۔ اب آپ یہ فرمایئے کہ آپ کے ڈیڈی کو کیا پریشانی ہے......؟''

''بس......! وہ ان دنوں بہت اُلجھے اُلجھے نظر آتے ہیں۔ دو دن قبل ایک فون انہیں ملا تھا، اس کے بعد ان

کی حالت اور بھی خراب ہوگئی۔ راتوں کو سونا بھی چھوڑ دیا ہے انہوں نے۔"

"ہوں......!"

عالم پناہ نے گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے مس علینہ......! آپ کوئی رابطہ نمبر دینا پسند کریں گی......؟"

"جی ہاں......! یہ موجود ہے۔"

لڑکی نے ایک کارڈ نکال کر اس کے پیچھے ایک نمبر لکھا اور پھر عالم پناہ کو تھما دیا۔

"بہت بہتر مس علینہ......! بہت جلد ہم مسئلے کا کوئی حل تلاش کر لیں گے اور آپ کو بتائیں گے کہ آپ کے ڈیڈی کیوں پریشان ہیں......؟ پھر اس پریشانی کو دُور کرنے میں بھی آپ ہماری خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ ڈیڈی ہر اُلجھن سے نکل جائیں اور کوئی پریشانی ان پر نہ رہے۔"

"ایسا ہی ہوگا، ایسا ہی ہوگا......! ہماری موجودگی میں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کے ڈیڈی پریشان رہیں......؟"

عالم پناہ نے کہا۔

"تو پھر کب تک میں آپ کے فون کی اُمید رکھوں......؟"

"بہت جلد، بہت جلد......! ہم فوری طور پر یہ معلومات حاصل کر کے آپ کو اطلاع دیں گے کہ آپ کے ڈیڈی کیوں پریشان ہیں......؟ لیکن ایک بات کا آپ خیال رکھیں مس علینہ......!"

عالم پناہ نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"مکمل راز داری شرط ہے۔ آپ ہمارے ادارے اور اپنے درمیان ہونے والے معاملات کو اپنے ڈیڈی اور اپنی بہنوں تک سے خفیہ رکھیں گی۔"

عالم پناہ میں نہ جانے کہاں سے یہ چالاکی آ گئی تھی......؟

"جی بالکل ٹھیک......! آپ جیسا کہتے ہیں، ویسا ہی ہوگا۔"

علینہ نے کہا۔ پھر کچھ لمحے کے بعد وہ بولی۔

"تو پھر آپ کب تک مجھے اس بارے میں بتا دیں گے کہ ڈیڈی کی پریشانی کی وجہ کیا ہے......؟"

"زیادہ سے زیادہ کل شام یا پھر پرسوں صبح تک......!"

"ٹھیک ہے......! میں آپ کی کال کا انتظار کروں گی۔"

علینہ نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے رُخصت ہوگئی تھی۔ عالم پناہ بے حد خوش تھے۔ اپنی اس چال میں وہ بے حد کامیاب رہے تھے۔ ایک ہی جگہ سے دو دفعہ فیس مل گئی تھی۔ ایک طرف علینہ اپنے باپ کی پریشانی کے بارے میں نہ اس سے بات کرے گی اور نہ ہی اپنی بہنوں سے کوئی ذکر کرے گی۔ دوسری طرف محمود علی اس سے اس سلسلے میں کوئی تذکرہ نہیں کرے گا۔ اس طرح بات دونوں طرف سے صیغۂ راز میں رہے گی۔

"پھوپھا جان......! آپ ہمیں چاہے کتنا ہی ناکارہ سمجھیں، ہم اس دُنیا میں ضرور کچھ کر کے دکھا دیں گے۔ اپنے کاروبار میں اپنا نام پیدا کریں گے اور آپ کو دکھا دیں گے کہ ہم ناکارہ نہیں ہیں۔ ہم آپ کو وہ کر دکھائیں گے جس کی اب تک آپ کو ہم سے اُمید نہیں ہوگی۔"

عالم پناہ کافی دیر تک خوش ہوتے رہے تھے اور یہی ساری باتیں سوچتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

عسکری کے لئے حالات کافی مشکل ہوگئے تھے۔ اس نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی تھی کہ کسی طرح سرفراز سے مسٹر پال کے بارے میں معلومات حاصل کر لے۔ لیکن مسٹر سرفراز ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اور اس نے عسکری کو اس طرح ٹال دیا تھا جیسے مکھن میں سے بال نکال دیا جاتا ہے۔ پھر بھی عسکری نااُمید نہیں تھا، لیکن مزید کچھ کرنے سے پہلے اس نے شہروز کو صورتِ حال سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھا تھا، تا کہ وہ اس کو پوری طرح باخبر رکھ سکے۔ اس نے شہروز کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے تین دفعہ بیل ہوئی اور پھر انتہائی بھونڈی آواز میں 'ہیلو' کہا گیا۔

"جی......! میں عسکری بات کر رہا ہوں۔ گل زادی سے بات ہوسکتی ہے......؟"

"جی......! میرے چندا......! بالکل ہوسکتی ہے گل زادی سے بات۔"

پھر اسی مردانہ آواز میں کہا گیا اور عسکری یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ شاید اس نے کوئی غلط نمبر ڈائل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر کہا۔

"جی......! معاف کیجئے گا، شاید میں نے غلط نمبر ڈائل کر دیا ہے۔ مجھے اصل میں گل زادی سے بات کرنی تھی۔"

"اے......! کہہ تو رہی ہوں، ابھی بات کراتی ہوں بچی سے۔ میں اس کی ممانی بول رہی ہوں۔ ذرا دو گھڑی صبر کر لے۔ ابھی بلاتی ہوں بچی کو۔"

دوسری طرف سے ہولڈ کرایا گیا اور چند سیکنڈ کے بعد گل زادی یا شہروز کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو......! ہاں عسکری......! خیریت......؟"

"جی جناب......! میں نے سیٹھ سرفراز سے ملاقات کی تھی اور اس سے میں نے ہر طرح سے معلوم کرنے کی کوشش کر لی ہے کہ وہ مجھے اپنے ہاں پارٹی میں شریک ہونے والے مسٹر پال کا کوئی پتہ بتا سکے، لیکن اس نے صاف انکار کر کے مجھے ٹال دیا اور کہہ رہا تھا کہ بڑے آدمیوں کی تقاریب میں اکثر غیر ملکی لوگ شریک ہوا کرتے ہیں، اسی طرح اس کے ہاں تقریب میں کئی غیر ملکی شریک تھے، جن میں مسٹر پال کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ غالباً شہروز کچھ سوچنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد شہروز نے کہا۔

"گویا گھی سیدھی اُنگلیوں سے نہیں نکلے گا......؟"

"ہاں......! یہی لگتا ہے شہروز......! وہ آسانی سے کچھ بتانے پر تیار نہیں ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے مسٹر عسکری......! تمہارا کام ختم......! اب تم آرام کرو۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی بھی خاص بات ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ سمجھ رہے ہو میری بات......؟"

"ہاں شہروز......! میں سمجھ رہا ہوں اور تھوڑا سا پریشان بھی ہوں۔"

"کیوں......؟ پریشان کیوں ہو......؟"

"میرا مطلب ہے کہ سیٹھ سرفراز سے جو گفتگو ہوئی ہے، وہ خاصی تلخ ہے۔ اگر بات اعلیٰ افسران تک پہنچ گئی تو میرے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"جب کوئی ایسی مشکل پیش آ جائے مسٹر عسکری......! جو تمہارے لئے ناگزیر ہو تو مجھ سے رابطہ قائم کر لینا۔"

شہروز نے کہا اور پھر ٹیلی فون بند کر دیا۔ عسکری گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ شہروز کی بات کے وزن پر غور کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ شہروز نے جو کچھ کہا ہے، وہ ٹھیک ہی کہا ہے۔ اس کی اپنی شخصیت بلاشبہ ایسی ہے کہ وہ اُلجھے ہوئے معاملات کو سنبھال لے۔ بہر طور خود عسکری کی جان فی الوقت چھوٹ گئی تھی۔ ہاں......! اگر پال اسے اس سلسلے میں پریشان کرے تو پھر وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ حالات کہاں تک پہنچیں......؟ ویسے پال اسے جو کچھ دے چکا تھا، اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ البتہ آئندہ پال سے کچھ لینے میں احتیاط کی جائے۔ ظاہر ہے، کھیل ہی بدل گیا تھا۔ گل زادی کو قابو میں کرنا عسکری کے بس کی بات نہیں تھی۔ شام کے تقریباً ساتھ بجے تھے کہ اسے ایک فون موصول ہوا۔ وہ گھر پر ہی تھا اور اپنے بال بچوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موبائل لے کر دوسرے کمرے میں آ گیا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

"مسٹر عسکری......؟"

دوسری طرف سے کہا گیا اور عسکری، پال کی آواز پہچان گیا۔

"ہیلو مسٹر پال......! آپ کی آواز تو میں ہزاروں میں پہچان لوں۔"

"شکریہ......! اس عزت افزائی کا۔ لیکن آپ وعدہ خلافی کیوں کر رہے ہیں مسٹر عسکری......؟"

"میں سمجھا نہیں مسٹر پال......؟"

"حالانکہ ایسی بات نہیں مسٹر عسکری......! آپ کو فوراً سمجھ لینا چاہئے، ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا تھا......؟"

"اس سلسلے میں فون پر کیا گفتگو ہو سکتی ہے مسٹر پال......؟"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ آپ یہ گفتگو ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں، اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ آپ براہِ راست بات کریں۔"

"اتنا محتاط ہونے کی ضرورت نہیں......! میں آپ جیسے چھوٹے افسران کو اہمیت نہیں دیتا۔ آپ غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ چھوٹا پولیس افسر کہنے کا اتنا برا نہیں مانوں گا، کیونکہ ہوں ہی چھوٹا سا آدمی۔"

"عسکری......! میں بہت سخت آدمی ہوں، وعدہ خلاف لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔ تم نے جس کام کی ذمہ داری قبول کی ہے، اسے انجام دو۔ اس کے لئے تم مجھ سے رقم لے چکے ہو۔"

"شاید تمہارا دماغ خراب ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں فون پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔"

عسکری نے کہا۔

"اچھا......! تو پھر ٹھیک ہے......! میں خود ہی تم سے رابطہ قائم کر لوں گا کہیں نہ کہیں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ عسکری ایک بار پھر پریشان ہو گیا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ دو خطرناک دُشمنوں کے درمیان پھنس گیا ہے۔

"کیا کرنا چاہئے......؟ کس طرح ان کے چنگل سے نکلا جائے......؟"

صورتِ حال بہت خراب ہو گئی تھی اور وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اگر پال کے لئے کچھ کرنے کی سوچتا تو گل زادی ٹیڑھی کھیر تھا اور اگر گل زادی کے حق میں کام کرتا تو پال کی شخصیت واضح نہیں تھی۔ چند لمحات کے لئے اس نے سوچا کہ آفس سے چھٹی لے کر خاموشی سے کہیں نکل جائے، لیکن یہ صورتِ حال بھی مناسب نہیں تھی۔ کافی پریشان ہو گیا تھا وہ۔ اسی پریشانی کے عالم میں اسے گل زادی کے الفاظ یاد آئے اور ایک بار پھر اس نے گل زادی کے نمبر ڈائل کئے۔ لیکن دوسری طرف سے رابطہ قائم نہ ہو سکا تھا۔ اس نے حویلی بھی فون کیا تھا، لیکن وہاں بھی شہروز کی دستیابی نہ ہو سکی۔ مجبور ہو کر اس نے فون رکھ دیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگا۔

☆......☆......☆

سیٹھ سرفراز کافی فکر مند تھا۔ گولیور کی شخصیت سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ طویل عرصے کے بعد وہ گولیور کے جال میں پھنسا تھا۔ لیکن آج تک اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ گولیور کے خلاف کیا کرے......؟ مجبوریاں اسے گولیور کا غلام بنائے ہوئے تھیں۔ کسی پولیس افسر سے دُشمنی مول لینا آسان نہیں تھا۔ ہر چند کہ سیٹھ سرفراز کے تعلقات اعلیٰ پولیس افسران سے تھے اور اگر وہ چاہتا تو ان پولیس افسران کے ذریعے عسکری جیسے لوگوں کو اپنے خلاف کام نہ کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ لیکن بہر طور گولیور کا معاملہ اس کے لئے اُلجھا ہوا تھا۔ پورا دن گزر گیا، رات کو بھی آرام سے نہ سو سکا۔ دوسرے دن وہ حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھا کہ تقریباً اسے ڈھائی بجے قریب ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔ آپریٹر نے اسے اس کی اطلاع دی تھی۔

"ہیلو......! سیٹھ سرفراز بول رہا ہوں۔"

"ہاں بھئی سرفراز......! سیٹھ مہر دین مہرو بول رہا ہوں، پہچان گئے ناں بھئی......؟"

"ہاں مہرو سیٹھ......! خیریت تو ہے......؟ کہاں سے بول رہے ہو......؟"

"ارے بھئی......! بہت ضروری کام ہے۔ شام کو تم سے ملنا ہے۔ بتاؤ، کہاں ملو گے......؟"

"آپ کہیں باہر سے بول رہے ہیں مہرو سیٹھ......؟"

سرفراز نے پوچھا۔

"ہاں......! ابھی اس کے بارے میں کوئی سوال جواب مت کرو۔ بہت بڑا الفڑا پڑ گیا ہے۔ میں شام کو پانچ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ پانچ بجے کے بعد کہاں ملو گے......؟ تم یہ بتاؤ......!"

"جہاں آپ کہیں سیٹھ صاحب......؟"

سرفراز نے کہا۔

"نہیں بابا......! گھر پر نہیں ملوں گا میں، خفیہ جگہ ملنا ہے۔ تم ایسا کرو ساحل سمندر پر کوٹھی نمبر دس پر آ جاؤ۔ وہ اپنی ہی کوٹھی ہے، ضروری کام ہے تم سے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کا معاملہ ہے، سمجھے......؟"

مہرو سیٹھ نے کہا۔

"سمجھ گیا مہرو سیٹھ......! میں پہنچ جاؤں گا۔"

"کس وقت پہنچو گے......؟"

"جس وقت آپ کہیں گے......؟"

سیٹھ سرفراز نے کہا۔

"ٹھیک ہے......! سات بجے پہنچ جاؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ کوٹھی نمبر دس یاد رہے گی ناں......؟"

"یاد رہے گی سیٹھ......!"

سرفراز نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ مہرو سیٹھ بعض کاروباری معاملات میں سرفراز کا پارٹنر تھا۔ اکثر باہر کے دورے پر رہتا تھا اور سیٹھ سرفراز کے لئے ایک مفید آدمی ثابت ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے سرفراز اپنی ذہنی پریشانیاں بھول گیا اور مہرو سیٹھ کے بارے میں سوچنے لگا۔ مہرو سیٹھ کچھ ایسے کاروبار بھی کر لیتا تھا جو حکومت کی نگاہ میں جرم تصور کئے جا سکتے تھے۔ لیکن وہ چالاک آدمی تھا کہ ابھی تک کسی مسئلہ میں نہیں پھنسا تھا اور اس کی وجہ سے سرفراز کو لاکھوں روپے کا فائدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت بھی اسے نظر انداز نہ کر سکا۔

شام کو پانچ بجے وہ دفتر سے اُٹھ کر گھر پہنچا۔ پونے چھ بجے گھر سے نکل آیا۔ عام لباس میں تھا، عام سی گاڑی اس نے لی تھی تاکہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ پھر وہ پرسکون انداز میں پرہجوم سڑکوں کو طے کرتا ہوا سمندر کی جانب چل دیا۔ ساحل سمندر سے کچھ فاصلے پر ایک خوب صورت آبادی تھی۔ وہ اس ساحلی آبادی میں داخل ہوا تو سات بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ وہ سست روی سے گاڑی چلاتا ہوا بالآخر کوٹھی نمبر دس میں پہنچ گیا۔ خوب صورت کوٹھی درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور بالکل سنسان نظر آتی تھی۔ البتہ گیٹ کے باہر ایک چوکیدار ضرور کھڑا ہوا تھا۔ سرفراز نے گاڑی گیٹ کے قریب روک دی اور چوکیدار اس کے پاس پہنچ گیا۔

"جی صاحب......! کس سے ملنا ہے......؟"

اس نے پوچھا۔

"مہرو سیٹھ سے کہو کہ سرفراز آ گیا ہے۔"

سرفراز نے آہستہ سے کہا۔

"سیٹھ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ گاڑی ادھر ہی چھوڑ دیں اور میرے ساتھ اندر آ جائیے......!"

چوکیدار نے کہا اور سرفراز نے گردن ہلا دی۔ اس نے گاڑی سائیڈ پر کر کے انجن بند کر دیا، پھر نیچے اُتر کر دروازے لاک کئے اور پھر چوکیدار کے ساتھ گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ چوکیدار ادب سے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ ابھی سرفراز نے دو ہی قدم آگے بڑھائے تھے کہ چوکیدار کا چوڑا ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور پھر کلوروفارم کی بو سیٹھ سرفراز کے پھیپھڑوں میں اُترنے لگی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

☆......☆......☆

محمود علی کی حالت واقعی خراب ہو گئی تھی۔ چار پانچ ٹیلی فون مل چکے تھے اسے اور جو کوئی ٹیلی فون پر بات کرتا تھا، آواز ہی سے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ محمود علی ابھی تک انتظار کر رہا تھا جاسوسوں کی کارکردگی کا، جنہیں وہ آدھی رقم ادا کر چکا تھا۔ ابھی تک تو ان کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی اور دھمکیاں برابر جاری تھیں، لیکن اس وقت جو فون اسے موصول ہوا، اس نے محمود علی کے چھکے چھڑا دیئے۔ اب فون کی گھنٹی کی آواز ہی اسے خوفزدہ کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی گھنٹی کی آواز اُبھری تو محمود علی نے بڑی مشکل سے ریسیور اُٹھایا۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مم......محمود......محمود علی بول رہا ہوں۔"

"میں تمہارا دوست بول رہا ہوں محمود علی......!"

دوسری طرف سے وہی خوف ناک آواز سنائی دی۔

"ارے بابا......! اب کیا بات ہے......؟ میں تو تنگ آ گیا ہوں۔"

"محمود علی......! تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ میں کون ہوں......؟ میں اب تک تمہیں صرف ہوشیار ہی کرتا رہا ہوں، اور اب سنو......! دس لاکھ روپے کی رقم تیار کر لو۔ یہ رقم بارہ گھنٹے کے اندر اندر مجھے مل جانی چاہئے، ورنہ میں تمہیں تمہارے اسی دفتر کے اندر قتل کر دوں گا۔ سمجھے تم......! بارہ گھنٹے کے اندر اندر یہ رقم مجھے ڈاکس کے ایریا نمبر پانچ میں پہنچا دی جائے۔ اگر تم نے بھول کر بھی پولیس کو فون کیا تو سمجھ لو، میرے آدمی پورے ہیڈ آفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے یقیناً سب کچھ وہاں سے معلوم ہو جائے گا۔ تم خاموشی سے دس لاکھ روپے لے کر وہاں پہنچ جاؤ۔"

محمود علی کی جان ہی نکل گئی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دس لاکھ......؟ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ دس لاکھ تو میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں کمائے۔ تم مجھ قتل

کر دو یا جو دل میں آئے کرو، دس لاکھ روپے تمہیں کبھی نہیں ملیں گے، کبھی نہیں......!"

دوسری طرف سے ایک ہلکے سے قہقہے کے بعد ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔ لیکن محمود علی کی حالت دیکھنے والی تھی۔

چند ہی لمحات کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور آندھی اور طوفان کی طرح اس دفتر کی طرف چل دیا جہاں وہ دونوں جاسوس بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہی موجود تھے، محمود علی کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر خیر مقدمی مسکراہٹ پھیل گئی۔ عالم پناہ نے کہا۔

"آئیے آئیے محمود علی صاحب......! کہئے، کیسے قدم رنجہ فرمایا......؟ بڑی مسرت ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"

"ارے بابا......! تم کو مسرت ہوئی ہے......؟ اور یہاں ہماری جان جا رہی ہے۔ کچھ کروایا نہیں ابھی تک ہمارے لئے......؟"

"ابھی تک کچھ نہیں کیا......؟"

"اور......وہ......وہ ہم سے دس لاکھ روپیہ مانگ رہا ہے۔"

محمود علی نے کراہتی آواز میں کہا۔

"دس لاکھ روپے......!"

"ہاں......! دس لاکھ......! اگر میں اپنا یہ دفتر، اپنا گھر بھی بیچ دوں تو دس لاکھ روپے نہیں دے سکتا۔ کدھر سے اس کو دس لاکھ روپے دوں......؟ اس نے کہا ہے کہ اگر بارہ گھنٹے کے اندر اندر اس کو دس لاکھ روپے نہیں ملے تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔"

محمود علی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہوں......! محمود علی......! اگر یہ بات ہے تو یوں سمجھو کہ اب ہمارا اصل کام شروع ہو گیا۔"

"تمہارا اصل کام شروع ہوا اور میرا کام تمام ہو گیا۔ ابھی بتاؤ کہ میں کیا کروں......؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا میرے لئے۔"

محمود علی نے جھلّا کر کہا۔

"محمود علی صاحب......! فکر کیوں کرتے ہیں آپ......؟ عالم پناہ مطمئن لہجے میں بولے۔

"میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ کو اس خطرناک آدمی سے نجات دلا دوں گا۔ ابھی ہم انتظار کر رہے تھے اس بات کا کہ وہ کوئی ایسا قدم اُٹھائے جو اس نے اب اُٹھایا ہے۔ اب آپ مطمئن رہیں۔ کس وقت پہنچنا ہے آپ کو ڈاکس ایریا میں......؟"

"ارے......! تو کیا ہم اپنی ماں کا جنازہ لے کر وہاں پہنچیں گے......؟ کیا کروں گا میں وہاں جا کر......؟ دس لاکھ روپیہ ہے کیا میرے پاس......؟"

محمود علی غصے سے بولا۔

"واہ......! سیٹھ محمود علی......! آپ اتنی سی بات کرتے ہیں......؟ یہ کام اب آپ کا نہیں، ہمارا ہے۔ رقم

جہاں سے مہیا ہو گی، وہ بھی ہم آپ کو بتا دیں گے۔ بس یوں سمجھیں، اب آخری وقت ہے آپ کے دشمن کا۔"

"تو کیا تم اسے قتل کر دو گے......؟"

محمود علی نے پوچھا۔

"نہیں......! ہم قتل و غارت گری نہیں کرتے سیٹھ صاحب......! بس ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ آپ سے معافی مانگے اور آئندہ آپ کی طرف رُخ نہ کرے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اسے کیسے مجبور کرو گے......؟ بہرحال مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں......؟"

"بارہ گھنٹے کا وقت دیا ہے اس نے......؟"

روکی نے پوچھا۔

"ہاں......! بارہ گھنٹے کا۔"

"تو یوں کریں محمود علی صاحب......! کہ آپ دو گھنٹے کے بعد ہمارے پاس آ جائیں، ہم آپ کو آخری بات بتا دیں گے۔"

"دو گھنٹے میں کس طرح صبر کروں گا......؟ خدا کے لئے، خدا کے لئے......! کچھ کرو۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں محمود علی صاحب......! ہم سب کچھ ٹھیک کر لیں گے۔"

عالم پناہ نے کہا اور محمود علی گردن ہلانے لگا۔ پھر محمود علی بولا۔

"دیکھو، میں نے تم سے بیس ہزار کی بات کی تھی، لیکن اب میں تیس ہزار دینے کو تیار ہوں۔ ابھی میں نے دس ہزار ادا کئے ہیں، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ مسئلے کے مکمل حل کے بعد میں تمہیں بیس ہزار اور دوں گا۔ لیکن میری جان بچاؤ......! اگر ایسا نہیں ہوا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔ میرے پاس دس لاکھ روپے بالکل نہیں ہیں۔ میں تمہیں دُعائیں الگ دوں گا۔ میری بچیاں بھی تمہیں دُعائیں دیں گی۔"

"بچیوں کو آپ نے سب کچھ بتا دیا ہے......؟"

"نہیں نہیں......! ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔"

"محمود علی صاحب......! رازداری شرط ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں۔ دو گھنٹے کے بعد ملاقات کر لیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عالم پناہ نے کہا اور محمود علی انہیں سلام کر کے رُخصت ہو گئے۔ روکی اور عالم پناہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر روکی بولا۔

"اب کیا کریں عالم پناہ......؟"

"اسی سربراہ کو فون کرو۔ دیکھو وہ سب کیا گل کھلاتا ہے......؟"

عالم پناہ بولے اور روکی نے گردن ہلا دی۔ چند لمحات کے بعد وہ تابش کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ تابش کا موبائل شائل نے پک کیا تھا۔ علی کی آواز سن کر وہ مسکرا پڑی۔

"کیا بات ہے عالم پناہ......؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مم......مسٹر تابش......! مسٹر تابش......!"

"کوئی خاص بات ہے......؟"

"ہاں......! بہت ہی خاص......!"

"کیا بات ہے......؟ مجھے بھی تو بتائیں......!"

"اس وقت تمہیں بتانا مناسب نہیں ہے بھئی......! جلدی سے تابش کو دو ناں موبائل۔"

"اچھا......! چند سیکنڈ انتظار کریں۔"

شمائل نے کہا اور چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے تابش کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے عالم پناہ......؟"

"تابش بھائی......! صورتِ حال اچانک بگڑ گئی ہے۔"

"کیا ہو گیا......؟"

تابش نے پوچھا اور عالم پناہ اسے تفصیل بتانے لگے۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد تابش بولا۔

"ٹھیک ہے......! میں دفتر پہنچ رہا ہوں، سارے انتظامات کر کے آؤں گا۔ آپ کو بے فکر رہنا چاہئے۔"

"کیا واقعی تابش بھائی......؟"

"ہاں بھئی......! جب یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے تو پھر سب کچھ کرنا پڑے گا۔"

"بہت بہت شکریہ......! میں انتظار کر رہا ہوں۔"

عالم پناہ نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد تابش پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا تھا۔ اس نے بریف کیس عالم پناہ کے سامنے رکھ دیا اور مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اس میں کیا ہے......؟"

عالم پناہ نے پوچھا۔

"دس لاکھ روپے......!"

"کک......کیا......؟"

روکی حیرت سے بولا۔

"مگر آپ......آپ یہ کہاں سے لائے تابش بھائی......؟"

اس نے حیرت سے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو اور غور سے میری تجویز سنو......! ڈاکس کا پتہ معلوم ہے تمہیں......؟ میں نے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے۔"

تابش انہیں تفصیل بتانے لگا۔

☆......☆......☆

سرفراز کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہا۔ بہر حال ہوش آیا تو وہ ایک خوب صورت کمرے میں ایک مسہری پر دراز تھا۔ کچھ دیر تو اس کے ذہن پر گرد سی چھائی رہی اور پھر واقعات یاد آنے پر وہ اُچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔ دوسرے لمحے وہ مسہری سے نیچے اُتر آیا۔ فرش پر نرم اور موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوب صورت تصاویر آویزاں تھیں۔ چھت پر فانوس لٹکا ہوا تھا، لیکن وہ ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے دروازے کی طرف لپکے اور ان کا اندازہ درست ہی تھا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔

"دروازہ کھولو......! دروازہ کھولو......!"

وہ زور زور سے دروازہ پیٹنے لگے اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک عجیب و غریب شکل نے اندر جھانکا۔ سیٹھ سرفراز ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے کسی ایسی شکل کی توقع نہیں تھی۔ وہ زنانہ لباس میں ملبوس تھا۔ عجیب بھونڈی سی شکل کا مرد۔ سیٹھ سرفراز کو دیکھ کر اس نے اُنگلیاں مروڑیں۔

"ہائے میں مر جاؤں چھنال......! کیسی سج رہی ہے۔"

اس کی آواز اُبھری۔ مخاطب سیٹھ سرفراز ہی تھا۔

"کک......کون ہو تم......؟"

وہ بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شبو کہتے ہیں بندی کو، ویسے تمہارا نام بھی ہمیں معلوم ہے۔"

وہ لچکتا ہوا اندر گھس آیا۔ سیٹھ سرفراز کا سانس پھولنے لگا تھا۔ اس عجیب و غریب مخلوق کے ملنے کی توقع نہیں تھی انہیں، اور پھر گزرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے بھی نروس ہوئے جا رہے تھے۔

"یہ کون سی جگہ ہے اور اس ہیجڑے کی یہاں موجودگی کیا معنی رکھتی ہے......؟"

"آؤ......! منہ ہاتھ دھولو۔ کچھ کھا پی لو بھوکی ہوگی۔ آ جاؤ......!"

شبو نے کہا۔

"کون ہو تم......؟ یہاں کیوں آ گئے......؟"

سرفراز نے بڑی مشکل سے پوچھا۔

"آئے ہائے......! پردہ نشین بولو، یہاں کیوں آ گئے......؟ ہم کوئی مردوئے ہیں......؟ اے چلو......! اُستاد جی نے ہماری ڈیوٹی تمہارے اوپر ہی لگائی ہے۔ چلو کپڑے بدلو، پھر ریاض کرنا ہے۔"

"کیا کرنا ہے......؟"

"ریاض......! اری......! بن کیوں رہی ہے......؟ اری انار کلی......! جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔"

ہیجڑے نے سیٹھ سرفراز کا نام بھی رکھ لیا اور سرفراز کے ہوش بالکل غائب ہو گئے۔

''کک...... کیا بک رہے ہو......؟ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ یہ کون سی جگہ ہے......؟ میں کہاں ہوں......؟''

''شیش محل میں......! ابھی شہزادہ سلیم آئیں گے اور تمہیں بغیر نکاح کے لے جائیں گے۔ اری......! چل رہی ہے کہ لگاؤں ایک دھوکڑا......؟''

ہیجڑا آگے بڑھا اور سیٹھ سرفراز بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''میں کہتا ہوں...... میں کہتا ہوں......''

''کہتی رہو......! جہنم میں جاؤ......! جب کہہ کہہ کر خاموش ہو جاؤ گی تو میں آ جاؤں گی۔''

ہیجڑے نے ناک چڑھا کر کہا اور اسی طرح کمر لچکاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ سرفراز کے بدن سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ عقل کھوپڑی سے کئی کئی فٹ کی بلندی پر ناچ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہے......؟''

وہ اس کوٹھی میں گیا تھا جو سمندر کے کنارے تھی اور چوکیدار نے......؟

''چوکیدار نے...... اوہ......! تو وہ فون......؟ وہ سب کچھ فراڈ تھا......؟ لیکن کس نے کیا یہ فراڈ......؟ گولیور نے......؟ لیکن گولیور......''

یہ بات ذہن میں نہیں بیٹھ رہی تھی۔

''تو پھر...... تو پھر یہ سب کچھ...... یہ سب کچھ......؟''

ہیجڑا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، اسے باہر سے بند نہیں کیا گیا تھا۔ نہ جانے ذہن میں کیا آیا کہ سیٹھ سرفراز کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے چوڑی راہ داری تھی۔ سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر ٹوائیلٹ لکھا ہوا تھا۔ سرفراز نے راہ داری میں دونوں طرف دیکھا۔ راہ داری خاموش تھی۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن ابھی اسے چند لمحات ہی گزرے تھے کہ عقب سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ سرفراز کو اور تو کچھ نہ سوجھا، اس نے جلدی سے ٹوائیلٹ کا دروازہ کھولا اور غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔ ٹوائیلٹ میں ایک ٹیوب روشن تھی۔ سامنے ہی بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا اور آئینے میں کسی کا عکس دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا۔ اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔ پھر اس کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''خدا کی پناہ......! خدا کی پناہ......! یہ تو...... یہ تو میں ہی ہوں۔ یہ تو...... آہ......! یہ تو میں ہی ہوں۔''

آئینے میں اسے اپنا جو روپ نظر آیا، اسے کوئی اور دیکھ لیتا تو پھر سرفراز کے لئے خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا تھا۔ نارنجی رنگ کا بلاؤز، گہرا سبز پیٹی کوٹ اس کے بدن پر تھا۔ چہرے پر گہرا میک اَپ تھا۔ کلین شیو کر دیا گیا تھا۔ عام حلیے میں اس کے بالائی لب پر مونچھیں تھیں، لیکن اب مونچھوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ سر پر نقلی بالوں کی وگ لگا دی گئی تھی۔ اس طرح بے ہوش و حواس تھا وہ کہ ابھی تک ان تبدیلیوں کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ اب جو آئینے

میں خود کو دیکھا تو دل و دماغ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ ہوا تھا جس کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آئینے میں خود کو گھورتا رہا۔ اسی وقت باہر سے آواز آئی۔

''انارکلی......! اری او انارکلی......! اری......! اب اندر گھسی رہے گی......؟ باہر نکل اللہ ماری......! تو نے ناک میں دم کر دیا سب کی۔ انارکلی......! اری او......!''

وہ لوگ ٹوائیلٹ کے سامنے پہنچ گئے۔ سرفراز کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر تو وہ پاگل ہو گیا تھا۔ لیکن بے بسی کا شدید احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ان حالات میں اس حلئے میں تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''لیکن یہ سب...... یہ سب کیا ہے آخر......؟''

''اے انارکلی......!''

اس بار دوسری آواز سنائی دی اور سرفراز کے لئے اس کے علاوہ چارہ کار نہ رہا کہ وہ باہر نکل آئے۔ نہ جانے کس طرح وہ باہر نکلا تھا۔

''نہائے گی کیا......؟''

سوال کیا گیا اور سرفراز اب دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اب ان کی تعداد چار تھی۔ ان میں ایک وہ تھا جو سب سے پہلے سرفراز کو نظر آیا تھا۔ تین اجنبی تھے، چاروں زنانہ لباس میں ملبوس تھے اور انتہائی بھونڈی شکلوں کے مالک تھے۔

''بولتی نہیں، نہائے گی کیا......؟''

''شرم توڑواس کی......!''

''بات سنو، بات سنو......! یہ سب کچھ کیا ہے......؟ میں نہیں جانتا، لیکن میں زیادہ دیر تک خود پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔''

سرفراز نے بمشکل تمام کہا اور وہ چاروں ہنس پڑے۔ پھر ان میں سے ایک نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکتے ہوئے کہا۔

''اے......! میں دل پر قابو نہ رکھ سکوں گا......؟ ہائے ہائے......! دل بے قابو......! ہائے ہائے......!''

دوسرے بولے۔

''ارے......! دل ہے بے قابو......! ہائے ہائے......!''

وہ سب کورس میں گانے اور ناچنے لگے۔ سرفراز بدحواس ہو کر راہ داری کے دوسرے سرے کی طرف دوڑا اور ایک دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے شاید

اس کا پیچھا ہی نہیں کیا تھا۔ سرفراز نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے اس جگہ نگاہ دوڑائی جہاں وہ آ گیا تھا۔ اچھا خاصا ہال تھا۔ حسب معمول نہایت آراستہ و پیراستہ۔ سامنے کرسی پر ایک بوڑھا ہیجڑا ساڑھی باندھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ سرفراز اسے دیکھ کر چونک پڑا اور پھر اس کے دانت بھنچ گئے۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ وہ بوڑھے ہیجڑے کے پاس پہنچ گیا۔

''یہ کون سی جگہ ہے......؟ مجھے بتاؤ، ورنہ میں کسی کا خون کردوں گا۔''

بوڑھے ہیجڑے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ناں ناں بچی......! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ بھلا اس کا خون کرو گے......؟ ہوش کی دوا کرو۔ اُستاد نے سن لیا تو کھال کھینچ دے گا۔''

''کون اُستاد......؟''

سرفراز نے پوچھا۔

''اے ہے......! اُستاد کو بھی نہیں جانتی......؟ بڑی بھولی ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی، ہوش ٹھکانے آئیں گے تو ہوش کی باتیں کرے گی۔ چل وہ رہا غسل خانہ......!''

''میرے کپڑے کہاں ہیں......؟''

سرفراز نے پوچھا۔

''مل جائیں گے۔ ساڑھی باندھے گی یا غرارہ چھنے گی......؟ بول، کیا نکلوادوں......؟''

اس سوال پر سرفراز کا دل اور خون ہو گیا تھا۔ کیا جواب دیتا......؟ اس نے بالآخر فیصلہ کیا کہ دماغ ٹھنڈا رکھے اور صورتِ حال کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے۔ اس طرح گرم دماغ سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ وہ ایک طرف پڑے چمڑے کے اسٹول کے پاس پہنچ گیا۔ اسٹول پر بیٹھ کر اس نے سر پکڑ لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر جب اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے تو ایک بار پھر چونک پڑا۔ اب ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہ جانے کب وہ بوڑھا ہیجڑا بھی کھسک گیا تھا۔ سرفراز نے دوبارہ سر پکڑ لیا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ باہر ہال کے اندرونی دروازے پر دوبارہ آہٹ سنائی دی اور سرفراز گردن اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس بار دو خطرناک ہیجڑے اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کے چہرے وحشت ناک تھے اور بدن پر کالی ساڑھیاں بندھی ہوئی تھیں۔

''اُٹھو......!''

ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

''کہاں جانا ہے......؟''

''مجرے میں......!''

جواب ملا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو......؟''

سرفراز بولا اور دوسرے لمحے اس کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ پڑا۔ سرفراز اُلٹ کر گرا تھا۔

''ریشماں ہے میرا نام......! یاد رکھنا، چلو......!''

ہیجڑے نے اس کے بلاؤز کا گریبان پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ سرفراز کو صورتِ حال کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اگر اس نے ان لوگوں کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو نتیجہ خطرناک بھی نکل سکتا ہے۔ چنانچہ اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا کہ وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ چنانچہ اس بار وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس دروازے سے گزر کر وہ ایک اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ پھر ریشماں نے ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اس الماری میں ساڑھیاں بھی ہیں اور غرارہ سوٹ بھی، جو پسند ہو نکال کر پہن لو اور پھر میک اَپ کر کے تیار ہو جاؤ۔''

''خدا کے واسطے، خدا کے واسطے......! میری بات تو سن لو۔''

سرفراز گھگھیا کر بولا۔

''بات سننے کی ڈیوٹی میری نند کی ہے۔ میں بیچاری تو مجبور ہوں۔ چلو جلدی کرو۔''

''مجھے یہ لباس پہننے نہیں آتے۔''

''اوہ......! اچھا، تب کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی شینا کو بھیجتی ہوں، وہ تمہیں تیار کرے گی۔ اسی جگہ رُکو۔''

وہ دروازے سے باہر نکل گئے۔ سرفراز اپنی زندگی کے بدترین لمحات سے گزر رہا تھا۔ زندگی میں بڑے بڑے عجیب واقعات پیش آئے تھے، بڑے خطرناک لمحات سے گزرنا پڑا تھا، لیکن یہ سب کچھ کبھی تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے......؟ وہی بدہیئت ہیجڑا پھر آ گیا، جس سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ پھر ساڑھی باندھی گئی۔ سرفراز کا غیرت کے مارے خودکشی کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ میک اَپ بھی کیا گیا اور پھر شینا اسے ایک اور ہال میں لے گئی۔ یہاں وہی بوڑھا ہیجڑا موجود تھا۔ اس نے آنکھیں مٹکا کر سرفراز کو دیکھا، پھر آگے بڑھا اور خوب بلائیں لیں اس کی۔

''اے ہے......! واری جاؤں......! صدقے جاؤں......! سچ مچ انار کلی لگ رہی ہے۔ چلو بیٹھ جاؤ......! چائے پانی ہو جائے اس کے بعد۔''

''تائی اماں......! تصویریں نہیں کھینچو گی ہماری انارکلی کے ساتھ......؟''

کسی نے کہا اور بوڑھے ہیجڑے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں......؟ چل ری حسینہ......! کیمرہ لے آ......!''

ہر بات سوہانِ روح تھی۔

''اب تصویریں بھی کھنچیں گی اور اگر یہ تصویریں کبھی منظر عام پر آ گئیں تو......تو خودکشی کرنے کے سوا کوئی

چارہ نہیں رہے گا......؟"

لیکن سیٹھ سرفراز کچھ نہیں کرسکا۔ بوڑھی تائی اماں کے ساتھ دوسرے ہیجڑوں کے ساتھ اس کی بہت سی تصویریں بنائی گئیں۔ خوب عمدہ ناشتہ لگایا گیا۔ طوعاً وکرہاً اس ناشتے میں بھی شریک ہونا پڑا تھا۔ سرفراز کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن وہ ان شیطانوں کے سامنے بے بس تھا۔ کھانے پینے کے بعد رقص وموسیقی کا دور شروع ہو گیا اور گلفام بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لینے لگے۔ خوب صورت گانوں پر تباہی نازل ہو رہی تھی۔ اُچھل کود، وحشت خیزی کا بھیانک دور جاری رہا۔ پھر تائی اماں نے سرفراز سے فرمائش کی۔

"اری انارکلی......! اللہ کی بندی......! تو بھی دو ٹھمکے لگا دے۔ مجھ بڑھیا کا دل خوش ہو جائے گا۔"

"کک......کیا......؟ میں......؟"

سرفراز رو دینے والی آواز میں بولا۔

"تجھے میری قسم انارکلی......!"

"میں خون کر دوں گا تمہارا......!"

"بعد میں کر دیجیو......!"

"بکواس مت کرو، بکواس مت کرو......! میں یہاں نہیں رُکوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ تم سے روکا جائے تو روک لو مجھے۔ میں اب یہاں نہیں رُکوں گا۔"

وہ اُٹھ کر باہر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ ناچ رُک گیا، بوڑھے زنخے نے مسکرا کر ان دونوں ہیجڑوں کی طرف دیکھا اور دونوں نے گردنیں ہلا دیں۔ وہ دونوں جلدی سے اُٹھ کر باہر نکل گئے۔ پھر دونوں نے سرفراز کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"انارکلی......!"

ریشماں نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کہاں جاؤ گی انارکلی......؟"

شازیہ بولی اور اسی وقت اس نے آگے بڑھ کر سرفراز کی کمر پر لات رسید کر دی۔ سرفراز اُچھل کر اوندھے منہ زمین پر جا پڑا تھا۔

"ہائے ہائے......! میری بچی......! کیا ہو گیا تجھے......؟ ارے......! چوٹ نہ لگ گئی ہو تجھے......؟"

ریشماں نے رونے کے سے انداز میں کہا اور جلدی سے سرفراز کو اُٹھا لیا۔ لیکن اس طرح کہ سرفراز کی ایک ٹانگ اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ اتنی طاقتور تھی ریشماں کہ سرفراز اُلٹا ہو گیا۔

"اے ہے......! انارکلی اُلٹی کیسے ہو گئی......؟ اے سیدھا کرواسے......!"

"ہائے میری میا......! اے بی بی......! میں بھی کیسی بے وقوف ہوں۔"

ریشماں نے جلدی سے سرفراز کو چھوڑ دیا اور سرفراز بری طرح گر کر زخمی ہو گیا تھا۔

"گردن ٹیڑھی ہو گئی میری بچی کی۔ اے......! سیدھی کر دو۔"

شازیہ بولی اور سرفراز کا سر پکڑ کر بری طرح رگڑ دیا۔ سرفراز اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ موت نہیں آئی تھی تو ہوش تو آنا ہی تھا۔ دماغ جاگا لیکن دوبارہ بے ہوش ہو جانے کی شدید آرزو پیدا ہو گئی۔ ہنگامہ برپا تھا، ڈھول مجیرے اور دوسرے باجے بج رہے تھے، کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ہنسی مذاق، قہقہے، ان سب کے درمیان میں کوئی رقص کر رہا تھا۔ سرفراز نے اس کی شکل دیکھی اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ نوخیز اور حسین لڑکی تھی، لڑکی نہیں تھی نوجوان تھا، انہیں میں سے ایک۔ لیکن وہ بے حد حسین تھا۔ اگر شیو کی نیلاہٹ نہ ہوتی تو اسے لڑکی سمجھنے میں کوئی عار نہیں تھی۔ ادائیں وہی زنخوں کی سی تھیں، لیکن لباس شاندار تھا اور رقص بھی خوب تھا۔ سرفراز سیٹھ کراہ کر اُٹھ بیٹھا اور دوسرے لوگ چیخ پڑے۔

"انارکلی بھی جاگ گئی۔ جوڑی ہو جائے جوڑی......!"

"آئے ہائے......! یہ موئی کلموہی میرے ساتھ کیا ناچے گی......؟"

ناچنے والے نوجوان نے کہا۔

"ناچے گی گل زادی......! ناچے گی، تو موقع تو دے۔"

ایک ہیجڑے نے کہا اور سیٹھ سرفراز کو اپنے کانوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا۔

"گل زادی......؟"

یہ نام تو گولیور کی زبانی سنا جا چکا ہے۔ اسی نام کا تو سارا جھگڑا ہے۔

"لیکن گل زادی......؟"

سرفراز آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زنخے کو دیکھنے لگا۔ حسین ترین شکل جو بھونڈی اداؤں کے باوجود دلکش نظر آ رہی تھی۔ رقص جاری رہا اور پھر گل زادی تھک گیا۔ وہ بڑی ادا کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرے زنخے اس کے پیروں کے گھنگھرو کھولنے لگے۔

"ہائے میری ماں......!"

اس نے ایک انگڑائی لی اور سرفراز کی طرف آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے آواز لگائی۔

"تائی اماں......!"

"کیا ہے لونڈیا......؟"

بوڑھے ہیجڑے نے پیار بھری آواز میں پوچھا۔

"یہ انارکلی کب ناچے گی......؟"

"جب تو کہے......!"

"تو اسے سڑک پر لے جاؤ۔ کام شروع کراؤ مال زادی سے، کب تک مفت کی کھائے گی......؟"

"آج ہی سے گل زادی......! میں آج ہی سے۔"

بوڑھے زنخے نے کہا اور سرفراز خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ پہلی بار ہمت کر کے اپنی جگہ سے اُٹھا اور گل زادی کے پاس پہنچ گیا۔

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہائے میں مر جاؤں......! کیا بات کرو گی ہم سے......؟"

"مجھے ایک بار موقع دو۔ سنو......! تم جو کوئی بھی ہو، مجھے بس ایک موقع دو۔"

"تائی اماں......!"

گل زادی نے آواز لگائی۔

"یہ مردود اکیلے میں کچھ کہے گی مجھ سے، تم سب لڑکیوں کو لے کر یہاں سے ذرا باہر چلی جاؤ۔"

"چلو ری لڑکیو......! چلو یہاں سے۔"

تائی اماں نے کہا اور تمام لڑکیاں ہنستی مسکراتی، تالیاں بجاتی وہاں سے چلی گئیں۔ اب صرف سرفراز اور گل زادی رہ گئے تھے۔ سرفراز اس عجیب غریب مخلوق کے پاس پہنچ گیا۔

"ابھی تمہارا نام گل زادی لیا گیا تھا......؟"

"ہاں......!"

"تم گل زادی ہو......؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم......؟"

گل زادی کا لہجہ بدل گیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کیا جا رہا ہے......؟"

"اتنی جلدی سیٹھ سرفراز......؟"

"مجھے میری بات کا جواب دو......!"

"ابھی آرام کرو مسٹر سرفراز......! یہ ماحول بھی تو دیکھو۔ تمہیں زندگی کی یہ تبدیلی پسند آئی۔ تمہاری شکل ہی بدل گئی۔ یکسانیت سے نجات ملی ہے تمہیں۔ یہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو۔"

"خدا کے لئے......! مجھے اس ماحول سے نجات دلا دو۔ ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔"

سیٹھ سرفراز گھگھیائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرا نام گل زادی ہے۔ اس سے قبل یہ نام سنا ہے کبھی......؟"

"ہاں ہاں......! سنا ہے۔"

"کس طرح......؟ کہاں......؟"

گل زادی نے پوچھا۔ سرفراز خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف کے آثار

جھانک رہے تھے۔

"مجھے یاد نہیں......!"

سرفراز نے آہستہ سے کہا۔

"اری شازیہ......! اری او شازیہ......! انار کلی تیار ہوگی۔ اری چلو......! ڈھول باجے لے آؤ۔"

گل زادی نے آواز لگائی اور سرفراز خوف سے لرز اُٹھا۔

"رُک جاؤ......! خدا کے لئے......! رُک جاؤ......! میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"سیٹھ سرفراز......! میں بھی فضول آدمیوں کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں اس لئے موقع دیا ہے کہ تم میری فہرست میں پہلی بار آئے ہو۔ گل زادی کا نام سنا ہے تو اس کے بارے میں جانتے بھی ہو گے۔ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ مجھے جواب دو اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ جواب دو کہ تم نے گل زدی کا نام کہاں سنا ہے......؟"

"مگر...... مگر تم یہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو گل زادی......؟"

"تفصیل میں جاؤ گے سیٹھ سرفراز......! تو پھر سنو......! کچھ اور سوالات بھی تمہارے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ مثلاً اب تم مجھے یہ بھی بتاؤ گے کہ ہمدانی کو کس نے قتل کیا......؟ تم نے......؟ تمہارے کسی ساتھی نے......؟ یا اس نے......؟"

"کک...... کس نے...... کس نے......؟"

سرفراز کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

"جس کے بارے میں تم مجھے ابھی تفصیل بتاؤ گے یا جس سے تم نے پولیس آفیسر عسکری کی ملاقات کرائی تھی۔"

"اوہ......! عسکری اب تمہارے حق میں کام کر رہا ہے......؟"

سیٹھ سرفراز نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"مسٹر سرفراز جس شکل و صورت اور حلئے میں ہو، اسی میں رہ کر بات کرو۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر کوئی بات کی تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔"

گل زادی کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی اور سرفراز کو یہ غراہٹ اتنی خوف ناک محسوس ہوئی کہ چند لمحات کے لئے اس کی آواز ہی بند ہو گئی۔ گل زادی کا حسین چہرہ بگڑتا جا رہا تھا اور اس میں ایک ایسی خوف ناک کرختگی پیدا ہو گئی تھی کہ سیٹھ سرفراز اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے گل زادی کو دیکھنے لگا۔

"مم...... میں...... میں معافی چاہتا ہوں۔"

"عسکری میرے لئے کیسے کام کرے گا......؟ وہ تو تمہارا مددگار ہے، شاید تمہارے لئے ہی کام کر رہا ہے۔"

"میرے لئے نہیں، مجھ پر یہ الزام مت لگاؤ۔"

سرفراز تڑپ کر بولا۔

''سرفراز......! ہم اس وقت تک غلط فہمیوں کا شکار رہیں گے۔ جب تک تم مجھے تمام تر تفصیل نہیں بتا دیتے۔''

''میں کیا تفصیل بتاؤں تمہیں......؟''

''اس دن سے شروع ہو جاؤ، جس دن تمہارے ہاں کوئی پارٹی تھی اور تم نے عسکری کو کسی مسٹر پال سے روشناس کرایا تھا۔''

''اوہ......! اب تم کہو گے کہ یہ بات بھی عسکری نے تمہیں نہیں بتائی......؟''

سرفراز نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''سرفراز......! میں اپنے نام کو زندہ رکھے ہوئے ہوں۔ بے شمار دشمن ہیں میرے، ان سے نبرد آزما رہنا پڑتا ہے مجھے۔ ان چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے لئے میں زیادہ وقت صرف نہیں کرتا۔ میں دوسری فطرت کا آدمی ہوں۔ میرے کام کرنے کے انداز میں بھی ذرا تبدیلی ہے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں، اسے اپنی ذات تک محدود رکھتا ہوں۔ تم مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے اور اس کے بعد میں تمہیں کوئی مہلت نہیں دوں گا۔''

سرفراز عجیب سی نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو شکل وصورت اور حلئے کے اعتبار سے بالکل بے ضرر نظر آتا تھا، لیکن یہ بے ضرر شخص اندر سے کیا تھا......؟ اس کا اندازہ سرفراز کو آہستہ آہستہ ہوتا جا رہا تھا۔ چند لمحات خاموشی سے گزر گئے۔ پھر سرفراز نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے گل زادی......! تو پھر ایک چھوٹی سی کہانی سن لو۔ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ خطرناک بلیک میلر مجھے کیوں بلیک میل کر رہا ہے......؟ وہ میری کچھ کمزوریاں سمیٹ کر طویل عرصے سے مجھ سے فائدہ اُٹھاتا رہا ہے۔ ہر چند کہ میرے اور اس کے یہ تعلقات اب ختم ہو چکے ہیں۔ یعنی اب وہ مجھے وہ چیزیں واپس کر چکا ہے جن کے تحت وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا اور ان کے عوض وہ مجھ سے اتنی بھاری رقمیں وصول کر چکا ہے کہ اگر وہ رقمیں میرے کاروبار سے نہ نکلتیں تو یقین کرو گل زادی......! میرا کاروبار بہت وسیع ہوتا۔ لیکن انسان اپنی زندگی میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایسی غلطی نہ کرے تو پھر وہ ترقی کے زینوں پر تیزی سے سفر کرتا ہے۔ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور اس کمبخت نے اس کا فائدہ اُٹھایا اور مجھ سے بڑی بھاری بھاری رقمیں وصول کرنے لگا۔ بالآخر میرے اور اس کے درمیان ایک سودا طے پا گیا اور مجھے اس سے نجات مل گئی، لیکن میں آج تک اس سے خوفزدہ ہوں۔ اس کی شخصیت اتنی بھیانک ہے کہ میں کوشش کے باوجود اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ کچھ عرصہ قبل وہ یہاں دوبارہ نظر آیا۔ میری بیٹی کی سالگرہ تھی۔ اس نے مجھ سے اس سالگرہ میں شرکت کا دعوت نامہ طلب کیا۔ میں بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ سالگرہ میں کیوں شرکت کرنا چاہتا ہے......؟ بہرطور سالگرہ میں شرکت کرنے کے بعد اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں کسی اچھے پولیس آفیسر سے اس کا تعارف کراؤں اور میں نے اس کا تعارف مسٹر عسکری سے کرا دیا۔ اس کے بعد مجھے اور اس کے اور عسکری کے درمیانی معاملات کا قطعی کوئی علم نہیں ہے، لیکن جب مسٹر عسکری اپنے کام

میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہیں۔ اسی دوران میرے علم میں گل زادی کا نام آیا اور پھر میں نے اس شخص سے رابطہ قائم کیا۔ میں نے پوچھا کہ گل زادی سے اس کی کیا پرخاش ہے......؟ تو اس نے بتایا کہ گل زادی ایک ایسا نام ہے جو اکثر اس کے ذہن پر ہتھوڑے لگاتا ہے۔ وہ گل زادی کو اپنے زیر تحت دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے بعد ہی کوئی اور عمل کرے گا یہاں۔''

''تو یہ مسئلہ تھا گل زادی......! مسٹر عسکری نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اس شخص کے بارے میں، اور جانتا ہوں کہ انہیں کس نے مجبور کیا ہوگا۔ میں تمہاری ذہنی قوتوں کو بھی تسلیم کرتا ہوں گل زادی......! کہ تم نے عسکری پر اس کا وار اُلٹ دیا، لیکن یقین کرو، اگر میں تمہیں اس شخص کے بارے میں بتا دیتا ہوں تو میری جو دُرگت تم نے بنائی ہے، ممکن ہے وہ شخص اس سے کہیں زیادہ بری دُرگت بنا دے۔''

سیٹھ سرفراز کا بدن لرز رہا تھا اور گل زادی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے سرفراز......! کہ وہ تمہاری کیا دُرگت بناتا ہے۔ البتہ میں تم سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیا نام ہے اس کا......؟''

''گولیوز......! وہ گولیور کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصے قبل بھی اس ملک میں آیا تھا۔ شاید گرفتار بھی ہو گیا تھا، لیکن پولیس کو چکمہ دے کر صاف نکل گیا اور پولیس اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی۔ ابھی کچھ عرصہ قبل وہ یہاں آیا ہے۔ یقینی طور پر وہ کوئی ایسا قدم اُٹھا چکا ہوگا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہوگی۔ لیکن اس کا نام ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا اور شاید پولیس نے تمہارا نام سن لیا۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ وہ خود سے برتر کسی کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ چنانچہ اسی تگ و دو میں لگ گیا کہ تم کو اپنے زیر تحت لائے اور اس کے لئے اس نے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔''

گل زادی دلچسپی سے یہ تفصیل سن رہا تھا۔ سرفراز کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ سرفراز نے کوئی بات غلط نہیں کہی ہے۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

''اور اس نے تمہیں اس سلسلے میں اپنا آلۂ کار بنایا ہے۔''

''ہاں......! مسٹر عسکری کی حد تک۔''

''جانتے ہو مسٹر عسکری سے اس نے کیا کام لیا......؟''

''نہیں......! میں نہیں جانتا۔''

''اس نے مسٹر عسکری کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مجھے گرفتار کرے۔ سرفراز......! بے شمار لوگ مجھے ایک دوسرے نام سے بھی جانتے ہیں۔ تمہیں اس کے بارے میں بتانا بے مقصد ہی ہے۔ بہرطور یہ میرا اپنا معاملہ ہے کہ میں کب اور کہاں کیا کر رہا ہوں......؟ لیکن گولیور کو اس بات کی سزا ضرور ملنی چاہئے کہ اس نے گل زادی کے راستے میں آنے کی کوشش کی، اور ممکن ہے اس کا ذریعہ بھی تمہیں ہی بننا پڑے۔''

''مجھے......؟''

سرفراز کا چہرہ ہونق ہو گیا۔

"ہاں تمہیں......! تمہیں ابھی اس کے بارے میں کچھ اور تفصیل بتانی ہے۔ سرفراز......! یہ بلیک میلر کون ہے......؟ اس سے پہلے کہاں رہتا تھا......؟ کچھ اور تفصیل سرفراز......! کچھ اور تفصیل......؟"

"دیکھو، میں اس کے بارے میں تفصیلات بتا دوں گا۔ مگر خدا کے واسطے......! تم مجھے اس کے خلاف استعمال نہ کرو۔ میں...... میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، اس میں براہِ راست تمہارے خلاف کوئی عمل نہیں تھا گل زادی......! خدا کے لئے تم بھی میرے خلاف براہِ راست کوئی عمل نہ کرو۔"

"اَیں......؟ گل زادی چند لمحات اس درخواست پر غور کرتا رہا پھر بولا۔

"ایک شرط پر......!"

"ہاں......! بتاؤ، جلدی بتاؤ......! میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم ان واقعات کا تذکرہ گولیور سے نہیں کرو گے۔"

"وعدہ......! نہیں کروں گا۔"

"خواہ وہ تم سے کتنا ہی پوچھے۔"

"ہاں......! خواہ وہ مجھ سے کتنا ہی پوچھے۔"

سرفراز نے کہا اور گل زادی اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد گل زادی نے پھر کہا۔

"ہمدانی کے قتل کے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں۔ ہمدانی کو یقینی طور پر گولیور نے قتل کیا اور اس کے بعد قتل کا الزام مجھ پر ڈالنے کی کوشش کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"ہاں......! مجھے اس قتل کا افسوس ہے۔ بہرطور میں اس حد تک نہیں جاسکتا کہ قتل و غارت گری برداشت کروں۔ اپنی زندگی کے لئے، خدا کی قسم......! مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! میں جانتا ہوں۔ بہرطور گولیور کے بارے میں مجھے تفصیل بتاؤ۔"

"کئی ممالک میں اس کا نام مشہور ہے۔ پولیس کے ریکارڈ میں وہ ایک بلیک میلر کی حیثیت سے خاص مقام رکھتا ہے اور پولیس اس کی تلاش میں اکثر سرگرداں رہتی ہے۔ یورپ ہی میں زیادہ تر اپنی کارروائیاں کرتا ہے اور کبھی کبھی وہاں موجود مشرقی باشندوں کو بھی پھانس لیتا ہے۔ کئی افراد اس ملک میں بھی اس کا شکار ہیں اور جب وہ کبھی اس ملک کا رُخ کرتا ہے تو اپنے ان شکاروں کو بھی ضرور استعمال کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اس بار یہاں کیوں آیا ہے......؟ لیکن بہرطور وہ انتہائی خوف ناک انسان ہے۔ صرف بلیک میلنگ ہی نہیں، وہ دُنیا کا ہر کام کر لیتا ہے۔ قتل و غارت گری، خونریزی جو کچھ بھی اس کے سپرد کیا جائے، رقم کے عوض وہ ہر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ عجیب و غریب آدمی ہے۔ ویسے بے حد خوف ناک بھی ہے، بے حد چالاک ہے اور شاید خود پرست بھی۔ اسے یہاں آکر یہ بات پسند نہیں آئی کہ یہاں تمہارے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے، اپنے آپ کو سب سے برتر و اعلیٰ دیکھنا پسند کرتا ہے۔"

"اور کچھ......؟"

"بس......! اور کوئی خاص بات نہیں......! اس کا اپنا نشان سورج ہے، چاندی کے سکّوں پر اس نے سورج کی تصویریں بھی ڈھال رکھی ہیں۔ یہ سکّے اس کے شکار کے پاس نشان کے طور پر جاتے ہیں اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے......؟"

"اوہ......! کیا مطلب......؟ سکّوں سے تمہاری کیا مراد ہے......؟"

"میں نے کہا ناں، اس کے نشان......!"

"گڈ......! تو یقینی طور پر تمہارے پاس بھی اس کا کوئی نشان موجود ہوگا سیٹھ سرفراز......؟"

"ہاں ہے......!"

"ویری گڈ......! ویری گڈ......! تو تم یہ نشان مجھے دے دو گے اور اس کے بعد تمہاری گلوخلاصی ہو جاتی ہے۔"

"نن...... نشان......؟"

سرفراز ہکلایا۔

"ہاں......! کیوں اس میں بھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچے گی......؟"

"نہیں نہیں......!"

"پھر تم ہکلا کیوں رہے ہو......؟"

"بس......! مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھ سے یہ نشان طلب نہ کرے۔"

"تم کہہ سکتے ہو کہ وہ نشان تم سے کہیں کھو گیا ہے۔"

"ہاں......! کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں، لیکن بس خوفزدہ ہوں۔"

"تم میری دی ہوئی مراعات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے میں کوشاں ہو سرفراز......! تم جو کچھ بھی ہو، اعلیٰ حکام کے دل میں تمہارے لئے کیا خیالات ہیں......؟ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھ سے جب بھی ٹکرانا چاہو، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ میری طرف سے اسے دعوت سمجھو۔ لیکن اگر اس سے بچنا چاہتے ہو تو پھر جو میں کہہ رہا ہوں، وہی کرو۔ سورج کا نشان شام تک میرے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ میرا آدمی تمہیں تمہاری کوٹھی تک چھوڑنے جائے گا اور تم وہ نشان اسے دے دو گے۔ اس شخص کو اگر کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا مسٹر سرفراز......! تو یوں سمجھ لو کہ ساری زندگی افسوس کرتے رہو گے۔"

گل زادی کا لہجہ بے حد خوف ناک تھا۔ سرفراز نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے......! میں تیار ہوں، جو کچھ تم کہہ رہے ہو، ایسا ہی ہوگا۔"

سرفراز نے کہا اور گل زادی نے گردن ہلا دی۔

"اوکے جاؤ......! ڈریسنگ روم میں جا کر لباس تبدیل کر لو۔ تمہارا لباس وہیں پڑا ہوا ہے۔ پھر ایک شخص تمہیں یہاں سے لے جائے گا۔"

گل زادی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔سامنے سے شازیہ آتا ہوا نظر آرہا تھا۔وہ حسب معمول تالیاں پٹخا تا ہوا، بلائیں لیتا ہوا، مسکراتا سرفراز کے نزدیک پہنچا اور بولا۔

''چل ری انارکلی......! تجھے ڈریسنگ روم بتادوں۔''

سرفراز کا دل تو چاہا کہ آگے بڑھ کر اس شخص کا گلا گھونٹ دے، لیکن صورتِ حال کو وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔لیکن ابھی تک یہ بات اس کے ذہن میں نہیں سمائی تھی، کہ آخر زنخوں کا یہ گروہ کیوں جمع کیا گیا ہے......؟ اور گل زادی کی موجودہ شکل ہی اصل ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی اور شکل ہے......؟ بہرطور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے اصلی لباس میں سڑک پر جارہا تھا۔ایک شخص اس کے ساتھ تھا۔راستے میں اس نے ٹیکسی روکی اور ٹیکسی والے کو اپنے گھر کا پتا بتا دیا۔

☆......☆......☆

محمود علی کے بدن میں تھرتھری پڑی ہوئی تھی۔زندگی میں اس سے پہلے کبھی ایسے لمحات نہیں آئے تھے۔یہ یارڈ شہر سے دُور تھا۔اس پُر ہول سناٹے میں یہ جگہ اور بھی خوف ناک ہو جاتی تھی۔چاروں طرف کنٹینرز تھے اور کئی جگہ پکے شیڈز بھی بنے ہوئے تھے۔انہی میں سے ایک شیڈ میں اسے جانا تھا۔یہاں صرف محمود علی اور عالم پناہ تھے اور محمود علی بری طرح کپکپا رہا تھا۔

''ارے ارے......! میں تو گیا بھائی......! میں تو گیا کام سے۔''

''کک......کیوں......؟ کیا بات ہے......؟''

عالم پناہ نے پوچھا۔یہاں کی ویرانی اور سناٹے کو دیکھ کر ان کی بھی حالت خراب ہو رہی تھی، لیکن چونکہ تمام صورتِ حال سے باخبر تھے، اس لئے خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔انہیں اطمینان تھا کہ تنہا ہونے کے باوجود وہ یہاں تنہا نہیں ہیں۔تابش کے شیطانی ذہن کا منصوبہ تھا۔کوئی معمولی بات نہیں تھی۔تابش نے ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔اسے اس بات پر بہت ہنسی آئی تھی کہ باپ تو باپ، بیٹی بھی سبحان اللہ تھی۔محمود علی کی بیٹی بھی خود ہی آ پھنسی تھی۔اب یہ پیسے خود آرہے تھے تو پھر انہیں ٹھکرانا کفرانِ نعمت تھا۔چنانچہ اس سلسلے میں بھی چیف یعنی تابش نے ہدایات جاری کر دی تھیں اور عالم پناہ نے اس کی بیٹی علینہ کو بھی فون کر دیا تھا۔

''ہیلو......! میں علی بات کر رہا ہوں۔''

''جی علی صاحب......! کہیے......!''

دوسری طرف سے محمود علی کی بیٹی علینہ کی آواز سنائی دی۔

''مس علینہ......! آپ نے ایک ذمے داری میرے سپرد کی تھی۔''

''اوہو......! یقیناً کوئی خاص پیش رفت ہوئی ہے اس سلسلے میں......؟''

''دراصل مِس......! ہم نے یہ کام نیا شروع کیا ہے اور ہم اپنی پوزیشن بہتر بنانے کی فکر میں ہیں۔چنانچہ

ہر کام نہایت تیز رفتاری سے کر رہے ہیں۔اس شخص کا پتا لگا لیا گیا ہے جو آپ کے ڈیڈی کے لئے باعث تشویش ہے۔''

''کک......کیا واقعی......؟''

علینہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''جی ہاں......!''

''آپ مجھے بتا سکیں گے مسٹر علی......! کہ کون ہے وہ......؟ اور ڈیڈی کو پریشان کرنے کا اس کا کیا مقصد ہے......؟''

''بلیک میلنگ......!''

''کیا مطلب......؟''

''جی ہاں......! بلیک میلنگ کا مطلب بلیک میلنگ ہی ہوتا ہے۔''

عالم پناہ نے جواب دیا۔

''لیکن وہ شخص ڈیڈی کو کیوں پریشان کر رہا ہے......؟''

''اس کی وجہ ہم نہیں بتا سکتے۔یقینی طور پر کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس میں آپ کے ڈیڈی کا کوئی کمزور پہلو اس کے ہاتھ میں ہوگا۔

''تو پھر آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں......؟''

''اس شخص کو گرفتار کرنا یا پھر اس کی سرکوبی کرنا، یہی ہمارا کام ہے جو ہم آپ کے لئے کریں گے۔لیکن مس علینہ......! ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''آپ یہ معاملات اپنی ذات تک محدود رکھیں گی اور اس سلسلے میں اپنے ڈیڈی کو بھی نہیں بتائیں گی۔آپ ہمارے طریقۂ کار سے اتفاق کرتی ہیں ناں......؟''

''آپ مطمئن رہیں، جو آپ کہیں گے، میں وہی کروں گی۔لیکن آپ اس سلسلے میں کیا کام کر رہے ہیں......؟''

''آج شام کو پانچ بجے کے بعد آپ اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ لیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''ہاں......! ہمارا ایک کارکن، میرا مطلب ہے، میرا دوسرا ساتھی آپ کو اپنے ساتھ کہیں لے جائے گا اور جو کچھ وہاں تماشہ ہوگا، اسے آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔''

''مگر کہاں......؟ اور کیسے......؟''

''مس علینہ......! اس سلسلے میں آپ کو ہم پر اعتبار کرنا ہوگا۔بغیر اعتبار کئے دُنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔''

''اوہ......! مگر مجھے جانا کہاں ہوگا......؟''

"اس بارے میں آپ کو پہلے سے کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔ مگر آپ نہ جانا پسند کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد آپ کے ڈیڈی مطمئن نظر نہیں آئیں گے آپ کو۔"

"میں...... میں چلوں گی۔ آپ کا آدمی کس وقت پہنچے گا......؟"

"وہ ٹھیک چار بجے آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ جہاں بھی وہ آپ کو لے جائے، آپ بے دھڑک چلی جایئے، بالکل بے فکر ہو کر۔ کیونکہ تمام ذمے داریاں ہمارے کاندھوں پر ہیں۔"

"کیا میں کسی اور کو ساتھ لے سکتی ہوں......؟"

علینہ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں......! آپ کا اپنا کام ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ بہت سارے لوگوں کو اس سلسلے میں ملوث کریں، آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔"

"جی بہتر ہے......! آپ کے آدمی کا نام کیا ہوگا......؟"

"ارقم الدین روکی۔ موسیقار قسم کا آدمی ہے۔ لیکن آپ نہیں جانتیں، جاسوسوں کے کتنے روپ ہوتے ہیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔ وہ تابش کی زبان بول رہے تھے۔ خود ان کی سمجھ میں تو کوئی بات آتی ہی نہ تھی۔ بہر طور وقت مقررہ پر شام کو روکی علینہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے لے کر چل پڑا۔ ایک ٹیکسی نے انہیں یارڈ کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور مشتبہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا واپس چلا گیا تھا۔ بہر طور ارقم الدین، روکی بہت خوش تھے۔ ایک تنہا لڑکی کے ساتھ ایک ویرانے میں، وہ عجیب سا محسوس کر رہے تھے۔ یارڈ ایریا میں داخل ہوتے ہوئے علینہ کے بدن میں کپکپی دوڑ گئی تھی۔

"یہ...... یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں......؟"

اس نے روکی سے پوچھا تھا۔

"مم...... محترمہ......! میں نہایت شریف آدمی ہوں، آپ بالکل بے فکر رہیے۔"

حالات روکی پر بھی اثر انداز ہو رہے تھے۔ اس ویران ماحول میں روکی کی حالت عجیب سی ہوتی جا رہی تھی۔ اگر کسی کونے کھدرے سے کوئی خوف ناک شخصیت نکل کر اسے دبوچ لے تو کیا ہوگا......؟ بہر طور جاسوسی کرنے نکلے تھے، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اگر یہ سب کچھ نہ کرتے تو واپس افریقہ بھیج دیئے جاتے، اور روکی کے لئے تو اب افریقہ جانے کا تصور ہی بے حد خوف ناک تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کیس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد معاوضہ جناب پھوپھا میاں کی خدمت میں پیش کر دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ کاروبار شروع کرنا اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ انہیں ان کی صلاحیتوں پر اعتبار کرنا چاہئے تھا۔ بہر طور یہ تمام چیزیں روکی کو سہارا دیئے ہوئے تھیں اور وہ علینہ کے ساتھ اس مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے وہ تمام ڈرامہ دیکھ سکتے تھے۔ بات مزید پیسوں کی تھی، اس لئے وہ یہ خطرہ مول لینے کو تیار تھے۔

دوسری طرف عالم پناہ اپنا کام کر رہے تھے۔ وہ اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں اس بلیک میلر کو پانچ لاکھ روپے کی ادائیگی ہونی تھی۔ یہ روپے انہیں تابش نے مہیا کئے تھے، لیکن تابش نے انہیں بتا دیا تھا کہ اوپر اوپر ایک ایک نوٹ، اصلی ہے، باقی کاغذ کی گڈیاں ہیں جو نہایت صفائی سے تراشی گئی ہیں۔ یہ نوٹ بلیک میلر کو دینے ہیں اور عالم پناہ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ شاہد کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے......؟ شاہد ایک بلیک میلر کی حیثیت سے یارڈ میں عالم پناہ سے ملنے والا تھا۔ گویا ڈرامہ مکمل تھا۔ عالم پناہ اور محمود علی انتظار کرنے لگے۔ اس وقت تقریباً پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے، جب ایک پتھر کے گرنے کی آواز سنائی دی اور دونوں بری طرح اُچھل پڑے۔

"اب...... اب کیا کروں......؟"

محمود علی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں......! خاموش کھڑے رہیں۔"

عالم پناہ نے کہا۔

"ارے بھائی......! میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔ بولو......! کیا کروں......؟"

"میں کہتا ہوں، خاموش کھڑے رہو، کرنا کیا ہے......؟"

عالم پناہ نے جواب دیا۔ اتنی دیر میں وہ شخص سامنے آ گیا تھا۔ وہ چیک کا لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھا اور چہرے پر نقاب لگی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ قریب آ گیا۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مسٹر محمود علی......! تم سے تنہا آنے کے لئے کہا گیا تھا۔"

"ارے......! ہم تو...... ہم تو مارے گئے بھائی صاحب......!"

"یہ کون ہے تمہارے ساتھ......؟"

"بھائی ہے ہمارا۔ قق...... قسم سے بھائی......! بھائی ہے۔"

"رقم لائے ہو......؟"

"ایں......؟ ہاں بھائی......! رقم دو...... رقم...... رقم......"

محمود علی نے عالم پناہ سے کہا۔

"رقم لے آیا ہوں، دیکھ لو اسے۔"

عالم پناہ نے کہا اور سوٹ کیس کھول دیا۔ نقاب پوش سوٹ کیس پر جھک گیا اور عالم پناہ نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ نقاب پوش کو رگیدتے ہوئے زمین پر آ پڑے تھے۔

"ارے......! مر گیا۔ تیرا ستیاناس گینڈے......! ہڈیاں پسلیاں توڑ دیں۔ ابے......! میں کہتا ہوں، ہٹ اوپر سے۔"

نیچے سے شاہد کی آواز سنائی دی۔ محمود علی اس خوف ناک جدوجہد میں یہاں نہ رُک سکے تھے۔ وہ چیختے ہوئے بھاگے اور ایک پتھر کی آڑ میں جا چھپے۔ ان کے بدن میں کپکپی دوڑ رہی تھی۔ دوسری طرف روکی، علینہ سے کہہ رہا

تھا۔

''یہ طوفان میل کا بیٹا ہے، جاسوس نمبر دو، اور یہ وہ شخص ہے جو تمہارے ڈیڈی کو پریشان کر رہا تھا۔ اب اس کا کام تمام......!''

''اوہ......! آپ لوگ......آپ لوگ کس قدر ذہین ہیں۔ میں ان صاحب کو جانتی ہوں۔ کس بے جگری سے جنگ کر رہے ہیں، کتنے دلیر ہیں وہ۔''

علینہ متاثرہ لہجے میں بولی۔

''میرا شاگرد ہے آخر......! کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔''

روکی نے اکڑتے ہوئے کہا۔

''آپ کا شاگرد......؟''

''جی ہاں......! افریقہ میں ہم لوگ سیاہ فاموں کو جوڈو کراٹے کی تربیت دیتے تھے۔ میں گرانڈ ماسٹر ہوں۔''

''خوب......!''

علینہ نے متاثرہ لہجے میں کہا۔

''حالانکہ آپ کا تن و توش کوئی خاص نہیں ہے۔''

''مارشل آرٹس کے لئے تن و توش ضروری نہیں ہے۔ آپ نے بروسلی کی کوئی مووی دیکھی ہے......؟''

''نہیں......!''

''دیکھنے کی چیز تھی، بہرحال دیکھی جائے۔''

روکی نے کہا۔ دوسری طرف ابھی تک جنگ جاری تھی۔ اسے جنگ کہا جا سکتا تھا، حالانکہ صورتِ حال یہ تھی کہ عالم پناہ شاہد کو زمین سے اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور شاہد سے اُٹھا نہیں جا رہا تھا۔ عالم پناہ کے ٹنوں وزنی وجود نے اسے پیس کر رکھ دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کہتا جا رہا تھا۔

''لعنت ہے تم پر......! اس طرح کہا تھا تابش نے......؟''

''مم......مگر ہوا کیا شاہد بھائی......؟ میں نے تو......''

''میں نے تو کے بچے......! پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں میری۔''

''کک......کہاں سے......؟''

''ہائے......! اب بچی کھچی اس طرح توڑ دو گے۔ اُفوہ......! یہ تابش کا بچہ خود تو بچ جاتا ہے اور دوسروں کو......نمٹ لوں گا اس سے بھی۔''

''اب میں کیا کروں شاہد بھائی......؟''

''جہنم میں جاؤ۔ تمہارا ستیاناس......!''

''دیکھئے، حوصلہ اختیار کیجئے۔ اس طرح تو بات بگڑ جائے گی۔''

''بگڑ جائے......! میرا تو کباڑہ ہو گیا ناس......! اُٹھاؤ مجھے۔ ارے......! زمین سے تو اُٹھاؤ۔''

شاہد کراہتا ہوا بولا اور عالم پناہ نے ایک جھٹکے سے شاہد کو اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''اب کیا کروں......؟''

''بس......! اب اپنا بریف کیس اُٹھا کر دفع ہو جاؤ۔ ہائے......! میں مر گیا۔''

نقاب پوش کراہتا ہوا دوسری طرف مُڑ گیا۔ وہ لنگڑا لنگڑا کر چل رہا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اسی وقت محمود علی کی آواز اُبھری۔

''میں آ جاؤں......؟''

''آ جایئے، آ جایئے......!''

عالم پناہ چہکتے ہوئے بولے اور محمود علی جلدی جلدی سے عالم پناہ کے پاس پہنچ گیا۔

''کمال کر دیا بھائی......! تم نے تو۔''

''ہمارا فرض تھا سیٹھ صاحب......!''

''اب کیا ہو گا......؟ کیا وہ دوبارہ مجھے پریشان کرے گا......؟''

''وہ بھول کر بھی آپ کی طرف رُخ نہیں کرے گا۔''

''ارے واہ......! جاسوس بھائی......! کمال کر دیا تم لوگوں نے۔ چلو، اب کیا گھر چلیں......؟''

''جی چلئے......!''

عالم پناہ نے کہا اور دونوں ایک طرف چل دیئے۔ دوسری طرف علینہ بھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

''یہ تو کمال ہو گیا روکی صاحب......! کیا ہم لوگ بھی چلیں......؟''

''ابھی نہیں محترمہ......! اور پھر ایسی جلدی بھی کیا ہے......؟''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ ابھی چلتے ہیں۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے......؟ آپ کی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگتی شاید۔''

''مجھے ان ویرانوں سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ براہِ کرم......! چلیں یہاں سے۔''

علینہ بولی اور روکی ٹھنڈی سانس لے کر چل پڑا۔ اسے اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی تھی۔ بہرحال علینہ کو اس کے گھر چھوڑ کر خود واپس دفتر کی طرف چل پڑا تھا۔ دفتر میں عالم پناہ موجود تھے اور ان کے علاوہ تقریباً سبھی لڑکے لڑکیاں وہاں آ گئے تھے اور زبردست ہنگامہ برپا تھا۔ عالم پناہ کی گردن لٹکی ہوئی تھی اور شاہد اب بھی درد سے کراہ رہا تھا۔ اس کے بدن پر صرف پتلون تھی اور ایک اور لڑکا حمزہ اس کے پٹھوں کی مالش کر رہا تھا۔

''کیا ہوا شاہد بھائی......؟ کیا ہو گیا......؟''

روکی نے متحیرانہ لہجے میں شاہد سے سوال کیا۔

''شاہد کی بج گئی گھنٹی......!''

ایک لڑکے کے مزاحیہ انداز میں کہا اور سب لوگ قہقہہ مار کر ہنس پڑے تھے۔ البتہ عالم پناہ اسی انداز میں بیٹھے رہے تھے جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا ہو۔ شاہد غصیلی نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ روکی کی طرف رُخ کر کے بولا۔

''میری ہڈیاں توڑ دی ہیں اس بھینسے نے۔''

روکی، شاہد کے اشارے کی طرف مُڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''شاہد بھائی......! کہاں ہے بھینسا......؟ اس بلڈنگ میں کہاں سے آ گیا بھینسا......؟''

روکی کی اس حرکت پر سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے تھے اور شاہد درد سے کراہتا ہوا صوفے سے ٹک گیا تھا۔ تب تابش آگے بڑھ کر بولا۔

''جناب ارقم الدین، روکی صاحب......! ہمارے عالم پناہ کیا کسی طاقتور بھینسے سے کم ہیں......؟ انہوں نے ریسلنگ کے ایک داؤ کو شاہد پر آزمایا تھا جو بھینسے کی ٹکر کی طرح ہوتا ہے۔ دیکھا ہے ناں آپ نے ریسلنگ میں......؟''

''جی ہاں......! جی ہاں......! ارے......! اوہ......! اوہو......! ہوہو......!''

روکی کی اس حرکت پر ایک بار پھر ہنسی کا طوفان شروع ہو گیا تھا۔ شاہد نے غصے سے پیچ و تاپ کھاتے ہوئے کہا۔

''تابش......! یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ خود تو پیچھے ہو جاتے ہو اور دھکیل دیتے ہو دوسروں کو سزا بھگتنے کے لئے۔''

''دیکھو بھئی......! مانتا ہوں کہ زیادتی ہوگئی ہے تمہارے ساتھ۔ لیکن ہر کام میں، ہر ایک کو مختلف کام کرنے پڑتے ہیں۔ اس مشن میں تم میرے ہاتھ پاؤں تھے اور میں تمہارا دماغ۔ اب دماغ پلاننگ کرتا ہے اور ہاتھ پاؤں اس پر عمل کرتے ہیں۔ اب اگر وہ غلطی سے نقصان کا شکار ہو جائیں تو......تو......''

''جی ہاں......! ''تو، تو'' کے آگے یہ کہ اب اگلے کسی کام میں آپ آگے ہوں گے۔ دماغ کے ساتھ بھی اور ہاتھ پاؤں کے ساتھ بھی۔ تاکہ ہم بھی دیکھیں آپ کا تماشہ......!''

''دیکھو شاہد......! چیلنج مت کرو۔ تمہیں پتا ہے ناں مجھے تابش کہتے ہیں۔ اگر تم ذرا بھی ہوشیاری سے کام لیتے تو تم اس حملے سے بآسانی بچ سکتے تھے۔ سین کو حقیقی رنگ دینے کے لئے دو چار مکّے لگاتے، لیکن تم بھی کاہل اعظم کی طرح اپنی جگہ ڈٹے رہے اور آ گئے اس بھینسے کی زد میں۔ میرا مطلب ہے، عالم پناہ کی رینج میں۔ بس......! اب تھوڑی بہت چوٹ برداشت کرو۔ اچھا......! اب آپ لوگ یہ بتائیے کہ بقایا رقم کی ادائیگی کب تک متوقع ہے......؟''

''ابھی تو دونوں کے دونوں اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ مس علینہ نے کل کا وعدہ کیا ہے اور محمود علی کی پوزیشن عالم پناہ بتائیں گے۔''

روکی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ عالم پناہ نے سنجیدہ شکل بناتے ہوئے کہا۔

''بس......! وہ ذرا زیادہ زور سے کود پڑا تھا۔''

سب کے ساتھ شاہد بھی اپنی ہنسی روک نہیں سکا تھا، اور کراہتے ہوئے اس کا قہقہہ آزاد ہو گیا تھا۔ تابش نے کہا۔

''عالم پناہ......! روکی بھائی پوچھ رہے ہیں کہ محمود علی صاحب کب رقم ادا کر رہے ہیں۔''

''انہوں نے کل کا وعدہ کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے دوستو......! تو کل آپ دونوں حضرات کل رقم کے ساتھ بڑوں کی خدمت میں حاضری دیں گے اور انہیں اپنے کاروبار کی پہلی آمدنی کے طور پر یہ رقم پیش کریں گے۔''

''لیکن ہمارا حصہ......؟''

''نہیں دوستو......! یہ ضروری ہے کہ ہم بڑوں کو یہ رقم پیش کر دیں۔ ہاں......! البتہ روکی اور عالم پناہ کی طرف سے آپ کو ایک اور شاندار پارٹی دی جا سکتی ہے۔ وسعت کے ساتھ ساتھ یہ کاروبار نہ صرف آپ کی مالی معاونت کرے گا، بلکہ آپ کے تمام اخراجات اسی کے ذریعے پورے ہوا کریں گے۔ چنانچہ میرے خیال میں سب اس بات سے اتفاق کریں گے۔''

سب نے تائید میں گردن ہلائی تھی اور یہ طے ہو گیا کہ دوسرے دن رقم ملنے کے بعد رات کی نشست میں عالم پناہ اور روکی بڑوں کو یہ رقم پیش کریں گے اور اپنے کاروبار کی تفصیل بتائیں گے۔ عالم پناہ اور روکی تابش کے ساتھ اس ملاقات کے لئے تیاری کرنے لگے۔ دوسرے دن انہیں تمام ادائیگی ہو چکی تھی۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق رات کے کھانے کے بعد عالم پناہ نے اس گفتگو کا آغاز کر دیا جو ان کے درمیان طے ہو چکی تھی۔ نواب فاروق حسن اور نواب احتشام حسن کھانے کے بعد چند لمحات ان لوگوں کے ساتھ گزارتے تھے اور ان سب سے پُرتکلف گفتگو کیا کرتے تھے۔ اسی گفتگو کے دوران عالم پناہ نے نواب احتشام کے سامنے دست بستہ عرض کی۔

''وہ......پھوپھا جان......! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہو......! فرمائیے، فرمائیے......!''

احتشام حسن نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''آپ نے ہم لوگوں سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم اس دفتر میں بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں......؟''

''پوچھوں گا میاں......! ذرا اطمینان سے پوچھوں گا۔ ابھی تو میں نے تمہیں موقع دیا ہے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تمہیں وہاں بیٹھے ہوئے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا تیر مارو گے......؟''

''پھوپھا جان......! ہم نے تیراندازی شروع کر دی ہے۔''

عالم پناہ نے کہا۔

’’کیا مطلب......؟‘‘

احتشام حسن حیرت سے بولے۔

’’جج......جی ہاں......! یعنی کہ کاروبار......!‘‘

عالم پناہ نے کسی قدر ہکلائے ہوئے انداز میں کہا۔

’’کیا مطلب......؟ کیا کاروبار شروع کیا ہے تم دونوں نے وہاں پر......؟ کہیں دھنیا مرچوں کی دُکان تو نہیں کھول لی اس دفتر میں......؟‘‘

’’بھئی احتشام......! یہ زیادتی ہے۔ میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔‘‘

فاروق حسن نے درمیان میں مداخلت کی۔

’’کیا بھائی صاحب......؟‘‘

’’سن تو لو بچے کیا کہہ رہے ہیں......؟ ممکن ہے، انہوں نے کچھ شروع کر ہی دیا ہو۔ تم نے وہ دفتر لے کر ان کے حوالے کر دیا ہے، لیکن ان لوگوں سے معلوم کیا کہ وہ لوگ وہاں کیا کر رہے ہیں......؟ اب جبکہ انہوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، یا ممکن ہے انہوں نے ابتداء کر دی ہو، تو تم انہیں اس طرح بددل کر رہے ہو......؟‘‘

’’میں بددل نہیں کر رہا بھائی صاحب......! مگر یہ بات آج بھی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں ناکارہ ہیں، کچھ نہیں کر سکتے اپنی زندگی میں۔ آپ کا حکم تھا، اس لئے میں نے اس کی تعمیل کی ہے، ورنہ......‘‘

’’ناممکن......! میں بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی......؟‘‘

فاروق حسن بولے۔

’’آپ ان کے سلسلے میں نہ جانے کن خوش فہمیوں کا شکار ہیں......؟ بہرحال، میں کیا عرض کر سکتا ہوں آپ کے سامنے......! ہاں میاں......! کیا کاروبار شروع کیا ہے آپ نے......؟‘‘

’’دفتر جاسوسی کھولا ہے ہم نے، لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں، اور وہ بھی مناسب معاوضے پر۔‘‘

’’سنا آپ نے بھائی صاحب......! سن لیا......؟ ارے......! یہ کسی مصیبت میں پھنسیں گے اور ہمیں بھی پھنسائیں گے۔ یہ لوگوں کی مشکلات دُور کریں گے جو سب کے لئے مشکل بن گئے ہیں......؟‘‘

’’یہ بات نہیں ہے عظیم پھوپھا جان......! آپ ہمیں جس قدر ناکارہ سمجھتے ہیں، ہم اس قدر ناکارہ نہیں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ بزرگوں کے سامنے بچہ بنا رہنے کو جی چاہتا ہے۔ ہم تو ایک کیس لے کر حل بھی کر چکے ہیں۔‘‘

’’اوہ......! کون بدنصیب مارا گیا......؟‘‘

احتشام حسن اُچھل پڑے۔

’’مارا نہیں گیا، ہم نے ایک شریف آدمی کو ایک بلیک میلر کے چنگل سے بچایا ہے اور اس کا معاوضہ لیا

ہے۔ یہ دیکھیں، یہ ہے معاوضہ......!‘‘

عالم پناہ نے روکی کو اشارہ کیا اور روکی نے ایک بیگ میں سے رقم نکال کر احتشام حسن کے سامنے رکھ دی۔

’’رقم بھی لے لی ہے......؟ افوہ......! کون ہے وہ......؟ کیا ہو گیا تھا اسے......؟ اب وہ مقدمہ کرے گا تمہارے اوپر۔‘‘

’’اس کا کام ہو چکا ہے پھوپھا جان......! اور وہ بہت خوش ہے۔‘‘

عالم پناہ بولے۔

’’کام تمام ہو چکا ہو گا بیچارے کا۔ ہائے......! وہ بیچارہ بدنصیب اب دیکھو کیا ہوتا ہے......؟‘‘

’’میاں علی......! تم اس فضول شخص کی باتوں سے پریشان نہ ہو۔ میں تمہاری اس کوشش سے بہت خوش ہوں، بلکہ تم ہمارے لئے بھی ایک کام انجام دو اور اس کا معاوضہ بتا دو۔‘‘

’’جی فرمایئے بڑے پھوپھا جان......!‘‘

عالم پناہ بولے۔

’’بغلی کوٹھی دیکھی ہے کبھی......؟‘‘

’’کون سی کوٹھی......؟‘‘

’’یہ جو برابر میں ہے......؟‘‘

’’جی ہاں......!‘‘

’’اس کے مالک نواب مہر ہیں، بے حد خطرناک۔ بات بات پر بندوق نکال لیتے ہیں۔ کھٹکنے نواب کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں کسی طرح یہ کوٹھی فروخت کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ یہ کوٹھی فروخت ہو جائے۔ ہم اسے خریدنا چاہتے ہیں۔ معاوضہ بیس ہزار روپے ملے گا اور کوٹھی کی قیمت کا ایک فیصد کمیشن بھی۔‘‘

’’منظور......! منظور......!‘‘

روکی اور عالم پناہ بولے۔

’’بھائی صاحب......! آپ ان فضول لوگوں پر اعتبار کر رہے ہیں......؟ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔‘‘

’’بیس ہزار میں سے پانچ ہزار ایڈوانس دو ان کو، باقی کام ہونے کے بعد۔‘‘

فاروق حسن بولے۔

’’پانچ ہزار بطور رجسٹریشن فیس بھی عنایت فرما دیں۔‘‘

’’رجسٹریشن فیس......؟‘‘

’’جی ہاں......! کل میں فارم لے آؤں گا۔‘‘

عالم پناہ نے کہا۔

’’چلو نکالو......! نکالو بھئی......! کنجوسی مت کرو۔‘‘

نواب فاروق حسن بولے اور احتشام حسن کو پانچ ہزار روپے بطور فیس اور پانچ ہزار بطور ایڈوانس دینے ہی پڑے۔ اس طرح اس ارادے کو یہ دوسرا کیس بھی مل گیا تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر کے کھانے پر سب لوگ جمع ہو گئے تھے۔ نواب احتشام بھی تھے اور فاروق حسن بھی اور شہروز بھی موجود تھا۔ روکی اور عالم پناہ چونکہ اپنے دفتروں میں تھے، اس لئے ان کی آمد کی توقع نہیں تھی، لیکن جب وہ دونوں بھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تو سب چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔ نواب فاروق حسن صاحب نے کہا۔

''ارے بھئی......! خیریت......؟ آج دفتر کی چھٹی کر ڈالی کیا......؟''

''جی ہاں پھوپھا جان......! کاروباری معاملات کچھ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بعض اوقات ہمیں ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔''

''ہوں......! کاروبار کیسا چل رہا ہے......؟''

''نہایت مناسب......!''

''کیا کر رہے ہو آج کل......؟''

''آج کل تو آپ کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔''

روکی نے جواب دیا۔

''کیا ہوا ہمارے کیس کا بھئی......؟''

''پھوپھا جان......! جو کچھ ہم نے شروع کیا ہے، ظاہر ہے، اس میں شدید محنت کی ضرورت ہے اور محنت اور ذہانت ہی ہمیں کامیابی کے راستے دکھا سکتی ہے۔ ہم ان راستوں پر چل پڑے ہیں۔ پھوپھا جان......! بس آپ کی دُعائیں ہونی چاہئیں۔ دراصل ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہنے کے اہل ہیں اور آپ ہمیں واپس افریقہ نہیں بھیجیں گے۔''

''ہوں......! تو تم یہ ثابت کر رہے ہو آج کل......؟''

نواب احتشام حسن نے کہا۔

''جی ہاں......! آپ کی دُعاؤں سے۔''

''کیا ہوا......؟ اس سلسلے میں نواب مہر سے کوئی بات چیت ہوئی......؟''

''جی ہاں......!''

عالم پناہ نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔ تابش کا ہاتھ رُک گیا۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے عالم پناہ کو اور پھر روکی کو دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ سب نے معنی خیز انداز میں گردنیں ہلائی تھیں۔

''کیا بات ہوئی ان سے......؟ مجھے تو تم کہیں سے ٹوٹے پھوٹے نظر نہیں آ رہے۔''

نواب فاروق حسن نے کہا۔

''بھلا وہ کیوں......؟ ٹوٹ پھوٹ کی کیا گنجائش تھی اس میں......؟''

نواب احتشام نے کہا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں احتشام......! کہ نواب مہر اس کوٹھی کے معاملے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہیں۔ وہ قدامت پسند آدمی ہیں۔ آج تک نوابی ذہن سے نہیں گئی اور وہ اس کوٹھی سے دلی لگاؤ بھی رکھتے ہیں۔ وہ اسے بیچنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔''

نواب فاروق حسن نے کہا۔

''نہیں پھوپھا جان......! ایسا دعویٰ نہ کریں۔ کیونکہ ہم اس کوٹھی کا سودا کر چکے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

ایک بار پھر سب چونک پڑے۔ نواب فاروق حسن بھی حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے حیران لہجے میں کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم لوگ......؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''بڑی سیدھی سی بات ہے پھوپھا میاں......! کہ کوٹھی کا سودا ہو چکا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو تمام رقم کا ایک ڈرافٹ بنا کر مجھے دے سکتے ہیں۔ تین دن کے اندر اندر آپ کو قبضہ مل جائے گا۔''

ارقم الدین، روکی نے کہا۔ کھانا تو رُک گیا تھا، سب لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر احتشام حسن نے کہا۔

''گدھے ہیں بھائی صاحب......! یہ دونوں بکواس کر رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر بھلا مہر صاحب یہ کوٹھی بیچنے پر کیوں آمادہ ہوں گے......؟''

''کمال کی بات ہے......! گدھا کہنے کے پیسے الگ سے لئے جائیں گے پھوپھا جان......!''

عالم پناہ نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟''

نواب فاروق حسن بولے۔

''جی ہاں......! ہمارے پاگل پن کا دورہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ تو بس یوں ہی بچوں کو مزے کرا رہے تھے۔''

ارقم الدین، روکی نے کہا اور تابش کے ہونٹ بھنچ گئے۔

''تو پھر ابھی تھوڑی دیر کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر میرے سامنے مہر صاحب سے بات کرو۔ ویسے تم نے کیا چکر چلایا ہے......؟''

''یہ ہمارے راز ہیں، اس بارے میں آپ کو بتانا ممکن نہیں ہے۔ ویسے ہمارا کمیشن نہیں بھولئے گا۔''

عالم پناہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! اگر تم وہ کوٹھی ہمیں دلانے میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف کمیشن، بلکہ تمہیں انعام بھی ملے گا۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے......! کھانا شروع کیجئے، بسم اللہ......!"

روکی نے کہا اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ تابش بار بار کن انکھیوں سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ روکی اور عالم پناہ یہ کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔ بہرصورت کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نواب فاروق حسن اور نواب احتشام ان دونوں کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔ دوسرے لوگوں کو آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ باہر تابش اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

"یارو......! یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ نواب مہردین کو کس نے نہیں دیکھا۔ اتنی آسانی سے سودا ہو جانا کسی طور ممکن نہیں ہے......؟ بلکہ نواب تو ان کے جوتے لگاتا، لیکن وہ ان سے کوٹھی کی سودے بازی کرے گا......؟ یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر کیا کرنا چاہئے......؟"

"معلوم کرو......! کسی بھی طرح معلوم کرو شاہد......! کہ یہ سب کیا ہوا ہے......؟ کیا یہ واقعی سنجیدہ ہیں......؟"

"مگر کس طرح معلوم کیا جائے......؟"

شاہد نے پوچھا۔

"سوچو......! اس سلسلے میں کچھ سوچو...... میرا خیال ہے، ہم خود بھی نواب صاحب کو فون کریں۔ ان کا لینڈ لائن نمبر بھی ایک ہی ہے۔ چلو ٹرائی کئے لیتے ہیں۔"

شاہد نے ساتھ والی کوٹھی کے لینڈ لائن نمبر ڈائل کئے لیکن فون انگیج تھا۔ شاید بات ہو رہی تھی۔ شاہد نے مایوس کن انداز میں گردن ہلائی۔ تابش نے کہا۔

"ٹھیک ہے......! انتظار کرو۔"

تابش نے کہا اور سب خاموش ہو گئے۔ دوسری طرف نواب فاروق حسن اور احتشام حسن ارقم الدین، روکی اور عالم پناہ کے سر پر کھڑے ہوئے تھے۔ روکی نواب مہر کا نمبر ملا رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"جی......! کون صاحب بول رہے ہیں......؟"

"میں نواب صاحب کا سیکریٹری ہوں جس نے صبح کوٹھی کے سلسلے میں آپ کے دادا جان سے بات کی تھی۔"

"اوہ......! اچھا اچھا......! میں ابھی دادا جان سے آپ کی بات کرواتی ہوں۔"

دوسری طرف سے جواب ملا اور چند لمحات کے بعد نواب مہر کی آواز سنائی دی۔

"ہوں......! بول رہا ہوں۔"

"قبلہ نواب صاحب......!"

"ہاں......! میں ہی ہوں۔"

دوسری طرف سے نواب مہر کی آواز سنائی دی۔

"نواب صاحب......! آپ کا حکم تھا کہ دوپہر کے بعد آپ سے کوٹھی کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔"

"کون بول رہے ہو......؟"

"وہی آپ کا خادم سیکریٹری جس نے صبح کو آپ سے گفتگو کی تھی۔"

"ہوں......! اچھا اچھا......! کیا بات کرنی ہے اس سلسلے میں......؟"

نواب صاحب نے پوچھا۔

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں قبلہ......! کہ کوٹھی کی قیمت کا کیا تعین کیا گیا ہے......؟"

"نواب مہر علی کو تم کوٹھی کی قیمت ادا کرو گے......؟ بے وقوف......! گدھے کہیں کے......! کیا ہے تمہارے پاس......؟ جو کچھ ہے، دے دو۔ ہم کوٹھی بیچنے پر تل گئے ہیں تو ہر قیمت پر اسے فروخت کر دیں گے۔"

"حضور قبلہ......! آپ کی محبت ہے، ورنہ ہم کس قابل ہیں......؟ یہ تو آپ کا احسان ہے ہم لوگوں پر۔ اتنی عظیم الشان کوٹھی ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے۔ بہرصورت نواب کو نواب ہی پہچانتا ہے۔ کوئی عام آدمی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنی عظیم الشان کوٹھی کو دوسروں کے سپرد کر دیا جائے۔"

"ہوں......! ٹھیک ہے، ٹھیک ہے......! جب تم نے ہمیں نواب تسلیم کیا ہے تو پھر یہ ساری سودے بازی کیسی......؟"

"پھر بھی نواب صاحب......! قیمت کا کوئی تعین تو کرنا ہی ہو گا۔"

"چلو ٹھیک ہے......! تم اتنی ضد کر رہے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں۔"

نواب صاحب بولے۔

"جی......! کہئے، کہئے......! میں سن رہا ہوں۔"

روکی نے جلدی سے کہا۔

"ایسا ہے کہ پچاس لاکھ روپے میں یہ کوٹھی ہم تمہیں دے سکتے ہیں۔ بولو، منظور ہے......؟"

"ایک منٹ......! میں نواب صاحب قبلہ سے معلومات حاصل کر لوں۔"

روکی نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر نواب فاروق حسن کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"پچاس لاکھ روپے......!"

"ایں......؟"

نواب فاروق حسن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو روکی......؟''

''جی ہاں جناب......!''

''کمال ہے......! کمال ہے بھئی......! فوراً ہاں کردو۔ پچاس لاکھ میں تو یہ کوٹھی کوڑیوں کے مول ہے۔''

نواب فاروق حسن نے کہا۔ احتشام حسن کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ وہ اس گفتگو پر حیران تھے۔ پھر روکی نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''حضور والا......! بھلا سودے بازی کیسی......؟ نواب صاحب کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ ہمارے لئے کافی ہے تو میں پچاس لاکھ روپے کا ڈرافٹ معہ کاغذات لے کر کب حاضر ہو جاؤں......؟''

''کل صبح دس بجے میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

نواب مہر نے جواب دیا اور دوسری طرف سے ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔ نواب فاروق حسن اور احتشام حسن ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر احتشام حسن نے کہا۔

''ابے......! تم نے کہیں کوئی چکر وکر تو نہیں چلایا......؟''

''میں سمجھا نہیں پھوپھا جان......!''

''میرا مطلب ہے، کسی اور کو ٹیلی فون کیا تھا یا نواب صاحب کو ہی کیا تھا......؟''

''اب یہ آپ کی زیادتی ہے پھوپھا جان......! کل جب کوٹھی آپ کے نام ہو جائے تو آپ میری بات مان لیجئے گا۔ میں اس سے پہلے تو آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا۔''

''ہوں......! مگر یہ سب کیسے ہوا......؟ مجھے بتاؤ گے نہیں......؟''

''جی نہیں......! یہ کاروباری راز ہیں۔ کسی کو نہیں بتائے جا سکتے۔''

روکی نے منہ بنا کر کہا۔ نواب فاروق حسن ہنسنے لگے تھے۔ پھر وہ بولے۔

''ٹھیک ہے احتشام......! بچہ سچ ہی کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے راز کیوں بتائے تمہیں......؟ جس طرح بھی اس نے کھٹکنے نواب کو تیار کیا، یہ اس کا اپنا کام ہے۔ تو روکی میاں......! تمہارا کوئی اور مطالبہ تو نہیں ہے اس سلسلے میں......؟''

''جی نہیں......! یہ بتائیے کہ کوٹھی کے کاغذات کس کے نام منتقل کروانے ہوں گے۔''

''میرے خیال میں سارہ کے نام سے بہتر رہے گا۔ تم یہ کوٹھی سارہ کے نام سے خرید لو۔''

''جی بہت بہتر......! میں سارہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے......! تو کس وقت تک یہ کام ہو جائے گا......؟''

''کل صبح دس بجے تک......!''

''مگر سارہ کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے......؟''

''ضرورت تو ہے پھوپھا جان......! بہتر ہے، یہ معاملہ محترمہ سارہ کے سامنے ہی طے ہو جائے، اور ہاں......! پچاس لاکھ روپے کا ڈرافٹ تیار رکھئے گا۔''

روکی نے جواب دیا اور نواب صاحب گردن ہلانے لگے۔ دن گزر گیا، لیکن دن بھر تبصرے ہوتے رہے تھے۔ تابش نے نواب فاروق حسن کی زبانی یہ سن لیا تھا کہ نواب مہر سے کوٹھی فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اب اس میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ بہرحال دوسرے دن صبح دس بجے ارقم الدین، روکی ڈرافٹ اور ضروری کاغذات لے کر سارہ کے ساتھ نواب مہر کے ہاں چل پڑے۔ سارہ کے ساتھ اس کا ایک وکیل بھی تھا جسے نواب فاروق حسن نے ہی مہیا کیا تھا۔ وکیل نے تمام کاغذات تیار کر لئے تھے۔ نواب مہر کی کوٹھی پر جا کر ان کاغذات پر دستخط ہو گئے۔ پچاس لاکھ روپے کا ڈرافٹ نواب صاحب کو پیش کر دیا گیا تھا جسے نواب صاحب نے نہایت بے اعتنائی سے اپنی بیٹی کے سپرد کر دیا۔ ان کی بیٹی البتہ سارہ کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ سارہ یہاں اپنے آپ کو لئے دیئے ہی رہی تھی اور قرب وجوار میں اس کی کسی سے شناسائی نہیں تھی۔ اس لئے بالکل پتا نہیں چل سکا کہ وہ کون ہے......؟ سارہ نے بھی اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ نواب مہر نے وعدہ کیا تھا کہ دو دن کے اندر اندر کوٹھی ان کے سپرد کر دی جائے گی۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے چلے آئے۔

پھر اسی شام اس کوٹھی کا سامان ٹرکوں پر لاد کر لے جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ نہ جانے نواب صاحب نے اپنے لئے کیا بندوبست کیا تھا......؟ لیکن ان کے بچے بہت خوش تھے۔ کیونکہ ان کی جدید طرز کی کوٹھی بہت عرصے سے تیار تھی، بس اس کوٹھی کا جھگڑا اٹکا ہوا تھا۔ وہ بڑی خوشی خوشی اپنا سارا سامان منتقل کر رہے تھے۔ اس طرف دونوں بھائیوں کی خوشیاں عروج پر تھیں۔ کوٹھی میں بڑی خوشیوں کا سماں تھا۔ احتشام صاحب تو اس بات پر پھولے نہیں سما رہے تھے کہ اب وہ اپنی کوٹھی میں منتقل ہو جائیں گے۔ دونوں بھائی ساتھ ساتھ ہی رہیں گے۔ رات تک یہ خوشیاں جاری رہیں۔ ارقم الدین، روکی اور عالم پناہ کو ایک اچھی خاصی رقم کیس حل کرنے کی فیس کے علاوہ بطور انعام دی گئی تھی اور دونوں بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ تابش اور لڑکے لڑکیاں البتہ ابھی تک حیران تھے کہ یہ سب کیسے ہو گیا......؟

☆......☆......☆

عسکری کے گھر کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو......! عسکری بول رہا ہوں۔''

''اور میں اللہ ماری گل زادی......!''

دوسری طرف سے آواز آئی اور عسکری چونک پڑا۔

''کون......؟ مسٹر شہروز......؟''

''اے......! تیرا ستیاناس جائے پولیس والے......! مجھ نصیبوں جلی کو شہروز کہہ رہا ہے......؟ ارے......! گل زادی ہوں میں، گل زادی......! سمجھا تو......؟''

گل زادی نے کہا۔

''مسٹر شہروز......! براہ کرم......! ٹھیک سے گفتگو کیجئے۔ میں ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہوں۔ ہر چند کہ

میرے اور آپ کے درمیان بے تکلفی ہے تھوڑی سی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ ٹیلی فون پر مجھ سے اس انداز میں گفتگو کریں۔"

عسکری نے کہا۔

"آئے ہائے......! تو، تو تقریر ہی کرنے بیٹھ گیا۔ ارے......! کچھ عزت بھی بنانی ہے یا یوں ہی کام چلانا ہے اپنا......؟"

"میں سمجھا نہیں مسٹر شہروز......!"

"پھر وہی شہروز......؟ ارے......! میں کہتی ہوں، جب تک تو مجھے گل زادی نہیں کہے گا، میں تجھ سے دوسری بات نہیں کروں گی۔"

"کیا بات ہے مسٹر گل زادی......؟ براہِ کرم......! مجھے بتایئے تو سہی......!"

عسکری نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اے واری......! اے قربان......! کیا کر رہا ہے اس وقت......؟"

"دیکھیے......! میں کہتا ہوں، میں کہتا ہوں......"

"اے......! کہیو بعد میں، ملنا ہے میں نے تجھ سے، کہاں ملے گا......؟ جلدی بول......!"

گل زادی کے لہجے میں ہیجڑوں کی سی کیفیت تھی۔ عسکری پریشانی سے گردن کھجانے لگا۔ بہرطور وہ اس شخص کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس کی عجیب و غریب شخصیت کا دل سے قائل ہو چکا تھا۔ اس لئے برداشت کرنے ہی میں عافیت سمجھی اور کہنے لگا۔

"کوئی خاص بات ہے گل زادی......؟"

"ہاں......! بہت ہی خاص بات......!"

"کیا......؟"

"فون پر نہیں بتاؤں گی۔"

"پھر......؟"

"آ جا میرے پاس......! تیری تقدیر کھول رہی ہوں میں۔"

"کہاں آؤں......؟"

"جہاں تو مناسب سمجھے......!"

"تو پھر کلب ہی ٹھیک رہے گا۔"

عسکری نے جواب دیا۔

"اے......! جہاں مرضی مل لے، تیری مرضی......! میں حاضر ہوں۔"

شہروز نے اسی انداز میں کہا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے......! آپ کلب پہنچ جائیں۔"

عسکری نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے......! آ جا، میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی اور ریسیور رکھ دیا گیا۔ عسکری ریسیور رکھ کر احمقانہ انداز میں فون کو گھورنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

"نہ جانے یہ کمبخت کیا کہنا چاہتا ہے......؟"

اس نے سوچا۔ بہرصورت تیار ہوا اور سادہ لباس میں کلب کی طرف چل پڑا تھا۔ کلب پہنچا تو شہروز ایک جگہ بیٹھا نظر آ گیا۔ وہ صاف ستھرے لباس میں تھا۔ حسب معمول چہرے پر وہی دلکش کیفیت پھیلی ہوئی تھی جو دلوں کو موہ لیتی تھی۔ چور نگاہیں اس کی طرف اُٹھ رہی تھیں اور ٹھنڈی آہیں بھری جا رہی تھیں۔ عسکری مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو مسٹر شہروز......!"

"ہیلو......!"

شہروز نے جواب دیا۔

"شکر ہے کہ اس وقت آپ گل زادی نہیں ہیں۔"

عسکری ہنستے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میں کس وقت کیا ہوں مسٹر عسکری......! اس سلسلے میں آپ کو تبصرہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔"

شہروز نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا......! میں معذرت خواہ ہوں۔ یہ بتائیں کہ اس وقت میں آپ کو شہروز کہوں یا گل زادی......؟"

"جو دل چاہے کہو......! مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"حالانکہ چند منٹ قبل آپ اس بات پر بضد تھے کہ آپ گل زادی ہیں، شہروز نہیں۔"

"مسٹر عسکری......! کچھ کام کی بات ہو جائے، ورنہ دوسری صورت میں، میں اس جگہ سے اُٹھ جاتا ہوں۔"

"اوہو......! مسٹر شہروز......! آپ ناراض نہ ہوں۔ میں اب کام ہی کی بات کروں گا۔ فرمایئے......! کیا خاص بات ہے......؟"

"میں نے تم سے پال کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔"

"ہاں......! میں نے اب تک ان سے انحراف تو نہیں کیا۔"

"نہیں......! میں اس قسم کی کوئی بات نہیں کر رہا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم نے پال کے بارے میں

مزید معلومات حاصل کی ہیں......؟''

''موقع ہی نہیں مل سکا۔ بس کچھ حالات میں اس طرح اُلجھا دیا آپ نے کہ میں خوف زدہ ہو گیا اور میں نے ایک گوشے میں پناہ لینا مناسب سمجھا۔''

''حالانکہ یہ آپ جیسے پولیس آفیسر کو زیب نہیں دیتا مسٹر عسکری......!''

''بعض اوقات معاملات ہم لوگوں کو بھی بے بس کر دیتے ہیں۔ لیکن کوئی خاص بات ہے مسٹر شہروز......! اگر آپ کسی خاص سلسلے میں مجھے بتانا چاہتے ہیں تو مجھے بڑی مسرت ہوگی۔''

''ہاں......! تم نے میری بات مانی تھی اور شاید میں نے تم سے وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر مجھ سے تعاون کرو گے تو فائدے میں ہی رہو گے۔ یہ فائدہ کس قسم کا ہوگا......؟ اس کے بارے میں، میں نے تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں اس بارے میں بتا دوں۔''

''ہاں فرمایئے......! کیا خاص بات ہے......؟ یقیناً جو بات آپ مجھے بتانا چاہیں گے، وہ کوئی بہت ہی بڑی حیثیت رکھتی ہوگی۔''

''ہاں......! بہت بڑی حیثیت......! کیا تم ملکی یا اس شہر کے معاملات میں پچھلے چند ماہ کا تجزیہ کرو گے مسٹر عسکری......؟''

''مثلاً......؟''

''مثلاً اس شہر میں موجود سفارت خانے کی بات جسے تباہ کر دیا گیا تھا اور بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔''

شہروز نے کہا اور عسکری چونک پڑا۔

''ہاں ہاں......! مگر......مگر......''

''وہ کیس کس کے پاس ہے مسٹر عسکری......؟''

''میرا خیال ہے، وہ کیس سیکریٹ سروس کے پاس پہنچ گیا ہے۔''

''کچھ ہوا اس سلسلے میں......؟''

''نہیں......! یا پھر ہوا ہوگا تو میرے کانوں تک نہیں پہنچا۔''

عسکری نے جواب دیا۔

''مجھ سے سن سکتے ہو......؟''

شہروز بولا اور عسکری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''مسٹر شہروز......! آپ ان معاملات پر بھی نگاہ رکھتے ہیں......؟''

''نہیں......! لیکن بعض اوقات کچھ معاملات خود میری نگاہوں میں آ جاتے ہیں۔''

شہروز نے کہا۔

''مثلاً......؟''

''مثلاً میں تمہیں بتاؤں کہ ابھی تک سیکریٹ سروس بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکی۔ لیکن اگر تم چاہو تو اس شخص کو یا ان لوگوں کو گرفتار کر سکتے ہو۔''

''مم......میں سمجھا نہیں۔''

''یار......! یہ تمہاری سمجھ اتنی ناقص کیوں ہوتی ہے......؟ میں تمہیں سمجھانے جا رہا ہوں اور تم ہر بات کے جواب میں کہہ رہے ہو، سمجھا نہیں، سمجھا نہیں......؟''

''اوہ......! مسٹر شہروز، مسٹر شہروز......! اگر اس سلسلے میں مجھے کچھ کرنے کا موقع مل جائے تو آپ یقین کریں، میری زندگی بن سکتی ہے۔''

''بہت خوشی ہوگی مجھے مسٹر عسکری......! کیونکہ تم نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا ہے۔ بہرطور میں تمہارے سامنے ایک نام دُہراؤں گا۔ کیا تم اس نام سے واقف ہو......؟''

''کون سا نام......؟''

عسکری نے پوچھا۔

''گولیور......!''

''ہاں ہاں......! کیوں نہیں......؟''

''گولیور کے بارے میں کچھ اطلاعات مجھے حالیہ طور پر بھی ملی ہیں۔ ایک دوسرے ملک سے یہ اطلاع فراہم کی گئی ہے میرے محکمے کو کہ شاید گولیور اس وقت ہمارے ملک میں موجود ہے۔''

''تمہارا خیال درست ہے، اور سفارت خانے کی تباہی میں اسی کا ہاتھ ہے۔ وہ کسی خاص ملک کی طرف سے یہاں آیا ہے اور اسی ملک کے لئے کام کر رہا ہے۔ وہ ملک ہمارے شہر میں موجود اس سفارت خانے کو تباہ کرانا چاہتا تھا اور یہ ہمارا ذاتی مسئلہ بھی ہے۔ اس طرح ہمارے تعلقات اس ملک سے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، جس کا وہ سفارت خانہ تھا۔ گولیور کے سپرد یہی ذمے داری سونپی گئی تھی کہ وہ اس سفارت خانے کو تباہ کرا دے، تاکہ ان دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں۔ وہ یہاں اس کام کے لئے پوری قوت کے ساتھ آیا تھا۔''

''ویری گڈ......! آپ کو یہ ساری معلومات کیسے حاصل ہوئیں......؟''

''سنتے رہو، بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

شہروز نے کہا اور عسکری پُر اشتیاق انداز میں شہروز کے سامنے جھک گیا۔

''مجھے بتایئے......! میں خاموشی سے سنوں گا۔''

''وہ شخص مسٹر پال جس سے تم مل چکے ہو، دراصل گولیور ہے۔ لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ یہاں آ کر اپنا کام انجام دینے کی بجائے میرے چکر میں پھنس گیا۔''

''آپ کے چکر میں......؟''

"ہاں......! ظاہر ہے، تمہیں بھی تھوڑا بہت تجربہ ہے اس کا۔ پال نے مجھے پھانسنے کے لئے یہاں قتل و غارت گری بھی کی ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے آپ کو پال کہا، لیکن میں نے اس کی شخصیت کی اصلیت تلاش کر لی۔"

"اوہ...... مسٹر شہروز، مسٹر شہروز......! اگر وہ گولیور ہے اور اگر اس نے یہ سفارت خانہ تباہ کیا ہے تو یقینی طور پر یہ انتہائی خطرناک بات ہے، اور میرا خیال ہے، یہ اطلاع ہی میرے محکمے کے لئے بہت بری ہوگی۔"

"نہ صرف اطلاع، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم گولیور کو گرفتار کر لو۔"

"مم...... میں......؟"

عسکری ہکلایا۔

"ہاں تم......؟"

"مم...... مگر کیا یہ ممکن ہے مسٹر شہروز......؟"

"ہاں......! ممکن ہے۔"

"کیسے......؟"

عسکری نے پوچھا۔

"میں گولیور کو تمہارے حوالے کروں گا، اس کے حواریوں سمیت۔ لیکن اس کے حواریوں کے لئے تمہیں ایک جگہ چھاپہ مارنا ہوگا۔ وہاں اس کے تمام ساتھی موجود ہوں گے۔ وہ سب وہاں سے گرفتار ہو جائیں گے۔"

"اور گولیور......؟"

"وہ میری تحویل میں ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ مسٹر عسکری......! کہ آپ کو آئندہ بھی میرے لئے کام کرتے رہنا ہوگا۔ گل زادی جرائم پیشہ نہیں ہے، بس وہ اپنے آپ کو منوانے کی آرزو رکھتا ہے، اور اسی لئے اس نے بڑے، بڑے جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانس رکھا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے مسٹر شہروز......!"

"ٹھیک ہے......! پھر تم یہ کاغذ پڑھو۔"

شہروز نے ایک کاغذ عسکری کے سامنے کر دیا۔ اس کاغذ میں ایک تحریر تھی جس میں گولیور نے ایک اعتراف نامہ لکھا ہوا تھا۔ عسکری نے تحریر پڑھی اور متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور پھر کپکپاتے لہجے میں بولا۔

"لیکن...... لیکن یہ تو بتائیے مسٹر شہروز......! کہ یہ شخص کہاں ملے گا......؟"

"میری مٹھی میں موجود ہے۔ آپ جس وقت بھی میرے ساتھ چلیں گے، میں اسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ پہلے اس کے آدمیوں کی گرفتاری کا بندوبست کریں۔"

"بہت بہتر......! اگر آپ مجھے صحیح نام اور پتہ بتا دیں تو میں فوری طور پر اس کا انتظام کرتا ہوں۔"

"لیکن اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کی ٹیم میں ذہین افراد ہوں۔ ان میں سے جو بھی نکل گیا، وہ آپ کی ذمے داری پر ہوگا۔"

"بس......! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں اس کا انتظام کئے لیتا ہوں۔"

عسکری نے کہا۔

"تو پھر سنئے......! کوٹھی نمبر بارہ، کورنش روڈ میں اس کے تمام حواری موجود ہیں اور خود گولیور میری قید میں ہے۔"

"آپ کی قید میں......؟"

"ہاں......! میری قید میں۔"

شہروز نے جواب دیا اور عسکری کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک فون کر دوں۔ فوری طور پر میں اس کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔"

"فوراً کر دیں......! انہیں آج رات ہی گرفتار ہونا چاہئے۔"

"اور گولیور......؟"

"ارے یار......! بے صبری کیوں کر رہے ہو......؟ جس وقت بھی میرے ساتھ چلو گے، گولیور تمہارے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ ایک ہیجڑے کے روپ میں ہے۔"

"ہی...... ہی...... ہیجڑے کے روپ میں......؟"

عسکری نے پوچھا۔

"ہاں......! گل زادی کے سامنے آئے گا تو یہی مزے رہیں گے۔"

شہروز نے قہقہہ لگا کر کہا۔ عسکری اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پھر وہ کلب کے ہال سے باہر نکل گیا تھا۔ اس نے انتہائی رازدارانہ انداز میں اپنے محکمے کے ذمے دار افراد کو تمام تفصیلات بتائی تھیں اور اعلیٰ پولیس افسران اس جگہ پر چھاپہ مارنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ عسکری نے کہا تھا کہ گولیور کو وہ خود گرفتار کرے گا۔ البتہ ان لوگوں کو اس مخصوص پتے سے گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر لے جایا جائے اور اس کے بعد وہ گولیور کے ساتھ وہاں پہنچے گا۔ عسکری اتنا بے صبر نظر آ رہا تھا کہ کال ختم کر کے واپس آتے ہی شہروز سے بولا۔

"مسٹر شہروز......! گولیور کو کس وقت گرفتار کریں گے......؟"

"ابھی بیٹھو، کچھ کھاؤ پیو......! تھوڑی دیر کے بعد چلیں گے۔ پھر تم اسے اپنے ساتھ لے آنا۔"

"لیکن مسٹر شہروز......! اس سلسلے میں، میں آپ کو کیا پیش کر سکتا ہوں......؟"

"شہرت......! پبلسٹی......! گل زادی کا نام اخبارات کی زینت بنتا چاہئے۔ لیکن شہروز کے بارے میں کچھ نہ لکھا جائے۔ گل زادی کی تصویر کے لئے بھی کوئی تگ و دو نہ کی جائے۔"

''بہت بہتر......! ایسا ہی ہوگا۔ آپ دیکھئے گا کہ میں کس طرح پریس کو رپورٹ دیتا ہوں۔''

عسکری نے کہا۔ اس کے بعد اس نے ایک مشروب منگوایا۔ اس کے علاوہ شہروز نے کچھ کھانا پینا پسند نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک عجیب سی اُلجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔ بہرصورت یہاں سے فارغ ہو کر وہ اُٹھ گئے۔ عسکری شہروز کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں شہروز نے کہا۔

''اس عمارت کے بارے میں کوئی تفصیل کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہئے، جہاں میں تمہیں لے جارہا ہوں۔ تم کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کروگے اور نہ ہی اخبارات میں اس عمارت کا ذکر آئے گا۔ بلکہ تم کہو گے کہ گولیور کو بھی تم نے اس کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا ہے۔''

''اوہ......! کیا یہ ضروری ہے......؟''

''نہیں......! ضروری نہیں ہے۔ اگر رہائش گاہ کی بات نہ کرو تو کہیں اور کے لئے بھی کہہ سکتے ہو۔ تم تو ظاہر ہے بہت عرصے سے گولیور کے پیچھے تھے اور تمہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سفارت خانے میں قتل و غارت گری کا ملزم گولیور ہے۔ پھر تمہیں بہت سے کاغذات بھی دستیاب ہوں گے اس عمارت سے اور تمام تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔''

''بہت بہتر......! مسٹر شہروز......! بہت بہتر۔ آپ یقیناً میری تقدیر بنانے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔''

''چلتے رہو، چلتے رہو......!''

شہروز نے جواب دیا اور عسکری خاموش ہوگیا۔ شہروز اسے لے کر اسی عمارت میں گیا جہاں گولیور موجود تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں گولیور کو قید کر دیا گیا تھا۔ گولیور عجیب سے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ میک اَپ زدہ چہرہ تھا اور زنانہ لباس زیب تن تھا۔ لیکن اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ عورت نہیں، مرد ہے۔ عسکری نے اسے دیکھا اور متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔ دوسری طرف گولیور بھی عسکری کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ لیکن باہر مسلح لوگوں کو موجود دیکھ کر اس نے گہری سانس لی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب تو کھیل بگڑ ہی چکا ہے۔ وہ تو اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جس میں نہ جانے اتنی دیر کیوں ہوگئی تھی......؟ عسکری کو دیکھ کر وہ غرایا اور خونخوار لہجے میں بولا۔

''تم......؟ تم آفیسر......! تم بہت ذلیل انسان ہو۔ تم مجھ سے رشوت لے کر کھا گئے اور اب تم اس شخص کے لئے کام کر رہے ہو......؟''

''تم......تم کون ہو......؟''

عسکری نے متحیرانہ انداز میں کہا اور گولیور کو احساس ہوا کہ وہ کس شکل میں ہے، اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔

''شرما رہی ہے بیچاری......!''

شہروز نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ہنس پڑا۔ عسکری کو بھی ہنسی آگئی۔ پھر اس نے شہروز سے مخاطب ہو کر کہا۔

''لیکن......لیکن یہ کیا ہے مسٹر شہروز......؟''

''کچھ نہیں......! شوق ہے اس کا، اب میں کیا کر سکتا ہوں......؟ مگر ٹھہرو......! تم تو اسے اصلی شکل میں ہی لے جاؤ گے۔ میں ایمونیا منگواتا ہوں اس کے لئے۔''

شہروز نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد گولیور کا میک اَپ صاف کر دیا گیا۔ اب وہ اپنی اصل شکل میں تھا۔

''تو یہ ہیں مسٹر پال یا مسٹر گولیور......؟ یورپ کے بہت بڑے مجرم یا یورپ کے بہت بڑے ہوّے......؟ جنہوں نے یورپ کو ہلا کر رکھا ہوا ہے۔ لیکن مسٹر عسکری......! اگر یہ اب آپ کی تحویل سے نکل گئے تو سمجھ لیجئے کہ آپ دوبارہ انہیں کبھی نہ پاسکیں گے۔''

''فکر نہ کریں مسٹر شہروز......! یہ اب کبھی میرے چنگل سے نکل نہیں سکے گا۔''

عسکری نے جواب دیا اور گولیور کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔ گولیور خونخوار نگاہوں سے شہروز کو دیکھ رہا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا۔

''گل زادی......! یہاں کی جیلیں مجھے قید نہیں رکھ سکیں گی اور اگر میں نکل گیا تو قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، تمہارا قصہ پاک کر کے ہی اس ملک سے واپس جاؤں گا۔''

''سنو گولیور......! اگر تم یہاں کی جیلیں توڑ کر نکل بھی گئے تو زندہ اس ملک سے واپس نہ جاسکو گے۔ یہ گل زادی کا عہد ہے۔''

شہروز نے کہا اور گولیور دانت پیستا ہوا باہر نکل گیا۔ عسکری کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ گولیور کو لے کر وہ ہیڈ کوارٹر پہنچا۔ ہیڈ کوارٹر میں گولیور کے تمام ساتھی موجود تھے اور ایسے بے شمار کاغذات گولیور کی رہائش گاہ سے پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ گولیور کن مقاصد کے تحت اس ملک میں آیا تھا......؟ اس سفارت خانے میں قتل و غارت گری کے سلسلے میں بھی پولیس کو بہتر ثبوت حاصل ہوگئے تھے اور یہ تمام سہرا عسکری ہی کے سر تھا۔ اس نے گولیور جیسے خطرناک مجرم کو گرفتار کیا تھا جس کے بارے میں یورپ کی پولیس بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھی۔ لیکن عسکری نے شہروز سے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کر دیا۔ پتا نہیں دوستی کے جذبے کے تحت یا پھر خوف کے تحت......؟

اخبارات میں پہلی بار گل زادی کا نام اس طرح آیا تھا۔

''گل زادی، ایک پُراسرار نام، جس نے یورپ کے ایک خطرناک مجرم گولیور کو چوہے کی طرح گرفتار کروانے میں پولیس کی بے لوث مدد کی۔''

اور اس کے بعد گولیور کے بارے میں تمام تفصیلات درج تھیں۔ گل زادی کے نام کو ایک پُراسرار حیثیت دی گئی تھی۔ اس کا کوئی پتہ، نشان نہیں بتایا گیا تھا۔ بس اتنا کہا گیا تھا کہ جرائم کی دُنیا میں یہ نام خوف ناک حیثیت رکھتا ہے، لیکن پُرلطف بات یہ ہے کہ یہ شخص خود کوئی جرم نہیں کرتا، بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بلیک میل کر کے انہیں اپنا مطیع بناتا ہے۔ پولیس کو اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم، لیکن اس نے پولیس کی جو مدد کی ہے، اسے نظرانداز نہیں کیا

جا سکتا۔ جرائم کی دُنیا میں گل زادی کی دہشت اور زیادہ بیٹھ گئی تھی کیونکہ گولیور کو جو بھی جانتا تھا، اسے یہ بات معلوم تھی کہ گولیور مجرموں کا شہنشاہ تو ہے، لیکن ان کا فرمانبردار کبھی نہیں بن سکتا۔ اس طرح اس نے گل زادی سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

عالیہ شاہ اور شاہان اس وقت بیٹھے اخبارات دیکھ رہے تھے اور اس پر تبصرہ کر رہے تھے۔ عالیہ شاہ آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے ٹک گئی اور تھکے تھکے سانس لینے لگی۔

”کیا بات ہے ڈیئر......! کچھ بیمار ہو گیا......؟“

شاہان نے پوچھا۔

”نہیں......! یہ گل زادی کیا چیز ہے شاہان......؟ کیا ہو گیا ہے اس شخص کو......؟ کون سی روح حلول کر گئی ہے اس کے بدن میں......؟“

”واقعی......! اس نے ہم لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب تم دیکھو، گولیور جیسے خطرناک آدمی کو اس نے کیا بنا کر رکھ دیا ہے......؟“

”کیا اس کا کوئی ثانی ہو سکتا ہے......؟“

عالیہ شاہ نے پوچھا۔ اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا اور اس نے شہروز کے آنے کی اطلاع دی۔ دونوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”لو......! وہ آ گیا۔“

عالیہ شاہ بولی۔ شہروز مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہی معصوم صورت، وہی سادہ آنکھیں، وہی دِلکش مسکراہٹ۔ عالیہ شاہ کا دل چاہا کہ اپنا کلیجہ نکال کر اس کے قدموں میں ڈال دے۔ اس نے بڑے پیار سے شہروز کا استقبال کیا۔

”زہے نصیب......! آپ یہاں تشریف لائے ہم لوگ اس وقت یہ اخبار ہی دیکھ رہے تھے۔“

”ہوں......! کیسا کاروبار چل رہا ہے......؟“

شہروز نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

”کاروبار تو ٹھیک چل رہا ہے جناب......! لیکن بالآخر آپ نے گولیور کو کیفرِ کردار تک پہنچا ہی دیا۔“

”یہ ضروری تھا۔ اس کمبخت نے میرے مقابل آنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن...... لیکن اس ملک میں یا روئے زمین پر جرائم کی دُنیا میں میرا کوئی مقابل نہیں ہے۔ کوئی ہے میرا مقابل......؟“

شہروز نے پوری آنکھیں کھول کر پوچھا۔

”میرے خیال میں نہیں ہے۔ یہ بات ہم آپ کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہے بلکہ ہم نے بھی دُنیا

دیکھی ہے۔ بہت کچھ دیکھا ہے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ قدرت نے آپ کے ذہن میں کیا چیز رکھ دی ہے......؟“

”کچھ نہیں، کچھ نہیں......! بس، میں اپنی شخصیت کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ، اگر میری ذات میں کوئی چھوٹی سی کمی ہے تو کیا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے اپنے آپ کو دوسرا رُخ نہیں دے دیا ہے......؟ کیا اس ملک میں وہ نسل جو نہ مرد کہلاتی ہے نہ عورت، کسی بھی شکل میں سرفراز و کامران ہے۔ اس کا کام کیا ہے......؟ سڑکوں پر ڈھول بجانا......؟ ناچنا گانا......؟ اُلٹی سیدھی حرکتیں کرنا......؟ اور پھر رات کی تاریکی میں اپنی حالت پر آنسو بہانا......؟ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی دیکھ رہے ہو۔ میں نے ایسے ایسے خطرناک لوگوں کو اپنا مطیع کر لیا ہے جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ بتاؤ، میں عظیم ہوں یا یہ شخص......؟“

شہروز نے شاہان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں مسٹر شہروز......! آپ کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ کے لئے تو ہر زبان تعریف اور توصیف کے کلمات ادا کر رہی ہے۔“

عالیہ شاہ نے کہا۔

”نہیں عالیہ شاہ......! مجھے تعریف و توصیف نہیں چاہئے۔ مجھے اپنی برتری کا اعتراف چاہئے۔ میں عظیم ہوں، میں کچھ نہ ہونے کے باوجود وہ ہوں جو دوسرے لوگ نہیں ہیں۔ سمجھے تم لوگ......؟“

شہروز عجیب سے انداز میں بول رہا تھا۔ عالیہ شاہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”آپ کا کہنا بالکل درست ہے مسٹر شہروز......! میں اس بات کو خلوصِ دل سے تسلیم کرتی ہوں۔“

”دُنیا تسلیم کرتی ہے، تم کیا تسلیم کرتی ہو......؟ خیر......! یہ بتاؤ، کوئی سرکش ہے ایسا تمہاری نگاہوں میں جو میرے سامنے سر اُٹھا سکے......؟“

”کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے، ایسا کوئی ہو۔“

”اگر ہو تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں اس کے سر کو بھی جھکانے کا خواہشمند ہوں۔“

شہروز نے جواب دیا اور صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”کہاں مسٹر شہروز......؟“

”کچھ نہیں......! بس اب چلتا ہوں۔ میں تمہارے پاس یہی پوچھنے آیا تھا کہ تمہارے اپنے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں۔ تم میں سے کسی کے ذہن میں مجھ سے بغاوت کا سودا تو نہیں سمایا......؟“

”اب اس کا کیا سوال ہے مسٹر شہروز......؟ ہم جو کچھ کہہ چکے ہیں، اس پر ساری زندگی عمل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔“

”لعنت ہے تم پر......!“

شہروز نے کہا اور عالیہ شاہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں سمجھی نہیں مسٹر شہروز......!“

''سمجھنے کی کوشش بھی فضول ہوگی تمہارے لئے۔ بس، دونوں کے دونوں چوہے کے بل میں گھسے رہو، بزدل کہیں کے۔''

شہروز غرایا اور شاہان کھوپڑی کھجانے لگا۔

''شہروز......! بیٹھو گے نہیں......؟ کچھ مشروب وغیرہ......؟''

''نہیں......! میں کچھ نہیں پیئوں گا۔ بس......! اب میں چلتا ہوں۔''

''مگر آپ کی یہ کیفیت......؟ کیا آپ ہم سے کچھ ناراض ہیں......؟''

''میں ساری دُنیا سے ناراض ہوں۔ مجھے وہ لوگ چاہئیں جو مجھ سے سرکشی کریں، بغاوت کریں، سمجھے......؟ میں دُشمنوں کو پالنے کا عادی ہوں۔ دوستوں سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے دُشمن چاہئیں، دُشمن......!''

شہروز بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی ذہنی کیفیت اعتدال پر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آنکھیں دیکھتے ہی دیکھتے گہری سرخ ہوگئیں اور چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ باہر نکل گیا تو شاہان نے عالیہ شاہ کی طرف دیکھا۔

''یہ......یہ کیا ہے......؟ خدا کی قسم......! اسے دیکھ دیکھ کر تو پاگل ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آج حالت کچھ زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں، میں اس کی ذہنی کیفیت سمجھتا ہوں عالیہ......! جو کچھ اس نے بتایا ہے، اگر وہ سب کچھ سچ ہے تو یقین کرو، یہ دُنیا کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ وہ لوگ جو اس جیسے ہوتے ہیں، اپنی شخصیت کو اسی مسخ شدہ ماحول میں رکھتے ہیں، اپنے لئے ذہنی آسودگی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ جسے ہر طرف سے برتری حاصل ہے، یہ ذہنی آسودگی سے دوچار نہیں ہوسکتا۔ مجھے خطرہ ہے عالیہ شاہ......! مجھے شدید خطرہ ہے۔''

''کس بات کا......؟''

''اس بات کا کہ یہ پاگل نہ ہوجائے۔ اس جیسا ذہین آدمی جس بے بسی کا شکار ہے، وہ بے بسی اسے زندہ نہیں رہنے دے گی۔''

''یہ نہیں ہونا چاہئے شاہان......! یہ نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس کے ٹھیک ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔''

''کیا کہا جاسکتا ہے......؟ وہ جتنی بڑی شخصیت ہے، جتنے بڑے باپ کا بیٹا ہے، کیا اس کے باپ نے اپنے بیٹے کے لئے کوئی کمی چھوڑی ہوگی......؟ لیکن خدا ہی بہتر جانتا ہے۔''

شاہان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور عالیہ شاہ کی آنکھوں میں نمی سی آگئی۔ وہ شہروز سے اب واقعی اس قدر متاثر ہوگئی تھی کہ اس کے لئے افسردہ تھی۔ لیکن شہروز کا کرب دُور کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ خود عالیہ شاہ یا شہروز کا کوئی ہمدرد اسے اس کرب اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا تھا۔ دونوں سوچ میں ڈوبے بیٹھے رہے۔ جوں جوں وہ اس کے بارے سوچتے جارہے تھے، ان کے ذہن اُلجھتے جارہے تھے۔ پھر عالیہ شاہ گہری سانس لے کر بولی۔

''انسان کتنا عجیب ہے خدایا......! کل تک میں اس کی دُشمن تھی، اس سے نفرت کرتی تھی، میری دلی آرزو تھی کہ میں اسے زندگی سے محروم کردوں۔ میں نے اس کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے......؟ لیکن آج میں اس کے لئے افسردہ ہوں۔''

''ہاں......! انسان بے حد عجیب ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے، سائنس پر ریسرچ کرتا ہے، چاند تک جا پہنچتا ہے، لیکن کوئی انسان اپنے آپ کو سمجھ نہیں پاتا۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم......! یہ بتاؤ ہم شہروز کے لئے کیا کریں......؟''

''احمق مت بنو عالیہ شاہ......! اس کے لئے تم کچھ نہیں کرسکتیں۔ جو کچھ کرنا ہے، اپنے لئے کرو۔ آؤ ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیں۔ اس کائنات میں اگر کوئی اپنے لئے ہی کچھ کرسکے تو بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ آؤ......!''

☆......☆......☆

نواب صاحب نے کوٹھی خالی کردی تھی اور روکی نے اس کا قبضہ حاصل کرلیا تھا۔ اس کے بعد کوٹھی میں ازسرِ نو اصلاحات ہونے لگی تھیں اور آج کل زیادہ تر نواب فاروق حسن اور احتشام حسن کا وقت اسی کوٹھی میں صرف ہوتا تھا۔ تمام لوگ خوش تھے اور عام طور سے اس کوٹھی پر اجتماع رہتا تھا۔ تابش اور خاندان کے دوسرے شریر نوجوانوں کو اب یہ احساس ہورہا تھا کہ روکی اور عالم پناہ ان کے جال سے نکل گئے ہیں، لیکن ان دونوں کو عقل کہاں سے ملی......؟

یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کوٹھی کے شب و روز بے کیف ہوگئے تھے اور وہ لوگ نت نئے منصوبے سوچ رہے تھے۔ سب کے دن جوں توں گزر رہے تھے، لیکن سارہ بے کل تھی۔ وہ شہروز کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی اور ہر وقت اس کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔ شہروز اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ اس سے اتنا دُور تھا۔ نہ جانے کیوں......؟ پھر جس دن یہ لوگ کوٹھی منتقل ہوئے تو شہروز بھی موجود تھا۔ کوٹھی انتہائی خوب صورت پیمانے پر آراستہ کی گئی تھی اور نواب احتشام حسن نے سب کو کوٹھی میں دعوت دی تھی۔ شہروز کو انہوں نے خاص طور سے پکڑا تھا۔

''بھئی شہروز میاں......! اگر آج بھی آپ کہیں نکل گئے تو میں رات کے کھانے میں شریک نہیں ہوؤں گا۔''

''جو حکم چچا جان......!''

شہروز نے ادب سے کہا اور درحقیقت شام کو وہ ایک ہلکے پھلکے سادے لباس میں ملبوس اس پارٹی میں شریک تھا۔ انتہائی جاذبِ نگاہ لگ رہا تھا وہ۔ سب کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اُٹھ جاتی تھیں اور ایک گوشے میں موجود سارہ آج اسے دیکھ کر شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج شہروز کے سامنے دل کھول کر رکھ دے اور اس سے اپنے بارے میں جواب لے لے۔

وہ ایک سیدھی سادی شرمیلی سی لڑکی تھی، لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی کہ شرم وحیا کے لبادے اُتار کر زندگی کا اہم فیصلہ کرلے، اور پھر کافی کشمکش کے بعد اس نے آج شہروز سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سبھی لوگ شریک تھے اس محفل میں۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تابش اور دوسرے تمام لوگ تو عالم پناہ اور روکی کے ساتھ کوٹھی کے لان پر نکل گئے۔ بزرگوں نے اپنی نشست الگ جمالی۔ شہروز واپسی کے لئے پلٹا تو سارہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

"شہروز صاحب......!"

اس نے شہروز کو آواز دی اور شہروز رُک گیا۔ عام دنوں کی نسبت آج وہ کچھ سنجیدہ تھا۔ خاموشی سے رُک کر وہ سارہ کو دیکھنے لگا۔

"کہاں جارہے ہیں......؟"

"واپس اپنی کوٹھی میں۔"

"یہ آپ کی کوٹھی نہیں ہے......؟"

"کیوں نہیں......؟"

"کوئی خاص مصروفیت ہے......؟"

"نہیں سارہ......! تم بتاؤ، کیا کوئی کام ہے مجھ سے......؟"

"ہاں......!"

"کہو......!"

"یہاں نہیں......! آیئے، اوپر چلیں۔"

سارہ نے کہا اور شہروز اس کے ساتھ چل پڑا۔ کوٹھی کی کشادہ چھت بہت پُرسکون تھی، آسمان پر تاریکی پھیلی ہوئی تھی، بادل چھائے ہوئے تھے اور تارے روپوش تھے۔ شہروز خاموشی سے اس کے ساتھ اوپر پہنچ گیا۔

"اجازت دیں شہروز صاحب......! کہ جو کچھ دل میں ہے، صاف صاف کہہ دوں۔"

سارہ بولی۔

"کہو......!"

"ایک بار پہلے بھی کہہ چکی ہوں، آج دوبارہ کہہ رہی ہوں کہ آپ ہماری آمد سے خوش نہیں ہیں۔"

"شاید میں نے پہلے بھی یہی جواب دیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

شہروز نرمی سے بولا۔

"آپ کا رویّہ اس کا احساس دلاتا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں شرمندہ ہوں۔"

شہروز نے کہا۔

"صرف شرمندہ ہیں......؟ اس میں تبدیلی نہیں کرسکتے......؟"

"کیا تبدیلی چاہتی ہو......؟"

شہروز نے پوچھا اور سارہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"شہروز صاحب......! آپ خود جائزہ لیں، ہم آپ کا خون ہیں، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ساری دُنیا ایک طرف اور آپ اور ہم ایک طرف۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہماری طرف ہیں ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں سارہ......! خدانخواستہ اگر کبھی تمہیں میری ضرورت پیش آئی تو میں صرف تمہاری طرف ہوں گا۔"

"ہمیں آپ کی ضرورت ہے شہروز......!"

"میں سمجھا نہیں......!"

"آپ میری نسوانیت کو مجروح کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ عورت کی زبان کا قفل اس کی نسوانیت کی اَنا ہوتی ہے۔ یہ اَنا ٹوٹ جائے تو وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کرتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مجبوریاں بہت کچھ توڑ دیتی ہیں۔ ازل سے مرد نے عورت کو اور عورت نے مرد کو چاہا ہے شہروز......! زندگی ایک ہی راستے پر چلتی ہے اور ہمارا معاشرہ اور مذہب اس راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ اس راستے کے لئے اپنی ایک پسند بھی ہوتی ہے۔ میں نے اپنے ذہن میں آپ کو اپنا ہمراہی منتخب کیا ہے شہروز......! کیا زندگی کے سفر پر آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گے......؟"

شہروز تھوڑی دیر خاموش رہا، پھر بھاری لہجے میں بولا۔

"زندگی انسان کے ساتھ ایک مذاق ہے سارہ......!"

"کیا مطلب......؟ میں سمجھی نہیں......!"

"مذاق، مذاق ہوتا ہے۔ تمہاری نسوانیت کی ایک اَنا ہے، لیکن میری مردانگی میری ذات سے مذاق ہے۔ سمجھیں تم......؟ میں اپنی ذات پر کوئی فخر نہیں کرسکتا۔ سارہ......! نہ میری نسوانیت کی کوئی اَنا ہے نہ مردانگی کی۔ میں ان دونوں کے درمیان کھڑا ٹھوہر کا ایک پودا ہوں، بھدا اور بے مصرف۔ میرے وجود کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ ٹھوہر کے پودے کی گہرائیوں میں جھانکو گی تو نفرت سے تھوک دوگی مجھ پر۔ میں کچھ نہیں ہوں، میں کچھ نہیں ہوں۔"

شہروز کی آنکھوں میں دیوانگی جھلکنے لگی۔

"کیوں......؟ آخر کیوں......؟ ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ......؟"

"جاننا چاہتی ہو......؟"

"ہاں......! میں آپ کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"تو آؤ میرے ساتھ......! آؤ......!"

شہروز نے کہا۔

"کہاں......؟"

''آؤ......! حقیقت جان لو۔''

اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ عجیب سا موڈ ہو گیا تھا اس کا، وہ مسکرا رہا تھا، لیکن اس کی یہ مسکراہٹ اپنی نہ تھی۔ سارہ کچھ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ شہروز نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اس کی یہ گرفت بہت سخت تھی، لیکن سارہ اس کے ساتھ چلتی رہی۔ شہروز اسے لئے ہوئے اپنی کوٹھی میں آ گیا۔ کوٹھی میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

''شہروز......! کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟''

سارہ کسی قدر خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''آ جاؤ سارہ......! بعض اوقات حقیقت جاننے کے لئے حیرتوں کے سمندر سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔''

شہروز ہنس پڑا۔ بڑی وحشیانہ ہنسی تھی اس کی۔ وہ اسے لئے ہوئے کوٹھی کے اس حصے میں داخل ہو گیا جو اس کے لئے مخصوص تھا۔ ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

''بیٹھو سارہ......! میں ابھی آیا۔''

اس نے کہا اور سارہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں ہول اُٹھ رہے تھے۔

''شہروز کیا چاہتا ہے مجھ سے......؟ اس کی کیفیت ایسی عجیب کیوں ہو رہی ہے......؟ وہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے......؟''

لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ لیکن اس چاپ میں گھنگرو کی جھنکار بھی شامل تھی۔ پھر وہ دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ شہروز ہی تھا، لیکن عجیب و غریب حلئے میں۔ رنگین زرق برق زنانہ لباس میں ملبوس، انتہائی حسین میک اَپ میں، چہرے پر مسکراہٹ لیکن عجیب وحشیانہ مسکراہٹ تھی، آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے پھر دروازہ بند کر لیا۔

''اے......! سارہ آپا......! سلامت رہو۔ اے......! بوا غلط سمجھ بیٹھی تھیں ہمیں۔ اے......! ہم نہ مردوں میں شمار ہیں نہ عورتوں میں، جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو، پنکھ لگائیں پھر سے اُڑ جائیں۔ اے......! صدقے آپا سارہ......! تمہیں اللہ نے لڑکی بنایا، کسی ڈھنگ کے مرد سے شادی کر لو، پھلو پھولو، سہرا گائیں تمہارا۔''

شہروز نے ٹھمکا لگایا اور پھر بھدی آواز میں ایک سہرا گانا شروع کر دیا۔ سارہ پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ شہروز گانے کے ساتھ ساتھ اُچھل کود بھی مچا رہا تھا۔ پھر وہ تھک کر نیچے گر پڑا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ پورے وجود پر تھرتھراہٹ طاری تھی۔ رفتہ رفتہ یہ تھرتھراہٹ کم ہونے لگی اور پھر وہ بے سدھ ہو گیا۔ سارہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، لیکن چند لمحات کے بعد وہ بھی کرسی سے نیچے لڑھک گئی۔

☆......☆......☆

دو ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے۔ شہروز ایک طرف پڑا ہوا تھا اور سارہ دوسری طرف۔ دونوں بے ہوش تھے۔ لیکن شہروز کی کیفیت عجیب تھی۔ احتشام حسن نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔

''دورہ پڑا ہے، یقیناً دورہ پڑا ہے۔''

فاروق حسن نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''مگر یہ لباس......؟''

''دورے کی کیفیت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کچھ کرو احتشام......! یہ سارہ کو کیا ہو گیا ہے......؟''

''خدا جانے......! کیا کروں بھائی صاحب......؟''

''دوسرے......دوسرے لوگوں کو بلاؤ، پہلے سارہ کو یہاں سے ہٹا دو۔ ملازموں کو اس کیفیت کا پتا نہ چلنے پائے۔ جلدی کرو احتشام......! جلدی کرو۔''

اور نواب احتشام باہر دوڑ پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر پہنچ گیا تھا۔

''پہلی بار بے ہوش ہوئے ہیں......؟''

''ہاں......!''

''تب صورتِ حال بگڑ سکتی ہے۔ براہِ کرم......! انہیں ہسپتال منتقل کر دیں۔ یہ لباس تبدیل کر دیں ان کا، میں ہسپتال جا کر انتظام کرتا ہوں۔''

سارہ کی حالت بھی بہتر نہیں تھی۔ ہوش میں آئی تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھنے لگی اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ لیکن دوسری صبح ٹھیک ہو گئی۔ خوف کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر منجمد تھے۔

''شہروز کہاں ہیں......؟''

اس نے پوچھا۔

''اپنی کوٹھی میں ہیں سارہ......! تم ان سے خوفزدہ ہو بیٹی......؟''

''انہیں کیا ہو گیا تھا......؟ کیسی حرکات کر رہے تھے وہ......؟ زنانہ لباس کیوں پہن لیا تھا......؟ اُف......! خدا کی پناہ......! وہ کسی تیز رفتار مشین کی طرح گھوم رہے تھے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی انسان کے اس طرح گھومنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اُف......! خدا کی پناہ......!''

''تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا شہروز نے......؟''

''نہیں......! مجھے کچھ نہیں ہوا، مگر انہیں کیا ہو گیا تھا......؟ اب کیسی حالت ہے ان کی......؟''

سارہ کے دل میں اب بھی گداز تھا۔

☆......☆......☆

دوسری طرف شہروز بھی ہوش میں آ گیا۔ بے ہوشی کے علاوہ اور کوئی بیماری تو تھی نہیں۔ ایک نرس اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے گھر کے لوگوں کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ ہسپتال میں وہ شہروز کے پاس نہ رہیں۔ نرس چائے پی رہی تھی کہ اسے شہروز کی پھٹی پھٹی آواز سنائی دی۔

''آپا جی......! اے آپا جی......! کیا پی رہی ہو میری بہن......؟''

آواز کچھ ایسی بے ہنگم اور اچانک تھی کہ نرس کے ہاتھ سے چائے اُچھل گئی۔ بمشکل تمام اس نے چائے کی پیالی نیچے رکھی اور کپڑے جھاڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہائے......! آپا نزاکت......! تیر پہ تیر چلا رہی ہو۔ کیا بجا ہے تمہاری گھڑی میں......؟''

شہروز اُنگلی مروڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔ نرس احمقوں کی طرح منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ جلدی سے بولی۔

''میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔''

نرس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈاکٹر صاحب نرس کو اس طرح دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

''کیا بات ہے سسٹر......؟''

''ڈاکٹر صاحب......! مریض کو ہوش آ گیا ہے، لیکن ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے، مؤنث کے صیغے میں بول رہے ہیں۔''

''اوہ......!''

ڈاکٹر جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ شہروز بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر فحش انداز میں مسکرایا۔

''آؤ شاہ خوباں......! باہر جاڑے کی چاندنی بکھری ہو گی۔ موسم شراب ہو گا۔ کیسی ہے تمہاری دُنیا......؟''

''آپ کیسے ہیں مسٹر شہروز......؟''

ڈاکٹر نے مہذب انداز میں پوچھا، لیکن شہروز نے ڈاکٹر کو اُٹھا کر بستر پر اُچھال دیا اور جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر کی کمر میں اس زور سے چوٹ لگی تھی کہ وہ بل کھا کر رہ گیا۔ کئی منٹ تک اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ پھر جب وہ سنبھلا تو باہر کی طرف دوڑا، لیکن شہروز کا دُور دُور تک پتا نہیں تھا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑے ڈاکٹر کے پاس پہنچا اور اسے تمام اطلاع دی۔

''اوہ......! تم نے اسے نکل جانے دیا۔''

''اس نے تشدد سے کام لیا جناب......! اس وقت میرے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ مؤنث کے صیغے میں بول رہا تھا اور قطعی وحشت کے عالم میں تھا۔''

''اُفوہ......! تم نے مجھے بڑی اُلجھن میں ڈال دیا۔ کتنے بڑے آدمی کا بیٹا ہے وہ، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اب کہاں تلاش کروں اسے......؟ خیر......! تم جاؤ۔''

بڑے ڈاکٹر نے موبائل نکالا اور نواب فاروق حسن کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆......☆......☆

لباس ہسپتال کا تھا، لیکن انداز میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس لئے کسی کو اس پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہسپتال سے بھاگا ہوا کوئی مریض ہے۔ ہسپتال سے تھوڑی دُور نکل کر اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اندر بیٹھ کر ایک پتہ بتا دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمارت کے نزدیک اُتر گیا جہاں اس کے دوسرے ساتھی موجود تھے۔ اب اس کے اندر دیوانگی کی کوئی کیفیت نہیں تھی، بس چہرے سے وہ تھکا تھکا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھی زنانہ لباس میں موجود تھے اور اسے دیکھ کر مؤدب ہو گئے تھے۔ لیکن آج اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔

''میرا لباس لاؤ......!''

اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

''کون سا اُستاد......؟ زنانہ یا مردانہ......؟''

''ایں......؟''

گل زادی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ پھر کسی قدر کرب بھرے انداز میں بولا۔

''ان دو لباسوں کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں ہوتا......؟''

''اور کون سا لباس ہوتا ہے اُستاد......؟''

''کوئی ایسا لباس جو ہم جیسوں کے لئے ہو۔ کیا ہم کچھ بھی نہیں ہیں......؟ اگر نہیں ہیں تو ہمارا وجود کیوں ہے......؟ ہمیں کسی ایک شکل میں کیوں رہنا پڑتا ہے......؟ ہماری کوئی الگ دُنیا کیوں نہیں ہے......؟ بولو......! ہماری دُنیا الگ کیوں نہیں ہے......؟''

''اللہ کی مرضی اُستاد......! جو میرا مولا بنا دے۔''

شازیہ تالیاں بجاتے ہوئے بولی یا بولا، اور گل زادی اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ دوسرے پر مارا، تالی کی آواز اُبھری، دوسری اور پھر تیسری بار اس نے تالی بجائی اور پھر مسکرا کر بولا۔

''زنانہ لباس لے آؤ......!''

''ابھی لائی اُستاد۔''

شازیہ نے کہا اور پھر وہ لباس لے آئی۔

''میرا میک اَپ کرو......!''

شہروز بولا اور مشاطائیں بال بال موتی پرونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد گل زادی جگمگانے لگا۔

''چلو ری......! رنگ جماؤ، ناچ دِکھاؤ۔''

گل زادی نے حکم دیا اور بڑے ہال میں محفل جم گئی۔ گل زادی گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ہیجڑے رقص کرنے لگے۔ گل زادی اس رقص میں پوری دِلچسپی لے رہا تھا۔ پھر وہ خود بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دو تین ٹھمکے لگائے اور دفعتہً ٹھٹک گیا، ساز رُک گئے، سب رُک کر گل زادی کو دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا اُستاد......؟"

شازیہ نے پوچھا۔

"ایں......؟ کچھ نہیں، کچھ نہیں......! بند کر دو سب کچھ۔ یہ...... یہ میں تو نہیں ہوں۔ یہ سب...... میرا لباس، میرا حلیہ، میں یہ تو نہیں ہوں۔"

"کیا طبیعت خراب ہے اُستاد......؟"

"نہیں......! میں ٹھیک ہوں۔"

گل زادی نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور اس ہال سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک مخصوص کمرے میں پہنچ گیا اور کمرے کا دروازہ اس نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ باتھ روم کا نل کھول کر اس نے چہرہ صاف کیا اور میک اَپ اُتار کر باہر نکل آیا اور ایک الماری سے مردانہ لباس نکال لیا۔ لباس پہن کر اس نے بغلی ہولسٹر میں پستول لگایا اور پھر باہر نکل آیا۔ عمارت کے گیراج سے اس نے ایک لمبی خوب صورت کار نکالی اور چل پڑا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر اس کا رُخ بندرگاہ کی طرف ہو گیا۔ بندرگاہ کے قریب ایک بدنام ترین ہوٹل کے سامنے اس نے کار روک دی۔ یہ ہوٹل کم اور منشیات کا اڈہ زیادہ تھا۔ اس اڈے کا مالک ضیغم خان تھا۔ ایک خودسر اور مغرور بدمعاش۔

گل زادی اندر داخل ہو گیا۔ ہوٹل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، لیکن گل زادی اصل جگہ سے واقف تھا۔ جس وقت وہ ضیغم خان کی مخصوص قسم کی نشست گاہ میں داخل ہوا، ضیغم اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک اجنبی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر سب چونک پڑے۔ یہاں کوئی اجنبی نہیں آ سکتا تھا۔ ضیغم خان نے بھنویں ٹیڑھی کر کے پوچھا۔

"یہ کون ہے......؟"

"خان......! یہ گل زادی ہے۔"

اور ضیغم خان کے ہاتھ سے شراب کا گلاس چھوٹ کر گر گیا۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیوں ضیغم خان......! کیسے مزاج ہیں......؟"

گل زادی نے کہا۔

"گل زادی اس طرح یہاں آ جائے گا، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"بہت بڑے بدمعاش ہو تم......! میرے بار ہا بلانے پر بھی تم میرے پاس نہیں آئے تو میں خود چلا آیا۔ ضیغم خان......! میں نے سوچا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان ایک فیصلہ کر لوں۔"

"فیصلہ ہو چکا ہے گل زادی......!"

ضیغم خان نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا۔

"کیا فیصلہ ہوا ہے......؟"

گل زادی نے پوچھا۔

"بس گل زادی......! تمہیں بڑا مان لیا ہے میں نے، جو کچھ طے کرو گے، پہنچایا جائے گا۔ مجھ میں تم سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"اب اس کا وقت گزر چکا ہے ضیغم خان......! اب یہ فیصلہ ہاتھوں سے ہو گا۔"

"ہاتھوں سے......؟"

"ہاں......! چاقو استعمال کرو گے یا پستول......؟ بولو......! ایک بات کا تمہیں یقین دلا دوں، تنہا آیا ہوں تمہارے اڈے پر، اس سے اچھا موقع تمہیں اور کوئی نہیں ملے گا۔"

"نہیں گل زادی......! ضیغم خان تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔"

"کیا بکواس کرتے ہو......؟ تمہیں مجھ سے لڑنا ہو گا، تم رہو گے یا میں۔ میں تم سے فیصلہ کرنے آیا ہوں۔"

"میں تمہارے حق میں دستبردار ہوتا ہوں گل زادی......! تم کہو گے تو میں چلا جاؤں گا یہاں سے۔"

"بکواس مت کرو......!"

شہروز کرب سے چیخا۔ ضیغم خان کا سر جھکا ہوا تھا۔ شہروز کرب کے عالم میں وہاں سے نکل گیا۔ اس کے حلق سے کربناک چیخیں نکل رہی تھیں۔

"آہ......! مجھ سے دُشمنی کرو، مجھے مارو، میں مرنا چاہتا ہوں۔ زندگی بے مقصد ہے میرے لئے، بے کیف ہے یہ زندگی جہاں دوست ہوں نہ دُشمن۔ کیا ہوں میں......؟ مجھے بتاؤ......! مجھے بتاؤ......!"

گاڑی اس نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ وہ چلتا رہا، گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر اس کا رُخ اسٹیشن کی طرف ہو گیا۔

☆......☆......☆

بوڑھے ہیجڑے نے اسے پُرجوش انداز میں بھینچ لیا

"آ گئی میری گل زادی......! بڑے دن کے بعد آئی ہے میری بچی......! کیسی ہے......؟ آنکھیں ترستی ہیں تیرے لئے، پوچھ لے کسی سے بھی۔ تو میری اولاد نہیں، مگر اولاد کی طرح چاہتی ہوں میں تجھے۔"

"میں آ گئی ہوں اماں......! ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آ گئی ہوں۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ میری یہی دُنیا ہے۔ اماں......! نہ جانے میں اب تک کہاں بھٹکتی رہی......؟"

شہروز نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ لیکن بوڑھے ہیجڑے کی آنکھوں میں خوشی کے طوفان اُمڈ رہے تھے۔ اس نے زور سے آوازیں لگائیں۔

"اری او شمع......! اری دُلاری......! کہاں ہیں سب کی سب......؟ تیاریاں کرو جشن منانے کی، دیگیں چڑھواؤ، باورچی بلاؤ۔ اے......! میری گل زادی آ گئی ہے اپنی اماں کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ جلدی کرو، سب کو خبر کرا دو۔ گل زادی اب یہیں رہے گی۔"

اور سب ہیجڑے جشن کی تیاریاں کرنے لگے۔ باورچی آیا اور دیگیں چڑھ گئیں۔ تین دن تک جشن برپا رہا۔ دُور دُور سے ناچنے گانے والیاں یا والے آنے لگے اور کمال دِکھانے لگے، دولت کمانے لگے۔ پھر بوڑھی اماں اسے لے کر سات پیروں کے مزار کی زیارت کو چل پڑیں۔ اس متبرک زیارت کے بغیر زندگی نامکمل رہتی تھی۔

☆......☆......☆

ایک طرف خوشیاں تھیں اور دوسری طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ شہروز غائب تو ہو جاتا تھا، مگر اس طرح کبھی غائب نہیں ہوا تھا۔ اس کے ڈاکٹر نے اس کی کیفیت کے تحت کہا تھا۔

''اس کا ذہن ہمیشہ کے لئے اُلٹ گیا ہے۔ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے......؟ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے فاروق صاحب۔''

لیکن فاروق حسن صاحب کا دل کہاں مانتا......؟ نہ جانے کیا کیا جتن کئے انہوں نے بیٹے کی تلاش کے لئے، لیکن شہروز کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدل گئے۔ لوگ اب شہروز کے عادی نہیں رہے تھے۔ لیکن ماں باپ کے دلوں میں زخم تازہ تھے اور زخم بھلا کہیں بھرتے ہیں......؟

سارہ کچھ عرصہ افسردہ رہی، پھر اس کی شادی ہوگئی۔

روکی سو فیصدی ارقم الدین بن گیا اور عالم پناہ، علی بن گئے تھے۔ محکمہ جاسوسی ختم کر کے انہوں نے اپنا بہترین کاروبار جما لیا تھا۔

زندگی حسب معمول تھی۔ کچھ بھی ہو جائے، کاروبارِ زندگی چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے۔ کچھ پھول پامال ہو جاتے ہیں اور بس کہ یہی تقدیر کے کھیل ہیں اور تقدیر ہمیشہ انوکھے کھیل کھیلتی ہے۔ وہ ہو جاتا ہے جو تصور میں بھی نہیں ہوتا۔

وقت اب بھی وہی ہے، دُنیا بھی وہی ہے، کچھ اُجڑ گئے، کچھ بن گئے۔

''شہروز'' اب ''گل زادی'' ہے۔

بوڑھی اماں کا انتقال ہو چکا ہے اور ہیجڑوں کی اس بستی میں ''گل زادی'' نامی ہیجڑا اب بھی رہتا ہے۔

کمزور، لاغر اور بیمار، ہر وقت ''کھوں، کھوں'' کرتا رہتا ہے۔

شاید اسے ٹی بی ہوگئی ہے۔

ناچتا ہے تو خون آنے لگتا ہے۔

لیکن اب پیسے کہاں سے آئیں کہ علاج ہو......؟

اور پھر علاج کی ضرورت بھی کیا ہے......؟

موت تو تقدیر ہے اور تقدیر سے کون لڑے......؟

ختم شد